

”فَلَوْلَا نَفَرْنَا مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لَيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ“..... (التوبة)
 ”قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ“..... (الحديث)

ارشاد المفتين

(جلد پنجم)

(بقیہ کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ)

فقیہ العصر، مفتی اعظم، شیخ الحدیث والتفسیر، ولی کامل

حضرت اقدس مفتی حمید اللہ جان صاحب نور اللہ مرقدہ

بانی جامعۃ الحمید لاہور

ناشر

مکتبہ الحسن

حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

﴿جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں﴾

نام کتاب:	ارشاد المفتین (جلد پنجم)
مجموعہ فتاویٰ جات:	حضرت اقدس مفتی حمید اللہ جان صاحب نور اللہ مرقدہ
باہتمام:	حضرت اقدس مفتی عارف اللہ خان صاحب
کمپوزنگ ترتیب و تہویب:	مفتی محمد حامد علی نقیسی
تصحیح و تخریج:	مفتیان و متخصصین جامعۃ الحمید لاہور
اشاعت اول:	فروری 2018ء
قیمت:	
ناشر:	مکتبہ الحسن حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
ملنے کے پتے!	

ضروری وضاحت:

اگرچہ انسانی وسعت کے مطابق کوشش کی گئی ہے کہ فتاویٰ ارشاد المفتین کی تصحیح و تخریج و کمپوزنگ میں کسی قسم کی لفظی غلطی نہ رہے، لیکن کبھی سہواً کوئی غلطی رہ جاتی ہے اگر کسی صاحب کو ایسی غلطی کا علم ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح ہو سکے، ادارہ آپ کے تعاون کا شکر گزار ہوگا۔ از مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط
ارشاد المفتين (جلد پنجم)

اجمالی فہرست

- | | | | |
|-------------------|-----|---|--------------------|
| | (۱) | ☆ | بقیہ کتاب الجمعة : |
| فی صلوة العیدین | (۲) | ☆ | الباب السادس عشر : |
| فی صلوة الجنائز | (۳) | ☆ | الباب السابع عشر : |
| فی متفرقات الصلوة | (۴) | ☆ | الباب الثامن عشر : |

(كتاب الزکوة)

- | | | | |
|-----------------------------|-----|---|----------------|
| فیمن تجب علیہ ومن لا تجب | (۱) | ☆ | الباب الاول : |
| وفیما تجب علیہ وفیما لا تجب | (۲) | ☆ | الباب الثاني : |
| فی مصارف الزکوة | | | |



تفصیلی فہرست فتاویٰ ارشاد المفتین (جلد پنجم)

30	عرض مرتب
----	----------

کتاب الصلوٰۃ

(بقیہ کتاب الجمعة)

صفحہ نمبر	عنوان مسئلہ	مسئلہ نمبر
33	سہوں والا ضلع گوجرانوالہ میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱)
34	دیہات میں نماز جمعہ کی فرضیت کی کیفیت:	مسئلہ نمبر (۲)
36	سات سو افراد والی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳)
37	گاؤں مرمنڈی ملتان میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴)
40	موضع ہلز کے قصور میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵)
41	مسجد کو چھوڑ کر مصلیٰ میں نماز جمعہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۶)
42	ایک خطبہ سے نماز جمعہ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟	مسئلہ نمبر (۷)
44	کیا جمعہ کا خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے؟	مسئلہ نمبر (۸)
45	چھوٹے دیہات میں اگر نماز جمعہ شروع ہو جائے تو اس کو بند کرنا ضروری ہے:	مسئلہ نمبر (۹)
46	گاؤں کوٹوا میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۰)
47	جمعہ کی رکعتوں کی ترتیب:	مسئلہ نمبر (۱۱)
48	گاؤں میں نماز جمعہ پر اصرار کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۲)
50	مارکیٹ کے کمرے کی مسجد میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۳)
52	جمعہ کے خطبہ سے پہلے سنتوں کے لیے وقت دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۴)

53	گاؤں والے جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں گے:	مسئلہ نمبر (۱۵)
54	نئی مسجد میں جمعہ شروع ہونے کی وجہ سے پرانے جمعہ کو بند نہیں کیا جائے گا:	مسئلہ نمبر (۱۶)
56	جس جگہ شرائط جمعہ نہ پائی جاتی ہوں وہاں ظہر کی ادائیگی فرض ہے:	مسئلہ نمبر (۱۷)
57	250 افراد والی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۸)
58	قبل از زوال خطبہ جمعہ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۹)
59	روہیلہ میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۰)
60	ساتھ گھروں والی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۱)
61	ایک شہر میں نکشیر جمعہ خلاف سنت ہے:	مسئلہ نمبر (۲۲)
62	شہر کھیڑہ سے پون کلومیٹر دور مسجد میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۳)
63	سوگھروں پر مشتمل بستی میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۴)
64	شہر سے 33 کلومیٹر دور فیکٹری میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۵)
66	شہر سے 4 کلومیٹر دور بستی میں نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۶)
67	جس گاؤں میں اٹھارہ دوکانیں ہوں اس میں نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۷)
67	شہر سے متصل آبادی کی مسجد میں نماز جمعہ جائز ہے:	مسئلہ نمبر (۲۸)
68	900 افراد والے گاؤں میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۹)
69	رنگپور اڈہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۰)
70	جیل میں نماز جمعہ و عیدین ادا کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۱)
71	گاؤں مالی سنگھ اوکاڑہ میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۲)
72	اڑھائی سو گھروں پر مشتمل بستی میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۳)
74	پندرہ سو والی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۴)
75	فوج کی ورکشاپ میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۵)
76	تار محمد خان غزنی خیل میں نماز جمعہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۶)

الباب السادس عشر فی صلوٰۃ العیدین

78	نماز عید میں اگر تکبیرات بھول جائیں تو کیا حکم ہے؟	مسئلہ نمبر (۳۷)
78	عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے یا بعد میں کھانا کھانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۸)
79	عید الاضحیٰ کو جاتے ہوئے تکبیرات کہنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۹)
80	عید کی نماز سے پہلے نفل نماز پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۰)
80	عید الفطر کی نماز سے پہلے میٹھی چیز کھانا:	مسئلہ نمبر (۴۱)
81	عید کی نماز سے واپسی پر نفل پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۲)
81	فجر کی نماز نہ پڑھنے کی صورت میں نماز عید کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۳)
82	تکبیرات عیدین اور دعائے قنوت میں فرق:	مسئلہ نمبر (۴۴)
83	نماز عید کے بعد دعا کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۵)
84	مقررہ امام کی اجازت کے بغیر کسی اور کا نماز عید پڑھانا:	مسئلہ نمبر (۴۶)
84	عورتوں کا نماز عید فرداً فرداً پڑھنا:	مسئلہ نمبر (۴۷)
85	جو شرائط جمعہ کے لیے ہیں وہی عیدین کے لیے بھی ہیں:	مسئلہ نمبر (۴۸)
86	بڑی جامع مسجد میں نماز عید ادا کرنا:	مسئلہ نمبر (۴۹)
87	صحت جمعہ اور عیدین کا مدار آبادی پر نہیں:	مسئلہ نمبر (۵۰)
88	تکبیرات تشریق واجب ہیں:	مسئلہ نمبر (۵۱)
88	جہاں جمعہ جائز نہیں وہاں عیدین بھی جائز نہیں:	مسئلہ نمبر (۵۲)
89	گاؤں میں عید کی نماز کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۳)
90	شرائط معدوم ہونے کی وجہ سے جمعہ و عیدین پڑھنا جائز نہیں:	مسئلہ نمبر (۵۴)
91	تکبیرات عیدین سے متعلق بعض مسائل:	مسئلہ نمبر (۵۵)
92	تین مساجد والے قصبے میں نماز جمعہ و عیدین کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۶)
93	گاؤں والوں پر شہر میں جا کر نماز جمعہ و عیدین پڑھنا فرض نہیں:	مسئلہ نمبر (۵۷)

95	عیدین کے خطبہ کے بعد دعائے تگنا:	مسئلہ نمبر (۵۸)
96	تکبیرات التشریق فی القرئی:	مسئلہ نمبر (۵۹)
108	تکبیرات تشریق فی القرئی کا حکم:	مسئلہ نمبر (۶۰)
112	نماز عید میں سہو ہو جائے تو کیا حکم ہے؟	مسئلہ نمبر (۶۱)
113	عید کی نماز پڑھنے والا اگر امام کو رکوع میں پائے تو کیا کرے؟	مسئلہ نمبر (۶۲)
113	خطبہ عید کے بعد دعائے تگنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۶۳)
115	کیا تکبیرات تشریق مسبوق پر بھی واجب ہیں؟	مسئلہ نمبر (۶۴)
115	دعا بعد صلوٰۃ العید کا حدیث مبارکہ سے ثبوت:	مسئلہ نمبر (۶۵)
116	ناپاک جگہ کو پاک کر کے وہاں نماز عید پڑھی جائے:	مسئلہ نمبر (۶۶)
117	جس بستی میں جمعہ جائز نہیں وہاں نماز عید بھی جائز نہیں ہے:	مسئلہ نمبر (۶۷)
118	تکبیرات عیدین میں فاصلہ اور ان میں سہو کا حکم:	مسئلہ نمبر (۶۸)
118	عید گاہ نہ ہو تو مسجد میں عید کی نماز کروانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۶۹)
119	گاؤں والے لوگ مصر یا ناء مصر میں جا کر عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں:	مسئلہ نمبر (۷۰)
121	گاؤں میں عید کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے:	مسئلہ نمبر (۷۱)
122	عید گاہ کے ہوتے ہوئے مسجد میں نماز عید ادا کرنا خلاف سنت ہے:	مسئلہ نمبر (۷۲)
123	تکبیرات تشریق کا شرعی ثبوت:	مسئلہ نمبر (۷۳)
125	سورج گرہن کے وقت کیا کرنا چاہیے؟	مسئلہ نمبر (۷۴)
126	نماز استسقاء دو رکعت باجماعت مسنون ہے:	مسئلہ نمبر (۷۵)

الباب السابع عشر فی صلوٰۃ الجنائز

127	دعا بعد الجنازة کا حکم:	مسئلہ نمبر (۷۶)
128	غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۷۷)
129	نماز جنازہ کے ارکان:	مسئلہ نمبر (۷۸)

129	نماز جنازہ میں درود ابراہیمی کا حکم:	مسئلہ نمبر (۷۹)
130	متحدہ مٹیوں پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۸۰)
131	عورتوں کا قبرستان جانا:	مسئلہ نمبر (۸۱)
132	توجیہ القبلة فی القبر:	مسئلہ نمبر (۸۲)
134	نماز جنازہ کے لیے تیمم کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۸۳)
135	کافر کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۸۳)
136	کافر کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۸۵)
137	قریب المرگ آدمی کو پورا کلمہ پڑھانا چاہیے:	مسئلہ نمبر (۸۶)
137	میت کو غسل دینا مسلمانوں پر واجب ہے:	مسئلہ نمبر (۸۷)
139	نابالغ بچی کو غسل کون دے گا:	مسئلہ نمبر (۸۸)
139	غیر محرم میت کا چہرہ دیکھنا:	مسئلہ نمبر (۸۹)
140	ذفن سے پہلے میت کا چہرہ دیکھنا:	مسئلہ نمبر (۹۰)
140	جنازہ لے جانے کا مسنون طریقہ:	مسئلہ نمبر (۹۱)
142	جنازہ لے جاتے وقت راستے میں منزلیں طے کر لینا:	مسئلہ نمبر (۹۲)
143	جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر اور تلاوت کرنا:	مسئلہ نمبر (۹۳)
144	میت کو لے جاتے وقت نعرے لگانا:	مسئلہ نمبر (۹۴)
145	نماز جنازہ اور نماز عصر کا ایک وقت میں جمع ہونا:	مسئلہ نمبر (۹۵)
146	نماز جنازہ میں ثناء میں "رجل ثناک" پڑھا جائے گا:	مسئلہ نمبر (۹۶)
147	نماز جنازہ میں تکبیرات فرض ہیں:	مسئلہ نمبر (۹۷)
147	نماز جنازہ میں تکبیرات ہو جانے کے بعد شامل ہونے والا کیا کرے؟	مسئلہ نمبر (۹۸)
148	نماز جنازہ کی دعاء یاد نہ ہو:	مسئلہ نمبر (۹۹)
149	حیلہ اسقاط کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۰۰)

150	خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ:	مسئلہ نمبر (۱۰۱)
151	میت کے لیے قبل از غسل تلاوت کرنا:	مسئلہ نمبر (۱۰۲)
152	قبر پر اذان دینا:	مسئلہ نمبر (۱۰۳)
152	قبر کے لیے تحفیر اور تعمیق ضروری ہے:	مسئلہ نمبر (۱۰۴)
156	حیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت:	مسئلہ نمبر (۱۰۵)
156	میت کو غیر مسلم سمجھ کر اس کی لاش جلانے کے بعد نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۰۶)
157	نماز جنازہ کو جمعہ و ظہر، مغرب، عشاء کے سنتوں پر مقدم کرنا:	مسئلہ نمبر (۱۰۷)
158	غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۰۸)
158	پرانی قبر پر عمارت بنانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۰۹)
159	مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۱۰)
160	قریب المرگ کے پاس چٹنی اور حائفہ حاضر ہو سکتے ہیں:	مسئلہ نمبر (۱۱۱)
160	میت پر رونے کی شرعی حد:	مسئلہ نمبر (۱۱۲)
161	میت کے بال کاٹنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۱۳)
162	حظمی، حنوط اور کافور کا بیان:	مسئلہ نمبر (۱۱۴)
162	نوت شدگی کا اعلان کرنا:	مسئلہ نمبر (۱۱۵)
163	میت کو غسل دینے کے بعد اسے تویہ سے خشک کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۱۶)
164	میت کو قبر میں رکھتے وقت اذان اور سورۃ ایس وغیرہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۱۷)
164	بوقت ضرورت قبروں پر سختی لگانا:	مسئلہ نمبر (۱۱۸)
165	خاوند فوت شدہ بیوی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟	مسئلہ نمبر (۱۱۹)
166	خاوند بیوی کے جنازے کو کندھا دے سکتا ہے:	مسئلہ نمبر (۱۲۰)
167	جو تاہن کر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۲۱)
167	دعاء بعد از نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۲۲)

172	شیعہ کے جنازے میں شرکت کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۲۳)
173	جنازہ میں عورت کی چار پائی پر گوارہ بنانے کی شرعی حیثیت:	مسئلہ نمبر (۱۲۴)
175	میت کو غسل دینے کے لیے گڑھا کس رخ پر کھودا جائے؟	مسئلہ نمبر (۱۲۵)
175	کیا ایک سیڈنٹ میں مرنے والا شہید ہے؟	مسئلہ نمبر (۱۲۶)
176	غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۲۷)
176	بھٹی ہوئی نعش اور آدھے جسم پر نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۲۸)
178	میت کو غسل دیتے وقت درد کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۲۹)
178	تعزیت کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۳۰)
179	خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۳۱)
180	رافضی کا جنازہ پڑھنے کے بعد علم ہو تو کیا حکم ہے؟	مسئلہ نمبر (۱۳۲)
180	کیا میاں بیوی ایک دوسرے کی میت کو غسل دے سکتے ہیں؟	مسئلہ نمبر (۱۳۳)
181	قاتل اور خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۳۴)
182	کیا اسلام میں قبر کو پکا کرنے کی اجازت ہے؟	مسئلہ نمبر (۱۳۵)
184	موجودہ دور میں نماز جنازہ میں ہونے والی کوتاہیوں کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۳۶)
186	مسجد کی حدود سے باہر میت رکھ کر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۳۷)
187	پیدائشی پاگل بالغ کی نماز جنازہ نابالغ والی ہوگی:	مسئلہ نمبر (۱۳۸)
187	قبر پر لکھائی کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۳۹)
189	اولاد کے بعد میت کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۴۰)
191	فاسق نے نماز جنازہ پڑھائی تو وہ ادا ہوگی:	مسئلہ نمبر (۱۴۱)
193	جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۴۲)
194	اگر میت ایک سے زائد ہوں تو نماز جنازہ الگ الگ پڑھنا بہتر ہے:	مسئلہ نمبر (۱۴۳)
195	تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۴۴)

197	قبرستان کے راستے سے گزرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۴۵)
197	جنازہ میں دوسری مرتبہ شرکت کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۴۶)
198	زوجین میں سے اگر ایک فوت ہو جائے تو کیا دوسرا اس کو دیکھ سکتا ہے؟	مسئلہ نمبر (۱۴۷)
199	قبر کو پکا کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۴۸)
200	میت کو تابوت میں دفن کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۴۹)
200	عورتوں کا قبرستان میں جانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۵۰)
202	قادیانی کا جنازہ لاعلمی میں پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۵۱)
203	تعزیت کتنے دن تک کی جاسکتی ہے؟	مسئلہ نمبر (۱۵۲)
205	نماز جنازہ کی تکبیریں اگر رہ جائیں تو کیا کرے؟	مسئلہ نمبر (۱۵۳)
207	نماز جنازہ کے فوراً بعد دعا کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۵۴)
210	گھر میں دفن اور متعین شخص کے نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۵۵)
211	زیارت قبور کا مستنون طریقہ:	مسئلہ نمبر (۱۵۶)
212	دو میتوں کا جنازہ اکٹھا پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۵۷)
212	مرد اور عورت کے کفن کے کپڑے اور ان کے نام:	مسئلہ نمبر (۱۵۸)
213	دفن سے پہلے میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۵۹)
214	دور اور حیلہ اسقاط کا شرعی حکم:	مسئلہ نمبر (۱۶۰)
218	پرانی قبروں کو منہدم کر کے نئی قبریں بنانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۶۱)
219	جنازہ اٹھاتے وقت کلمہ طیبہ کا بلند آواز سے ذکر کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۶۲)
220	پرانی قبرستان کو ختم کر کے مسجد بنانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۶۳)
221	عہد اگر نماز جنازہ میں پانچویں تکبیر کہہ دی تو نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۶۴)
222	نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کی کیفیت:	مسئلہ نمبر (۱۶۵)
223	قبر کے پاس قرآن پاک اٹھا کر تلاوت کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۶۶)

224	میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا کب درست ہے؟	مسئلہ نمبر (۱۶۷)
225	میت کو دو بار غسل دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۶۸)
226	قرآن وحدیث سے حیلہ اسقاط کا ثبوت اور حکم:	مسئلہ نمبر (۱۶۹)
230	قبر میں میت کے نیچے چٹائی بچھانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۷۰)
231	کیا عالم دین کی والدہ کا جنازہ دوسرا آدمی پڑھا سکتا ہے؟	مسئلہ نمبر (۱۷۱)
232	جنازہ پڑھنے کے بعد میت کا چہرہ دیکھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۷۲)
232	شیعہ کی شرکت سے نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۷۳)
233	کیا نماز جنازہ کے لیے جماعت کا ہونا ضروری ہے؟	مسئلہ نمبر (۱۷۴)
234	نماز جنازہ کی ثناء میں "جل ثناؤک" پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۷۵)
235	حیلہ اسقاط کا شرعی طریقہ اور حکم:	مسئلہ نمبر (۱۷۶)
236	سرکاری زمین پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۷۷)
237	جنازہ گاہ چھوٹی ہو تو مسجد میں جنازہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۷۸)
238	قبر پر کتبہ لگانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۷۹)
238	خفتی کی نماز جنازہ کی نیت:	مسئلہ نمبر (۱۸۰)
239	کراچی میں فوت شدہ آدمی کی میت کو آبائی گاؤں لانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۸۱)
239	شہید کی عاتبانہ نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۸۲)
240	مجبوراً شیعہ کا جنازہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۸۳)
241	مرزائی کا نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۸۴)
242	قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۸۵)
243	قرآن مجید کے پھٹے ہوئے اوراق کو قبر میں دفن کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۸۶)
243	خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۸۷)
244	زندگی میں اپنے لیے کفن خریدنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۸۸)

245	کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۸۹)
245	کفن کس رنگ کا ہونا چاہیے؟	مسئلہ نمبر (۱۹۰)
246	جو بچہ ماں کے پیٹ میں مر جائے اس کے کفن اور غسل کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۹۱)
247	میت کو دفنانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعائے مانگنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۹۲)
249	جنازہ لانا اور میں پڑھ کر آبائی گاؤں میں دفنانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۹۳)
249	کیا امانتہ دفن کرنا صحیح ہے یا نہیں؟	مسئلہ نمبر (۱۹۴)
252	کسی کی وفات پر مارکیٹ کو زبردستی بند کروانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۹۵)
253	میت کو دفنانے کے بعد قبر پر اذان کہنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۹۶)
254	قبر کے پاس دعا کرتے وقت رخ کس طرف ہونا چاہیے؟	مسئلہ نمبر (۱۹۷)
255	دفن کے بعد سورۃ البقرۃ کی ابتدائی اور اختتامی آیات پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۱۹۸)
257	کیا شیعہ کے جناز میں شریک ہونے سے تجہید ایمان اور تجہید نکاح ضروری ہے؟	مسئلہ نمبر (۱۹۹)
257	اگر امام بھول کر پانچویں تکبیر کہہ دے تو مقتدی کیا کرے؟	مسئلہ نمبر (۲۰۰)
258	تعزیت صرف ایک ہی دفعہ کافی ہے:	مسئلہ نمبر (۲۰۱)
259	اگر لاش گل سڑ جائے یا پھٹ جائے تو نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۰۲)
259	بغیر کسی عذر کے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۰۳)
260	اپنے آپ کو آگ لگانے کے پانچ دن بعد وفات پانے والے کی نماز جنازہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۰۴)
261	میت کے نیچے قبر میں مصلے اور روئی بچھانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۰۵)
262	علم کے باوجود قادیانی کی نماز جنازہ پڑھانا:	مسئلہ نمبر (۲۰۶)
262	کیا مسجد میں نماز جنازہ ہو سکتا ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۰۷)
263	نماز جنازہ میں تکرار کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۰۸)
264	مخالطہ میں قادیانی کا نماز جنازہ پڑھانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۰۹)
266	میت کے چہرے کو دیکھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۱۰)

266	کیا طہارت نماز جنازہ کے لیے شرط ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۱۱)
270	میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا:	مسئلہ نمبر (۲۱۲)

الباب الثامن عشر فی متفرقات الصلوٰۃ

272	عند الاحناف عبداللہ بن مسعود والی قنوت افضل ہے:	مسئلہ نمبر (۲۱۳)
274	مصلے کے سامنے گھڑی رکھنے سے نماز کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۱۴)
274	مسجد کی سامنے والی دیوار میں شیشہ لگانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۱۵)
275	مبتدع شخص کو امام بنانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۱۶)
277	سجدہ سہو واجب تھا نہ کیا تو کیا حکم ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۱۷)
278	رمضان کی تیسویں شب میں سورۃ العنکبوت اور سورۃ الروم مٹھائی پر دم کرنا:	مسئلہ نمبر (۲۱۸)
279	درمیان سورت سے کوئی لفظ چھوڑ دینے سے نماز کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۱۹)
280	اگر وطن اصلی کو مستقل نہیں چھوڑا تو وہاں پوری نماز پڑھیں گے:	مسئلہ نمبر (۲۲۰)
281	فسق سے توبہ کے بعد امامت جائز ہے:	مسئلہ نمبر (۲۲۱)
283	گناہ سے توبہ کے بعد امامت کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۲۲)
284	جعل سازی اور دھوکہ دہی کرنے والے کی امامت کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۲۳)
285	مجرے میں شریک ہونے والے کی امامت:	مسئلہ نمبر (۲۲۴)
286	لا علمی میں قرآن پاک کو جلانے والے کی امامت:	مسئلہ نمبر (۲۲۵)
286	خیانت اور حرام خوری کرنے والے کی امامت:	مسئلہ نمبر (۲۲۶)
288	نماز پڑھتے ہوئے سورج طلوع یا غروب ہو جائے تو نماز کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۲۷)
289	پندرہ سالہ لڑکے کا تراویح پڑھانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۲۸)
290	شیعہ پر شمار کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۲۹)
292	فجر کی نماز کے بعد سونے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۳۰)
292	نماز نہ پڑھنے پر بیوی کو سزا دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۳۱)

293	نمازی کے لیے مسجد کی ٹوپوں کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۳۲)
293	مرد اور عورت کی نماز میں فرق:	مسئلہ نمبر (۲۳۳)
295	نماز کا لفظی معنی و مقصد:	مسئلہ نمبر (۲۳۴)
296	والدین کے پکارنے پر نماز توڑنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۳۵)
297	نماز کے لیے شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۳۶)
298	نماز میں آستین کہنیوں تک چڑھانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۳۷)
298	نماز کے لیے جگہ مخصوص کرنے سے وہ مسجد شرعی نہیں بنتی:	مسئلہ نمبر (۲۳۸)
301	ایک رکعت وتر پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۳۹)
304	نماز کے چند متفرق مسائل:	مسئلہ نمبر (۲۴۰)
306	امام کی غیر موجودگی میں دوسرے شخص کی امامت کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۴۱)
307	نکاح پر نکاح پڑھانے والے کی امامت کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۴۲)
308	بیت اللہ اور مسجد نبوی کے ماڈل کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۴۳)
310	صرف رمضان المبارک میں ڈاڑھی رکھنے والے کی امامت کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۴۴)
311	غیر محرم کے ساتھ خلوت کرنے والے کی امامت:	مسئلہ نمبر (۲۴۵)
312	نائیلون یا کھجور کی ٹوپوں میں نماز پڑھنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۴۶)
313	ٹرانسپورٹ کمپنی کے ڈرائیور کے لیے نماز قصر کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۴۷)
315	ناجائز قبضہ کرنے والے کی امامت کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۴۸)
316	فرض نماز کے بعد دعا اور مصافحہ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۴۹)
317	سہواً پانچویں رکعت میں کھڑے ہونے والے کی نماز کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۵۰)
319	دو صفوں کے درمیان اگر 40 فٹ کا فاصلہ ہو تو اقتداء کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۵۱)
320	”لھم مغفروۃ“ کی جگہ ”لھم عذاب شدید“ پڑھنے والے کی نماز کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۵۲)
321	گالم گلوچ کرنے والے کی امامت کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۵۳)

کتاب الزکوٰۃ

الباب الاول فیمن تجب علیہ ومن لاتجب و فیما تجب علیہ و فیما لاتجب

326	مدارس کے مال پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۵۳)
326	مسئلہ زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۵۵)
327	مہر کی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۵۶)
328	جو مہر ابھی وصول نہ کیا ہو اس کی زکوٰۃ عورت کے ذمہ نہیں ہے:	مسئلہ نمبر (۲۵۷)
328	بیوی صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۵۸)
329	زیورات پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۵۹)
329	مال مخلوط میں زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۶۰)
330	سوروپے پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۶۱)
331	قرض پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۶۲)
332	وراثت میں ملنے والے مکان پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۶۳)
333	لمز یونیورسٹی پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۶۳)
334	زکوٰۃ کی شرعی حیثیت:	مسئلہ نمبر (۲۶۵)
335	صاحب نصاب کس کو کہتے ہیں؟	مسئلہ نمبر (۲۶۶)
336	صاحب نصاب کا ذاتی مکان نہیں تو زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۶۷)
337	رہائشی اور کرایہ کے مکان پر زکوٰۃ نہیں:	مسئلہ نمبر (۲۶۸)
337	سامان اور سواری والی گاڑی پر زکوٰۃ نہیں ہے:	مسئلہ نمبر (۲۶۹)
338	وجوب زکوٰۃ کے لئے مال نامی بقدر نصاب پر سال گزرنا شرط ہے:	مسئلہ نمبر (۲۷۰)
339	حلال و حرام مخلوط مال میں زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۷۱)
340	کتابوں پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۷۲)

341	زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نیت:	مسئلہ نمبر (۲۷۳)
342	فرنیچر، کپڑوں، دکان کے کرایہ اور گاڑی کی آمدنی پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟	مسئلہ نمبر (۲۷۴)
343	کسی گاڑی کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی:	مسئلہ نمبر (۲۷۵)
343	غلطی سے زکوٰۃ غیر مستحق کو دے دی تو ادا ہوئی یا نہیں؟	مسئلہ نمبر (۲۷۶)
344	زکوٰۃ صرف پانچ چیزوں پر ہے:	مسئلہ نمبر (۲۷۷)
345	تملیک کا معنی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ:	مسئلہ نمبر (۲۷۸)
346	کسی مدرسہ کو بطور قرض دی گئی رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہے:	مسئلہ نمبر (۲۷۹)
347	مقروض کا قرض اگر پاس موجودہ رقم سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی:	مسئلہ نمبر (۲۸۰)
347	قرض کی ادائیگی کے بعد مال بقدر نصاب نہ ہو:	مسئلہ نمبر (۲۸۱)
348	میاں بیوی میں سے زیورات جس کی ملکیت بھی جائے زکوٰۃ اسی پر واجب ہے:	مسئلہ نمبر (۲۸۲)
349	زکوٰۃ مقروض کے ذمہ ہے یا قرض خواہ کے ذمہ؟	مسئلہ نمبر (۲۸۳)
350	گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ:	مسئلہ نمبر (۲۸۴)
351	قرض دینے کے بعد قرض خواہ صاحب نصاب ہو جائے تو زکوٰۃ ادا کرے گا:	مسئلہ نمبر (۲۸۵)
352	نصاب سے کم زیورات اور اس کے ساتھ نقدی پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۸۶)
352	زکوٰۃ کے نصاب کا بیان:	مسئلہ نمبر (۲۸۷)
353	مال تجارت میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی کیسے ہوگی؟	مسئلہ نمبر (۲۸۸)
354	نصاب کے بقدر رکھی گئی رقم پر ایک دفعہ زکوٰۃ ہے یا اگلے سال بھی ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۸۹)
355	کئی سالوں سے رکھے ہوئے سونے پر واجب زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ:	مسئلہ نمبر (۲۹۰)
355	قرض کی رقم اگر قسطوں میں وصول ہو تو زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے:	مسئلہ نمبر (۲۹۱)
356	کمرشل بلڈنگ کی قیمت پر زکوٰۃ ہے یا کرایہ پر ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۹۲)
356	مدارس میں زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۹۳)
357	کرایہ پردی ہوئی گاڑیوں سے حاصل ہونے والی آمدن پر زکوٰۃ ہے:	مسئلہ نمبر (۲۹۴)

358	ربائشی پلاس پر زکوٰۃ نہیں ہے:	مسئلہ نمبر (۲۹۵)
359	مشینری اور اس کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے:	مسئلہ نمبر (۲۹۶)
360	زکوٰۃ صرف رأس المال پر ہے یا اس سے حاصل شدہ نفع پر بھی ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۹۷)
361	قرض خواہ کو اپنا قرض ملنے پر اس کی زکوٰۃ دینا ضروری ہے:	مسئلہ نمبر (۲۹۸)
362	میت کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۹۹)
363	زیورات میں زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۰۰)
364	یتیم و نابالغ کے مال میں زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۰۱)
365	نصاب سے زائد سونے کی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے؟	مسئلہ نمبر (۳۰۲)
366	والد کی دولت سے بالغ اولاد غنی نہیں ہوتی:	مسئلہ نمبر (۳۰۳)
367	گروی میں رکھی ہوئی چیز پر زکوٰۃ واجب نہیں:	مسئلہ نمبر (۳۰۴)
367	فوٹوشیٹ مشین پر زکوٰۃ نہیں اس کی آمدنی پر ہے:	مسئلہ نمبر (۳۰۵)
368	مدرسے کا چندہ نصاب سے زائد ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟	مسئلہ نمبر (۳۰۶)
369	ادائیگی قرض کے بعد گھر میں موجود مال کی زکوٰۃ نکالنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۰۷)
369	زکوٰۃ مال تجارت پر واجب ہوتی ہے آلات تجارت پر نہیں:	مسئلہ نمبر (۳۰۸)
370	زکوٰۃ کی ادائیگی اصل مال پر ہے یا اس سے حاصل ہونے والے نفع پر؟	مسئلہ نمبر (۳۰۹)
370	صاحب نصاب آدمی پر بیوی کا مہر ادا کرنا باقی ہے تو کیا زکوٰۃ ادا کریگا یا نہیں؟	مسئلہ نمبر (۳۱۰)
371	اگر قرض مکمل مال پر محیط ہو تو آدمی صاحب نصاب نہیں رہتا:	مسئلہ نمبر (۳۱۱)
371	مال سے الگ کی گئی واجب الاداء زکوٰۃ چوری ہو جائے تو کیا حکم ہے؟	مسئلہ نمبر (۳۱۲)
372	گمشدہ رقم کو زکوٰۃ میں سے علیحدہ نہیں کر سکتے:	مسئلہ نمبر (۳۱۳)
372	رہن و وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے:	مسئلہ نمبر (۳۱۴)
374	دیوانے پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟	مسئلہ نمبر (۳۱۵)
374	حوائج اصلیہ سے زائد سامان اور سونے کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۱۶)

375	بقدر نصاب یا اس سے زائد سونے پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا ایک مسئلہ:	مسئلہ نمبر (۳۱۷)
376	عورت کو جہیز میں ملنے والے سونے پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۱۸)
377	کسی کو بطور قرض حسد دی گئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۱۹)
378	کچھ سونا چاندی اور سامان پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۲۰)
379	تجارتی پلاٹ پر زکوٰۃ واجب ہے:	مسئلہ نمبر (۳۲۱)
381	مکان کی خریداری کے لیے جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۲۲)
381	زکوٰۃ سونے کی قیمت خرید پر ہے یا قیمت فروخت پر؟	مسئلہ نمبر (۳۲۳)
382	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا مسئلہ:	مسئلہ نمبر (۳۲۴)
382	زکوٰۃ کا ایک مسئلہ:	مسئلہ نمبر (۳۲۵)
383	مقروض کے ملکیتی سونے پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۲۶)
384	گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ اور حوائج اصلیه پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۲۷)
385	صرف سات تولہ سونا اور بچیوں کے لیے بنائے گئے زیور پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۲۸)
386	مختلف اسوال پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۲۹)
387	ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۳۰)
387	تنخواہ اگر نا کافی ہو تو مال زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگی:	مسئلہ نمبر (۳۳۱)
388	زکوٰۃ کے متفرق مسائل:	مسئلہ نمبر (۳۳۲)
390	قرضہ کو الگ کر کے باقی رقم پر زکوٰۃ واجب ہے:	مسئلہ نمبر (۳۳۳)
392	قومی رفاہی فنڈ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے:	مسئلہ نمبر (۳۳۴)
393	تعمیر دوکان کا ایک طریقہ اور اس پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۳۵)
394	کیا سودی کاروبار والا آدمی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے؟	مسئلہ نمبر (۳۳۶)
395	ایک تولہ سونا اور کچھ رقم ہو تو زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۳۷)
396	پلاٹ اگر بیچنے کی نیت سے خریدا تو اس پر زکوٰۃ لازم ہے:	مسئلہ نمبر (۳۳۸)

397	پلاٹ خریدتے وقت اگر تجارت کی نیت نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے:	مسئلہ نمبر (۳۳۹)
398	مکان کا کرایہ اگر ضروریات میں خرچ ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے:	مسئلہ نمبر (۳۴۰)
399	پلاٹوں پر ہر سال زکوٰۃ ہوگی یا بوقت فروخت؟	مسئلہ نمبر (۳۴۱)
401	بیٹی کے جہیز کے لیے خریدے گئے سونے پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۴۲)
402	مال تجارت نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ لازم ہے:	مسئلہ نمبر (۳۴۳)
403	و جب زکوٰۃ میں سونے کا اعتبار ہوگا یا چاندی کا؟	مسئلہ نمبر (۳۴۴)
403	زکوٰۃ میں قیمت خرید کا اعتبار ہوگا یا قیمت فروخت کا؟	مسئلہ نمبر (۳۴۵)
405	نقدی اور مال تجارت پر سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہے:	مسئلہ نمبر (۳۴۶)
407	پلاٹ پر زکوٰۃ میں نیت کا اعتبار ہوگا:	مسئلہ نمبر (۳۴۷)
408	پلاٹ خریدتے وقت بیچنے کی نیت تھی تو زکوٰۃ لازم ہے:	مسئلہ نمبر (۳۴۸)
408	کرایہ کے گھر اور گاڑی پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۴۹)
410	جو زیورات عورت پہنتی ہو اس پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۵۰)
411	جو پلاٹ فروخت کی نیت سے خریدا ہو اس پر زکوٰۃ ہے:	مسئلہ نمبر (۳۵۱)
412	مال تجارت پر زکوٰۃ قیمت فروخت پر ہوگی:	مسئلہ نمبر (۳۵۲)
414	مستقبل کی ضروریات کے لیے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۵۳)
415	زکوٰۃ کے حساب میں اعتبار قیمت فروخت کا ہوگا:	مسئلہ نمبر (۳۵۴)
415	خام مال کی مارکیٹ قیمت پر زکوٰۃ لازم ہے:	مسئلہ نمبر (۳۵۵)
416	ڈسپنری کی دواؤں پر مارکیٹ ریٹ کے اعتبار سے زکوٰۃ ہوگی:	مسئلہ نمبر (۳۵۶)
417	زکوٰۃ کا نصاب مکمل ہو تو قربانی بھی واجب ہے:	مسئلہ نمبر (۳۵۷)
418	کیا دو ہزار اور دو تولہ سونے کے مالک پر زکوٰۃ ہے؟	مسئلہ نمبر (۳۵۸)
420	ادائیگی زکوٰۃ میں تاخیر کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۵۹)
421	مریض کی طرف سے زکوٰۃ کی رقم ادا کرنا:	مسئلہ نمبر (۳۶۰)

422	زکوٰۃ کے فرض ہونے کی شرائط:	مسئلہ نمبر (۳۶۱)
423	قمری سال پورا ہونے پر زکوٰۃ لازم ہے:	مسئلہ نمبر (۳۶۲)
424	گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی لازم ہے:	مسئلہ نمبر (۳۶۳)
426	والد بیٹے کے مال سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے:	مسئلہ نمبر (۳۶۴)
427	بیٹیوں کے لیے رکھے گئے سونے پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۶۵)
428	مسجد کے نام پر رکھی گئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۶۶)
428	سونا اور نقدی اگر نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہے:	مسئلہ نمبر (۳۶۷)
429	جس عورت کے پاس نقدی اور سونا ہو اس پر زکوٰۃ و قربانی دونوں واجب ہیں:	مسئلہ نمبر (۳۶۸)
431	پلاٹ اگر تجارت کی نیت سے نہ خریدا ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے:	مسئلہ نمبر (۳۶۹)
434	ممکن الوصول رقم کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی:	مسئلہ نمبر (۳۷۰)
435	موہوبہ چیز پر اگر قبضہ دے دیا تو اس کی زکوٰۃ موہوب لدا کرے گا:	مسئلہ نمبر (۳۷۱)
437	رہائشی پلاٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے:	مسئلہ نمبر (۳۷۲)
437	وجوب زکوٰۃ کے لیے نصاب پر سال گزرنا شرط ہے:	مسئلہ نمبر (۳۷۳)
438	قرض دہندہ پر بھی زکوٰۃ واجب ہے:	مسئلہ نمبر (۳۷۴)
439	زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیلہ کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۷۵)
440	جی پی فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۷۶)
441	سونا اور چاندی پر زکوٰۃ پر شبہ کا جواب:	مسئلہ نمبر (۳۷۷)
442	کیا بس پر زکوٰۃ لازم ہوگی؟	مسئلہ نمبر (۳۷۸)
442	وراثت میں ملے ہوئے مکان پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۷۹)
443	جو پیسے گھر میں رکھے ہوئے ہوں ان پر زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۸۰)

الباب الثانی فی مصارف الزکوٰۃ

445	زکوٰۃ کی رقم مسجد و مدرسہ میں صرف کرنا:	مسئلہ نمبر (۳۸۱)
-----	---	------------------

445	جھیز اور بارات کو کھانا کھلانے کے لیے زکوٰۃ لینا:	مسئلہ نمبر (۳۸۲)
446	بیوہ عورت کو زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۳۸۳)
447	جس گھر میں ٹی وی ہو ان کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۸۴)
447	زکوٰۃ کی رقم بغیر تملیک کے مدرسہ کی عمارت پر لگانا:	مسئلہ نمبر (۳۸۵)
448	غیر مسلم مدیون کو زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۳۸۶)
449	داماد یا بہو کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۸۷)
450	امام مسجد کو صدقات واجبہ دینا:	مسئلہ نمبر (۳۸۸)
450	سید خاندان کو زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۳۸۹)
451	صدقات واجبہ و نافلہ مدرسہ سے دینے کی صورت:	مسئلہ نمبر (۳۹۰)
452	مدرسہ میں ادا کی گئی زکوٰۃ میں تملیک کی صورت:	مسئلہ نمبر (۳۹۱)
453	مدرسہ کے جملہ اخراجات بعد التملیک زکوٰۃ سے ادا کرنا:	مسئلہ نمبر (۳۹۲)
453	سسر کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۳۹۳)
454	بہن اگر بھائی کے گھر میں رہتی ہو تو زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۳۹۴)
455	شادی شدہ بہن کو زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۳۹۵)
455	مستحق کیلئے زکوٰۃ کی رقم سے قرض کی ادائیگی اولیٰ ہے:	مسئلہ نمبر (۳۹۶)
456	زکوٰۃ کی رقم سے مدارس و مساجد کی تعمیر اور اس کے لئے حیلہ تملیک:	مسئلہ نمبر (۳۹۷)
458	کم آمدن، مقروض اور زیادہ اخراجات والے شخص کے لیے زکوٰۃ لینے کا مسئلہ:	مسئلہ نمبر (۳۹۸)
459	لائبریری کے اخراجات کے لئے زکوٰۃ لینے کا مسئلہ:	مسئلہ نمبر (۳۹۹)
460	زکوٰۃ کی رقم سے کسی فقیر کے قرض کی ادائیگی اور کاروبار شروع کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۰۰)
461	زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے تملیک فقیر شرط ہے:	مسئلہ نمبر (۴۰۱)
462	خیراتی ہسپتال کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ اور کسی عیسائی کو بینک کا نفع دینا:	مسئلہ نمبر (۴۰۲)
463	زکوٰۃ کی رقم سے مدارس و مساجد کی تعمیر کا مسئلہ:	مسئلہ نمبر (۴۰۳)

463	کاروبار میں نقصان اٹھانے والے مقرض شخص کو زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۴۰۴)
464	کسی ٹرسٹ (فلاحی ادارہ) کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ:	مسئلہ نمبر (۴۰۵)
465	بنو ہاشم کو زکوٰۃ کسی صورت میں بھی دینا جائز نہیں:	مسئلہ نمبر (۴۰۶)
465	معاشرتی بہبودی ادارے کا زکوٰۃ کی رقم کو بطور قرض استعمال کرنا	مسئلہ نمبر (۴۰۷)
466	امام مسجد جو مقرض ہو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے:	مسئلہ نمبر (۴۰۸)
467	سید کے لئے مدرسہ کا کھانا اور وظیفہ وصول کرنا:	مسئلہ نمبر (۴۰۹)
468	سید مدرس کو مدرسہ کے فنڈ میں سے تنخواہ لینا دینا:	مسئلہ نمبر (۴۱۰)
468	سماجی تعلیمی و فلاحی اداروں کو صدقات واجبہ و نافلہ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۱۱)
470	مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کے لئے حیلہ تمہلیک کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۱۲)
471	کئی سال پہلے خریدے گئے پلاٹ پر وجوب زکوٰۃ کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۱۳)
472	زکوٰۃ فنڈ سے مستحق بچیوں کو رقم دینا یا سامان خرید کر دینا:	مسئلہ نمبر (۴۱۴)
473	نصاب سے کم صرف سونا کسی کے پاس ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے:	مسئلہ نمبر (۴۱۵)
474	ڈاکٹر کا زکوٰۃ کی مد میں فیس معاف کرنا اور وائی دینا:	مسئلہ نمبر (۴۱۶)
474	زکوٰۃ کی رقم سے کاروباری نقصان کا ازالہ کرنا اور قرض ادا کرنا:	مسئلہ نمبر (۴۱۷)
475	کیا مدرسہ کی تعمیر وغیرہ کے لئے مہتمم زکوٰۃ و صدقات واجبہ لے سکتا ہے؟	مسئلہ نمبر (۴۱۸)
476	زکوٰۃ کی ادائیگی میں موجودہ قیمت کا اعتبار ہے:	مسئلہ نمبر (۴۱۹)
477	زکوٰۃ کی ادائیگی میں موجودہ قیمت کا اعتبار ہے:	مسئلہ نمبر (۴۲۰)
478	غیر رہائشی مدرسہ کو زکوٰۃ اور عشر دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۲۱)
478	قرض کی صورت میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۲۲)
479	زکوٰۃ کی رقم سے محلہ کے بچوں کی دینی تعلیم کے لیے مسجد کے متصل کمرہ بنانا:	مسئلہ نمبر (۴۲۳)
480	دینی مدارس کو سالانہ گندم اور چندہ بطور زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۴۲۴)
480	مقرض آدمی کا زکوٰۃ لینا:	مسئلہ نمبر (۴۲۵)

481	زکوٰۃ کو قرض کی رقم سے علیحدہ کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۲۶)
482	غریب اہل حدیث کو زکوٰۃ، قربانی کی رقم اور فدیہ دینا:	مسئلہ نمبر (۲۲۷)
482	بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۲۸)
483	زکوٰۃ کی رقم سے خیراتی ہسپتال کیلئے بستر و دیگر استعمال کا سامان خریدنا:	مسئلہ نمبر (۲۲۹)
484	تبلیغی جماعت میں چار مہینے لگانے کیلئے کسی کو زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۲۳۰)
484	معلم یا معلمہ کو زکوٰۃ کی رقم میں سے تنخواہ دینا:	مسئلہ نمبر (۲۳۱)
485	قریبی رشتہ دار مستحقین کو زکوٰۃ دینے سے دوہرا ثواب ملتا ہے:	مسئلہ نمبر (۲۳۲)
486	غریب ماموں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۳۳)
487	اشد ضرورت کے وقت حیلہ تملیک کے بعد مسجد کی تعمیر پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا:	مسئلہ نمبر (۲۳۴)
487	فقیر غیر مقروض سے فقیر مقروض زکوٰۃ کا زیادہ مستحق ہے:	مسئلہ نمبر (۲۳۵)
488	زکوٰۃ اور صدقات ناقلہ کا مستحق کون ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۳۶)
489	جس کی مستقل آمدن نہ ہو اور مقروض بھی ہو اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۳۷)
490	گھر کا خرچہ پورا ہو رہا ہو لیکن مقروض ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۳۸)
490	کیا جوان بیٹوں کے غریب باپ کو زکوٰۃ لینا جائز ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۳۹)
491	بہن بھائی کو زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۲۴۰)
492	ایک فقیر کو زکوٰۃ کی کتنی مقدار دینی چاہیے؟	مسئلہ نمبر (۲۴۱)
492	مؤذن کو زکوٰۃ دینے کا ایک مسئلہ:	مسئلہ نمبر (۲۴۲)
493	مقروض شخص کو قرض اتارنے کے لیے قابل زکوٰۃ رقم سے قرض کو الگ کرنا:	مسئلہ نمبر (۲۴۳)
494	زیر تعمیر مدرسہ اور طلبہ کے لیے زکوٰۃ و صدقات واجبہ جمع کرنا:	مسئلہ نمبر (۲۴۴)
495	کیا مستحق زکوٰۃ شخص زکوٰۃ کی رقم کو اپنے تمام جائز امور میں خرچ کر سکتا ہے؟:	مسئلہ نمبر (۲۴۵)
496	کیا دور کے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۴۶)
496	صاحب نصاب کوچ کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۲۴۷)

497	بنات کا مدرسہ چلانے کے لیے زکوٰۃ لینا:	مسئلہ نمبر (۲۴۸)
498	فقیر کے گھر میں نی وی ہو تو اسے زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۴۹)
498	پیشہ ورانہ فنی تربیتی اداروں میں زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۵۰)
499	سادات کے لیے زکوٰۃ فنڈ سے تقابسی وظائف لینا جائز نہیں:	مسئلہ نمبر (۲۵۱)
500	زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ کے لیے طعام خرید کر دینا:	مسئلہ نمبر (۲۵۲)
501	کیا بیٹی یا اس کی اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۵۳)
502	زکوٰۃ اور چرم قربانی کی رقم مدرسہ کی مختلف ضروریات میں خرچ کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۵۴)
504	زکوٰۃ کی رقم سے مستحق افراد کی شادی کروانا:	مسئلہ نمبر (۲۵۵)
504	نقلی صدقات و خیرات کا خود استعمال کرنا اور گھر والوں پر خرچ کرنا:	مسئلہ نمبر (۲۵۶)
505	بینک کے مقروض کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۵۷)
506	جس پر قربانی واجب ہو اور زکوٰۃ واجب نہ ہو کیا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۵۸)
507	مستحق شخص کا پلاٹ کی خریداری کے لیے زکوٰۃ لینا:	مسئلہ نمبر (۲۵۹)
507	بھتیجے یا بھتیجی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے:	مسئلہ نمبر (۲۶۰)
508	کیا داماد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۶۱)
508	کیا مزکی کا وکیل اپنے بیٹے کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۶۲)
509	جعفری سید کون ہیں؟ کیا جعفری سید کو یا اس کی بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۶۳)
510	باپ بیٹے کا ایک دوسرے کو حیلہ تملیک سے زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۲۶۴)
511	امام مسجد کو صدقات واجبہ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۶۵)
512	تعلیم قرآن، روزگار اور یتیم بچی کی شادی کے لیے زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۲۶۶)
512	خیراتی ہسپتال میں زکوٰۃ دینے اور خرچ کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۶۷)
514	قریش خاندان سے تعلق رکھنے والے غریب افراد کو زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۲۶۸)
514	علاج کے لیے زکوٰۃ لینا:	مسئلہ نمبر (۲۶۹)

515	دینی درس گاہ کو زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۲۷۰)
516	زکوٰۃ لینے کے متعلق غنی کی تین قسمیں اور ان کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۷۱)
517	علاج معالجہ کے لئے کسی فقیر کو زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۲۷۲)
517	امام مسجد کو صدقات واجبہ میں سے تنخواہ دینا:	مسئلہ نمبر (۲۷۳)
518	فقیر کو زکوٰۃ کی رقم زیادہ سے زیادہ کتنی دے سکتے ہیں؟	مسئلہ نمبر (۲۷۴)
519	امام مسجد کو فطرانہ دینا:	مسئلہ نمبر (۲۷۵)
520	رفاعی کاموں کے لیے زکوٰۃ اور فطرانہ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۷۶)
521	مقروض کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۷۷)
522	کیا غنی طالب علم مدرسہ کا کھانا کھا سکتا ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۷۸)
522	غنی طالب علم زکوٰۃ نہیں لے سکتا:	مسئلہ نمبر (۲۷۹)
523	دو کینال زمین کے مالک کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۸۰)
525	تبلیغی جماعت والوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۸۱)
526	۷۰ سالہ بیمار اور غریب شخص کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۸۲)
527	دینی مدارس کے طلباء کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۸۳)
528	کیا مسجد اور مدرسہ کی تعمیر میں زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے؟	مسئلہ نمبر (۲۸۴)
528	قربانی کی کھالوں کو مسجد میں خرچ کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۸۵)
529	زکوٰۃ لے کر قرض اتارنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۸۶)
530	مریض کو علاج کے لیے زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۸۷)
531	زکوٰۃ کی رقم تمسلیک کے بعد مسجد میں خرچ کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۸۸)
533	مقروض اور بے بس کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۸۹)
534	اعوان قوم کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۹۰)
535	جو بازی کرنے والوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۲۹۱)

536	زکوٰۃ کو تنخواہ میں دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۹۲)
537	مقروض تنگ دست کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۹۳)
538	زکوٰۃ و عشر کو تعمیر اور تنخواہ میں صرف کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۹۴)
539	زکوٰۃ کی رقم سے ہسپتال کے لیے مشینری لینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۹۵)
540	زکوٰۃ صدقات کا پیسہ درس گاہیں بنانے میں لگانا:	مسئلہ نمبر (۴۹۶)
541	مریض کے علاج کے لیے زکوٰۃ لینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۹۷)
542	امام یا خطیب کو تنخواہ میں زکوٰۃ و عشر دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۴۹۸)
543	مقروض کو قرض ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۴۹۹)
544	زرعی زمین کے مالک کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۰۰)
545	جس کی بیوی کے پاس سونا ہو اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۰۱)
546	دو مکانوں کے مالک کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۰۲)
547	چھوٹے بھائی کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۰۳)
549	عزیز و اقارب میں سے کس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟	مسئلہ نمبر (۵۰۴)
550	مقروض اگر معسر ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے:	مسئلہ نمبر (۵۰۵)
551	حیاء تملیک اور زکوٰۃ کی رقم کا مصرف:	مسئلہ نمبر (۵۰۶)
553	قربانی کی کھانوں کی قیمت سے قبرستان کے لیے جگہ خریدنا:	مسئلہ نمبر (۵۰۷)
554	مقروض کو زکوٰۃ دینا جائز ہے لیکن قرض کو زکوٰۃ میں معاف نہیں کر سکتے:	مسئلہ نمبر (۵۰۸)
555	کیا زکوٰۃ کی رقم سے حج بدل کیا جاسکتا ہے؟	مسئلہ نمبر (۵۰۹)
556	مریض کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۱۰)
557	کیا سگے بہن بھائیوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟	مسئلہ نمبر (۵۱۱)
559	قرضہ اگر اثاثہ جات سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ لینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۱۲)
561	زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتب اور رسائل کی طباعت کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۱۳)

562	کسی کو شادی کے لیے زکوٰۃ کے پیسے دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۱۴)
563	مریض کو اخراجات کی مد میں زکوٰۃ دینا:	مسئلہ نمبر (۵۱۵)
563	قربانی کی کھال کی قیمت کا مصرف:	مسئلہ نمبر (۵۱۶)
565	کلینک یا ہسپتال کی تعمیر میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۱۷)
566	جس مریض کے لیے زکوٰۃ لی اگر وہ مر جائے تو زکوٰۃ کے پیسوں کا کیا کیا جائے؟	مسئلہ نمبر (۵۱۸)
568	کیا طالب علم کی فیس زکوٰۃ کے پیسوں سے ادا کی جاسکتی ہے؟	مسئلہ نمبر (۵۱۹)
568	زکوٰۃ کی رقم کسی حادثاتی مریض پر خرچ کرنا:	مسئلہ نمبر (۵۲۰)
569	بیمار مقروض کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۲۱)
571	صاحب نصاب طالب علم کو فدیہ کی رقم دینا:	مسئلہ نمبر (۵۲۲)
572	بچوں سے فیس لینے والے ادارے کا زکوٰۃ وصول کرنا:	مسئلہ نمبر (۵۲۳)
573	جس مدرسہ میں غریب طالب پڑھتے ہوں اس میں عشر دینا:	مسئلہ نمبر (۵۲۴)
573	امامت و خطابت کے بعوض صدقات واجبہ دینا:	مسئلہ نمبر (۵۲۵)
576	جس شخص کو کاروبار میں نقصان ہو گیا ہو اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۲۶)
577	سید کی بیٹیوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۲۷)
577	فلاحی اداروں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۲۸)
578	ایک مقروض شخص کو زکوٰۃ میں ڈیڑھ لاکھ روپے دینا:	مسئلہ نمبر (۵۲۹)
579	مجبور اور بے بس کو زکوٰۃ لینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۳۰)
581	ہسپتالوں اور اداروں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۳۱)
582	مقروض آدمی کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۳۲)
583	تیس ہزار روپے کے مقروض کو زکوٰۃ دینا جائز ہے:	مسئلہ نمبر (۵۳۳)
584	مقروض غیر سید کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں:	مسئلہ نمبر (۵۳۴)
585	زکوٰۃ کی رقم تعمیر و مرمت پر لگانا جائز نہیں ہے:	مسئلہ نمبر (۵۳۵)

586	جس شخص کی کوئی آمدن نہ ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے:	مسئلہ نمبر (۵۳۶)
587	امام مسجد کو تنخواہ میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے:	مسئلہ نمبر (۵۳۷)
588	تندرست غریب آدمی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے:	مسئلہ نمبر (۵۳۸)
588	ہمسایہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۳۹)
589	کھیتی باڑی کرنے والے کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۴۰)
589	سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۴۱)
590	کیا وکیل زکوٰۃ کی رقم اپنی بیوی کو دے سکتا ہے؟	مسئلہ نمبر (۵۴۲)
590	مقروض کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۴۳)
591	مال زکوٰۃ سے جلسہ منعقد کروانے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۴۴)
592	سسر کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۴۵)
593	تنخواہ کے علاوہ فقیر امام کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں:	مسئلہ نمبر (۵۴۶)
593	بدعتی حضرات کو زکوٰۃ دینے کا حکم:	مسئلہ نمبر (۵۴۷)
594	طلبہ کی طرف سے مہتمم کا وکیل بننے کی شرعی حیثیت:	مسئلہ نمبر (۵۴۸)



عرض مرتب!

اللہ تعالیٰ کا اس امت پر ایک عظیم احسان ہے کہ اس نے ہر دور میں ایسے رجال کا پیدا فرمائے جو اس امت کی ہدایت اور رہنمائی کا سبب بنتے رہے، اور امت کو اللہ سے ملاتے رہے، سیدھے راستے پر چلاتے رہے، گویا ان کی محنت کا میدان لوگوں کے قلوب تھے، ان کی ایک ہی مجلس سے لوگوں کو وہ کچھ ملا کرتا تھا کہ جو ہزاروں کتابوں کے مطالعہ سے نہیں ملا کرتا تھا، اور ان کی توجہ باطنی سے بہت سارے لوگوں کی کایا پلٹ جاتی تھی، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی

انہی اللہ والوں میں سے ایک شخصیت ولی کامل، محدث کبیر، ابوحنیفہ دوراں، راس الاتقیاء، مفتی اعظم حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب نور اللہ مرقدہ کی ہے، جو کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

ویسے تو استاذ محترم کی شخصیت مجمع کمالات و اوصاف تھی، علم و حلم، توکل و استغناء، اخلاص و اللہیت، وسعت مطالعہ، شفقت و محبت، تمام علوم و فنون میں گہری بصیرت وغیرہ اوصاف جو آپ کی ذات گرامی کو دوسروں سے ممتاز کرتے تھے، لیکن آپ کا ایک خاص وصف آپ کا علمی شغف اور افتاء کے میدان میں آپ کو پید طولی کا حاصل ہونا تھا، اور ذات باری تعالیٰ نے آپ کو ایک تحقیقی اور فقہی ذوق عطا فرمایا تھا، آپ کی تحقیق کا انداز بہت نرالا تھا، جس کی بنیاد فقہ حنفی اور افتاء کے اصول و قواعد اور کلیات ہوتے تھے، آپ اپنے فتاویٰ جات میں اصول افتاء کا اور مراتب فقہاء کا اور فقہ حنفی کی کتب کے مراتب کا بہت خیال رکھتے تھے، اور تمام مسائل میں اصل مرجع کی طرف رجوع فرماتے اور اس کی تلقین کرتے تھے، جس کا مشاہدہ قارئین نے پہلی چار جلدوں میں کر لیا ہوگا۔

اور فتویٰ دینے میں انتہائی محتاط تھے، بلا وجہ کسی چیز کو جائز یا ناجائز کہنے کی بجائے ہمیشہ عربی کتب کی طرف رجوع کا حکم صادر فرماتے تھے، جواز اور عدم جواز کی علت اور ان کی حدود کی تعیین فرماتے، یعنی کسی مسئلہ کے ناجائز ہونے کی فقہاء نے جو علت ذکر کی ہے جہاں وہ علت پائی جائے گی تو وہ ناجائز ہوگا اور اگر وہ علت کراہت ختم ہو جائے تو پھر وہ جائز ہوگا، من کل الوجوه اس پر کراہت کا فتویٰ صادر نہیں فرماتے تھے، شاید اسی وجہ سے بعض دوستوں کے ذہن میں پہلی جلد کے منظر عام پر آنے کے بعد کچھ اشکالات آئے اور وہ کہنے لگے کہ ہم تو آج تک ان چیزوں کو من کل الوجوه ناجائز سمجھتے تھے لیکن حضرت کے فتاویٰ پڑھ کر معلوم ہوا کہ اس کے جواز اور عدم جواز کی کیا حد ہے، اور گہرائی

سے مطالعہ کرنے والا ہر آدمی اس چیز کو جانچ سکتا ہے کہ آپ نے کس طرح اپنے فتاویٰ جات میں ان چیزوں کو مد نظر رکھا ہے۔

آپ کے فتویٰ دینے کا انداز ”مختصر و پراثر“ تھا، تھوڑی سی عبارت میں بہت کچھ سمودیتے تھے، کچھ قیودات لگا کر مسائل کو متحج فرمادیتے تھے، اور اس بات پر خصوصی توجہ دیتے تھے کہ اصل میں مسائل کیا پوچھنا چاہتا ہے؟ بس اس بات کا جواب دے دیا جائے، کوئی لمبی چوڑی تحریر نہ لکھی جائے، مگر کبھی کبھی آپ اپنے فقہی ذوق کے مطابق بعض اہم اور پیچیدہ مسائل کا جواب تفصیلاً اور تسلی بخش لکھتے جس سے ان مسائل کے تمام پہلو روشن ہو جاتے، اس طرح کے کچھ مسائل گذشتہ جلدوں میں بھی آچکے ہیں، اور بعض مسائل رسائل کی شکل میں چھپ بھی چکے ہیں اور آئندہ جلدوں میں بھی آئیں گے، اور اس جلد میں بھی آپ کے بعض مفصل مسائل شامل کتاب کیے جا رہے ہیں، مثلاً

”تکبیرات تشریح فی القرئی کا حکم“

”و عابداً لجانہ کا حکم“

”توجیہ القلبہ فی القبر“

”قبر کے لیے تحفیر اور تعمیق ضروری ہے“

”حیلہ استقاط کا حکم اور اس کا شرعی طریقہ“

”کیا مہتمم طلباء کی طرف سے وکیل بن سکتا ہے؟“

الحمد للہ! جو طریقہ تحقیق آپ کا تھا وہی طریقہ تحقیق آپ کے فرزند ارجمند، آپ کی نسبت انعکاسی کے مظہر، استاذ محترم حضرت اقدس مفتی عارف اللہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کا ہے، جو آپ کے بعد مدرسہ کا اہتمام اور شیخ الحدیث کی مسند کو سنبھالنے کے ساتھ ساتھ میدان افتاء میں بھی آپ کے علمی فیضان کو ملک کے طول و عرض میں پھیلا رہے ہیں، اور اللہ کے فضل و کرم سے وہ تمام امور جو حضرت کی زندگی میں چل رہے تھے وہ اسی آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہیں، بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر چل رہے ہیں، اس موقع پر ایک شعر کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

اس سے بڑھ کر کیا خوشی ہو باپ کو! استاد کو کہ اپنے سے بڑھ کر دیکھ لے شاگرد کو اولاد کو

اللہ تعالیٰ ان کا سایہ شفقت و عافیت کے ساتھ تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم فرمائے اور ہمیں ان کے علوم اور فیضان سے مالا مال فرمائے (آمین)۔

اس پانچویں جلد میں کتاب الصلوٰۃ کے مسائل مکمل ہو رہے ہیں، اور حضرت کی حیات مبارکہ میں ان مسائل پر نظر ثانی حضرت کے فرزند حضرت اقدس مفتی کفایت اللہ حقانی صاحب مدظلہ نے بھی فرمائی، اور حضرت کے معتمد

خاص اور خصوصی شاگرد، استاذ محترم مفتی محمد رئیس صاحب سر وہی صاحب مدظلہ نے بھی فرمائی تھی، پھر جامعۃ الحمید کے متخصص مفتی مجیب الرحمن صاحب نے بڑی جانفشانی کے ساتھ اس پر کام کیا، اس کے بعد کتاب الصلوٰۃ کے اور بہت سے مسائل کو ساتھ شامل کر کے تمام مسائل کو ابواب میں تقسیم کیا گیا، اور آخر میں مفتی محمد فلک شیر صاحب مدرس جامعۃ الحمید اور مفتی محمد امیر معادیہ صاحب متخصص جامعۃ الحمید دونوں حضرات نے بڑی دل لگی کے ساتھ ان فتاویٰ کی پروف ریڈنگ کی اور عربی کتب کے حوالہ جات کو چیک کیا، اور مفتی نعمان صاحب مدرس جامعۃ الحمید نے بھی اپنے قیمتی اوقات میں سے وقت نکال کر اس کو چیک کیا اور مکررات کی نشاندہی فرمائی۔

استاذ محترم کی طرف سے اور ادارہ کی طرف سے یہ تمام حضرات شکر یہ کے مستحق ہیں، اور وہ تمام حضرات بھی شکر یہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کتاب کی بہتری کے لیے وقتاً فوقتاً مفید مشوروں سے نوازا، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اپنی شایان شان اجر جزیل عطا فرمائے، اور استاذ جی کے اس فیض سے ہم سب کو حظ وافر نصیب فرمائے، اور استاذ جی کے لگائے ہوئے گلشن کی آبیاری فرمائے اور اس کو دن دگنی اور رات چگنی ترقی نصیب فرما کر چہار دانگ عالم میں اس کا فیض پھیلائے، اور اس جامعہ کو پورے عالم کے لیے رشد و ہدایت کا عظیم مرکز بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم والصلوٰۃ والسلام علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ اجمعین۔

والسلام

دعاؤں کا طلب گار

محمد حامد علی نقیسی

یکے از تلامذہ و خادمین حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ

خادم و مدرس جامعۃ الحمید عظیم آباد رانیوٹنڈ روڈ لاہور

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ

﴿بقیہ کتاب الجمعۃ﴾

سموں والا ضلع گوجرانوالہ میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا گاؤں سموں والا ضلع گوجرانوالہ کی تحصیل کاموکی کے نواح میں واقع ہے نیز ہمارے گاؤں سے شہر کاموکی آٹھ کلومیٹر دور واقع ہے جس کی آبادی تقریباً 120 گھروں پر مشتمل ہے، اس میں آٹھ دوکانیں ہیں جن سے ضروریات زندگی کی اشیاء میں سے دالیں، گھی، چینی، سبزی وغیرہ مل سکتی ہیں، سوائے گوشت، کپڑے اور جوتے وغیرہ کے کہ ان کے لیے تحصیل کاموکی جانا پڑتا ہے، اردگرد کے گاؤں اگرچہ آبادی کے لحاظ سے ہمارے گاؤں سے بڑے ہیں لیکن جوتے، گوشت، کپڑے وغیرہ وہاں بھی دستیاب نہیں ہیں، لہذا اس نوعیت کے گاؤں میں جمعہ کا کیا حکم ہے؟ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہو سکتا ہے تو اس گاؤں میں جب سے پاکستان بنا ہے جمعہ پڑھایا جا رہا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جمعہ جاری رکھا جائے یا چھوڑ دیا جائے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

عند الاحناف جمعہ کے لیے شہر کا ہونا شرط ہے یا پھر ایسا قصبہ ہو جو کہ شہر کے حکم میں ہوتا ہے اور اس میں ضروریات زندگی میسر ہوں۔

”لاجمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع رواہ ابن ابی شیبہ عن علی رضی اللہ

عنه“

جب کہ مذکورہ فی السؤال بستی چھوٹا گاؤں (قریہ صغیرہ) ہے اور ضروریات زندگی بھی اس میں میسر نہیں ہیں لہذا یہاں والوں کو جمعہ کی نماز تو معاف ہے مگر نماز ظہر ادا کرنا فرض ہے، اور آج تک جتنی ظہر کی نمازیں جمعہ پڑھنے کی وجہ سے رہ گئی ہیں ان کی قضاء ذمہ میں لازم ہے۔

”ولا تصح الجمعة الا فی مصر جامع او مصلی المصر ولا تجوز فی القرى لقوله

عليه السلام لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع

والمصر الجامع کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود“

..... (ہدایہ: ۷۷/۱، فتاویٰ الہندیہ: ۱۳۵/۱، البحر الرائق: ۲/۲۳۵)

”لاجمعة ولا تشریق ولا صلوٰۃ فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع او مدینة

عظيمة ولم ينقل عن الصحابة انهم حين فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المقابر والجمع الافي الامصار دون القرى ولو كان لفعل..... (طحطاوى على مراقى الفلاح: ۵۰۳)

”ومن لا تجب عليهم الجمعة من اهل القرى والبوادى لهم ان يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة باذان واقامة“..... (فتاوى الهندية: ۱۳۵/۱)
 ”الاترى ان فى الجواهر لوصلوا فى القرى لزمهم اداء الظهر وهذا اذا لم يتصل به حكم“..... (فتاوى شامى: ۱/۵۹۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

دیہات میں نماز جمعہ کی فرضیت کی کیفیت:

مسئلہ نمبر (۲): (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دیہات میں نماز جمعہ کی فرضیت کی کیفیت کیا ہے؟
 (۲) فقہاء حنفیہ کی رائے میں کبھی ترمیم ہوتی ہے؟ کیا مزید ترمیم کی گنجائش ہے؟ حالات و احوال کے مطابق جمعہ کی تمام شرائط کیا ہیں؟
 اصل سوالات یہ تھے۔

(۱) ایسے گاؤں میں جمعہ پڑھنا کیسا ہے جہاں رکشے ویگن اور ٹیلی فون سوئی گیس اور سات آٹھ دوکانیں بجلی اور پکی سڑک وغیرہ کی سہولت موجود ہو اور آبادی تقریباً دو ہزار کے قریب ہو۔

(۲) جمعہ کی تمام شرائط کیا ہیں؟

(۳) دیہاتی نے شہر میں آکر جمعہ یا عیدین کا وقت پایا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس پر جمعہ واجب ہوگا یا ظہر کے فرض ادا کر لے؟

(۴) اگر دیہاتی عید کے دن سورج طلوع ہونے کے بعد نماز عید سے پہلے قربانی کر لے تو درست ہے یا نہیں؟

(۵) نابینا، معذور، بیمار اور عورت پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اس موضع میں بحالت مذکورہ جمعہ صحیح نہیں ہو سکتا، کیونکہ جمعہ اور عیدین واجب ہونے کے لیے مصر جامع

(یعنی شہر) یا قصبہ کا ہونا شرط ہے، اور مصر جامع امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے۔

”انه بلدة كبيرة فيها سلك واسواق ولها سائق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره والناس يرجعون اليه في الحوادث وهو الاصح“..... (بدائع الصنائع: ۱/۵۸۵)

یعنی وہ بڑا شہر جس میں شاہراہیں اور بازار ہوں (جس میں ضروریات روزمرہ موجود ہوں اور اس کے لیے دیہاتیں ہوں اور اس میں ایسا حاکم ہو جو مظلوم کو ظالم سے انصاف دلوانے پر قادر ہو اپنے دبدبے اور علم سے یا کسی اور کے علم سے اور لوگ اس کی طرف حادثات اور شداکد میں رجوع کرتے ہوں۔

”وعبارة القهستاني تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها اسواق قال ابو القاسم هذا بخلاف اذا اذن الوالي او القاضي ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتهد فيه فاذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه وفيما ذكرنا اشارة الى انه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب“..... (رد المحتار: ۱/۵۹۰)

حاصل یہ کہ جمعہ صحیح ہونے کے لیے مصر جامع (یعنی ایسا شہر جو مرکز تجارت ہو اور اس میں حاکم مجاز بھی رہتا ہو) کا ہونا ضروری ہے۔

- (۲) جمعہ کی تمام شرائط نہیں لکھی گئیں کیونکہ جب پہلی شرط مفقود ہے تو اور شرائط لکھنے کا کیا فائدہ؟
- (۳) دیہاتی شخص کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر وہ جمعہ کے دن شہر میں داخل ہو اور اس کی نیت جمعہ کے دن وہیں ٹھہرنے کی ہو تو اس پر جمعہ واجب ہوگا اور اگر اس نے وقت جمعہ کے داخل ہونے سے پہلے نکلنے کی نیت کر لی تو جمعہ واجب نہ ہوگا، البتہ اگر وقت کے دخول کے بعد نکلنے کی نیت کی ہو تو واجب ہوگا۔

”وفي الخلاصة القروى اذا دخل المصر يوم الجمعة ان نوى الخروج من ذلك المصر من يومه قبل دخول وقت الصلوة لا تلزمه وبعد دخول وقت الجمعة تلزمه“..... (رد المحتار: ۱/۶۰۸)

- (۴) اگر دیہاتی عید کے دن نماز عید سے پہلے قربانی کر لے تو درست ہے، ہاں شہر اور قصبہ کے رہنے والے نماز عید کے بعد کریں گے، اس سے پہلے کرنا ان کے لیے جائز نہیں۔

”ووقت الاضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النهر الا انه لا يجوز لاهل الامصار الذبح حتى يصلى الامام العيد فاما اهل السواد فيذبحون“..... (الهداية: ۳/۳۳۵)

(۵) ٹائینا، بیمار اور عورت پر جمعہ واجب نہیں۔

”و شرط لافتراضها تسعة تختص بها صحة وحرية وذكورة ووجود بصر
وغیرها“..... (ردالمحتار: ۱/۶۰۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

سات سو افراد والی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عرصہ 30 سال سے ہماری بستی میں نماز جمعہ پڑھی جاتی ہے، جب کہ ہماری بستی کی آبادی بشمول مردوزن اور بالغ و نابالغ 702 سات صد و افراد ہیں، تقریباً 60 گھر ہیں لیکن آبادی گنجان نہیں ہے، ضروریات زندگی بھی میسر نہیں ہیں اور یہ ساٹھ گھر ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر ہیں، اب سوال یہ ہے کہ ہماری بستی میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ راہنمائی فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال مذکورہ گاؤں میں نماز جمعہ ادا کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ صحت جمعہ کی شرائط میں سے ہے کہ گاؤں میں بازاریں ہوں اور وہ جگہ اردگرد کے دیہات کے لیے تجارتی مرکز ہو یا وہاں پر حاکم مجاز ہو جو مظلوم کو ظالم سے حق دلا سکے جب کہ مذکورہ گاؤں میں یہ تمام شرائط مفقود ہیں، گاؤں والے نماز ظہر یا جماعت ادا کرنے کا اہتمام کریں، بصورت دیگر ظہر کی نماز ذمہ میں باقی رہے گی جس کی وجہ سے آپ سخت گناہ گار اور مجرم ہوں گے۔

”لاتصح الجمعة الا في مصر جامع اوفى مصلی المصر ولا تجوز في القرى
لقوله عليه الصلوة والسلام لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا في
مصر جامع والمصر الجامع كل موضع له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقیم
الحدود“..... (الهدایة: ۱/۱۷۷)

”عن ابی حنیفة انه بلدة كبيرة فيها سلك واسواق ولهار سائق وفيها وال
يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره يرجع
الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح“..... (ردالمحتار على

درالمختار: ۱/۵۹۰)

”وعبارۃ القہستانی تقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرۃ الی فیہا اسواق
قال ابو القاسم ہذا بخلاف اذا اذن الوالی او القاضی ببناء المسجد الجامع
واداء الجمعة لان ہذا مجتہد فیہ فاذا اتصل بہ بالحکم صار مجتمعا علیہ
وفیما ذکرنا اشارۃ الی انہ لا تجوز فی الصغیرۃ الی لیس فیہا قاض
ومنبر وخطیب“..... (رد المحتار علی در المختار: ۱/۵۹۰)

”وروی عن ابی حنیفۃ انہ بلسۃ کبیرۃ فیہا سکک واسواق ولہا رساتیق
وفیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ وعلمہ او علم غیرہ
والناس یرجعون الیہ فی الحوادث“..... (بدائع الصنائع: ۱/۵۸۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گاؤں مرمنڈی ملتان میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴): محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ ایمان و صحت کی بہترین حالت میں ہوں گے۔

عرض ہے کہ ہمارے گاؤں مرمنڈی ملتان میں نماز جمعہ کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، بحث
جواز یا عدم جواز سے بھی آگے نکل چکی ہے، ایک فریق مذکورہ گاؤں میں نماز جمعہ کو واجب کہتا ہے، جب کہ دوسرا فریق
اسی گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنے کو ترک نماز ظہر کہتا ہے، عوام پریشان ہیں، فساد کا بھی قوی اندیشہ ہے، اس لیے آپ کی
خدمت میں عرض ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو قرآن و حدیث اور فقہاء کی کتابوں کی روشنی میں مکمل مدلل عام فہم اور مفصل
فتویٰ ارسال کریں، نیز کتابوں کی عبارات اور حوالہ جات بھی ہوں۔

ہمارا گاؤں مرمنڈی ملتان سرائے نورنگ بازار سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے، آبادی ایک
ہزار نو سو ہے، ایک گرلز پرائمری سکول اور چار بوائز پرائمری سکول ہیں، ایک بوائز مل سکول ہے، سات دوکانیں ہیں
جن میں چینی، گھی، بنری وغیرہ تو ملتی ہے لیکن پھر بھی بہت سے لوگ سودا سلف وغیرہ کی خریداری کے لیے سرائے
نورنگ بازار جاتے ہیں، دو میڈیکل سٹور ہیں، آٹھ عدد موٹر کار وغیرہ ہیں، نو عدد مساجد ہیں، دو عدد پولٹری فارم ہیں،
آٹا پیسنے کی مشین ہے، پینے کے پانی کے لیے پریشر پمپ بھی ہے، بجلی اور ٹیلی فون کا انتظام بھی ہے۔

ہمارے گاؤں مرمنڈی ملتان کے ساتھ ایک طرف بالکل متصل گاؤں مرمنڈی عظیم ہے، جب کہ دوسری طرف بالکل متصل کوئٹہ شادی خان ہے، گاؤں مرمنڈی عظیم کی کل آبادی گیارہ سو ہے، جو دو حصوں میں تقسیم ہے، اور دونوں حصوں کے مابین تقریباً دو سو فٹ چوڑائی کی زیرکاشت زمین ہے، ایک حصہ پرانی آبادی ہے، جو سات سو اسی نفوس پر مشتمل ہے، جس میں ایک گرلز پرائمری سکول، ایک بوائز پرائمری سکول اور ایک گرلز ٹیل سکول ہے، سات دوکانیں ہیں، دس عدد موٹر کار وغیرہ ہیں، دس پولٹری فارم ہیں، آب نوشی کا ٹیوب ویل ہے، آب پاشی کے سات ٹیوب ویلز ہیں، پانچ مساجد ہیں جب کہ مرمنڈی عظیم کا دوسرا حصہ جو نئی آبادی ہے تین سو بیس نفوس پر مشتمل ہے، جس میں دو دوکانیں اور حکیم کا دواخانہ ہے، ایک پولٹری فارم ہے۔

گاؤں مرمنڈی عظیم کی نئی آبادی ہمارے گاؤں مرمنڈی ملتان کے ساتھ بالکل متصل ہے۔

گاؤں مرمنڈی عظیم میں بھی پچھلے چھ سال سے نماز جمعہ ہوتا رہا ہے، جس پر علاقے کے علماء کا ابھی تک زبردست اختلاف ہے، گاؤں مرمنڈی عظیم میں ایک آٹا پیسے کی مشین ہے، بجلی اور ٹیلی فون کی سہولت بھی موجود ہے، اس گاؤں کا سرائے نورنگ بازار سے فاصلہ پونے تین میل ہے۔

گاؤں مرمنڈی ملتان کے ساتھ دوسری طرف بالکل متصل گاؤں کوئٹہ شادی ہے، اس گاؤں کی آبادی ایک سو اسی ہے، ایک دوکان اور حکیم کا دواخانہ ہے، ایک دینی مدرسہ ہے جس میں حفظ و قرأت اور ابتدائی دینی کتب پڑھائی جاتی ہیں، تقریباً تیس طالب علم اس مدرسہ میں پڑھتے ہیں، دو بوائز پرائمری سکول ہیں، دو مساجد ہیں، آب پاشی کے دو ٹیوب ویل ہیں، پانچ عدد موٹر کار وغیرہ ہیں، سرائے نورنگ بازار سے فاصلہ تقریباً تین میل ہے۔

ان تینوں گاؤں کی سڑک الگ الگ ہیں، تینوں گاؤں کے لوگوں کے شناختی کارڈ الگ الگ ہیں، قبرستان علیحدہ ہیں، تینوں گاؤں کے لوگ ایک ہی پولنگ سٹیشن میں ووٹ ڈالتے ہیں، لیکن پولنگ سٹیشن کا نام سرکاری کاغذات میں پولنگ سٹیشن مرمنڈی عظیم ہے، عید الفطر کبھی ایک ہی دن میں تینوں گاؤں میں ہوتی ہے اور اس طرح بھی ہوتا ہے کہ کبھی دو گاؤں والے عید مناتے ہیں جب کہ تیسرے گاؤں والوں کا روزہ ہوتا ہے، ایک ہی یونین کونسل میں واقع ہیں، یونین کونسل کا نام مرمنڈی عظیم ہے۔

موضع پٹوار ایک ہے تینوں گاؤں کے لوگ ایک دوسرے کے غم و خوشی میں باقاعدگی سے شرکت کرتے ہیں، کاشت والی زمینیں ایک دوسرے کے گاؤں میں واقع ہیں، تینوں گاؤں کی ایک ہی مشترکہ اصلاحی کمیٹی ہے۔

محترم مفتی صاحب امید ہے کہ آپ میرے سوالات کے نمبر وار جوابات ارسال فرمائیں گے۔

(۱) کیا شریعت میں جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے ان تینوں گاؤں کو ایک ہی گاؤں سمجھا جاتا ہے، اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر نماز جمعہ کا کیا حکم ہے؟

- (۲) اگر شریعت میں ان تینوں دیہاتوں کو الگ الگ دیہات (گاؤں) تصور کیا جاتا ہے تو پھر
- (الف) گاؤں مرمنڈی ملتان میں نماز جمعہ کا کیا حکم ہے؟
- (ب) گاؤں مرمنڈی عظیم میں نماز جمعہ کا کیا حکم ہے؟
- (د) کونکہ شادی خان میں نماز جمعہ کا کیا حکم ہے؟
- (۳) اگر مرمنڈی عظیم میں نماز جمعہ جائز ہے تو جو لوگ پچھلے چھ سال سے نہیں پڑھتے ان کے لیے کیا حکم ہے؟
- (۴) اگر مرمنڈی عظیم میں نماز جمعہ جائز نہیں تو جو لوگ پچھلے چھ سال سے جمعہ پڑھتے رہے ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

عند الاحناف جمعہ کے لیے شہر یا قصبہ (قریہ کبیرہ) کا ہونا شرط ہے۔

”لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع رواہ ابن ابی شیبہ عن علی رضی اللہ
عنه تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة الی فیہا اسواق“..... (فتاویٰ
شامی: ۱/۵۹۰)

اور مصر کی تعریف امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ منقول ہے۔

”عن ابی حنیفہ انه بلدة کبیرة فیہا سکک واسواق ولہار سابق و فیہا وال
یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ و علمہ او علم غیرہ یرجع
الناس الیہ فیما یقع من الحوادث و هذا هو الاصح“..... (فتاویٰ شامی:
۱/۵۹۰)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ گاؤں مرمنڈی ملتان قریہ صغیرہ ہے اسی طرح شادی خان اور مرمنڈی عظیم بھی
چھوٹے قریہ ہیں، ان میں سے کسی کے اندر بھی جمعہ کی شرائط موجود نہیں ہیں، لہذا ان میں سے کسی بستی میں جمعہ وعیدین
قائم کرنا درست نہیں ہے، بلکہ ان کو ظہر کی نماز پڑھنا فرض ہے، اور ان کو ایک شمار کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ سب کے
مفادات الگ الگ ہیں جیسا کہ سوال میں بھی مذکور ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

موضع ہلز کے قصور میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵): بخدمت جناب حضرت مولانا مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور

جناب عالی!

گزارش ہے کہ ہم لوگ موضع ہلز کے پیار ہٹھاڑ ضلع و تحصیل قصور کے رہائشی ہیں، اب اس کی صورت حال یہ ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے ہٹھاڑ میں آباد تھے، پانی کا سیلاب آنے کی وجہ سے وہ جگہ چھوڑ کر اوتاڑ والے رقبہ میں اپنے اپنے زمین کا موقع دیکھ کر آبادی کر لی، رقبہ ہلز کے پیار کا تقریباً 18000 ایکڑ پر مشتمل ہے، اس گاؤں کا حدیست نمبر 226 ہے، آبادی کی صورت حال یہ ہے کہ اس میں ہلز اور پیار ۲ خاندان آباد تھے، ہلز مسلمان تھے اور پیار سکھ تھے، پاکستان بننے سے تقریباً 15 سال پہلے سکھوں نے پانچ بستیاں بنالیں، اور جو مسلمان تھے انہوں نے بھی پانچ بستیاں اپنی زمینوں میں بنالیں، پاکستان بننے کے بعد ہم لوگ مہاجر ہو کر سکھوں والی بستیوں میں آباد ہو گئے، تقریباً تین سال بعد اپنی بستیوں میں مسجد کی تعمیر مکمل کر کے نماز باجماعت اور نماز جمعہ پڑھنا شروع کر دیا، کیونکہ ہلز جو کہ مسلمان بستیاں تھیں اور ان کا آدھا رقبہ تھا یعنی ان کی ملکیت تھی اور ہم نے ان کو نماز جمعہ پڑھتے ہوئے پایا، آدھے رقبے کی ملکیت مہاجر مسلمانوں کو ملی جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ان بستیوں کا نمبر 226 ایک ہی ہے، اس لیے ہم نے بھی نماز جمعہ پڑھنا شروع کر دیا، تقریباً 55 سال ہمیں نماز جمعہ پڑھتے ہوئے گزر گئے، اب صورت حال یہ ہے کہ ہم مہاجر پانچ جگہ پر بستیوں کی شکل میں اسی حدود کے اندر آباد ہیں، اس وقت تقریباً 12000 افراد پر مشتمل ہلز کے پیار کی تمام بستیوں میں تقریباً 30 دوکانیں ہیں جن سے جوتے کپڑوں سمیت تمام ضروریات زندگی پوری ہوتی ہیں، علاج معالجہ کے لیے ہسپتال اور کلینک موجود ہیں فرنیچر اور تعمیرات کے ماہر افراد موجود ہیں جو مختلف جگہوں پر اسی گاؤں کی حدود میں اپنا کاروبار کر رہے ہیں، مہاجر آبادی کی مسجدوں میں سے ایک مسجد میں اختلاف ہے کہ جمعہ نماز نہیں ہوئی، کچھ افراد اس کی وجہ آبادی کا چھوٹا ہونا بتاتے ہیں، جب کہ کچھ افراد یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام آبادیاں ایک گاؤں ہیں اس لیے جمعہ کی نماز ترک نہ کرنی چاہیے، اب ہم علماء کرام سے گزارش کرتے ہیں کہ نماز جمعہ جاری رکھیں یا ترک کر دیں۔

نوٹ: برائے مہربانی اس کی وضاحت بھی فرمائیں، ایسے گاؤں میں جس میں جمعہ کی شرائط پوری نہ ہوتی ہوں اس گاؤں والے جمعہ کی نماز ترک کرنے پر گناہ گار ہوں گے یا جمعہ کی نماز سے بری الذمہ ہیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں مذکورہ بستوں میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ تمام بستیاں ہیں اور جمعہ کے لیے مصر جامع یا قریہ کبیرہ ہونا شرط ہے، جو کہ یہاں نہیں پائی جارہی، لہذا ان بستوں میں ظہر کی نماز ادا کی جائے گی۔

”قوله وفي القهستانی الخ تأيد للمتن وعبارة القهستانی تقع فرضاً في

القصبات والقرى الكبيرة التي فيها اسواق“..... (رد المحتار: ۱/۵۹۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مسجد کو چھوڑ کر مصلیٰ میں نماز جمعہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۶): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے لاہور شہر میں ایک جگہ نماز کے لیے مختص کی ہوئی ہے اور وہاں پر پانچ وقت کی نماز ہوتی ہے اور دیگر لوگوں کو نماز کے لیے اذن عام بھی ہے، سوال یہ ہے کہ اس مصلیٰ پر نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز جمعہ پڑھنا تو شرعاً جائز ہے، البتہ مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے کے ثواب سے محرومی ہوگی۔

”عن ابی حنیفة انه بلدة كبيرة فيها سلك واسواق ولهار سائق وفيها وال

يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره يرجع

الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح“..... (فتاویٰ شامی:

۱/۵۹۰)

”قوله عليه السلام لاجمعة ولا تشریق ولا صلاة فطر ولا اضحى الا في مصر

جامع او مدينة عظيمة ولم ينقل عن الصحابة انهم حين فتحوا البلاد اشتغلوا

بنصب المنابر والجمع الا في الامصار دون القرى ولو كان لفعل“.....

(طحطاوی علی المراقی الفلاح: ۵۰۴)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

ایک خطبہ سے نماز جمعہ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

مسئلہ نمبر (۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک امام مسجد غیر مقلد صرف ایک خطبہ جمعہ شریف کا پڑھ کر نماز جمعہ پڑھا دیتے ہیں پوچھنے پر انہوں نے جواب دیا کہ میری تقریر یہ ایک خطبہ ہے، اب آپ فرمائیں کہ مسلک احناف کے مطابق صرف ایک خطبہ سے نماز جمعہ ادا ہو جاتی ہے یا کہ نہیں ہوتی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال نماز جمعہ سے پہلے عربی زبان میں دو خطبے پڑھنا سنت ہیں، مسلک احناف میں ایک خطبہ عربی میں پڑھنے سے جمعہ تو ادا ہو جائے گا لیکن ترک سنت پر استمرار کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، نیز غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جو کہ گناہ ہے۔

”وفى الهداية وجامع المضممرات والمجتبى وغيرهما ان الخطبة على الاختلاف يعنى ان يجوز عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى بغير العربية للقادر والعاجز كليهما وعندهما لاحدهما ودليل قوله هو اطلاق قوله تعالى يا ايها الذين امنوا اذنوا لى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله الاية فان المراد بذكر الله هو الخطبة على ما ذكره اهل التفاسير وهو مطلق غير مقيد بالعربى فيكون كالتذكير فى انه لا يشترط فيه خصوصية لسان دون لسان ويجاب من قبلهما ان الخطبة تشابه الصلوة بل كانها قائمة مقام الصلوة فكما ان اذكار الصلوة لا تجوز لغير العاجز بغير العربية كذلك لا تجوز الخطبة الا بالعربية“..... (مجموعه رسائل اللكنوى: ۳/۳۴)

”فلو خطب بالفارسية او بغيرها جاز كذا قالوا والمراد بالجواز هو الجواز فى حق الصلوة بمعنى انه يكفى لاداء الشرطية وتصح بها الصلوة فلا الجواز بمعنى الاباحة المطلقة لانه لاشك فى ان الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبى ﷺ والصحابة فيكون مكروها تحريما“..... (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية: ۱/۴۴۲)

”فعارضنى بعض الاعزة بان الخطبة انما هى لافهام السامعين وتعليم

الحاضرين وهو مفقود في العربية في الديار العجمية بالنسبة الى اكثر الحاضرين فينبغي ان يجوز مطلقا من غير كراهة فقلت الكراهة انما هي لمخالفة السنة لان النبي ﷺ واصحابه قد خطبوا دائما بالعربية ولم ينقل عن احد منهم خطبوا بالخطبة وهو خطبة غير الجمعة بغير العربية ، فعاد قائلا في ذلك الزمان والبلدان ان لم يكن احتياج التذليل للسان لان الحاضرين كانوا من العرب ولغتهم كانت العرب واما في هذه البلدان فليس كذلك فيحتاج الى التبديل لذلك فعدت قائلا قد كان يحضر في مجالس الخطب النبوية ﷺ رجال من الفرس والروم والحش والعجم ولم يبدل النبي ﷺ خطبة ابدا ولا علمه احدا ومن المعلوم ان منهم من لم يكن يفهم لسان العرب مطلقا ومنهم من لا يقدر على فهم الكثير منه وان فهم قدرا قدرا ولا يتوهم انه لم يكن النبي ﷺ يعلم اللغة العجمية وغيرها من اللغات الغير العربية ولو كان علمها لخطب بها لانا نقول بعد التسليم ذلك ان بعض الصحابة كزيد بن ثابت قد كان تعلم اللسان العجمي والرومي والحش وغيرهما من الالسنه فلم لم يامر النبي ﷺ ان يخطبهم ويعظهم بالسننهم وبالجملة فالاحتياج الى الخطبة بغير العربية لتفهم اصحاب العجمية كان موجودا في القرون الثلاثة ومع ذكر ذلك فلم يروا احد ذلك من احد في تلك الازمنة وهذا دليل على الكراهة ، وبوجه آخر الخطبة بالفارسية وغيرها من اللغات الغير العربية بدعة فكل بدعة ضلالة والضلالة ادنى درجاتها الكراهة فلا يخلوا الخطبة بغير العربية عن الكراهة ووجه كونه بدعة انه لم يكن في القرون الثلاثة..... (آكام الفانس في اداء الاذكار بلسان الفارس : ٣٣)

”ولما كانت اكثر شريعتنا بالعربية يلزم على الناس ان يعلموا اللسان العربي بقدر ما يرتفع به الحاجة فان ما لا يتم الواجب الابيه واجب ، ومن هنا صرحوا ان تعلم الصرف والنحو وغيرهما من مبادئ العلوم بقدر ما يحتاج اليه في فهم الشريعة واجب فاذا لم يفهم الحاضرون الخطبة العربية فالتزام عدم الفهم

چھوٹے دیہات میں اگر نماز جمعہ شروع ہو جائے تو اس کو بند کرنا ضروری ہے:

مسئلہ نمبر (۹): کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا ایک چھوٹا سا دیہات ہے، آبادی تقریباً تین سو کے قریب ہے، ہمارے گاؤں سے بڑا قصبہ تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، ہمارے دیہات کی زیادہ تر آبادی کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی اور مویشی پالنا ہے، دیہات کے لوگوں کو بڑے قصبے میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے دو سے تین گھنٹے کا وقت درکار ہوتا ہے، جو کھیتی باڑی اور مویشیوں کی پرورش کرنے والے لوگوں کے لیے کافی مشکل ہے جس کی وجہ سے زیادہ تر لوگ نماز جمعہ ادا نہیں کر سکتے، ہم نے ابھی اپنے دیہات میں جمعہ شروع کیا ہے، شریعت کی رو سے ہم جمعہ پابندی سے ادا کرتے رہیں یا کہ ترک کر دیں، برائے مہربانی مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

آپ کے بیان کے مطابق چھوٹے سے دیہات میں نماز جمعہ شروع کی گئی ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے، لہذا اس کو فی الفور بند کرنا ضروری ہے۔

”شرط ادائها المصرو وهو كل موضع له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود او مصلاہ قوله شرط ادائها المصراى شرط صحتها ان تؤدى فى مصر حتى لاتصح فى قرية ولا مفازة لقول على رضى الله عنه لاجمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا اضحى الا فى مصر جامع اوفى مدينة عظيمة رواه ابن ابى شيبه وصححه ابن حزم وكفى بقوله قدوة واماما واذالم تصح فى غير المصر فلا تجب على غير اهلہ“..... (البحر الرائق: ۲/۲۳۵)

”لاتجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما فى المضمرة والظاهر انه اريد به الكراهة لكراهة النقل بالجماعة الا ترى ان فى الجواهر لو صلوا فى القرى لزمهم اداء الظهر“..... (رد المحتار: ۱/۵۹۰)

”لاتصح الجمعة الا فى مصر جامع اوفى مصلى المصر ولا تجوز فى القرى لقوله عليه السلام لاجمعة ولا تشريق ولا فطر ولا اضحى الا فى مصر جامع

والمصر الجامع کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود“

.....(الهدایة: ۱/۱۷۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گاؤں کوٹوا میں نماز جمعہ حکم:

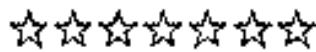
مسئلہ نمبر (۱۰): کیا فرماتے ہیں علماء حضرات مشائخ عظام اور مفتیان حضرات مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ گاؤں کوٹوا (مرکز تراڑکھل) جس کے مشرق میں تراڑکھل شہر تقریباً ۶ کلومیٹر کے فاصلے پر اور شمال کی جانب بن جونہ مرکز تقریباً اڑھائی کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، گاؤں کوٹوا کا مشرقی کونہ ٹاؤن ایریا تراڑکھل سے منسلک ہے، اس گاؤں کی عوام تقریباً تمام لوگ فقہ حنفیہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس گاؤں کے عوام آج سے ایک سو سال قبل سے گاؤں میں عید پڑھتے تھے، اس زمانے میں مرکز تراڑکھل یا بن جونہ میں جمعہ نہیں پڑھایا جاتا تھا اور نہ ہی کوٹوا میں جمعہ پڑھایا جاتا تھا، ایک مسجد جو تقریباً سو سال پرانی ہے اور یہاں کے لوگ گاؤں میں نماز عیدین پڑھتے تھے، اب گاؤں کے کچھ لوگ مرکز تراڑکھل جامع مسجد میں عیدین ادا کرتے ہیں اور بعض لوگ سابقہ طریقے سے گاؤں میں عیدین ادا کرتے ہیں، جو لوگ گاؤں میں عیدین ادا کرتے ہیں ان کا استدلال ہے کہ چونکہ یہاں سو سال قبل عیدین پڑھی جاتی تھیں اس لیے اب یہاں عیدین کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ بچے، بوڑھے اور معذور افراد تراڑکھل نہیں جاسکتے، اس کے علاوہ برفباری اور بارش میں تراڑکھل جانا مشکل ہے، گاؤں ہذا میں گرلز ٹیل سکول اور بوائز پرائمری سکول کے علاوہ چند ایک مقامات پر چیدہ چیدہ دوکانیں ہیں، گاؤں کے اندر مختلف جگہوں پر چار مساجد موجود و آباد ہیں، اور چار مساجد میں نماز تراویح ادا کی جاتی ہے، آبادی تقریباً 500 افراد پر مشتمل ہے، ضروریات زندگی کی تقریباً چیزیں گاؤں سے میسر ہو جاتی ہیں، لہذا عیدین گاؤں میں ادا کرنا جائز ہے (گاؤں کوٹوا) اور بعض کا اعتراض ہے کہ گاؤں میں چونکہ جمعہ نہیں پڑھا جاتا ہے اور نہ ہی عید گاہ موجود ہے، اس لیے فقہ حنفی کے مطابق گاؤں میں نماز عیدین ادا نہیں ہوتی، اس وجہ سے گاؤں میں لوگوں کے درمیان اختلافات ہیں، لہذا تمام معاملے پر نظر رکھتے ہوئے بتایا جائے کہ کیا تمام لوگ گاؤں میں عیدین ادا کر سکتے ہیں یا ان کو مرکز تراڑکھل میں ادا کرنی چاہیے؟ چونکہ معاملہ شدت اختیار کر چکا ہے اس لیے مسئلہ ہذا کے بارے میں تفصیلاً وضاحت کے ساتھ فتویٰ جاری فرمایا جائے، تاکہ گاؤں کے عوام ایک فتنے سے بچ سکیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں بشرط صحت سوال جمعہ کی نماز کے لیے جو شرائط ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ وہ قریہ کبیرہ ہو یا وہ شہر ہو تو وہاں جمعہ اور عیدین کی نماز جائز ہے، اور صورت مذکورہ میں یہ شرائط نہیں پائی جاتیں، لہذا یہاں پر جمعہ اور عیدین کی نماز نہیں ہوگی۔

”قوله وفي القهستاني تائيد للمتن وعبارة القهستاني تقع فرضا في القصابات والقري الكبيرة التي فيها اسواق قال ابو القاسم هذا بخلاف اذا اذن الوالي او القاضي ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتهد فيه فاذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه وفيما ذكرنا اشارة الى انه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرة“..... (فتاوى شامی: ۱/۵۹۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



جمعہ کی رکعتوں کی ترتیب:

مسئلہ نمبر (۱۱): محترم و مکرم جناب حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! عرض یہ ہے کہ جمعہ کی رکعات کی ترتیب بیان فرمادیتے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

جمعہ کی نماز سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں، پھر فرض پڑھنے کے بعد چھ رکعت سنت مؤکدہ ثابت ہیں پہلے چار پھر دو رکعت پڑھنی چاہئیں۔

”وقبل الظهر والجمعة وبعدها اربع“..... (کنز الدقائق علی البحر الرائق: ۲/۳۷)

”وعن ابی یوسف انه ينبغي ان یصلی اربعاً ثم رکعتین و ذکر محمد فی کتاب الاعتکاف ان المعتکف یمکث فی المسجد الجامع مقدار ما یصلی اربعاً اوستاہ وفي الذخيرة والتجنيس و كثير من مشايخنا علی قول ابی یوسف وفي

منية المصلى والافضل عندنا ان يصلى اربعا ثم ركعتين.....(البحر الرائق:
۲/۴۹)

”قال في الذخيرة وعن علي انه يصلى ستا ركعتين ثم اربعا وعنه رواية اخرى
انه يصلى بعدها ستا اربعا ثم ركعتين وبه اخذ ابو يوسف والطحاوي وكثير من
المشايخ رحمهم الله تعالى وعلى هذا قال شمس الائمة الحلواني رحمه الله
تعالى الاصل ان يصلى اربعا ثم ركعتين..... لكن الافضل تقديم الرابع
كيلا يصير متطوعا بعد الفرض مثلها اه.....(منحة الخالق على البحر الرائق:
۲/۴۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گاؤں میں نماز جمعہ پر اصرار کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۲): کیا فرماتے ہیں علمائے عظام و مفتیان دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں بولی میں دو مساجد ہیں، ایک مین سڑک کے کنارے پر مسجد خضری اور دوسری بستی کے درمیان، اکتوبر 2005ء کے زلزلے کے بعد امہ و یوسفی ٹرسٹ نے سڑک کے کنارے پر واقع اس مسجد کی توسیع کی اور جامع مسجد قرار دے کر جمعہ کی نماز شروع کی گئی، اور اپنا امام و خطیب مقرر کر دیا، روڈ پر واقع ہونے کی وجہ سے ہر قسم کے لوگ جمعہ کی نماز میں شریک ہو جاتے تھے، ہوٹل، کچھ تنظیموں کے دفاتر اور تین چار دوکانیں اس پوری بستی میں تھیں، اب سیلاب سے جامع مسجد خضری شہید ہو گئی تو دوسری مسجد مدنی مسجد کے امام نے لوگوں کو جمع کیا اور جمعہ پڑھایا اور باقاعدہ مدنی مسجد میں جمعہ شروع کر دیا، حالانکہ اس پورے گاؤں میں چار دوکانیں اور ایک پرائمری سرکاری سکول اور تنظیم کا ایک سکول ہے۔ مفتی صاحب برائے مہربانی مندرجہ ذیل امور کا قرآن و سنت کے مطابق جواب عنایت فرمائیں۔

- (۱) اس گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟
- (۲) اگر نہیں ہوتی تو امام صاحب جو پڑھانے پر اصرار کرتا ہے تو وہ گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ امام کو بخوبی مسئلہ کا علم ہے؟
- (۳) بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جمعہ کی نماز ادا ہو یا نہ ہو ہمارا ذمہ دار تو امام ہے، کیا واقعی ان کا ذمہ دار امام ہے؟ اور لوگوں کو مسئلہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی اگر وہ جمعہ پڑھنے پر اصرار کریں تو وہ عند اللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟

(۴) اگر جمعہ کی نماز ادا نہیں ہوتی تو لوگ ظہر کی نماز ادا کریں یا نہیں؟ اور گزشتہ جو جمعے پڑھے ہیں ان کے بدلے ظہر کی قضاء کریں گے یا نہیں؟ اور اگر لوگ جمعہ پڑھنے پر ہی اصرار کریں تو جو لوگ گھروں میں ظہر کی نماز ادا کر لیں وہ گناہ گار ہوں گے یا نہیں؟

(۵) بعض لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک دفعہ جمعہ شروع ہو گیا تو اب فساد کی وجہ سے اسے ختم نہیں کیا جاسکتا، اس کی کیا حقیقت ہے؟

(۶) بعض لوگ شہر میں جا کر جمعہ یا عید کی نماز ادا کرتے ہیں، بعض لوگ ازراہ محبت ان سے کہتے ہیں کہ گاؤں ہی میں جمعہ یا عید کی نماز پڑھو، اب گاؤں کی مسجد کو چھوڑ کر ان کا شہر میں جانا کیسا ہے؟

(۶) بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ معذور، ضعیف اور بوڑھے افراد شہر میں نہیں جاسکتے لہذا اگر گاؤں کی اس مسجد میں جمعہ ہو تو یہ افراد باآسانی شامل ہو سکتے ہیں، واقعی معذورین اور بوڑھوں پر جمعہ واجب ہے کہ اس مسجد میں ادا کریں؟

(۷) جامع مسجد خضریٰ کے امام نے لوگوں کو مسئلہ بتایا کہ اس مسجد میں جمعہ صحیح نہیں تو ان لوگوں نے دونوک کہا، اگر خضریٰ مسجد میں جمعہ ادا ہو جاتا تھا تو یہاں بھی ہو جائے گا، اگر وہاں نہیں ہوتا تھا تو یہاں بھی نہیں ہوگا، مفتی صاحب بندہ خضریٰ مسجد میں امام رہا اور جمعہ بھی پڑھا تا رہا کیونکہ لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ ہم نے لوگوں سے مسئلہ پوچھا ہوا ہے، لیکن مجھے اب اس مسئلہ کی تحقیق معلوم ہوئی کہ اس گاؤں میں جمعہ ادا نہیں ہوتا جب لوگوں کو بتایا تو انہوں نے کہا کہ آپ کی مسجد میں کیوں جمعہ ہو جاتا تھا؟ اور واضح رہے کہ اس گاؤں میں تین چار دوکانیں 200 نمازی جمعہ کے لیے ہیں، ایک سرکاری اور ایک غیر سرکاری سکول ہے۔

مفتی صاحب برائے مہربانی ان مسائل کا تسلی بخش جواب دیں تاکہ لوگوں کی نمازوں کو بچایا جاسکے، اور ماضی کے گناہوں کی تلافی ہو سکے اور اظہار حق ہو سکے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اس گاؤں میں فقہاء حنفیہ کے نزدیک جمعہ ادا کرنا صحیح نہیں۔

مسئلہ معلوم ہونے کے باوجود جو اصرار کرتے ہیں وہ گناہ گار ہیں کیونکہ جمعہ ادا کرنے کے باوجود ان کے ذمہ ظہر کی فرض نماز باقی رہتی ہے جس وجہ سے وہ عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔

اس گاؤں میں رہنے والوں پر جمعہ واجب نہیں وہ ظہر کی نماز ادا کریں گے۔

جو لوگ ثواب کمانا چاہیں وہ شہر جا کر جمعہ ادا کریں اور جو لوگ نہیں جاسکتے ان کے ذمہ ضروری نہیں ہے۔

اس گاؤں میں جہاں پہلے سے جمعہ ادا کیا جاتا ہے حکمت عملی سے منع کیا جائے تاکہ ان کے ذمہ جو ظہر کی نماز فرض ہے وہ وقت پر ادا کی جائے۔

”قوله شرائط اداها المصراى شرط صحتها ان تؤدى فى مصر حتى لاتصح فى قرية ولا مفازة لقول على رضى الله عنه لاجمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا اضحى الا فى مصر جامع او فى مدينة عظيمة واذا لم تصح فى غير المصر فلا تجب على غير اهله“..... (البحر الرائق: ۲/۲۳۵)

”فلا تجب على اهل القرى التى ليست من توابع المصر ولا يصح اداء الجمعة فيها“..... (بدائع الصنائع: ۱/۵۸۳)

”قوله فى مصر بخلاف القرى لانه لاجمعة عليهم فكان هذا اليوم فى حقهم كغيره من الايام شرح المنية وفى المعراج عن المجتبى من لا تجب عليهم الجمعة بعد الموضع صلوا الظهر بجماعة“..... (رد المحتار: ۱/۶۰۳)

”وفى ما ذكرنا اشارة الى انه لا تجوز (اي الجمعة) فى الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما فى المضممرات والظاهر انه اريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة الا ترى ان فى الجواهر لو صلوا فى القرى لزمهم اداء الظهر“..... (رد المحتار: ۱/۵۹۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مارکیٹ کے کمرے کی مسجد میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۳): حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے ایک مارکیٹ کے اندر ایک چھوٹی سی تقریباً دس فٹ کی ایک دوکان کرائے پر لی ہوئی ہے۔

ہم وہاں تین نمازیں، ظہر، عصر، مغرب باجماعت کرواتے ہیں مغرب کے بعد تالہ لگا دیتے ہیں، اتوار کو مکمل چھٹی ہوتی ہے، اس لیے جائے نماز بھی بند رہتی ہے، جمعہ کے دن بھی تقریباً آدھی چھٹی ہوتی ہے، کوئی اور سرکاری چھٹی

ہو تو بھی مارکیٹ بند رہتی ہے، مارکیٹ کے اوپر رہائشی فلائٹس ہیں وہاں بھی ایک کمرے کی مسجد ہے اس میں پانچ وقت کی نماز ہوتی ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ فلائٹس والے مولوی صاحب نیچے مارکیٹ کی مسجد میں نماز جمعہ کروانا چاہتے ہیں، اور ویل یہ دیتے ہیں کہ بلڈنگ تو ایک ہی ہے، تو آیا ایسی چھوٹی جگہوں پر جمعہ المبارک کی نماز کروانا سنت کے مطابق ہے یا خلاف شرع ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

جامع مسجد میں نماز جمعہ اداء کرنی چاہیے تاکہ شوکت اسلام ظاہر ہو اور کسی بھی ایسی جگہ شہر میں نماز جمعہ اداء ہو سکے گی جہاں اذن عام ہو البتہ چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں نماز جمعہ شروع کرنا نکشیر جمعہ کی وجہ سے خلاف سنت ہے۔

”ولان الجمعة من اعظم الشعائر فتختص بمكان اظہار الشعائر
وهو المصر“..... (بدائع الصنائع : ۱/۵۸۳)

”تعدد المساجد التي تقام فيها الجمعة ، الغرض من صلاة الجمعة هو ان
يجتمع الناس في مكان واحد خاشعين لربهم فتتوحد بينهم روابط اللفة
وتقوى صلاة المحبة وتحيا في انفسهم عاطفة الرحمة والرفق وتموت عوامل
البغضاء والحقد وكل منهم ينظر الى الآخر نظرة المودة والاخاء فيعين قويهم
ضعيفهم ويساعد غنيهم فقيرهم ويرحم كبيرهم صغيرهم ويوقر صغيرهم
كبيرهم ويشعرون جميعا بانهم عبيد الله وحده وانه هو الغني الحميد
ذوالسلطان القاهر والعظمة التي لاحد لها ، ذلك بعض اغراض الشريعة
الاسلامية من حث الناس على الاجتماع في العبادة ومما لا ريب فيه ان
تعدد المساجد لغير حاجة يذهب بهذه المعاني السامية لان المسلمين
يتفرقون في المساجد فلا يشعرون بفائدة الاجتماع ولا تتأثر انفسهم بعظمة
الخالق الذي يجتمعون لعبادته خاضعين متذللين“..... (كتاب الفقه على
المذاهب الاربعة : ۱/۳۳۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جمعہ کے خطبہ سے پہلے سنتوں کے لیے وقت دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جمعہ کی دوسری اذان سے پہلے اور اردو والی تقریر کے بعد چار سنتوں کے پڑھنے کے لیے وقفہ دیا جانا درست ہے کہ نہیں؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

خطبہ جمعہ سے پہلے چار سنتوں کو پڑھا جائے، اور لوگ عام طور پر سے تقریر کے آخر میں آتے ہیں اس لیے ان کو ادائیگی سنن کے لیے موقع دے دینا چاہیے۔

”وقد تعلق بما ذكرنا بعض من نفى ان للجمعة سنة فانه من المعلوم انه كان عليه الصلوة والسلام اذ ارقى المنبر اخذ بلال رضی اللہ عنہ فی الاذان فاذا اكمله اخذ ﷺ فی الخطبة فمتى كانوا يصلون السنة ومن ظن انهم اذا فرغ من الاذان قاموا فركعوا فهو من اجهل الناس وهذا مدفوع بان فروع ﷺ كان بعد الزوال بالضرورة فيجوز كونه بعدما كان يصلى الاربع ويجب هذا الحكم بوقوع هذا المجوز لما قدمنا في باب النوافل انه ﷺ يصلى اذا زالت الشمس اربعا ويقول هذا ساعة تفتح ابواب السماء ويجب ان يصعدلى فيها عمل صالح وكذا يجب في حقهم“..... (فتح القدير : ۲/۳۹، ۳۸)

”عن ابن مسعود انه كان يصلى قبل الجمعة اربعا وبعد الجمعة اربعا“..... (فتح القدير : ۲/۳۹)

”عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ وهو يخطب اذا جاء احدكم يوم الجمعة والامام يخطب ليركع ركعتين ولتجوز فيهما رواه مسلم قيل ينبغي ان ينوى سنة الجمعة لان تحية المسجد تحصل بها بخلاف عكسه“..... (مرقاة المفاتيح : ۳/۳۵۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

گاؤں والے جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں گے:

مسئلہ نمبر (۱۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کی ایک مسجد ہے اور اس مسجد میں پانچوں وقت نماز باجماعت ہوتی ہے اور اس گاؤں سے شہر دور ہے اور چند ایک دو دوکانیں جو کہ لوگوں نے اپنے گھروں میں ڈالی ہوئی ہیں اور ہر ایک چیز جو ضرورت زندگی کی وہ تمام اشیاء وہاں میسر نہیں ہیں، وہاں پر عرصہ دراز سے جمعہ اور عیدین کی نماز ادا کی جاتی ہے، آیا کہ اس مسجد میں نماز جمعہ اور عید کی شرعی اجازت ہے اور اگر اجازت نہیں تو جو نمازیں لوگ پڑھ چکے ہیں جمعہ کی وہ لوٹائیں یا پھر وہ نمازیں صحیح ہیں اور اسی مسجد میں کیا حکم ہے؟ جمعہ کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں جمعہ کی ادائیگی کی شرائط میں سے قریہ کبیرہ یا شہر یا حاکم مجاز ہونا ہے، لہذا یہاں نہ قریہ کبیرہ نہ اور نہ ہی یہاں کوئی حاکم مجاز ہے تو ان لوگوں کے لیے نماز جمعہ جائز نہیں ہے اور عیدین کی نمازیں پڑھنا بھی جائز نہیں، یہ لوگ جمعہ کی بجائے نماز ظہر باجماعت ادا کریں گے، اگر وہ پڑھ چکے ہیں تو اتنی مقدار میں ظہر کی نمازیں لوٹائیں گے۔

”قوله وفي القهستانی تائيد للمتن وعبارة القهستانی تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة فيها اسواق قال ابو القاسم هذا بخلاف اذا اذن الوالي او القاضي ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتهد فيه فاذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه وفيما ذكرنا اشارة الى انه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرة“..... (رد المحتار: ۱/۵۹۰)

”اما المصير الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة اذانها عند اصحابنا حتى لا تجب الجمعة الاعلى اهل المصير ومن كان ساكنا في توابعه كذاك لا يصح اداء الجمعة الا في المصير وتوابعه فلا تجب على اهل القرى التي ليست من توابع المصير ولا يصح اداء الجمعة فيها“..... (بدائع الصنائع: ۱/۵۸۳)

”والظاهر انه اريد به الكراهة لكرهة النفل بالجماعة الا ترى ان في الجواهر

لوصلو في القرى لزهم اداء الظهر“..... (رد المحتار: ۱/۵۹۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نئی مسجد میں جمعہ شروع ہونے کی وجہ سے پرانے جمعہ کو بند نہیں کیا جائے گا:

مسئلہ نمبر (۱۶): کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسائل کے بارے میں۔
تفصیلی پس منظر:

(۱) ضلع استور گلگت کے ضلعی ہیڈ کوارٹر شہر استور کی مرکزی جامع مسجد میں قیام پاکستان سے پہلے سے جمعہ کی نماز ہو رہی ہے۔

(۲) آبادی میں اضافہ اور مسجد کی تنگی کی وجہ سے ایک قطعہ اراضی بغرض تعمیر جامع مسجد خرید کر تعمیر شروع کی گئی۔

(۳) 1996ء میں جمعہ کی نماز مذکورہ بالا جگہ پر جو کہ بغیر دیوار چھت تھی، زیر تعمیر مسجد میں منتقل کی گئی۔

(۴) اس دوران جامع مسجد کے خطیب صاحب سے چند خلاف شرع کام سرزد ہوئے۔

i۔ اہل تشیع حضرات استور شہر کے ایک (غیر روایتی) غیر پر مٹ یافتہ روڈ سے ماتمی جلوس گزارنا چاہتے تھے، جس کے خلاف اہل سنت نے اعتراض و احتجاج کیا (جو کہ حق بجانب تھے) مگر خطیب صاحب نے حکومت اور شیعوں سے ساز باز کر کے رقم لے کر متنازعہ اور غیر اجازت یافتہ راستہ سے جلوس گزارنے کی اجازت دے دی (حالانکہ قبل ازیں خود خطیب صاحب اس کے خلاف کفر اور حرام کا فتویٰ دے چکے ہیں)

ii۔ خطیب صاحب مذکور نے کوآپریٹو بینک استور سے مروجہ طریقہ کار کے مطابق دو ضمانتوں اور اپنے دستخطوں سے فارم پر کر کے مبلغ پچاس ہزار روپے سودی قرضہ وصول کیا (مذکورہ بینک کا منیجر شیعہ تھا)

iii۔ طالبان کے دور کے آخری ایام میں طالبان حکومت کے لیے چندے کی مد میں تقریباً آٹھ لاکھ کپڑے اور بقول خطیب صاحب 390.000 روپے سے کچھ زائد رقم جمع ہوئے تھے جن کی تفصیلی کارروائی رجسٹر میں درج ہے، طالبان حکومت کے سفیر تک اسلام آباد پہنچانے کی ذمہ داری خود خطیب صاحب نے از خود قبول کی تھی مگر پہنچانے میں تاخیری حربے استعمال کرتے رہے، مجاہدین کمانڈر کے طلب کرنے پر بھی لیت و لعل سے کام لیتے رہے، تا وقتیکہ طالبان حکومت کا سقوط ہوا، بعد ازاں کمیٹی کے ذریعے مذکورہ رقم کی واپسی کی شدید کوشش پر خطیب صاحب بمشکل 330.000 روپے واپس کر دیے، اور 60.000 روپے ہضم کر گئے۔

مذکورہ بالا مزید کئی غیر شرعی الزامات کی بناء پر اکثر نمازی حضرات خطیب صاحب سے ناراض ہو گئے، ان کو خطابت سے الگ کرنے کی کوشش کی گئی تو نمازی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے، فتنے اور نقض امن سے بچنے کے لیے خطیب صاحب کے غیر شرعی افعال کی وجہ سے ناراض حضرات نے اسی پرانی مرکزی جامع مسجد میں تقریباً چھ سات سال قبل دوبارہ مستقل جمعہ شروع کروادیا ہے، واضح رہے کہ پرانی جامع مسجد میں مستقل امام متعین ہیں جب کہ سن 2010ء سے قبل نئی مسجد میں پانچ وقت آذان و نماز نہیں ہوتی تھی۔

(۵) خطیب صاحب موصوف نے فتویٰ دیا ہے کہ نئی جامع مسجد میں نماز جمعہ شروع ہونے کے بعد پرانی مرکزی جامع مسجد میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے (حالانکہ قبل ازیں بارش کے دوران خود پرانی مسجد میں نماز جمعہ پڑھاتے رہے ہیں) واضح رہے کہ استور ضلعی ہیڈ کوارٹر ہے جس میں متعلقہ تمام افسران، عدالت، چھاؤنی اور بڑے بڑے بازار کئی ہزار مکانوں پر مشتمل آبادی اور زندگی کی ہر سہولت میسر ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالات کے شریعت شریف کی روشنی میں جوابات مرحمت فرمائے جائیں۔

- (۱) کیا خطیب موصوف کا فتویٰ درست ہے کہ پرانی جامع مسجد میں جمعہ جائز نہیں ہے۔
- (۲) جس شہر میں سترہ سال سے جمعہ کی نماز ہو رہی ہو کیا وہاں ایک سے زائد جگہوں پر نماز جمعہ ادا کرنا ناجائز ہے؟
- (۳) کیا جس مسجد سے کسی مصلحت کے تحت جمعہ منتقل ہو چکا ہو دوبارہ بحال نہیں ہو سکتا؟
- (۴) جس مسجد میں پانچ وقت آذان و نماز نہ ہوتی ہو اس میں نماز جمعہ کا کیا حکم ہے؟
- (۵) کیا خطیب موصوف مذکورہ بالا شرعی الزامات و عیوب کے ہوتے ہوئے بھی امامت اور خطابت کے اہل ہیں، اور کیا ان کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں پرانی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے، خطیب موصوف کا دعویٰ درست نہیں ہے اور اسی طرح وہ مسجد جس میں پانچ وقت آذان و جماعت نہ ہوتی ہو اگر وہ شہر میں واقع ہے تو اس میں نماز جمعہ درست ہے، اور خطیب موصوف کے متعلق جو باتیں کی گئی ہیں اگر وہ حقیقت پر مبنی ہیں تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

”وتؤدی فی مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا علی المذهب وعلیه“

”تکرہ امامتہ بكل حال بل مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراہۃ تقدیمہ
کراہۃ تحریم لما ذکرنا“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۴۱۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جس جگہ شرائط جمعہ نہ پائی جاتی ہوں وہاں ظہر کی ادائیگی فرض ہے:

مسئلہ نمبر (۱۷): (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام دین دریں مسئلہ کہ ایک گاؤں جو کہ شہر سے ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے لیکن درمیان میں کم و بیش فاصلے کے ساتھ چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہیں جس کی وجہ سے اس گاؤں کا اتصال شہر کے ساتھ ہو رہا ہے اور اس مذکورہ گاؤں میں دیگر مسالک یعنی غیر مقلدین و بریلوی کے لوگ عرصہ دراز سے میں نماز جمعہ ادا کر رہے ہیں۔

جب کہ اس گاؤں کی صورت حال یہ ہے کہ متصل بازار موجود نہیں ہے اور اس کی آبادی 1500 گھر کے لگ بھگ ہے، اور حسب ضرورت اشیاء خورد و نوش بھی دستیاب ہیں، اور سکول بھی موجود ہے آیا اس مذکورہ گاؤں میں جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس مذکورہ گاؤں کے قریب واقع بستی جو کہ 30 گھروں پر مشتمل ہے اور اس کا فاصلہ اس گاؤں سے 14 میٹر ہے اور مزید یہ کہ اس بستی میں پہلے سے جمعہ شروع ہوا پھر امام کے وہاں سے چلے جانے کی وجہ سے جمعہ رک گیا، اور اب دوبارہ شروع ہو چکا ہے اور مسلسل ایک سال سے ادا کیا جا رہا ہے، اس مذکورہ بستی والوں کا جمعہ ادا کرنا از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ نماز جمعہ کے انعقاد کے لیے شرعاً کئی شرائط ہیں جن میں سے ایک شرط مصر یا قریہ کبیرہ کا ہونا اور قریہ کبیرہ اس گاؤں کو کہا جاتا ہے، جس میں گلیاں، بازاریں ہوں اور چھوٹے دیہات کے لیے مرکز تجارت ہو، صورت مسئلہ میں مذکورہ دونوں مقامات کے رہائشی لوگوں پر نماز ظہر کی ادائیگی فرض ہے اور نماز جمعہ کے عنوان سے نماز ظہر کا چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے، اور جو ظہر کی نمازیں اس بنیاد پر نہیں پڑھ چکے ہیں اس کی قضاء ضروری ہے۔

”فی التحفة عن ابی حنیفہ انه بلدة کبيرة فیہا سکک و اسواق و لہا سائق

وفیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمتہ و علمہ او علم غیرہ

یرجع الناس الیہ فیما یقع من الحوادث“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۵۹۰)

”فی القصبات والقرى الكبيرة التي فيها اسواق..... لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضممرات والظاهر انه اريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة الا ترى ان في الجواهر لو صلوا في القرى لزمهم اداء الظهر“..... (فتاوى شامى: ١/٥٩٠)

”وفي الخانية المقيم في موضع من اطراف المصر ان كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع لاجمعة عليه وان بلغه النداء وتقدير البعد بغلوة او ميل ليس بشيء هكذا رواه ابو جعفر عن الامامين وهو اختيار الحلواني وفي التارخانية ثم ظاهر رواية اصحابنا لا تجب الاعلى من يسكن المصر او ما يتصل به فلا تجب على اهل السواد ولو قريبا وهذا اصح ما قيل فيه“..... (فتاوى شامى: ١/٦٠٢)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

250 افراد والى آبادى میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (18): حضرت مفتی صاحب السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ ہمارے گاؤں کے اندر پانچ مسجدیں ہیں اور تمام مسجدوں میں نماز جمعہ ادا ہوتی ہے، گاؤں میں چند گھر ہیں جن کی تقریباً آبادی 250 کے قریب ہے اور بڑے گاؤں سے تقریباً 16 کلومیٹر دور ہے اور پٹواری کے کاغذات میں بھی گاؤں ایک ہی ہے لیکن اپنی زمین میں بیٹھے ہیں، بڑے گاؤں میں ہائی سکول ہے اور ہمارے گاؤں میں پرائمری سکول ہے، ہمارا گاؤں تقریباً دو کلومیٹر دور ہے، ایک ڈیرے کی آبادی 150 کے قریب ہے، اور دوسرے ڈیرے کی آبادی 200 ہے اور تین چار ڈیروں کے درمیان مسجد صرف ہمارے ڈیرے میں ہے اور یہ تمام ڈیرے اور ہمارے گاؤں کا تعلق اس بڑے گاؤں سے ہے، اب آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ ہماری مسجد میں نماز جمعہ ادا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت موجودہ گاؤں میں شرائط جمعہ نہ پائے جانے کی وجہ سے جمعہ جائز نہیں ہے۔

”وفیما ذکرنا اشارۃ الی انہ لاتجوز فی الصغیرۃ الی لیس فیہا قاض و منیر
و خطیب“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۵۹۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قبل از زوال خطبہ جمعہ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۹): محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

چند ہفتے پہلے ایک مراسلہ امریکہ سے موصول ہوا جس میں کچھ وضاحت طلب کی گئی ہے، انگریزی کے اس
مراسلہ کا ترجمہ ممکنہ حد تک پیش خدمت ہے ازراہ کرم اس مراسلہ پر فتویٰ جاری فرمائیں۔
ترجمہ مراسلہ:

امید ہے کہ آپ صحت سے ہوں گے ایک مسئلہ درپیش ہے، ہماری مسجد جو کہ (pitts Buygh) میں ہے،
نماز جمعہ کا خطبہ تقریباً زوال سے آدھا گھنٹہ پہلے شروع ہوتا ہے، اس وقت زوال تقریباً 12:32 پر ہے اور جمعہ کا خطبہ
12:10 پر شروع ہوتا ہے جب کہ نماز جمعہ 12:45 پر ادا کی جاتی ہے، موسم بہار میں زوال تقریباً 01:30 بجے
ہوتا ہے، جب کہ جمعہ (خطبہ) کا وقت 01:10 پر ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ چاروں فقہ میں جائز ہے کہ نہیں؟

میں نے مسجد انتظامیہ سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ حنبلی فقہ کے مطابق جمعہ زوال سے پہلے جائز ہے
(درحقیقت انہوں نے کہا کہ یہ طلوع آفتاب سے عصر تک جائز ہے) پہلی چیز تو یہ ہے کہ اس جگہ حنبلی فقہ کے ماننے
والے ہی نہیں رہتے، جہاں تک مجھے علم ہے یہ محض اپنی صوابدید کے مطابق جائز نہیں ہے، انسان کسی بھی فقہ پر عمل
پیرا ہو سکتا ہے، یا تو انسان مجتہد ہو یا کسی مجتہد کا پیروکار ہو۔

یہاں پر زیادہ تر حنفی اور شافعی ہیں، مالکی فقہ کے فتویٰ کے مطابق یہ جائز نہیں ہے (ہم نے شیخ کبیری
جو موریطانیہ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے دریافت کیا) انہوں نے جواب دیا کہ یہ حرام ہے، اور ہمیں چار رکعت ظہر کی
جمعہ کے بعد ادا کرنی چاہئیں، لہذا مجھے حنفی فقہ کے مطابق اس مسئلہ پر فتویٰ درکار ہے کہ مجھے اس صورت حال میں
کیا کرنا چاہئے؟

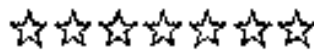
الجواب باسم الملك الوهاب

جمعہ کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ خطبہ جمعہ (یعنی وہ خطبہ جو دوسری اذان کے بعد عربی زبان میں دیا جاتا ہے) وقت داخل ہونے کے بعد پڑھا جائے، لہذا صورت مسئلہ میں اگر اذان اول وقت داخل ہونے کے بعد دی جاتی ہے، اسی طرح اذان ثانی اور خطبہ عربی بھی وقت داخل ہونے کے بعد پڑھے جاتے ہیں تو اس صورت میں نماز جمعہ صحیح ہے، اور اگر عربی خطبہ قبل از وقت پڑھتے ہیں تو نماز جمعہ صحیح نہیں۔

”والرابع الخطبة فيه فلو خطب قبله و صلى فيه لم تصح اه في الشامية (الخطبة فيه) اي في الوقت وهذا احسن من قول الكنز والخطبة قبلها اذ لا تنصيص فيه على اشتراط كونها في الوقت“..... (در مختار مع رد المحتار: ۲/۱۳۷)

”ووجب سعی اليها وترك البيع بالاذان الاول في الاصح (قوله في الاصح) والاصح انه الاول باعتبار الوقت وهو الذي يكون على المنارة بعد الزوال اه“..... (در مختار مع رد المحتار: ۱/۱۶۱)

والله تعالى اعلم بالصواب



روہیلہ میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کا نام روہیلہ میں تحصیل دیپالپور ضلع اوکاڑہ ہے، ہمارے گاؤں میں کوئی ڈاکخانہ نہیں ہے، کوئی ہسپتال نہیں ہے، گھروں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو ہے، اور کل آبادی تقریباً چھوٹے بڑوں سمیت پانچ یا چھ سو تک ہیں، اور دو مسجدیں ہیں، دونوں میں آج کل جمعہ پڑھایا جا رہا ہے، ہمارے گاؤں میں ایک پرائمری سکول ہے، دو تین آرہتی ہیں، اور تقریباً سات کریانہ کی دوکانیں ہیں، رمضان کے علاوہ جمعہ میں تقریباً 20 سے 25 تک آدمی ہوتے ہیں، کپڑوں کی دو دوکانیں بھی ہیں، اور ایک عام سی کچی سڑک بھی گزرتی ہے، مہربانی فرما کر ہماری راہنمائی فرمائیں کہ ہمارے گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اور شرائط پر بھی روشنی ڈالیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

مندرجہ بالا گاؤں میں جمعہ کی ادائیگی درست نہیں ہے، کیونکہ مذکورہ گاؤں نہ مصر ہے اور نہ قریہ کبیرہ ہے، جب کہ ادائیگی جمعہ کے لیے مصر یا قریہ کبیرہ کا ہونا شرط ہے، اور ظہر کی نماز کا ترک پایا جا رہا ہے جو کہ کبیرہ گناہ ہے۔

”کما فی الهدایة ولا تجوز فی القرى لقوله عليه السلام لا جمعة ولا تشریق

ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع“..... (هدایہ: ۷۷/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

ساتھ گھروں والی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک گاؤں ہے اس میں تقریباً ساٹھ گھر ہیں، اس گاؤں میں تقریباً نو دوکانیں ہیں، اور ایک پولیس چوکی ہے اور ایک ہسپتال نیز پرائمری اور ہائی سکول بھی موجود ہے، اس گاؤں کی جو دوکانیں ہیں ان میں تقریباً عمارتی اشیاء اور کپڑے اور گوشت کے علاوہ ہر چیز مل جاتی ہے، اس گاؤں کے ساتھ تقریباً چھ گاؤں اور ہیں اور اس گاؤں میں عیدین کی نماز پڑھائی جاتی ہے، اور جمعہ کی نماز نہیں پڑھائی جاتی، اور ان گاؤں میں فاصلہ تقریباً ایک کلومیٹر ہے، اور ان میں سے ہر گاؤں کا قبرستان الگ الگ ہے، اس گاؤں کی آبادی تقریباً ڈیڑھ ہزار بنتی ہے، کیا اس گاؤں میں عید کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی وجہ بالتفصیل تحریر کریں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اس گاؤں کے اندر جمعہ وعیدین کی نماز جائز نہیں ہے، کیونکہ شرائط جمعہ مفقود ہیں، ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ جگہ مصر ہو۔

”عن علی رضی اللہ عنہ قال لا جمعة ولا تشریق ولا صلوة فطر ولا اضحی

الا فی مصر جامع“..... (نصب الرایة: ۲۰۲/۲، مکتبہ رحمانیہ)

”عن ابی حنیفة انه بلدة كبيرة فيها سلك واسواق ولها رساتيق وفيها وال

يقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمة“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۵۹۰)

”ولادائها شرائط فی غیر المصلی منها المصر حکذا فی الکافی والمصر فی

ظاهر الروایة الموضع الذی یكون فیہ مفت وقاض یقیم الحدود

وینفذ الاحکام وبلغت ابنیته ابنیة منی“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۳۵)

”قوله شرط اداها المصر ای شرط صحتها ان تؤدى فى مصر حتى لا تصح فى قرية ولا مفازة لقول على رضى الله عنه“.....(البحر الرائق : ۲/۲۳۵)
والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

ایک شہر میں تکثیر جمعہ خلاف سنت ہے:

مسئلہ نمبر (۲۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ادارہ کی ایک مسجد ہے جس کی تقریباً 10 صفیں بنتی ہیں اور 115 آدمیوں کی گنجائش ہے، رمضان المبارک سے قبل صرف نماز ظہر ہی ادا کی جاتی تھی، اب پانچ نمازیں باجماعت اداء ہوتی ہیں، کیا ایسی مسجد میں نماز جمعہ کا اہتمام کرنا جائز اور ٹھیک ہے یا نہیں؟ جب کہ اس مسجد کے قریب دوسری مارکیٹوں میں تین بڑی جامع مساجد بھی موجود ہیں اور مسجد ہذا میں پہلے کبھی بھی جمعہ کا اہتمام نہیں ہوا، کیا ایسی مسجد میں نماز جمعہ اداء کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر یہ ادارہ شہر کے اندر ہے اور اس مسجد میں عام مسلمانوں کو نماز کے لیے آنے کی عام اجازت ہے تو اس مسجد میں نماز جمعہ درست ہے، مگر بلا ضرورت محلوں کی تکثیر ایک شہر میں خلاف سنت ہے۔

”الشرط السادس الاذن العام حتى لو ان السلطان او الامير اذا غلق باب قصره وصالی فیہ بحشمہ لاتجوز جمعته وان فتحه واذن للناس بالدخول جازت سواء دخلوا اولا وذلك لما مر غیر مرة انها شرعت بخصوصیات لاتجوز بدونها والاذن العام والاداء على سبيل الشهرة من جملة تلك الخصوصیات فلاتجوز بدونه“.....(حلی کبیری: ۲۸۰)

”ولاشک فی جواز الجمعة فی البلاد والقصبات انتھی وهذا الذى قاله من حيث كون الموضوع مصر اولا وامان حيث جواز التعدد وعدمه فالاول هو الاحتياط لان فيه قوى اذا الجمعة جامعة للجماعات ولم تكن فى زمن السلف تصلى الا فى موضع واحد من المصر وكون التصحيح جواز التعدد للضرورة للفتوى لا يمنع شرعية الاحتياط للفتوى وذكر فى فتاوى“

.....(حلی کبیری: ۲۷۵)

”لان الجمعة جامعة للجماعات، قوله جامعة ولهذا لم يرد في عهد النبي ﷺ وعهد الصحابة اداء الجمعة في موضعين او اكثر كما صرح به الحافظ ابن حجر العسقلاني في بعض رسائله ومن ثم اجمع العلماء على ان المسنون هو التوحيد وانما اختلفوا في الجواز وعدمه“..... (حاشية عمدة الرعاية على شرح الوقاية: ۱/۲۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

شہر کھیوڑہ سے پون کلومیٹر دور مسجد میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۳): السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے حوالے سے کہ شہر کھیوڑہ سے تقریباً پون میل کے فاصلے پر صاحب ثروت لوگ چھوٹی سی مسجد کو الحمد للہ انفرادی طور پر خاصی توسیع کے ساتھ تیار کر رہے ہیں، مسجد میں چھوٹا سا مدرسہ بھی ہے، صبح و شام تقریباً پانچ سات نمازی ہوتے ہیں، ظہر عصر مغرب میں پندرہ سے بیس نمازی ہوتے ہیں، رمضان شریف میں مسجد آباد ہوتی ہے، مسجد ہذا کے ساتھ ملحقہ قدیمی قبرستان بھی ہے، مسجد کے قریب ایک چھوٹی سی دوکان بھی ہے، مسجد کے ارد گرد پندرہ بیس گھر ہیں، باقی نصف فرلانگ پون فرلانگ اور ایک فرلانگ تک کافی ڈیرہ جات ہیں، بفضل تعالیٰ شہر کھیوڑہ کی تین مساجد میں جمعہ اہتمام و انتظام سے ہو رہا ہے، متعلقہ مسجد والوں میں سے کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ مسجد ہذا میں بھی جمعہ کی نماز شروع کی جائے، جب کہ شہر کی تینوں مساجد انہیں نمازیوں کی وجہ سے آباد و شاداب ہیں، لہذا آپ حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ آپ اپنی جملہ مصروفیات کے باوجود اپنی پہلی فرصت میں ہماری مکمل راہنمائی فرمائیں، اور حوصلہ افزائی فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

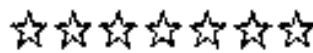
اگر مذکورہ جگہ فناء مصر میں داخل ہے تو اس صورت میں فی نفسہ تو اس مسجد میں نماز جمعہ جائز ہے باقی بہتر یہی ہے کہ تمام چھوٹی چھوٹی جگہوں پر جمعہ کا اہتمام کرنے کی بجائے ایک مرکزی جگہ پر نماز جمعہ کا اہتمام کیا جائے اور اس مرکزی جگہ کا انتخاب باہمی افہام و تفہیم سے طے کیا جاسکتا ہے۔

”والمصر فی ظاہر الروایة الموضوع الذی یكون فیہ مفت وقاض یقیم

الحدود وينفذ الاحكام وبلغت ابنته ابنيه منى و كما يجوز اداء الجمعة في
المصر يجوز اداؤها في فناء المصر وهو الموضع المعد لمصالح المصر
متصلاً بالمصر..... (فتاوى الهندية: ١/١٣٥)
”و كما تجوز اقامة الجمعة في المصر تجوز اقامتها خارج المصر قريباً منه
نحو مصلى العيد (الهداية) الحكم غير مقصور على المصلى بل تجوز في
جميع افنية المصر وفي فتاوى الشيخ الامام الفقيه ابى الليث شرط الفناء
نصاً فقال تجوز اقامة الجمعة خارج المصر اذا كان في فناء المصر وفي
النوازل وبه نأخذ وفي الخانية فناء المصر هو الموضع المعد لمصالح المصر
المتصل به..... (التاتارخانية: ٢/٣١، مطبوعه كونثه: ٢/٥٥٠)
”وفي التفريد والافضل هو الجامع الواحد اذا لم يكن عذر وضرورة“
..... (التاتارخانية: ٢/٣١)

”وانما يجوز تعطيل المساجد يوم الجمعة لاهل المصر فقط فيستحب لهم ان
يجمعوا في مسجد واحد“..... (اعلاء السنن: ٨/٩)

والله تعالى اعلم بالصواب



سوگھروں پر مشتمل بستی میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کی بستی تقریباً سوگھروں پر مشتمل ہے اور سارے لوگ مسلمان ہیں اور جن کی عمر اٹھارہ سال ہے مرد و عورتیں تقریباً پانچ سو افراد ہیں، گاؤں میں پرچون کی تین دوکانیں ہیں ایک مسجد ہے اور ایک سرکاری سکول ہے اور بڑا گاؤں ہم سے تقریباً ڈیڑھ میل دور ہے اور ہمارے گاؤں میں جب سے مسجد بنی ہے یعنی پچاس سال سے جمعہ پڑھایا جا رہا ہے، اور گاؤں کے سارے لوگ نماز جمعہ جاری رکھنے کے حق میں ہیں اور نماز جمعہ نہ ہونے کی صورت میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے، آپ قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیل سے آگاہ کریں کیا ہماری نماز جمعہ صحیح ہو رہی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں یہ گاؤں چھوٹا ہے اس میں نماز جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے۔

”وتقع فرضا في القصبات والقري الكبيرة التي فيها اسواق..... وفيما ذكرنا
اشارة الى انه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب الخ“
.....(الدر على الرد: 1/590)

لہذا وہاں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرے، ترک ظہر وہاں حرام ہے اور معصیت ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔
”صلوة العید فی القرى تکره تحریما ومثله الجمعة“.....(الدر على الرد :
1/611)

”ومن لا تجب عليهم الجمعة من اهل القرى والبادی لهم ان يصلوا الظهر
بجماعة يوم الجمعة باذان واقامة“.....(فتاویٰ الہندیة : 1/135)
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

شہر سے 33 کلومیٹر دور فیکٹری میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۵): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) ایک فیکٹری خوشاب شہر سے جو کہ بڑا شہر ہے ضلع و تحصیل بھی ہے اس سے 33 کلومیٹر دور ہے بلکہ اس سے
بھی زیادہ ہے۔

(۲) یہ فیکٹری منگوال گاؤں سے 5 کلومیٹر دور پہاڑوں میں واقع ہے، اور یہ منگوال گاؤں خوشاب سے
28 کلومیٹر دور ہے بلکہ زیادہ ہے۔

(۳) یہاں سے منگوال گاؤں تک جہاں روڈ ہے جو کہ خوشاب جاتی ہے، وہاں تک اس ایریا میں ٹریفک کی کوئی
سہولت نہیں ہے، اگر ایریز جسی ہو جائے تو پھر فیکٹری کی گاڑی لینی پڑتی ہے۔

(۴) اس فیکٹری میں تقریباً 250 آدمی ہیں جو کہ مزدور ہیں اور یہ فیکٹری ابھی بن رہی ہے مکمل تیار نہیں ہے۔

(۵) مسجد بھی نہیں بنی ہوئی اور مسجد کے لیے جگہ مختص نہیں ہوئی، ویسے ایک عارضی جگہ ہے جس پر نماز ادا کرتے
ہیں۔

(۶) فیکٹری کی طرف سے کھانا پینا ہے سب کے لیے رہائش بھی ہے، ایک دوکان فیکٹری میں ہے جس میں بسکٹ
وغیرہ ہیں۔

(۷) ادھر منگوال گاؤں میں ایک پرائمری سکول ہے، ہسپتال نہیں ہے، تھانہ نہیں ہے، دوکانیں نہیں ہیں۔

- (۸) جمعہ والے دن 25,30 آدمی ہوتے ہیں کبھی اس سے بھی کم ہوتے ہیں آج تک چالیس نہیں ہوئے۔
- (۹) پانچوں نمازوں میں تقریباً 10 آدمی ہوتے ہیں کبھی نہیں بھی ہوتے۔
- کیا ادھر جمعہ ہو سکتا ہے؟ کیا فیکٹری والوں پر یا گاؤں والوں پر جمعہ واجب ہے؟
- قرآن و حدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اس گاؤں میں جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے کیونکہ اس میں جمعہ کی ادائیگی کی شرائط نہیں پائی جاتیں، اور جمعہ کی ادائیگی کے لیے مصر یا قریہ کبیرہ کا ہونا شرط ہے، یعنی وہاں پر حاکم مجاز ہو یا کئی بازار ہوں۔

”قوله عليه الصلوة والسلام لاجمعة ولا تشریق الافى مصر جامع وقال على رضى الله عنه لاجمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحى الافى مصر جامع ولان الصحابة حين فتحوا الامصار والقري ما اشتغلوا بنصب المنابر وبناء الجوامع الافى الامصار والمدن وذلك اتفاق منهم على ان المصر من شرائط الجمعة“.....(المبسوط للمرخسى : ۲/۳۷)

”واما شرائط التي ترجع الى غير المصلى فخمسة فى ظاهر الروايات المصر الجامع والسلطان والخطبة والجماعة والوقت اما المصر الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة ادائها عند اصحابنا حتى لاتجب الجمعة الاعلى اهل المصر ومن كان ساكنا فى توابعه وكذا لا يصح اداء الجمعة الافى المصر وتوابعه فلاتجب على اهل القري التي ليست من توابع المصر ولا يصح اداء الجمعة فيها“.....(بدائع الصنائع : ۱/۵۸۳)

”والقري الكبيرة التي فيها اسواق قال ابو القاسم هذا بخلاف اذا اذن الوالى او القاضى ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتهد فيه فاذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه وفيما ذكرنا اشارة الى انه لاتجوز فى الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما فى المضمرات“.....(فتاوى شامى : ۱/۵۹۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

شہر سے 4 کلومیٹر دور بستی میں نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۶): انتہائی قابل قدر حضرت اقدس حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ہماری بستی پرانی جو کہ شہر سے تقریباً 4 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، جس کے قریب کی آبادیوں کی مساجد بھی ہم سے اسی قدر دور ہیں کہ بغیر لاؤڈ اسپیکر ان کی اذان کی آواز ہماری بستی تک نہیں پہنچتی، ہماری بستی تقریباً ۹۰ گھرانوں پر مشتمل ہے جس میں تقریباً بچے اور خواتین سمیت ۵۰ افراد اور ہائش پذیر ہیں، دو مسجدیں ہیں اور علیحدہ علیحدہ دوکانیں ہیں جو کہ ایک ساتھ آئے سارے بازار کی شکل میں نہیں ہیں، نیز ہماری بستی کے قریب دس دس پندرہ پندرہ گھروں پر مشتمل چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی ہیں، بایں صورت و احوال کیا ہماری یہ بستی شرعاً شہر کے حکم میں ہے؟ یا مذکورہ بالا شہر کی آبادی میں داخل ہے؟ اور کیا ہماری اس بستی میں نماز جمعہ شرعاً جائز ہے؟

وضاحت: راقم سے بہت پہلے جمعہ کی شرط ہماری اس مسجد میں تمام افراد کا جمع ہونا بتلایا جاتا تھا لیکن پھر ختم ہو گیا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ نماز جمعہ کے انعقاد کے لیے شرعاً کئی شرائط ہیں جن میں سے ایک شرط مصر یا قریہ کبیرہ کا ہونا ہے اور قریہ کبیرہ اس گاؤں کو کہا جاتا ہے جس میں گلیاں بازاریں ہوں اور چھوٹے دیہاتوں کے لیے وہ جگہ مرکز تجارت ہے، لہذا صورت مسئلہ میں مذکورہ شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے نماز جمعہ کا ادا کرنا درست نہیں ہے۔

”وعبارة القہستانی تقع فرضا فی القصبات والقری الكبيرة التي فيها اسواق
قال ابو القاسم هذا بخلاف اذا اذن الوالی او القاضی ببناء المسجد الجامع
واداء الجمعة لان هذا مجتهد فيه فاذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه
وفيما ذكرنا اشارة الى انه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر
وخطيب كما في المضمرة والظاهر انه اريد به الكراهة لكراهة النفل
بالجماعة الا ترى انه في الجواهر لو وصلوا في القرى لزمهم اداء الظهر
وهذا اذا لم يتصل به الحكم“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۵۹۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جس گاؤں میں اٹھارہ دوکانیں ہوں اس میں نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۷): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک گاؤں جس کی آبادی پانچ ہزار سے کم ہے اور مساجد کی تعداد ۹ ہے جب کہ دوکانوں کی تعداد اٹھارہ ہے، کیا اس قسم کے گاؤں میں شریعت مطہرہ کی رو سے جمعہ پڑھنے کی اجازت ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں جس گاؤں کا ذکر کیا گیا ہے فقہاء کی تعریف کے مطابق نہ شہر ہے اور نہ ہی قریہ کبیرہ ہے، لہذا اس میں جمعہ المبارک کی نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

”وعبارة القهستانی تقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرة التی فیہا اسواق..... و فیما ذکرنا اشارة الی انه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیہا قاض ومنبر وخطیب (فتاویٰ شامی: ۱/۵۹۰)

”عن ابی حنیفة انه بلدة کبیرة فیہا سکنک واسواق ولہا رساتیق و فیہا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم..... یرجع الناس الیہ فیما یقع من الحوادث“..... (فتاویٰ شامی: ۲/۵۹۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

شہر سے متصل آبادی کی مسجد میں نماز جمعہ جائز ہے:

مسئلہ نمبر (۲۸): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں:

کہ مدنی مسجد جو شیخوپورہ شہر کے مضافات کی آبادی کی اختتامی حدوں میں واقع ہے، مذکورہ آبادی شیخوپورہ روڈ پر سڑک کی جنوبی جانب ہے جب کہ سڑک کی شمالی جانب ہاؤسنگ کالونی کی آبادی ہے جو مغربی جانب سے شیخوپورہ شہر کے متصل ہے نیز مذکورہ آبادی شمال مغربی جانب سے بھی شیخوپورہ سے اتصال رکھتی ہے، اس صورت حال کے پیش نظر مذکورہ مسجد میں نماز جمعہ کا قیام جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

سوال میں ذکر کردہ تفصیل اور مذکورہ مقام کا معائنہ کرنے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ مذکورہ آبادی

کاشہر سے اتصال واضح ہے اور مذکورہ آبادی شیخوپورہ شہر کے مضافات کی آبادی ہے لہذا اس آبادی کی مسجد واقع تبلیغی مرکز شیخوپورہ میں نماز جمعہ کا قیام جائز ہے۔

”اوفناؤہ بکسر الفاء وهو ما حوله اتصل به اولا كما حرره ابن الكمال وغيره
لاجل مصالحه كدفن الموتى ور كض الخيل والمختار للفتوى تقديره بفرسخ
ذکرہ الولوالجی“..... (در مختار علی هامش الرد: ۱/۵۹۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

900 افراد والے گاؤں میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک گاؤں جس کی آبادی تقریباً 900 افراد پر مشتمل ہے، اور اس گاؤں کے ساتھ دو اور گاؤں ہیں جن میں سے ایک گاؤں اور اس کی ملحقہ آبادی 450 افراد پر مشتمل ہے، اور دوسرا گاؤں موڑی منڈیاں ہے جس کی آبادی تقریباً 700 افراد پر مشتمل ہے اس کی جامع مسجد میں بریلوی مسلک والے جمعہ ادا کرتے ہیں، باقی دو گاؤں اور ملحقہ علاقہ جن کی مجموعی آبادی 1350 تقریباً ہے، ایک جامع مسجد ہے جس میں تقریباً دو سو آدمی نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، اس گاؤں میں نماز جمعہ تقریباً 15 سال قبل شروع کیا گیا تھا، اور اس گاؤں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس وقت مفتی شفیق الرحمن صاحب ایبٹ آباد والوں کے فتویٰ سے نماز جمعہ شروع کیا گیا تھا۔

ان تینوں گاؤں میں ایک سٹاپ موڑہ منڈیاں ہے جہاں پر دو ہوٹل اور حمام کی دوکانیں، دو کریانہ اور ایک جنرل سٹور موجود ہے، اور اس سٹاپ سے تقریباً دو تین کلومیٹر دور سرائے صالح کا بازار موجود ہے اور ایک کلومیٹر دور پولیس چوکی شاہ مقصود ہے، بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس گاؤں میں نماز جمعہ جائز نہیں کیونکہ یہاں حنفی المسلمک کی شرائط جمعہ پوری نہیں ہوتی، جب کہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جس جگہ نماز جمعہ شروع ہو جائے وہاں اس کا چھوڑنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ فتنہ و فساد کا اندیشہ ہوتا ہے، برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کریں کہ ان تینوں گاؤں میں دو مسلک کے لوگ ہیں اور دونوں الگ الگ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، کیا یہاں نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہیں تو جن حضرات نے ابھی تک ان مساجد میں نماز جمعہ ادا کی ان کی نمازوں کا کیا ہوگا؟ قرآن و سنت کی روشنی میں واضح فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

ضروری وضاحت: اسٹاپ کا فاصلہ گاؤں سے ایک کلومیٹر کے لگ بھگ ہے جب کہ گاؤں کا ایک دوسرے سے فاصلہ صرف راہ گزر رہے، اور گاؤں کے اندر بھی اشیائے ضروریہ کی چھوٹی چھوٹی دوکانیں موجود ہیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

آپ کی بستی نہ مصر ہے اور نہ قریہ کبیرہ ہے لہذا اس میں نماز جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔

”وعبارة الفهستانی تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها اسواق

قال ابو القاسم هذا بخلاف اذا اذن الوالي او القاضي ببناء المسجد الجامع

واداء الجمعة الخ“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۵۹۰)

واضح رہے کہ جو حضرات ایسی بستی میں نماز ظہر ادا نہیں کر چکے ہیں ان کی قضاء ضروری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

رنگپور اڈہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۰): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ہاں مین روڈ پر واقع ایک جگہ موسوم بہ ”رنگپور اڈا“ ہے جہاں پر رہائشی آبادی بالکل نہیں ہے البتہ تین چار سو دوکانیں مارکیٹ کی شکل میں موجود ہیں، ان میں ہر قسم کی دوکانیں ہیں، مثلاً میڈیکل سٹور، جنرل سٹور، کریانہ سٹور، سبزی وغیرہ، ہر قسم کی تھوک و پرچون کی دوکانیں ہیں، اڈہ پر دو بڑی مسجدیں ہیں ایک پوسٹ آفس ہے، جب کہ عنقریب بینک کی برانچ بھی آنے والی ہے، لیکن رہائشی آبادی یعنی مکان بالکل نہیں ہیں البتہ دور دراز کے دوکان داروں نے اپنے گزربسر کے لیے مارکیٹ کی چھتوں پر کچھ رہائشی کمرے بنائے ہوئے ہیں، جب کہ موجودہ اڈہ سے آدھا کلومیٹر کے فاصلہ پر رنگپور شہر کے نام سے کافی آبادی ہے جو ایک دیہی علاقہ ہے اس میں ایک ہائی سکول اور ضرورت کی چند دوکانیں بھی ہیں، گاؤں کی آبادی تقریباً تین ہزار تک ہوگی، رنگپور اڈہ اور رنگپور شہر میں آدھ کلومیٹر کا فاصلہ ہے جس میں ایک نہر اور زرعی اراضی حائل ہیں، مذکورہ دونوں جگہ یعنی رنگپور اڈہ اور رنگپور شہر میں فقہ حنفی کے مطابق نماز جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں رنگپور اڈہ اور رنگپور شہر کے نام سے موسوم جو دیہی علاقہ ہے ان دونوں جگہوں کے درمیان

کیونکہ زرعی اراضی حائل ہیں اس لیے یہ ایک آبادی نہیں ہے، لہذا ان میں سے ایک پر بھی علیحدہ علیحدہ مصر کی تعریف

صادق نہیں آتی، اس بناء پر ان دونوں جگہوں میں فقہ حنفی کے مطابق نماز جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے۔

”وفى الخانية المقيم فى موضع من اطراف المصر ان كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع لاجمعة عليه وان بلغه النداء وتقدير البعد بعلوه او ميل ليس بشيء هكذا رواه ابو جعفر عن الامامين وهو اختيار الحلوانى وفى التارخانية ثم ظاهر رواية اصحابنا لا تجب الاعلى من يسكن المصر او ما يتصل به فلا تجب على اهل السواد ولو قريبا وهذا صح ما قيل فيه اه“
..... (فتاوى شامى: ۱/۶۰۲)

”و شرط ادائها المصر وهو كل موضع له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود او مصلاه“..... (البحر الرائق: ۲/۲۳۵)

”فى التحفة عن ابى حنيفة انه بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولهارساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره يرجع الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح اه“..... (رد المحتار: ۱/۵۹۰)

”وعبارة القهستاني تقع فرضا فى القصبات والقرى الكبيرة التى فيها اسواق قال ابو القاسم هذا بخلاف اذا اذن الوالى او القاضى ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتهد فيه فاذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه وفيما ذكرنا اشارة الى انه لا تجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما فى المضممرات والظاهر انه اريد به الكراهة لكرامة النفل بالجماعة الا ترى ان فى الجواهر لو صلوا فى القرى لزمهم اداء الظهر“
..... (فتاوى شامى: ۱/۵۹۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جیل میں نماز جمعہ وعیدین ادا کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۱): ذی الحجہ والکرم حضرت مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته!

ازراہ کرم اس سوال کا جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں۔

سائل فیروز پور روڈ پر واقع ڈسٹرکٹ جیل کا سپرنٹنڈنٹ ہے، جیل کے اندر جمعہ اور عید کی نماز کا اہتمام موجود ہے، میں اور میرا تحت عملہ نماز عید اور کبھی کبھی نماز جمعہ جیل کے اندر قیدیوں کے ساتھ ادا کر لیتے ہیں، میرے ایک مخلص دوست عالم دین نے مجھے کہا کہ جیل کے قیدیوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں، آپ پر فرض ہے، لہذا جیل کے اندر آپ کی نہ جمعہ کی نماز ادا ہوتی ہے اور نہ عید کی، جواب سے مشرف فرمادیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

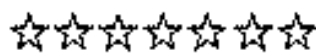
جیل میں چونکہ اذن عام نہیں پایا جاتا اس وجہ سے وہاں جمعہ و عیدین جائز نہیں ہیں۔

”ومنها اذن العام وهو ان تفتح ابواب الجامع فيؤذن للناس كافة حتى ان

جماعة لو اجتمعوا في الجامع واغلقوا ابواب المسجد على انفسهم وجمعوا

لم يجز“..... (فتاوى الهندية: 1/138)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



گاؤں مالی سنگھ اوکاڑہ میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۲): کیا فرماتے ہیں حضرات مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گاؤں مالی سنگھ حجرہ شاہ مقیم تحصیل دیپالپور ضلع اوکاڑہ میں 2 جنرل سٹور 8 پرچوں کی دوکانیں اور تین کلینک اور دو سبزی اور دو گوشت کی دوکانیں موجود ہیں، اور کپڑے سلانی کرنے والی اور آٹا نکالنے والی دو، دو، دوکانیں موجود ہیں، جب کہ اس گاؤں میں 235 گھر اور آبادی 1600 ہے، اور بچوں اور بچیوں کے لیے پرائمری گورنمنٹ سکول بھی موجود ہے اور ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر سرکاری ہسپتال بھی موجود ہے، اور گاؤں میں چار مساجد ہیں جب کہ دیوبندی مسلک کی اور دو بریلوی مسلک کی ہیں، بریلوی اپنی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، کیا ہم بھی اپنی مسجد میں نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں؟ ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے اس مسئلہ میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال آپ کا گاؤں نہ مصر جامع ہے اور نہ ہی قریہ کبیرہ ہے لہذا اس میں نماز جمعہ ادا کرنا جائز نہیں

ہے، بلکہ اس گاؤں والے اپنی ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں۔

”وفی القہستانی اذن الحاکم ببناء الجامع فی الرستاق اذن الجمعة اتفقا علی
 مقاله السرخسی (قوله وفی القہستانی تائید للمتن وعبارة القہستانی تقع فرضاً فی
 القصبات والقری الكبيرة التي فیها اسواق قال ابو القاسم هذا بخلاف اذا اذن
 الوالی او القاضي ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتهد فيه فاذا اتصل
 به الحکم صار مجمعا علیه وفيما ذکرنا اشارة الى انه لا تجوز فی الصغيرة التي
 ليس فیها قاض ومنبر وخطيب كما فی المضمرات والظاهر انه ارید به الكراهة
 لكراهة النفل بالجماعة الا ترى ان فی الجواهر لو صلوا فی القری لزهم اداء
 الظهر“..... (درمع الرد: ۱/۵۹۰)

واللہ تعالی اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

اڑھائی سو گھروں پر مشتمل بستی میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۳): محترم جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہمیں نماز جمعہ کا مسئلہ درپیش ہے امید ہے کہ آپ قرآن و سنت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں گے، ہم موضع
 پانڈوکی میں رہائش پذیر ہیں جس کی آبادی تقریباً سولہ ہزار نفوس پر مشتمل گاؤں میں تین مساجد ہیں تینوں میں علیحدہ
 علیحدہ نماز جمعہ ہوتا ہے، یہ کہ ہماری رہائش گاؤں سے تقریباً پندرہ بیس ایکڑ دور ہے اور تقریباً اڑھائی سو گھرانوں پر
 مشتمل ہے اور تقریباً سولہ سو افراد پر مشتمل ہیں، ہماری مسجد میں عرصہ 12 سال سے نماز جمعہ ہو رہی ہے، ہمارا لین دین
 خرید و فروخت گاؤں سے ہی ہوتا ہے، ہماری بستی کا قبرستان اور گاؤں کی قبرستان مشترک ہے، یہ کہ جناب محترم آپ
 مولوی حضرات نے ہماری بستی کا نماز جمعہ بند کر دیا ہے، لہذا آپ ہمیں اس مسئلہ سے آگاہ کریں، موضع پانڈوکی میں
 ایک بڑا گاؤں ہے اس کے ارد گرد ۴۰ بستیاں ہیں، ان کا آپس میں فاصلہ ۱۰ سے ۱۲ ایکڑ ہے، باہر سے جب کوئی شخص
 آتا ہے تو وہ موضع پانڈوکی کہتا ہے، اور مقامی لوگ بھی ان بستیوں کو موضع پانڈوکی کہتے ہیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

آپ کی یہ بستی جو تقریباً اڑھائی سو گھروں پر مشتمل ہے چھوٹی بستی ہے جس میں نماز جمعہ اور نماز عید دونوں
 جائز نہیں آپ کے اوپر ظہر کی نماز پڑھنا ضروری ہے۔

”قال في البدائع، وروى عن ابي حنيفة انه بلدة كبيرة فيها سلك واسواق
ولهارساتيق وفيهاوال يقدرعلى انصاف المظلوم من الظالم بحكمه وعلمه او علم
غيره والناس يرجعون اليه في الحوادث وهو الاصح“.....(بدائع الصنائع :
١/٥٨٥، كذا في البحر الرائق: ٢/٢٣٦)

”ولادائها شرائط في غير المصلى منها المصير هكذا في الكافي والمصنف في
ظاهر الرواية الموضوع الذي يكون فيه مفت وقاض يقيم الحدود وينفذ الاحكام
وبلغت ابنته ابنة منى“.....(فتاوى الهندية: ١/١٣٥)

”باب صلوة الجمعة الجمعة فريضة على الرجال الاحرار العاقلين المقيمين في
الامصار ولا يكون الموضوع مصرا في ظاهر الرواية الا ان يكون فيه مفت وقاض يقيم
الحدود وينفذ الاحكام وبلغت ابنته ابنة منى وكما يجوز اداء الجمعة في
المصير يجوز اداؤها في فناء المصير وفناء المصير هو الموضوع المعد لمصالح المصير
المتصل به ومن كان مقيما في عمران المصير واطرافه وليس بين ذلك الموضوع
وبين المصير فرجة فعليه الجمعة ولو كان بين ذلك الموضوع وبين عمران المصير
فرجة من المزارع والمراعى نحو القلع ببخارا لاجمعة على اهل ذلك الموضوع
وان كان النداء يبلغهم والغلوة والميل والاميال ليس بشيء“.....(فتاوى قاضى
خان على هامش الهندية: ١/١٤٣)

”ومن لا تجب عليهم الجمعة من اهل القرى والى البوادي لهم ان يصلوا الظهر
بجماعة يوم الجمعة باذان واقامة“.....(فتاوى الهندية: ١/١٣٥)

”قوله وفي القهستاني الخ تايد للمتن وعبارة القهستاني تقع فرضا في القصبات
والقرى الكبيرة التي فيها اسواق قال ابو القاسم هذا بخلاف اذا اذن الوالى
او القاضى ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتهد فيه فاذا اتصل به
الحكم صار مجمعا عليه وفيما ذكرنا اشارة الى انه لا تجوز في الصغيرة التي ليس
فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرة والظاهر انه اريد به الكراهة لكراهة
النفل بالجماعة الا ترى ان في الجواهر لو صلوا في القرى لزمهم اداء الظهر

وهذا اذا لم يتصل به حكم فان في فتاوى الدينارى اذ ابني مسجد في الرستاق
بامر الامام فهو امر بالجمعة اتفاقا على ما قال السرخسي فافهم والرستاق القرى
كما في القاموس..... (فتاوى شامى: ۱/۵۹۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

پندرہ سو والی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۳): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم لوگ اپنے گاؤں کی ایک مسجد میں مسلسل پچاس سال سے نماز جمعہ ادا کرتے آرہے ہیں، جب کہ ہمارے گاؤں کی آبادی پندرہ سو سے زیادہ نہیں ہے، تین چار دوکانیں ہیں لیکن ان سے روزمرہ کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں، مساجد کی تعداد پانچ تک ہے، تھوڑے دن ہوئے ہمارے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اب ہمارے ساتھی (متعلقہ دیوبندی مسلک) یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہاں جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ ہمارے گاؤں پر مصر کی تعریف صادق نہیں آتی، اب ان ساتھیوں نے ایک دوسری مسجد میں نماز ظہر پڑھنا شروع کر دی ہے، براہ کرم از روئے شریعت ہماری رہنمائی فرمائیں کہ کیا ہم لوگ الگ ظہر کی نماز باجماعت ادا کر سکتے ہیں؟ کیا ہمارا یہ فعل انتشار اور عدم اتحاد کا باعث نہ ہوگا؟ جب ہمارے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں تو کیا جو لوگ جمعہ پڑھ رہے ہیں ان کی نماز جمعہ ہو جائے گی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ تحریر کی روشنی میں مذکورہ بستی میں فی الحال جمعہ کی شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے جمعہ قائم کرنا جائز نہیں ہے اور ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا ضروری ہے اس کے باوجود اگر کوئی جمعہ قائم کرتا ہے تو ان کے ذمہ سے وقتی فرض ساقط نہ ہوگا۔

”وهو كل موضع له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقوم الحدود..... وفي حد المصر
اقوال كثيرة اختاروا منها قولين احدهما مافى المختصر ثانيهما ما عروه لابي حنيفة
انه بلدة كبيرة فيها سلك واسواق ولها ساتيق وفيها وال يقدر على انصاف
المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره والناس يرجعون اليه فى
الحوادث“..... (البحر الرائق: ۲/۲۳۶)

”وقيد بالمصر لان الجماعة غير مكروهة في حق اهل السواد لانه لاجمعة عليهم“.....(البحر الرائق: ۲/۲۶۹)

”ومن لا تجب عليهم الجمعة من اهل القرى والبادى لهم ان يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة باذان واقامة“.....(فتاوى قاضى خان على هامش الهندية: ۱/۱۷۷)

”قوله في مصر بخلاف القرى لانه لاجمعة عليهم“.....(فتاوى شامى: ۱/۶۰۳)

”لا تجوز اى الجمعة فى صغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما فى المضمرة والظاهر انه اريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة الا ترى ان فى الجواهر لو صلوا فى القرى لزمهم اداء الظهر“.....(فتاوى شامى: ۱/۵۹۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

فوج کی ورکشاپ میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۵): کیا فرماتے ہیں علماء دین و روح ذیل مسئلہ کے متعلق کہ حکومت پاکستان کے ادارے فوج کی ایک ورکشاپ ہے، سیکورٹی کے لحاظ سے وہاں اذن عام نہیں، تاہم مسجد میں پانچوں نمازیں ادا کی جاتی ہیں، اب کرنل صاحب اس مسجد میں جو مذکورہ ورکشاپ میں واقع ہے جہاں اذن عام نہیں، نماز جمعہ شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، نماز جمعہ جماعت کے ساتھ شروع کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بیوقوف توجروا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر جمعہ کی نماز میں شرکت کے لیے اذن عام دیا جائے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے، اذن عام کے ہوتے ہوئے بھی سیکورٹی کے انتظام کی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں۔

”للجمعة شرائط بعضها فى نفس المصلى وبعضها فى غيره اما الشرائط التى فى غير المصلى فستة.....والشرط السادس الاذن العام وهو ان يفتح ابواب الجامع ويؤذن للناس كافة حتى ان جماعة لو اجتمعوا فى الجامع واغلقوا ابواب المسجد على انفسهم وجمعوا لم يجزهم وكذلك السلطان اذا اراد ان يجمع

بحشمة فی داره فان فتح باب الدار واذن للناس اذنا عاما جازت صلاته
شهدها العامة اولم يشهدوها وان لم يفتح باب الدار واغلق الابواب واجلس
البوابين عليها ليمنعوا عن الدخول لم تجزهم الجمعة لان اشتراط السلطان
للتحرز عن تفويتها على الناس ولا يحصل ذلك الا بالاذن العام فكما يحتاج العام
الى السلطان لاقامة الجمعة فالسلطان ايضا محتاج الى العامة بان ياذن لهم اذنا
عاما حتى تجوز صلوٰۃ الكل..... (المحيط البرهانی: ۲/۳۶۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تار محمد خان غزنی خیل میں نماز جمعہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۶): کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

ایک گاؤں "تار محمد خان غزنی خیل" میں جمعہ کی نماز کے سلسلہ میں پوچھنا چاہتے ہیں، گاؤں کی صورت حال
درج ذیل ہے۔

(۱) کل آبادی 3250 (۲) 8 مسجدیں (۳) ایک ہائی سکول، ایک مڈل سکول لڑکیوں کا 2 پرائمری لڑکیوں
کے 3 پرائمری سکول لڑکوں کے (۴) 10 دوکانیں (۵) 3 میڈیکل اسٹور ہیں (۶) زرگر، ڈاکخانہ، ہسپتال، تھانہ وغیرہ
چوکی نہیں ہے، دوکانیں متفرق ہیں، ان 3250 میں 14 گھرانے متاثرین کے بھی شمار کیے گئے ہیں، جو کہ ذاتی
گھر نہیں رکھتے کرایہ اور عاریتہ کے مکانوں میں عارضی سکونت اختیار کی ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا گاؤں میں
جمعہ کی نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ یعنی یہ قریہ کبیرہ ہوگا یا صغیرہ؟ مدلل جواب دے کر مستون فرمائیں، عین مہربانی ہوگی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں مذکورہ گاؤں میں جمعہ کی نماز شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ جمعہ کی نماز کے
لیے مصر جامع یا قریہ کبیرہ کا ہونا شرط ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جس میں بازاریں ہوں اور اس جگہ کو آس پاس کے
دیہاتوں کے لیے تجارتی مرجعیت و مرکزیت حاصل ہو یا اس میں حاکم مجاز ہو، جب کہ مذکورہ گاؤں میں ان شرطوں
میں سے ایک شرط بھی نہیں پائی جاتی، لہذا اس میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے، شریعت کے سامنے انسان کو سر تسلیم خم
کر دینا چاہئے۔

”وفي القهستاني اذن الحاکم ببناء الجامع في الرستاق اذن بالجمعة اتفاقا على مقال السرخسي (قوله وفي القهستاني) تايد للمتن وعبارة القهستاني تقع فرضا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها اسواق قال ابو القاسم هذا بخلاف اذا اذن الوالي او القاضي ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتهد فيه فاذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه وفيما ذكرنا اشارة الى انه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات والظاهر انه اريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة الا ترى ان في الجواهر لو صلوا في القرى لزهم اداء الظهر“..... (درمع الرد: ١/٥٩٠)

”قوله شرط ادائها بالمصر اي شرط صحتها ان تؤدي في مصر حتى لا تصح في قرية ولا مفازة لقول علي رضي الله عنه لا جمعة ولا تشريق ولا صلوة فطر ولا اضحى الا في مصر جامع او في مدينة عظيمة“..... (البحر الرائق: ٢/٢٢٥)

”اما المصر الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة ادائها عند اصحابنا حتى لا تجب الجمعة الاعلى اهل المصر ومن كان ساكنا في توابعه وكذا لا يصح اداء الجمعة الا في المصر وتوابعه فلا تجب على اهل القرى التي ليست من توابع المصر ولا يصح اداء الجمعة فيها“..... (بدائع الصنائع: ١/٥٨٣)

”عن ابي حنيفة انه بلدة كبيرة فيها سلك واسواق وله اساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره يرجع اليه الناس فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح اه“..... (حاشية ابن عابدين: ١/٥٩٠)

والله تعالى اعلم بالصواب



﴿ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ العیدین ﴾

نماز عید میں اگر تکبیرات بھول جائیں تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ نمبر (۳۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز عید الاضحیٰ میں امام صاحب دوسری رکعت میں قراءۃ کے بعد تکبیرات زوائد کو بھول کر رکوع میں چلے گئے مقتدیوں کے اللہ اکبر کہنے کی وجہ سے امام صاحب رکوع سے قیام کی طرف آگئے تکبیرات زوائد کہہ کر دوبارہ رکوع میں چلے گئے اور آخر تک نماز مکمل کرائی آخر میں سجدہ سہو کیا اب آیا اس طرح کرنے سے عید الاضحیٰ کی نماز ادا ہوگئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو ان کا گناہ کس پر ہے اور چھٹکارے کی کیا صورت ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں نماز ادا ہوگئی ہے لیکن امام صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ قیام کی طرف نہ لوٹے بلکہ رکوع میں ہی تکبیرات کہہ دیتے۔

”کما لورکع الامام قبل ان یکبر فان الامام یکبر فی الرکوع ولا یعود الی القیام لیکبر فی ظاهر الروایۃ فلو عاد ینبغی الفساد قال ابن عابدین تحت قوله فلو عاد ینبغی الفساد تبع فیہ صاحب النهر وقد علمت ان العود روایۃ النوادر علی انه یقال علیہ ما قاله ابن ہمام فی ترجیح القول بعدم الفساد فیما لو عاد الی القعود الاول بعد ما استتم قائما بان فیہ رفض الفرض لاجل الواجب وهو وان لم یحل فهو بالصحة لا یخل“..... (درمع الرد: ۱/۶۱۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے یا بعد میں کھانا کھانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عید الاضحیٰ کے دن عید کی نماز سے پہلے یا بعد میں کیا چیز کھانا مستحب ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

عید الاضحیٰ کے دن عید کی نماز سے پہلے کچھ نہیں کھانا چاہئے بلکہ صبر کر کے عید کی نماز کے بعد قربانی کے گوشت

سے کھائے اور یہ مستحب ہے البتہ وہ فقراء جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے عید کی نمازے سے پہلے بھی کھا سکتے ہیں مگر ان کے لیے بھی صبر کرنا بہتر ہے۔

”وفی یوم النحر لا یطعم حتی یرجع فیاکل من اضحیتہ وفی الحجۃ اما الفقراء الذین لا یضحون لیس لہم ان یؤخروا قال الحجۃ جاء فی الاخبار فضیلة لمن صبر حتی یصلی مطلقا فترجى لكل من صبر كما روى عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ من صام یوم الترویة فکانما عبد اللہ اثنی عشر الف سنة ومن صام یوم عرفة فکانما عبد اللہ اربعة وعشرين الف سنة ومن صام یوم النحر الی ان یصلی صلاة العید فکانما عبد اللہ ستین الف سنة، قلت هذا الحدیث وان کان ضعيفا لكن الفقهاء اتفقوا علی استحباب هذه الصیام المذكورة لروایات اخری“..... (الفتاوی التاتاریخانیة : ۷۱/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

عید الاضحیٰ کو جاتے ہوئے تکبیرات کہنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عید گاہ کو جاتے ہوئے تکبیرات کہنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کو جاتے ہوئے جہراً (بلند آواز سے) تکبیرات پڑھنا اور عید الفطر میں سرّاً پڑھنا مستحب ہے۔

”قوله لا یکبر فی طریق المصلی عند ابی حنیفة یعنی جہراً اما سرّاً فمستحب وهذا فی عید الفطر لان الاصل فی الثناء الاخفاء قال اللہ تعالیٰ (واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفة ودون الجهر) قال علیہ السلام خیر الذکر الخفی“..... (الجوہرۃ النیرة: ۱۱۲/۱)

”وفی الکافی وفی الاضحیٰ یکبر فی الطریق جہراً ثم یقطعها کما انتھی الی

الجبانة في رواية وفي رواية حتى يشرع الامام في الصلاة وفي الحجّة قال

الفقيه ابو جعفر وبه ناخذ“.....(الفتاوى التاتارخانية: ۷۲، ۷۱/۴)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

عید کی نماز سے پہلے نفل نماز پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۰): محترم و مکرم حضرت مفتی صاحب عید کی نماز سے پہلے نفل نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

عید کی نماز سے پہلے نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

”قال محمد في الاصل وليس قبل العیدین صلاة يريد انه لا يتطوع قبل صلاة

العیدین وفي التفرید وعند الشافعی لا بأس به وفي الحجّة هذا في الجبانة

اما في البلدة لا بأس بها في بيته او في ناحية المسجد وقال اكثر المشائخ يكره

ما لم يصل العید“.....(الفتاوى التاتارخانية: ۷۲/۴)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

عید الفطر کی نماز سے پہلے میٹھی چیز کھانا:

مسئلہ نمبر (۴۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عید الفطر کے دن عید کی نماز سے پہلے کیا

چیز کھانا مستحب ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

عید الفطر کے دن عید کی نماز سے پہلے کھجور یا کوئی میٹھی چیز کھانا مستحب ہے۔

”واستحب في عيد الفطر ان ياكل قبل الخروج الى المصلى تمرات ثلاثا

او خمسا او سبعا او اقل او اكثر بعد ان يكون وترا والا ماشاء من اى حلوان كان

كذا في العینی شرح الكنز“.....(الهندية: ۱۳۹/۱، ۱۵۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

عید کی نماز سے واپسی پر نفل پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عید کی نماز کے بعد عید گاہ سے واپسی پر نفل نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

عید کی نماز کے بعد عید گاہ سے واپسی پر گھر میں نفل پڑھنا مستحب ہے۔

”المستحب ان یصلی اربعا بعد الرجوع الی منزله کذا فی الزاد“.....
(الہندیۃ: ۱/۱۵۰)

”وفی الزاد وان احب ان یصلی فیہ بعدھا صلی اربعا مکذا قال صاحب
الکتاب الا ان مشایخنا قالوا ان المستحب ان یصلی اربعا بعد الرجوع الی
منزلہ کیلا یظن ظان انه ہو سنة متوارثۃ“..... (الفتاویٰ التاتاریخانیۃ: ۲/۷۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

فجر کی نماز نہ پڑھنے کی صورت میں نماز عید کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فجر کی نماز نہ پڑھنے کی صورت میں عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

فجر کی نماز نہ پڑھنے کی صورت میں بھی نماز عید پڑھ سکتے ہیں۔

”وفی الحجۃ و اذا قضی صلاۃ الفجر قبل صلوٰۃ العید لا یاس بہ و لو لم یصل
صلاۃ الفجر لا یمنع جواز صلوٰۃ العید“..... (الفتاویٰ التاتاریخانیۃ: ۲/۷۵)
”اذا قضی صلاۃ الفجر قبل صلاۃ العید لا یاس بہ و لو لم یصل صلاۃ الفجر
لا یمنع جواز صلاۃ العید“..... (الہندیۃ: ۱/۱۵۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تکبیرات عیدین اور دعائے قنوت میں فرق:

مسئلہ نمبر (۴۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عیدین کی تکبیرات واجب ہیں، اگر مقتدی امام کو رکوع میں پائے تو وقت کو مد نظر رکھتے ہوئے تکبیرات رکوع میں کہے گا، جب کہ وتروں میں دعائے قنوت بھی واجب ہے اور دعائے قنوت سے قبل تکبیر بھی واجب ہے، عیدین کی تکبیرات ادا کرنی لازمی ہیں جب کہ دعائے قنوت کو ادا کرنے میں یہ مسئلہ نہیں ہے؟ دونوں میں فرق کیا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

دعائے قنوت اور تکبیرات عید میں فرق معلوم کرنے کے لیے چند باتیں مد نظر رکھیں۔

نمبر ۱: رکوع اگرچہ قیام کامل نہیں لیکن فقہاء اس کو من وجہ قیام کا حکم دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مدرک رکوع کو مدرک رکعت کہا گیا ہے، حدیث میں بھی اور فقہ میں بھی۔

”ان لیس رکوع حکم القیام الاخری ان مدرکہ یكون مدرک اللکر کعة“..... (بدائع

الصنائع: ۱/۶۲۲)

نمبر ۲: دعائے قنوت اگرچہ حقیقتاً قراءۃ نہیں لیکن فقہاء نے اس کو بھی حکماً اور معنیاً قراءۃ ہی میں شمار کیا ہے، کیونکہ بعض مصحف قرآنی مثلاً مصحف ابن مسعود میں اس کو سورۃ القنوت کے نام سے قرآن میں شامل کیا گیا، اسی وجہ سے امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کو حالت جنابت میں پڑھنے سے منع کیا ہے۔

”واذا اراد ان یقنت کبر لان الحاله قد اختلفت من حقیقة القراءۃ الی

شبهتها قول انما قال شبهتها لان قوله اللهم اننا نستعینک کان مکروباً فی

مصحف ابی وابن مسعود وکان ابن مسعود یسمیہ سورۃ القنوت ولہذا کرہ

ابوحنیفۃ ومحمد قراءۃ تہ للجنب“..... (فتح القدیر: ۱/۳۷۸)

لہذا جب دعائے قنوت قراءۃ کے معنی میں ہے تو جس طرح قراءت حالت رکوع میں نہیں کی جاسکتی بلکہ اس کے

لیے قیام کامل اور حقیقتاً قیام کا ہونا ضروری ہے ایسے ہی دعائے قنوت بھی حالت رکوع میں جائز نہیں، اور جیسے امام کی قراءۃ

مقتدی کو کافی ہو جاتی ہے ایسے ہی دعائے قنوت بھی کافی ہو جائے گی، بخلاف تکبیرات عیدین کے کہ اس کا محل بھی اگرچہ

قیام ہی ہے لیکن یہ قراءۃ کی طرح نہیں ہے کہ جس کا قیام کامل اور حقیقی قیام میں ہی کرنا ضروری ہو لہذا مقتدی رکوع میں

آکر شامل ہو تو بالکل تکبیرات واجبہ کو ترک کرنے کی بجائے حالت رکوع میں ہی کہہ لے جو کہ من وجہ قیام ہی ہے۔

کیونکہ فقہی ضابطہ ہے کہ کسی واجب کو بالکل چھوڑ دینے سے بہتر ہے کہ اس کو ایسے محل میں ادا کر لیا جائے جو من وجہ محل بن سکتا ہے۔

”لانه لو تابع الامام لا يخلو امان ياتي بهذا التكبيرات اولاياتي بها فان كان لا ياتي بها فهذا تفويت الواجب وان كان ياتي بها فقد ادى الواجب فيما هو محل له من وجه دون وجه فكان فيه تفويته عن محله من وجه ولا شك ان اداء الواجب فيما هو محل له من وجه اولي من تفويته راسا“..... (بدائع الصنائع: ۱/۲۲۲)

”ثم اذ اركع يكبر تكبيرات العيد في الركوع عند ابي حنيفة ومحمد..... الى قوله بخلاف القنوت لانه بمعنى القراءة فكان محله القيام المحض وقد فات“..... (بدائع الصنائع: ۱/۲۲۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز عید کے بعد دعا کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۵): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز عید کے خطبوں کے بعد دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو دلائل سے آگاہ فرمائیں، اگر ثابت نہیں تو یہ دعا کرنا کیسا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز عیدین کے بعد دعا کرنا صحابہ اور تابعین یا تبع تابعین سے اگرچہ منقول نہیں لیکن چونکہ ہر نماز کے بعد دعا کرنا مستنون ہے اس لیے عیدین میں بھی مستنون ہوگا لیکن اس کو ضروری نہ سمجھنا چاہئے۔

”اذا انصرف من صلواته استغفر الله ثلاثا وقال اللهم انت السلام الى قوله ثم يدعون لانفسهم وللمسلمين لقوله عليه السلام والله اني لاحبك اوصيك بامعاذلاتدعن دبر كل صلوة ان تقول اللهم اعني ذكرك وشكرك وحسن عبادتك“..... (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۳۱۴، ۳۱۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مقررہ امام کی اجازت کے بغیر کسی اور کا نماز عید پڑھانا:

مسئلہ نمبر (۴۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں

کیا امام اور خطیب کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا آدمی جو وہاں صرف بچوں کو درس دیتا ہو وہ اپنی من مانی کے طور پر عید پڑھائے تو نماز عید ہو جائے گی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

امامت اور خطابت کا حق مقررہ امام کو ہے دوسرے شخص کو اس کی اجازت کے بغیر امامت وغیرہ کرنا درست

نہیں ہے۔

”فصاحب البيت والمجلس وامام المسجد اُحق بالامامة من غيره وان كان

الغير اُفقه وأقرأ وأورع وأفضل منه، ان شاء تقدم وان شاء قدم من يريدہ اه“

..... (الطحطاوی علی المراقی: ۲۹۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

عورتوں کا نماز عید فرداً فرداً پڑھنا:

مسئلہ نمبر (۴۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل مختلف گھروں والی عورتیں مل

کر ایک گھر میں نماز عید اکٹھی ہو کر فرداً فرداً پڑھتی ہیں ایک کی آواز اونچی ہوتی ہے باقی اپنی اپنی آہستہ آواز میں پڑھتی

ہیں پھر سلام پھیرنے کے بعد ایک عورت کھڑی ہو کر خطبہ دیتی ہے پھر دعا مانگتی ہیں آیا ان کا ایسا جمع ہونا خطبہ

پڑھنا یا عورتوں کا امامت کرنا کیسا ہے؟ کیا کوئی صورت اس کے علاوہ عورتوں کی نکل سکتی ہے کہ وہ عید ادا کر سکیں؟

مفصلاً قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز عیدین کے لیے جماعت شرط ہے فرداً فرداً نماز عید پڑھنے سے نماز عید ادا نہیں ہوتی، نیز عورتوں پر عید کی

نماز واجب بھی نہیں ہے، اور عورتوں کی جماعت بھی مکروہ ہے اور اس طرح عورت کا عید گاہ میں جانا بھی عید کی

نماز پڑھنے کے لیے مکروہ ہے، لہذا عورتیں عید کی نماز ادا نہ کریں۔

”(ویکرہ حضورہن الجماعة) ولو لجمعة و عید و وعظ (مطلقاً) ولو

عجوز الیلا (علی المذهب) المفتی بہ لفساد الزمان..... (الدر المختار:
۴۱۸/۱)

”ویکره تحریما (جماعة النساء) ولوفی التراویح“..... (الدر مع
الرد: ۴۱۸/۱)

”باب العیدین (تجب صلاتہما) فی الاصح (علی من تجب علیہ الجمعة
بشرائطها) المتقدمة (سوی الخطبة) فانها سنة بعدها (تحت قوله
بشرائطها وجزم بہ فی البحر قلت و فی امامة البحران الجماعة فی العیدین
علی القول بسنیتها وتجب علی القول بوجوبها و ظاهرہ انها غیر شرط علی
القول بالسنة لكن صرح بعده بانها شرط لصحتها علی کل من القولین ای
فتكون شرط الصحة الا تیان بها علی وجه السنة والا كانت
نفلا مطلقا تأمل“..... (الدر مع الرد: ۶۱۱/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

جو شرائط جمعہ کے لیے ہیں وہی عیدین کے لیے بھی ہیں:

مسئلہ نمبر (۴۸): السلام علیکم کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک گاؤں جس کی آبادی تقریباً ایک سو گھروں پر مشتمل ہے وہاں ایک مسجد ہے جس میں نماز جمعہ نہیں ہوتی اور دیگر نمازوں کا وہاں اہتمام بھی نہیں اور وہ گاؤں شہر سے ایک میل دور ہے اس گاؤں میں لوگ نماز عید ادا کرتے ہیں، کیا وہاں عید کی نماز ادا کرنا جائز ہے؟ تفصیل سے جواب دے کر ممنون فرمائیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جو شرائط جمعہ کے لیے ہیں وہی شرائط عیدین کی نماز کے لیے بھی ہیں جیسا کہ نماز جمعہ چھوٹی بستی میں جائز نہیں ہے اسی طرح نماز عید بھی چھوٹی بستی میں جائز نہیں ہے۔

”واما شرائط وجوبها وجوازها فکل ما هو شرط وجوب الجمعة
وجوازها فهو شرط وجوب صلوٰۃ العیدین وجوازها من الامام والمصر

والجماعة والوقت الا الخطبة فانها سنة بعد الصلوة ولو تركها جازت صلاة العید اما الامام فشرط عندنا الماذکرنا فی صلاة الجمعة وكذا المصر لما روينا عن علی رضی الله عنه انه قال لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع ولم یرد بذلك نفس الفطر ونفس الاضحی ونفس التشریق لان ذلك مما یوجد فی كل موضع بل المراد من لفظ الفطر والاضحی صلاة العیدین ولانها ما ثبتت بالتوارث من الصدر الاول الا فی الامصار..... (بدائع الصنائع: ۱/۲۱۶)

والله تعالی اعلم بالصواب



بڑی جامع مسجد میں نماز عید ادا کرنا:

مسئلہ نمبر (۴۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے شہر میں بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر عید گاہ قدیم آبادی کے اندر آگئی ہے اور جگہ بھی کم پڑ جاتی ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو ساتھ سڑک اور ناپاک جگہ گلیوں میں بھی کھڑا ہونا پڑتا ہے اور ابھی تک آبادی سے باہر کسی میدان میں بھی عید پڑھنے کا کوئی انتظام نہیں ہے، جبکہ کچھ مساجد میں لوگ پہلے سے عید پڑھتے ہیں ہم نے بھی اپنی بڑی جامع مسجد میں عید کی نماز پڑھی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تمہاری عید نہیں ہوئی بڑی جامع مسجد میں نماز عید منع ہے یا جائز ہے؟ خصوصاً مذکورہ بالا صورت میں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں بڑی مسجد میں نماز عید جائز ہے لیکن حتی الامکان کوشش کی جائے کہ چھوٹے چھوٹے اجتماعات کی بجائے کسی میدان میں عید کے لیے اجتماع عظیم ہو اس لیے کہ یہ سنت ہے اور اس میں شوکت اسلام کا مظاہرہ بھی ہے۔

”والخروج اليها ای الجبانة لصلوة العید سنة وان وسعهم المسجد الجامع تحت قوله هو الصحيح قال فی الظهيرية وقال بعضهم ليس بسنة وتعارف الناس ذلك لضيق المسجد وكثرة الزحام والصحيح هو الاول وفي الخلاصة والخانية السنة ان یرج الامام الى الجبانة ويستخلف غيره ليصلی فی

المصر بالضعفاء بناء على ان صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق وان
لم يستخلف فله ذلك“..... (الدرع الرد: ۱/۲۱۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

صحت جمعہ اور عیدین کا مدار آبادی پر نہیں:

مسئلہ نمبر (۵۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں تحصیلدار، فوجی
حوالدار، صوبہ دار، ڈاکٹر، بڑا ہسپتال، چار، پانچ پرائمری سکولز، ڈاکخانہ، دو خانہ اور ۲۰۰ دکانیں اسلامی مدرسہ پولیس
اسٹیشن موجود ہے مردم شماری ۲۵۰۰ ہے، پندرہ مساجد ہیں ہر مسجد اپنے اپنے محلہ میں واقع ہے محلوں کے درمیان
میں گلیاں اور کھیت ہیں لیکن تمام محلے ایک ہی نام سے موسوم ہیں اس گاؤں پر قریہ کبیرہ کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں؟
اس گاؤں میں عیدین پڑھنے والے کراہت تحریمی کے مرتکب ہیں یا نہیں؟ پڑھنے والے تارک واجب عمل ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال مذکورہ بالا گاؤں میں جمعہ و عیدین پڑھنا پڑھانا درست ہے یہ قریہ کبیرہ کے حکم میں ہے،
کیونکہ اس میں حاکم مجاز (اے، سی) موجود ہے اور صحت جمعہ و عیدین کا دار و مدار آبادی پر نہیں بلکہ حاکم یا حاکم
مجاز پر بھی ہے۔

”قوله شرط ادائها المصرای شرط صحتها ان تؤدی فی مصر حتی لا تصح
فی قرية ولا مفازة لقول علی لاجمعة ولا تشریق ولا صلاة فطر ولا اضحی
الافی مصر جامع اوفی مدينة عظيمة رواه ابن ابی شیبة وصححه ابن حزم
وكفی بقوله قدوة واماماً، واذالم تصح فی غیر المصر فلا تجب علی غیر اهلہ“
..... (البحر الرائق: ۲/۲۳۵)

”ولادائها شرائط فی غیر المصلی منها المصر هكذافی الكافی والمصر فی
ظاهر الروایة الموضوع الذی یكون فیہ مفت وقاض یقیم الحدود وینفذ
الاحكام وبلغت ابنته ابنة منی، هكذافی الظهيرية، وفتاوی قاضی خان، ووفی
الخلاصة وعلیه الاعتماد كذافی التارخانية“..... (الهندية: ۱/۱۳۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

تکبیرات تشریح واجب ہیں:

مسئلہ نمبر (۵۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تکبیرات تشریح سنت ہیں یا واجب؟ اور تکبیرات تشریح کتنی مرتبہ پڑھنی چاہیے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

تکبیرات تشریح واجب ہیں، ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ کہنا واجب ہے اور ایک سے زائد مرتبہ سنت نبویؐ سمجھ کر کہنا بدعت ہے اور ذکر الہی سمجھ کر کہنا مستحب ہے۔

”فصل وأما بيان وجوبه: فالصحيح أنه واجب، وقد سماه الكرخي سنة ثم فسره بالواجب فقال تكبير التشریح..... وإطلاق اسم السنة على الواجب جائز“..... (بدائع الصنائع: ۱/۲۵۸)

” (ویاتی بہ مرة) وما زاد فهو مستحب قال البدر العینی فی شرح التحفة، وأقره فی الدرر فی الحموی عن القراحصاری الاتیان بہ مرتین خلاف السنة، وفي مجمع الأنهر ان زاد فقد خالف السنة اه ولعل محله ما اذا أتى به علی أنه سنة وأما اذا أتى به علی أنه ذکر مطلق، فلا (حاشیة الطحطاوی: ۵۳۹) وأما عدده وما هیته فهو أن یقول مرة واحدة“..... (الهندیة: ۱/۱۵۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جہاں جمعہ جائز نہیں وہاں عیدین بھی جائز نہیں:

مسئلہ نمبر (۵۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ایک دوست کے گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا، لیکن اب وہاں پر کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ گاؤں میں عید کی نماز پڑھیں گے پوچھنا یہ ہے کہ آیا وہاں عید کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جہاں جمعہ جائز نہیں وہاں عید کی نماز بھی جائز نہیں، لہذا اس گاؤں میں عید کی نماز نہ پڑھیں۔

”تجب صلاة العيد على كل من تجب عليه صلاة الجمعة“..... (الهندية :

(۱۵۰/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گاؤں میں عید کی نماز کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی گاؤں میں عید گاہ نہ ہو تو عید کی نماز مسجد میں کروانا کیسا ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ مسجد میں ادا کرنا منع ہے اور کیا سرکاری جگہ یا کسی کی ذاتی جگہ حجرہ وغیرہ میں ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں آپ کے گاؤں میں عید کی نماز نہیں ہوتی اس لیے کہ عید کی نماز کے لیے شرط ہے کہ وہ مصر جامع یا قریہ کبیرہ میں پڑھی جائے جیسا کہ جمعہ کے لیے شرط ہے۔

”وأما شرائط وجوبها وجوازها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها

فهو شرط وجوب صلاة العیدین وجوازها“..... (بدائع الصنائع: ۶۱۶/۱)

”ولادانها شرائط فی غیر المصلی) منها المصر هكذافی الكافی والمصر فی

ظاهر الرواية الموضع الذی یكون فیہ مفت وقاض یقیم الحدود وینفذ الاحكام

وبلغت ابنته ابنة منی هكذافی الظهيرية وقاضی خان وفی الخلاصة وعلیه

الاعتماد كذافی التتارخانية ومعنی اقامة الحد ودالقدره علیها هكذافی الغیائیة

وكما یجوز اداء الجمعة فی المصر یجوز اداؤها فی فناء المصر وهو الموضع

المعدلمصالح المصر متصلا بالمصر ومن كان مقيما بموضع بينه وبين

المصر فرجة من المزارع والمراعى نحو القلع ببخارا لاجمعة علی اهل

ذلك الموضع وان كان النداء یبلغهم والغلوة والمیل والامیال لیس بشی

هكذافی الخلاصة“..... (الهندية : ۱۳۵/۱)

”قوله (وفی القهستانی) تأییدلتمن وعبارة القهستانی تقع فرضافی القصابات

والقریة الکبیرة التی فیہا اسواق قال ابو القاسم هذا بلا خلاف اذا اذن
الوالی او القاضی ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتهد فیہ فاذا
اتصل به الحکم صار مجمعا علیہ و فیما ذکرنا اشارة الی انه لا تجوز فی
الصغیرة التی لیس فیہا قاض ومنبر وخطیب کما فی المضمورات.... الا ترى ان
فی الجواهر لو صلوا فی القری لزمهم اداء الظهراء..... (رد المحتار: ۱/ ۵۹۰)
واللہ تعالی اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

شرائط معدوم ہونے کی وجہ سے جمعہ و عیدین پڑھنا جائز نہیں:

مسئلہ نمبر (۵۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں ضروریات زندگی کے میسر ہونے میں اور شرائط کی موجودگی میں جمعہ اور عیدین جائز ہے یا نہیں؟ مدلل اور مفصل حوالہ جات تحریر کر کے مطمئن فرمائیں تحقیق حدیث (لاجمعة فی القری وغیرہ بمذہب) عند الاحناف جائز ہے یا نہیں؟ یا عدول عن المذہب کے ضمن میں اتباع الهواء کے زمرے میں تو نہیں آتا، گاؤں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ کل گھروں کی تعداد ایک سو بہتر ہے اور کل مرد بالغ افراد کی تعداد ۴۴۱ ہے ٹرانسپورٹ کی سہولت بھی موجود ہے دوکانوں کی تعداد گیارہ ہے جس سے روزمرہ زندگی کی سہولیات پوری ہوتی ہیں ٹیلیفون بجلی روڈ کی سہولت بھی موجود ہے گاؤں اور مضافات میں چار مساجد ہیں جس میں پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا ہوتی ہے ڈاکٹر اور ٹیلرز کی سہولت بھی موجود ہے جبکہ آٹے کی چار مشینیں ہیں گاؤں سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک تھانہ بھی موجود ہے کئی سال پہلے نماز جمعہ اور عیدین پڑھی جاتی تھیں اول نماز جمعہ بند ہو گیا اب تین سال سے نماز عید بھی بند ہوئی ہے جس کی وجہ سے عوام میں شدید اضطراب اور پریشانی کا سماں ہے جبکہ قریب گاؤں میں بریلویوں کے ہاں لوگ جاتے ہیں عیدین اور نماز جمعہ میں وہاں خرافات سنتے ہیں جس کی وجہ سے لوگوں کے ذہن خراب ہو جاتے ہیں، لہذا مذکورہ بالا بیان کو مد نظر رکھ کر ہمیں ہمارے گاؤں میں نماز جمعہ اور عیدین کے جواز اور عدم جواز پر مدلل فتویٰ دے کر ہمیں مطمئن فرمائیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں نماز جمعہ کی صحت کے لیے مصر جامع یا قریہ کبیرہ کا ہونا ضروری ہے آپ کی بستی نہ مصر جامع ہے اور نہ ہی قریہ کبیرہ ہے، لہذا ایسے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، اور نہ ہی عیدین، بلکہ اپنی ظہر کی نماز باجماعت ادا کرتے رہا کریں، بدعتوں کے ساتھ مقابلہ کرنے میں احکام شرعیہ پر عمل چھوڑنا عقلمندی نہیں۔

”اما مصر الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة اذائها عند اصحابنا حتى لا تجب الجمعة الاعلى اهل المصر ومن كان ساكنافى توابعه وكذا لا يصح اداء الجمعة الا فى المصر وتوابعه فلا تجب على اهل القرى التى ليست من توابع المصر ولا يصح اداء الجمعة فيها“..... (بدائع الصنائع: ۱/۵۸۳)

”و عبارة القهستانی تقع فرضا فى القصبات والقرى الكبيرة التى فيها اسواق قال ابو القاسم هذا بخلاف اذا اذن الوالى او القاضى ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتهد فيه فاذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه وفيما ذكرنا اشارة الى انه لا تجوز فى الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما فى المضمرات، والظاهر انه اريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة الا ترى ان فى الجواهر لو صلوا فى القرى لزمهم اداء الظهر“..... (رد المحتار: ۱/۵۹۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تکبیرات عیدین سے متعلق بعض مسائل:

مسئلہ نمبر (۵۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

- (۱) عیدین کی زائد تکبیروں کے درمیان امام فاصلہ تین تسبیحات کے بقدر رکھے گا یا اس سے کم؟
- (۲) اگر امام تکبیرات کو پہلی رکعت میں بھول گیا اور سورت فاتحہ شروع کر دی اور درمیان سورت فاتحہ کے یاد آ گیا تو کیا وہ تکبیرات کو کہے گا اور پھر سورت فاتحہ پڑھے گا یا نہیں؟
- (۳) اگر امام عید کی نماز میں بغیر زائد تکبیر کہے رکوع میں چلا گیا اور رکوع سے کھڑا نہ ہوا بلکہ اس نے تکبیرات جہر رکوع ہی میں کہہ لیں تو صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

- (۱) تکبیرات عیدین کے موقع پر تکبیرات کے درمیان فاصلہ تین تسبیحات کے مقدر ہونا چاہیے۔

(۲) اگر امام تکبیرات عیدین بھول گیا اور اسے سورت فاتحہ کے درمیان یاد آیا تو اسے چاہیے کہ وہ پہلے تلاوت مکمل کرے پھر تلاوت کے بعد تکبیرات کی قضا کرے اور اگر چاہے تو رکوع میں کرے اور آخر میں سجدہ سہواً کرے اور اگر مجمع زیادہ ہو اور فتنہ کا خوف ہو تو سجدہ سہونہ کرنا اولیٰ ہے۔

(۳) اسی طرح اگر امام بغیر زائد تکبیریں کہے رکوع میں چلا گیا ہے تو پھر رکوع میں تکبیر کہہ لے اور سجدہ سہو کرے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔

”والمختار عند المتأخرین أن لا یسجد للسهو فی الجمعة والعیدین لتوهم الزیادة من الجهال کذا فی السراج وغیره بحر، ولیس المراد عدم جوازہ بل الاولیٰ ترکہ کیلا یقع الناس فی فتنۃ“..... رد المحتار: ۱۷۱/۲

”قال ابو حنیفۃ اذ انسی الامام تکبیرات العید حتی قرأ فانه یکبر بعد القراءة اوفی الركوع ما لم یرفع رأسه ویسجد للسهو، وقال ابن ابی لیلی: یکبر فی السجود..... والصحیح قول ابی حنیفۃ لانها واجبة فحکمها حکم القراءة“

..... (التارخانیة: ۶۹/۲) و(الهنديّة: ۱۵۱/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تین مساجد والے قصبے میں نماز جمعہ وعیدین کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک قصبہ گیارہ سو کی آبادی والا ہے، پانچ دکانیں اور ایک کارخانہ آٹے کی پسائی اور تیل وغیرہ کا ہے، تین مساجد ہیں جن میں سے ایک مسجد آبادی سے ایک مربعہ پرواقع ہے پانی کے لیے واٹر سپلائی سسٹم ہے آسانی ہے سرکاری اردو سکول بھی ہے روزانہ آمد و رفت کے لیے موٹر وغیرہ سفر کے لیے سہولت میسر ہے، کلومیٹر سے بھی کم فاصلہ پر قریب بستی میں چھ سات سو آبادی موجود ہے، اکثر حضرات نمازی صحیح العقیدہ قرآن و سنت کی تعلیم و تفہیم کے مشتاق ہیں، کیا یہاں جمعہ وعیدین ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

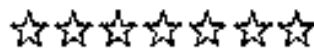
الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مرقومہ میں مذکورہ جگہ نماز جمعہ اور عیدین پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ نماز جمعہ وعیدین کی ادائیگی کے لیے شہر یا بڑا قصبہ کا ہونا شرط ہے جبکہ مذکورہ جگہ میں یہ شرط نہیں پائی جاتی۔

” (ولادانہا شرائط فی غیر المصلی) منها المصر ہکذا فی الکافی، والمصر فی ظاہر الروایۃ الموضوع الذی یكون فیہ مفت وقاض یقیم الحدود وینفذ الاحکام وبلغت ابنتہ ابنیۃ منی ہکذا فی الظہیریۃ وفتاویٰ قاضی خان وفی الخلاصۃ وعلیہ الاعتماد کذا فی التارخانیۃ ومعنی اقامۃ الحدود والقدرة علیہا ہکذا فی الغیائیۃ وکما یجوز اداء الجمعة فی المصر یجوز اذا اذہا فی فناء المصر وهو الموضوع المعدل لمصالح المصر متصل بالبحر ومن کان مقيماً بموضع بینہ وبين المصر فرجة من المزارع والمراعی نحو القلع بیخاری لاجمعة علی اهل ذلک الموضوع وان کان النداء یبلغہم والغلوۃ والمیل والامیال لیس بشئ ہکذا فی الخلاصۃ“..... (الہندیۃ: ۱/۱۳۵)

” قوله (وفی القہستانی) تأیید لمتن وعبارة القہستانی تقع فرضاً فی القصبات والقری الکبیرۃ التی فیہا اسواق قال ابو القاسم هذا بخلاف اذا اذن الوالی او القاضی ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتہد فیہ فاذا اتصل بہ الحکم صار مجمعا علیہ وفیما ذکرنا اشارۃ الی انہ لا تجوز فی الصغیرۃ التی لیس فیہا قاض ومنبر وخطیب کما فی المضممرات.... الا تری ان فی الجواهر لو صلوا فی القری لزمہم اداء الظہراء“..... (رد المحتار: ۱/۵۹۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



گاؤں والوں پر شہر میں جا کر نماز جمعہ وعیدین پڑھنا فرض نہیں:

مسئلہ نمبر (۵۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جناب ہم گاؤں ”گھنکے“ کے باشندے ہیں اور آج کل اپنی رہائش کھیتوں میں گاؤں سے تقریباً ایک کلومیٹر دور ہے، گاؤں اور ہمارے گاؤں کی آبادی سو یا سو سو گھروں پر مشتمل ہے تقریباً پانچ چھ عام دکانیں خورد و نوش کی ہیں بچوں اور بچیوں کے لیے دو علیحدہ علیحدہ پرائمری سکول ہیں اس کے علاوہ گاؤں میں ان تمام چیزوں کے علاوہ دونوں گاؤں میں کوئی دوسری چیزیں نہیں پائی جاتیں، حالانکہ ہمیں اپنی تمام حاجتوں کو پورا کرنے کے لیے دوسرے گاؤں ”ہڈیارہ“ میں جانا پڑتا ہے یا پھر لاہور شہر سے رجوع کرنا پڑتا ہے جب کہ میں نے پہلے تحریر کیا کہ دونوں گاؤں میں کل پانچ

مساجد ہیں اور پانچوں مساجد میں نماز جمعہ پڑھائی جاتی ہے پانچوں مساجد مقرر حضرات سوائے ایک حافظ قرآن کے عالم پڑھے لکھے ہیں، دین کا علم محض کتابوں سے پڑھا ہے، مسائل سے کوئی خاص واقفیت نہیں، اب سوال یہ ہے کہ نماز جمعہ کی کیا شرائط ہیں ان مساجد میں جمعہ پڑھائی جانی چاہیے یا نہیں؟ اگر کہنے کے بعد بھی کوئی شخص نہ مانے تو اس کے لیے کیا وعید ہے؟ کیا یہاں کے لوگوں پر جمعہ کی نماز پڑھنا واجب ہے؟ اور نماز جمعہ نہ ہونے کی صورت میں امام صاحب نماز جمعہ پڑھائے تو کیا دوسرے نمازیوں کی نماز ظہر رہ جانے کی صورت میں نماز کا وبال امام صاحب پر ہوگا؟ اور جو پہلے ہو چکا ہے اس کے ازالہ کے لیے کیا کیا جائے؟ مکمل تفصیل کے ساتھ قرآن و حدیث کی روشنی میں ان تمام سوالوں کا جواب ارسال کریں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں نماز جمعہ کی صحت کے لیے مصر جامع یا قریہ کبیرہ شرط ہے، لہذا مذکورہ دونوں گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنا درست نہیں اور جو لوگ گاؤں کے رہنے والے ہیں نہ تو ان پر گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنا فرض ہے اور نہ ہی کسی شہر میں آکر پڑھنا فرض ہے، بلکہ ان کے ذمہ ظہر کی نماز پڑھنا فرض ہے، لہذا جتنی ظہر کی نمازیں مذکورہ گاؤں میں جمعہ ادا کرنے کی وجہ سے رہ گئی ہیں ان کی قضاء کرنا ضروری ہے۔

” (ولادئہا شرائط فی غیر المصلی) منها المصر ہکذا فی الکافی، والمصر فی ظاہر الروایۃ الموضوع الذی یکون فیہ مفت وقاض یقیم الحدود وینفذ الاحکام وبلغت ابنتہ ابنتہ منی ہکذا فی الظہیریۃ وفتاویٰ قاضی خان و فی الخلاصۃ وعلیہ الاعتماد کذا فی التارخانیۃ ومعنی اقامۃ الحدود والقدرة علیہا ہکذا فی الغیاتیۃ وکما یجوز اداء الجمعة فی المصر یجوز اذا وہا فی فناء المصر وهو الموضوع المعدل لمصالح المصر متصلا بالمصر ومن كان مقيما بموضع بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعى نحو القلع ببخارى لا جمعة على اهل ذلك الموضع وان كان النداء يبلغهم والغلوة والمیل والامیال لیس بشی ہکذا فی الخلاصۃ“..... (الہندیۃ : ۱ / ۱۳۵)

”قولہ (وفی القہستانی) تأیید متن وعبارة القہستانی وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ التي فیہا اسواق قال ابو القاسم هذا بخلاف اذا اذن الوالی او القاضی ببناء المسجد الجامع واداء الجمعة لان هذا مجتهد فیہ فاذا اتصل

به الحكم صار مجمعا عليه وفيما ذكرنا اشارة الى انه لا تجوز في الصغيرة التي
ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات... الا ترى ان في
الجواهر لو صلوا في القرى لزمهم اداء الظهره..... (رد المحتار: ١/٥٩٠)
”وعن ابي حنيفة انه بلدة كبيرة فيها سلك واسواق ولها رساتيق وفيها وال
يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره يرجع
الناس اليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح“..... (رد المحتار: ١/٥٩٠)
والله تعالى اعلم بالصواب



عیدین کے خطبہ کے بعد دعا مانگنا:

مسئلہ نمبر (۵۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اس دفعہ عید الاضحیٰ کے موقع پر ہماری
مسجد میں دو مولانا صاحبان کے اختلافات کی وجہ سے جھگڑا کھڑا ہو گیا اور کافی شور شرابہ ہوا جسے مشکل سے رفع
کیا گیا وجہ یہ تھی کہ ایک صاحب کہتے تھے کہ عید کے خطبہ کے بعد دعا مانگنی ہے اور دوسرے صاحب کہتے تھے
کہ نہیں مانگنی، عوام بے چارے جو کہ اتنی گہرائی تک دینی علم نہیں رکھتے، وہ تذبذب کا شکار ہیں، مہربانی فرما کر اس مسئلہ
کے بارے میں سمجھائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں طریقہ متعارفہ کے طور پر نماز عیدین کے بعد دعا مانگنا رسول ﷺ سے صراحتاً واضح ثابت
نہیں لیکن کسی خاص موقع کا حکم ثابت کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ احادیث میں اس کا نام بھی تعین کے ساتھ
وارد ہو بلکہ عموماً حدیث سے بھی احکام بکثرت ثابت کئے جاتے ہیں، عیدین کے بعد دعا بھی اسی قبیل سے ہے
کہ عام نمازوں کے بعد دعا کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے تو نماز عید کے بعد بھی دعا کرنا جائز اور مستحب ہے اور خطبہ
کے بعد بھی مانگ سکتے ہیں لیکن اس کو لڑائی جھگڑے کی بنیاد بنانا درست نہیں ہے جو شرعی مسئلہ جس درجہ میں ہو اس کو اسی
درجہ میں رکھا جائے، اس لیے کہ اکابر کی آراء دونوں طرف ہیں۔

”حدثنا محمد وهو البخاري نفسه حتى تخرج الحيض وليس لهن

غير التكبير ويدعون بدعائهم اي بدعائهم للمؤمنين في خلال الخطبة لانه

لم يثبت عنه عليه السلام بعد صلاة العيدين دعاء فالسنة الخاصة في ذلك قاضية على عموم الاحاديث في الاذكار بعد الصلوات وفي المدخل لابن الحاج المالكي ان السلف الصالحين كانوا يجلسون بعد الصبح والعصر في المسجد لهم زممة ودوى كدوى النحل فهذه احوالهم لانفسهم دون حال الجماعة اه..... (فيض الباري: ٢/٣٦٢)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تکبیرات التشریح فی القرئی:

مسئلہ نمبر (۵۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آیا تکبیرات تشریح بستی والوں پر واجب ہیں یا نہیں؟ نیز کس دن تک پڑھنا چاہیے؟ بطل و تفصیل سے مکمل و مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ بالا مسئلہ غور طلب ہے، لہذا تفصیل میں جانے سے پہلے مقدمہ کے طور پر اس کو واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ فقہاء کرام کا اپنی کتب میں طریقہ ترجیح کا انداز مختلف ہے جو فقہاء کرام اپنی کتب میں صرف مسائل کو بغیر دلائل کے ذکر کرتے ہیں ان کا طریقہ ترجیح یہ ہوتا ہے کہ پہلے رائج قول کو ذکر کرتے ہیں اور بعد میں مرجوح کو ذکر کرتے ہیں جیسا کہ صاحب فتاویٰ قاضی خان اور صاحب ملتقی الابرار رحمہما اللہ کا طرز عمل ہے۔

اور جو فقہاء کرام اپنی کتب میں مسائل کو دلائل کے ساتھ جمع فرماتے ہیں تو وہ سب سے آخر میں جو قول دلیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں وہ رائج ہوتا ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ، صاحب بدائع، صاحب مبسوط سرخسی اور صاحب فتح القدیر وغیرہم رحمہم اللہ کا طرز عمل ہے علامہ شامی اپنے رسالہ شرح عقود رسم المفتی میں اس ضابطہ کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

”ای ان اول الاقوال الواقعة فی فتاوی الامام قاضی خان له مزیه علی غیرہ فی الرجحان لانه قال فی اول الفتاوی وفيما كثرت فيه الاقوال من المتأخرين اقتصر على قول او قولين وقدمت ما هو الاظهر وافتحت بما هو الاشهر اجابة للطلابين وتيسير اعلى الراغبين انتهى وكذا صاحب ملتقى الابرار التزم تقديم

القول المعتمد وما عداهما من الكتب التي تذكر فيها الاقوال بادلها كالهداية وشروحا وشروح الكنز وكافي النسخي والبدائع وغيرها من الكتب المبسوطة فقد جرت العادة فيها عند حكاية الاقوال انهم يؤخرون قول الامام ثم يذكرون دليل كل قول ثم يذكرون دليل الامام متضمنا للجواب عما استدلل به غيره وهذا ترجيح له الا ان ينصوا على ترجيح غيره..... (شرح العقود: ۳۰)

ترجمہ: ”امام قاضی خان کے فتاویٰ میں تمام واقع اقوال میں سے سب سے پہلے قول ترجیح کے باب میں خصوصیت حاصل ہے، کیونکہ وہ فتاویٰ کے شروع میں فرماتے ہیں کہ جس مسئلہ میں متاخرین علماء کے اقوال زیادہ ہوں تو میں نے ایک یا دو اقوال پر اکتفاء کر کے ”اظہر“ قول کو مقدم کیا، اور مشہور قول کو طلبہ کے قبول کرنے اور رغبت رکھنے والوں کی سہولت کے لیے شروع میں ذکر کیا ہے، اسی طرح صاحب ”ملتی الابحار“ نے بھی معتد علیہ قول کو مقدم کرنے کا التزام کیا ہے، اس کے علاوہ دیگر ان کتابوں میں جن میں اقوال کو دلائل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جیسے ہدایہ اور شروحات، کنز کی شروحات، علامہ نسفی کی ”کافی“، بدائع وغیرہ ان مفصل کتابوں میں عادت یہ جاری ہوئی ہے کہ اقوال کو ذکر کرتے وقت امام صاحب کے قول کو مؤخر کرتے ہیں، پھر اس کے بعد ہر قول کی دلیل ذکر کرتے ہیں، پھر (آخر میں) امام صاحب کی دلیل کو ذکر کرتے ہیں جو دوسروں کے استدلال کے جواب کو متضمن ہوتی ہے، لہذا اس سے امام صاحب کے قول کو ترجیح دینا مقصود ہوتا ہے، ہاں البتہ اگر غیر کے قول کی ترجیح کی تصریح ہو (تو اس لیا جائے گا)“

واضح رہے کہ ان دونوں قسم کی کتابوں میں مذکورہ انداز ترجیح اس وقت قابل اعتبار ہے جبکہ اسی کتاب میں اس انداز کے خلاف صراحتاً ترجیح کا ذکر موجود نہ ہو۔

اس تمہیدی مقدمہ کے بعد تفصیلاً عرض ہے کہ تکبیرات تشریح کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان دو چیزوں میں اختلاف ہے پہلا اختلاف انتہاء وقت کے بارے میں ہے، امام صاحب کے نزدیک یوم النحر کی نماز عصر تک تکبیرات تشریح پڑھنا واجب ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک ایام تشریح کے آخر تک پڑھنا واجب ہے دوسری چیز جس میں اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہ تکبیرات صرف شہر میں رہنے والوں پر واجب

ہیں یا دیہات کے رہنے والوں پر بھی واجب ہیں؟ تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کے لیے مصر جامع شرط ہے، لہذا دیہات والوں پر واجب نہیں، جبکہ صاحبین کے نزدیک مصر جامع شرط نہیں ہے، لہذا تکبیرات دیہات والوں پر بھی ایسے ہی واجب ہیں جیسا کہ شہر والوں پر واجب ہیں صاحب ہدایہ، صاحب بدائع اور محقق ابن ہمام وغیرہم نے دونوں (یعنی انتہاء وقت اور شرطیت مصر) کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

”ویدابتکبیر التشریق بعد صلاة الفجر من یوم عرفة ویختم عقبی صلاة العصر من یوم النحر عند ابی حنیفةؒ وقال یختم عقبی صلاة العصر من آخر ایام التشریق والمسئلة مختلفه بین الصحابة فأخذ بقول علیؑ أخذ بالاکثر اذ هو الاحتیاط فی العبادات وأخذ بقول ابن مسعودؓ أخذ بالاقول لان الجهر بالتکبیر بدعة... وهو عقبی الصلوات المفروضات علی المقیمین فی الامصار فی الجماعات المستحبة عند ابی حنیفةؒ وليس علی جماعات النساء اذالم یکن معهن رجل ولا علی جماعة المسافرین اذالم یکن معهم مقیم وقال هو علی کل من صلی المكتوبة لانه تبع للمکتوبة وله مارویناه من قبل الخ“..... (الهدایة: ۱۸۵، ۱۸۶/۱)

ترجمہ: ”امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیرات تشریق کو یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) فجر کی نماز سے شروع کر کے یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کی عصر کی نماز کے بعد ختم کریں گے، جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ایام تشریق کے آخری دن بعد از نماز عصر ختم کریں گے، چنانچہ یہ مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان مختلف فیہ ہے، تو صاحبین رحمہما اللہ نے حضرت علیؑ کے قول اکثر کولیا، کیونکہ عبادات میں یہی قول احتیاط پر مبنی ہے اور امام صاحبؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کے قول اقل کولیا کیونکہ جہراً تکبیر کہنا بدعت ہے اور حال یہ ہے کہ یہ تکبیرات مقیمین پر ہر فرض نماز کے بعد شہر میں مستحب جماعت کے بعد امام صاحبؒ کے نزدیک پڑھنا واجب ہے، جبکہ عورتوں کی جماعت پر واجب نہیں، جب ان کے ساتھ جماعت میں کوئی مرد شریک نہ ہو اور نہ ہی مسافروں کی جماعت پر واجب ہے، جب تک اس کے ساتھ کوئی مقیم شریک نہ ہو، صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ہر اس شخص پر واجب ہیں جو فرض نماز ادا کرے، کیونکہ یہ فرض نماز کے تابع ہے امام صاحبؒ کی دلیل ہم نے اس سے پہلے بیان کی۔“

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”وقول من جعل الفتوی علی قولہما خلاف مقتضى الترجیح فان الخلاف فیہ

مع رفع الصوت لافى نفس الذكرو الاصل فى الاذكار الاخفاء والجهر به

بدعة..... (فتح القدیر: ۲/۳۹)

ترجمہ: ”جن حضرات نے صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ان کا قول ترجیح کے خلاف ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں اختلاف رفع صوت میں ہے، نفس ذکر میں نہیں، جبکہ اذکار میں اصل اخفاء ہے اور اس کو جہرا پڑھنا بدعت ہے۔“

صاحب بدائع انہاء وقت کو بیان کرتے ہوئے صاحبین کا مذہب اور ان کے دلائل کو ذکر کرنے کے

بعد آخر میں امام ابو حنیفہؒ کی دلیل کو ذکر کرتے ہوئے اور صاحبینؒ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”ولابى حنيفة ان رفع الصوت بالتكبير بدعة فى الاصل لانه ذكر والسنة فى

الاذكار المخافة.... ولذا هو اقرب الى التصرع والادب وابعدهن الرباء

فلا يترك هذا الاصل الا عند قيام الدليل المخصص جاء المخصص

للتكبير من يوم عرفة الى صلاة العصر من يوم النحر وهو قوله تعالى ويذكر اسم

الله فى ايام معلومات وهى عشر ذى الحجة والعمل بالكتاب واجب

الا فيما خص بالا جماع وانعقد الا جماع فيما قبل يوم عرفة انه ليس بمراد ولا

اجماع فى يوم عرفة ويوم النحر فوجب العمل بظاهر الكتاب عند وقوع

الشك فى الخصوص واما فى ما وراء العصر من يوم النحر فلا تخصيص

لاختلاف الصحابة وتردد التكبير بين السنة والبدعة فوقع الشك فى دليل

التخصيص فلا يترك العمل بدليل عموم قوله تعالى ادعوا ربكم

تضرعا وخفية وبه تبين ان الاحتياط فى الترك لافى الاتيان لان ترك السنة

اولى من اتيان البدعة..... (بدائع الصنائع: ۱/۱۹۶)

ترجمہ: ”امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تکبیرات کو بلند آواز سے پڑھنا اصل میں بدعت ہے، کیونکہ امام صاحب فرماتے

ہیں کہ اذکار میں اخفاء سنت ہے، اسی وجہ سے یہ تصرع اور ادب کے زیادہ قریب ہے اور ریاکاری سے دور ہے چنانچہ

اس اصل کو اس وقت چھوڑا جائے گا، جب کوئی شخص دلیل موجود ہو، لہذا یوم عرفة سے لیکر یوم نحر کی عصر تک تکبیرات

کہنے کا تخصیص ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کا قول: ”ویذکرو اسم اللہ فی ايام معلومات“ اور یہ دس ذی الحجہ کا دن ہے،

اور حال یہ ہے کہ کتاب اللہ پر عمل کرنا اس وقت واجب ہے جب تک کسی مسئلہ کی تخصیص میں شک کے وقت کتاب اللہ

کے ظاہر پر عمل کرنا واجب ہو اور یوم نحر کی عصر کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی وجہ سے کوئی تخصیص نہیں،

اور تکبیرات تشریح کے سنت اور بدعت ہونے میں تردد ہوا، چنانچہ اس کی تخصیص کی دلیل میں بھی شک پیدا ہو گیا، تو (اس صورت) میں اللہ تعالیٰ کے عمومی قول: "ادعوا ربکم تضرعاً وخفیةً": والی دلیل پر عمل نہیں چھوڑا جائے گا، اس سے ظاہر ہوا کہ احتیاط ترک میں ہے، تکبیرات کہنے میں نہیں، کیونکہ بدعت عمل کرنے سے ترک سنت اولیٰ ہے۔" اور "من یجب علیہ" کو بیان کرتے ہوئے صاحب بدائع نے صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل کو ذکر کرنے کے بعد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل کو ذکر کرتے ہوئے صاحبین کی دلیل کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

"ولان رفع الصوت بالتکبیر من شعائر الاسلام و اعلام الدین و ما هذا سبیلہ
لا یشرع الا فی موضع یشہر فیہ و یشیع و لیس ذلک الا فی المصر الجامع
ولہذا اختص بالجمعة و الاعیاد و هذا المعنی یقتضی ان لا یأتی بہ
المنفرد و النسوان لان معنی الا شہار یختص بالجماعة دون
الافراد و لہذا لا یصلی المنفرد صلاة الجمعة و العید و امر النسوان مبنی علی
الستر دون الشہار و اما الایة الثانیة فقد ذکرنا اختلاف اهل التأویل فیہا و اما
الاولی فنحملہا علی خصوص المكان و الجنس و الحال عملاً بالدلیلین
بقدر الامکان و ما ذکرنا من معنی التبعیة مسلم عند وجود شرط
المصر و الجماعة و غیرہما من الشرائط و اما عند عدمہا فلا نسلم التبعیة
الخ" (بدائع الصنائع: ۱/۱۹۸)

ترجمہ: "کیونکہ تکبیرات کو بلند آواز سے کہنا شعائر اسلام اور دین کے اعلام میں سے ہے اور جو اس طرح کے ہو تو وہ صرف اس جگہ میں مشروع ہے جس میں وہ مشہور ہو اور وہ صرف مصر جامع ہی ہے اسی وجہ سے یہ جمعہ اور عیدین کے ساتھ مختص ہو گیا تو لہذا اس معنی کا تقاضا یہ ہے کہ منفرد اور عورتیں ان تکبیرات کو نہ کہے، کیونکہ اشتہار (مشہور ہونے) کا یہ معنی جماعت کے ساتھ خاص ہے نہ کہ اکیلے نمازی کے ساتھ، اسی وجہ سے اکیلے نمازی پر جمعہ اور عیدین نہیں، جبکہ عورتوں کا معاملہ ستر پر مبنی ہے نہ کہ اشتہار پر اور رہی بات دوسری آیت کی تو ہم نے اہل تاویل کا اختلاف اس میں ذکر کیا اور پہلی آیت خصوصی مکان اور جنس پر محمول کی جائے گی، اور حال یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں دلیلوں پر عمل کریں گے اور انہوں نے جو جمعیت کا معنی ذکر کیا تو وہ اس وقت مسلم ہے جب مصر، جماعت وغیرہ اور دیگر شرائط پائی جائیں، البتہ ان شرائط کے عدم موجودگی کے وقت ہمیں جمعیت مسلم نہیں۔"

علامہ حلبي رحمہ اللہ کافی تفصیل لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”وبهذا يظهر انه لا وجه لمن جعل الفتوى على قولهما الخ“..... (غنية

المستملی: ۴۹۳)

ترجمہ: اس سے ظاہر ہوا کہ جنہوں نے صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ قرار دیا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں۔“

جبکہ صاحب بحر، صاحب درمختار اور صاحب نور الایضاح وغیر ہم حضرات نے اپنی کتب میں ایام و قرئی دونوں میں صاحبین کے قول کی ترجیح کو بیان کیا ہے۔
صاحب بحر لکھتے ہیں:

”واما عندهما فهو واجب على كل من يصلى المكتوبة لانه تبع لها فيجب على

المسافر والمرأة والقروى قال في السراج الوهاج والجوهرية والفتوى على

قولهما في هذا ايضا فالحاصل ان الفتوى على قولهما في اخر وقته وفيمن يجب

عليه الخ“..... (البحر الرائق: ۲۹۰/۲)

ترجمہ: ”البتہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ہر اس شخص پر واجب ہے جو فرض نماز پڑھتا ہو کیونکہ یہ فرائض کے تابع ہیں چنانچہ مسافر، عورت اور دیہاتی سب پر واجب ہے، ”سراج الوہاج“ اور ”جوہرہ“ میں فرمایا کہ اس مسئلہ میں بھی فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے، پس حاصل یہ ہے کہ (تکبیرات تشریق) کے آخری وقت اور کن لوگوں پر واجب ہے کے بارے میں فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔“
صاحب درمختار لکھتے ہیں:

”يجب تكبير التشريق.... عقب كل فرض) عيني بلا فصل يمنع البناء (ادى

بجماعة) او قضى فيها منهن عامه القيام وقته كالاضحية (مستحبة) خرج

جماعة النساء والغزاة لا العبيد فى الاصح جوهرية اوله (من فجر عرفة)

وآخرة (الى عصر العيد) بادخال الغاية فهى ثمان صلوات ووجوبه (على امام

مقيم) بمصر (و) على مقتد (مسافر او قروى او امرأة) بالتبعية لكن المرأة

تخافت ويجب على مقيم اقتدى بمسافر (وقالا بوجوبه فور كل فرض مطلقا)

ولو منفردا او مسافرا او امرأة لانه تبع للمكتوبة (الى) عصر اليوم

الخامس (آخر ايام التشريق وعليه الاعتماد والعمل والفتوى فى عامة

الامصار وكافة الاعصار“..... (درمع الرد: ۶۲۰/۱)

(تکبیرات تشریح واجب ہیں..... ہر فرض نماز کے بعد) بغیر ایسے فصل کے جو ہناء کے لیے مانع ہو (جو جماعت کے ساتھ ادا کی گئی ہو) یا ان دنوں کی قضاء نمازوں کو انہی دنوں میں پڑھنے کے بعد عام لوگوں پر واجب ہے، کیونکہ ان (تکبیرات تشریح) کا وقت ابھی قائم اور باقی ہے، جیسے قربانی، تو اصح قول میں اس سے عورت اور مجاہدین کی جماعت نکل گئی نہ کہ غلاموں کی جماعت، اس کی ابتداء یوم عرفہ کے فجر سے عید کے دن (یوم نحر) کے عصر تک ہے غایت کو مغیہ میں داخل کرنے کی وجہ سے یہ آٹھ نمازیں بنتی ہیں، یہ مقیم امام پر شہر میں واجب ہیں، جبکہ مقتدی چاہے مسافر ہو یا دیہاتی ہو یا عورت پر جمعاً واجب ہیں، لیکن عورت ان کو انشاء کے ساتھ کہے گی اور اس مقیم مقتدی پر بھی واجب ہیں، جس نے مسافر کے پیچھے اقتداء کی، صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ہر فرض نماز کے بعد مطلقاً واجب ہیں، اگرچہ منفرد ہو یا مسافر یا عورت، کیونکہ یہ فرض نماز کے تابع ہے ایام تشریح کے آخری پانچویں دن تک پڑھنا ہے، اسی قول پر اعتماد عمل، عام شہروں اور ہر زمانے میں فتویٰ ہے۔“

صاحب نور الايضاح لکھتے ہیں:

”ويجب تكبير التشریح من بعد فجر عرفة الى عصر العيد مرة فور كل فرض ادى بجماعة مستحبة على امام مقیم بمصر ومن اقتدى به ولو كان مسافراً اور قيقا او انشى عند ابى حنيفة رحمه الله تعالى وقال يجب فور كل فرض على من صلاه ولو منفردا او مسافراً او قروياً الى عصر الخامس من يوم عرفة وبه يعمل وعليه الفتوى“..... (نور الايضاح على حاشية الطحطاوى: ۵۳۸، ۵۴۰)

امام ابوحنيفہ کے نزدیک تکبیرات تشریح یوم عرفہ کی فجر سے لیکر عید کی عصر تک ہر فرض نماز جو مستحب جماعت کے ساتھ ادا کی گئی ہو، مقیم امام پر شہر میں واجب ہے اور جن لوگوں نے اس امام کی اقتداء کی، اگرچہ مسافر ہو یا غلام ہو یا عورت ہو یوم عرفہ ایام تشریح کے پانچویں دن تک (تکبیرات) کہنی واجب ہیں، یہی قول معمول بہ اور اسی پر فتویٰ ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کے بعد ہر نمازی پر واجب ہیں، اگرچہ منفرد ہو یا مسافر ہو یا دیہاتی ہو۔“

جبکہ خلاصۃ الفتاویٰ، شرح الوقایہ، فتاویٰ ہندیہ، تار تار خانہ اور فتاویٰ سراجیہ میں صرف ایام کے بارے میں صاحبین کے قول کی ترجیح کو بیان کیا گیا ہے خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

”واختلفوا فی القطع قال ابن مسعود يكبر الى صلاة العصر من اول يوم النحر وهو ثمانی تكبيرات وبه اخذ ابو حنيفة وقال على الى صلاة العصر من

آخر ایام التشریق وهو ثلاث وعشرون تكبیرة وبه اخذ ابو یوسف
ومحمد رحمهما الله وعليه الفتوى وعليه عمل الناس اليوم ثم هذا
التكبير على اهل الامصار في الصلاة المكتوبات المؤديات بالجماعة مستحبة
حتى لا يجب على النسوان وان صلين بجماعة وعندهما كل من صلى
المكتوبة في هذه الايام فعليه التكبير مقيما كان او مسافرا جلا كان او امرأة في
المصر او في غير المصر في الجماعات او وحده..... (خلاصة
الفتاوى: ۲۱۵/۱)

تکبیرات تشریق کی انتہاء میں اختلاف ہے چنانچہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یوم نحر کی عصر تک کہیں گے،
جو کہ آٹھ تکبیریں بنتی ہیں، اسی قول کو امام ابوحنیفہؒ نے لیا ہے، اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایام تشریق کے آخری دن
کی عصر کی نماز تک کہیں گے جو کہ تیس (۲۳) تکبیریں بنتی ہیں اس قول کو امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے لیا ہے، اسی پر
فتویٰ اور آج کل لوگوں کا عمل ہے، پھر یہ تکبیرات شہر والوں پر ہر اس فرض نماز کے بعد واجب ہیں جو مستحب جماعت
سے ادا کی گئی ہو یہاں تک کہ عورتوں پر واجب نہیں، اگرچہ انہوں نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی ہو، اور صاحبین
رحمہما اللہ کے نزدیک ان ایام میں ہر فرض نماز پڑھنے والے پر واجب ہیں، چاہے مقیم ہو یا مسافر، مرد ہو یا عورت، شہر
میں ہو یا دیہات میں، جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہو یا منفرد۔
شرح الوقایہ میں ہے:

”و يجب تكبيرات التشریق... من فجر يوم عرفة عقب كل فرض ادى
بجماعة مستحبة) احتراز عن جماعة النساء وحدهن (على المقيم
بالمصر والمقتدية برجل ومسافر مقتد بمقيم الى عصر العید) وقال الى
عصر آخر ایام التشریق وبه يعمل“..... (شرح الوقایہ: ۵۹ نولکشور)

ترجمہ: ”تکبیرات تشریق شہری مقیم پر، مقتدی عورت جو مرد کی اقتداء میں ہو اور اس مسافر پر جو مقیم کی اقتداء میں ہو سب
پر واجب ہیں، یوم عرفہ کی فجر سے ہر اس فرض نماز کے بعد جو مستحب جماعت کے ساتھ ادا کی گئی ہو، اس سے عورتوں کی
اکیلی جماعت سے احتراز کیا، اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ایام تشریق کے آخری دن عصر تک اور اسی قول پر
عمل ہے۔“

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”واما وقتہ واولہ عقبب صلاة الفجر من يوم عرفة و آخره في قول ابى يوسف
ومحمد رحمهما الله تعالى عقبب صلاة العصر من آخر ايام التشريق هكذا في
التبيين والفتوى والعمل في عامة الامصار وكافة الاعصار على
قولهما“.....(الهندية : ١٥٢/١)

ترجمہ: ”(تکبیرات تشریح کا وقت یہ ہے کہ یوم عرفہ فجر کی نماز کے بعد سے صائمین رحمہما اللہ کے قول پر ایام تشریح
کے آخری دن کی نماز عصر کے بعد تک ہے اسی طرح ”تبيين“ میں ہے فتویٰ، اور اکثر شہروں اور ہر زمانے میں عمل
صائمین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔“

”واما الاختلاف في انتهائه قال ابن مسعود يكبر الى صلاة العصر من اول يوم
النحر ويقطع فيكون الجملة عنده ثمانى صلوات وبه اخذ ابو حنيفة وقال على
يكبر الى صلاة العصر من آخر ايام التشريق ويقطع فيكون الجملة ثلاث
وعشرين صلاة وبه اخذ ابو يوسف ومحمد رحمهما الله وفي الاسيحابي
والفتوى على قولهما“.....(التارخانية : ٤٩/٢)

ترجمہ: ”(تکبیرات تشریح) کے انتہاء وقت میں اختلاف ہے، حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ یوم نحر کی عصر تک کہیں
گے اس کے بعد چھوڑ دیں گے، تو یہ ساری امام صاحب کے نزدیک آٹھ نمازیں بنتی ہیں، اسی قول کو امام صاحب نے لیا
ہے اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایام تشریح کے آخری دن عصر کی نماز تک تکبیرات کہیں گے، اس کے بعد چھوڑ دیں
گے تو یہ کل تیس (۲۳) نمازیں بنتی ہیں اس قول کو صائمین رحمہما اللہ نے لیا ہے، ”اسیحابی“ میں ہے کہ فتویٰ صائمین
رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔“

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

”قال شمس الائمة السرخسى بانها واجبة وهو عقبب صلاة الفجر من يوم العرفة
الى ثمانى صلوات عند ابى حنيفة وهو مذهب عبد الله بن مسعود وقال على الى
ثلاث وعشرين صلاة وبه اخذ ابو يوسف ومحمد رحمهما الله وعليه الفتوى قاله
الامام الاسيحابي اهل الرساتيق لاتكبير عليهم خلافا لهما لاتكبير على
المنفرد عند ابى حنيفة ولا على جماعة المسافرين ولا على نسوان الا اذا كان
امامهن رجلا“.....(سراجية على هامش الخانية : ١٠٨/١)

ترجمہ: ”شمس الائمہ سرحسی فرماتے ہیں کہ تکبیرات تشریق یوم عرفہ کی فجر کی نماز کے بعد سے آٹھ نمازوں تک امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہیں، یہی حضرت عبد اللہ بن مسعود کا مذہب ہے اور حضرت علی فرماتے ہیں کہ یہ کل تیس (۲۳) نمازیں ہیں، اس قول کو صاحبین رحمہما اللہ نے لیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، امام اسماعیلی نے فرمایا ہے کہ دیہاتیوں پر تکبیرات نہیں، بخلاف صاحبین رحمہما اللہ کے اور نہ ہی منفرد پر، نہ مسافروں کی جماعت پر اور نہ عورتوں پر امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیرات واجب ہیں، ہاں البتہ جب عورتوں کا امام مرد ہو واجب ہیں۔“

جبکہ علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب البناۃ فی شرح الہدایۃ میں ایام کے بارے میں صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے وہ لمسی بحث کے بعد فرماتے ہیں:

”والخلاصة الفتوى على قولهما اي قول ابي يوسف ومحمد رحمهما الله

تعالى وعليه عمل الامصار في اغلب الاعصار“..... (البناية : ۱ / ۱۳۹)

ترجمہ: ”اور خلاصہ یہ ہے کہ (اس مسئلہ میں) فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اور اسی پر بیشتر شہروں اور ہر زمانے میں تعامل رہا ہے۔“

اور ”من يجب عليه“ کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی ترجیح کو بیان کرتے ہیں ہوئے صاحبین کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وقال هو على كل من صلى المكتوبة لانه تبع للمكتوبة“ اي لان التكبير تبع

للمفروضة يكبر كل من صلاها قلنا التبعية عرفت شرعا بخلاف القياس لانه

لم يشرع في غير هذه الايام فتراعى لهذه التبعية جميع ماورد به النص جعل

من احده شرائطه المصروف وجب ان يشترط القوم الخاص والجماعة الخاص

كما في الجمعة والعيد“..... (البناية : ۱ / ۱۴۱)

ترجمہ: ”اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تکبیرات تشریق ہر اس شخص پر واجب ہیں جو فرض نماز پڑھتا ہے کیونکہ یہ اس کے تابع ہیں، یعنی تکبیرات تشریق فرض نماز کے تابع ہیں، ہر فرض نماز پڑھنے والا تکبیرات پڑھے گا، ہم کہتے ہیں یہ تبعیت شرعاً معلوم ہوئی ہے، بخلاف قیاس کے، کیونکہ تکبیرات ان ایام کے علاوہ میں مشروع نہیں تو تبعیت کی وجہ سے ہر اس چیز کی رعایت رکھی جائے گی، جس کے بارے میں نص وارد ہو تو اس کی شرائط میں سے ایک شرط مصر قرار دیا، چنانچہ یہ کسی خاص قوم اور خاص جماعت پر واجب ہیں جیسا کہ جمعہ اور عیدین میں ہے۔“

اور علامہ زبلی رحمہ اللہ کے طرز عمل سے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، علامہ تحریر فرماتے ہیں:

”واما شروطه فقد قال في الكتاب بشرط اقامة ومصر ومكتوبة وجماعة مستحبة احترازا عن المسافرين والقري والنافلة والوتر و صلاة العيدين وصلاة الجنازة والمنفرد وجماعة غير مستحبة كجماعة النساء والعبيد فحاصله ان شروطه شروط الجمعة غير الخطبة والسلطان والحرية في رواية وهو الاصح وهذا عند ابى حنيفة وقال هو على كل من يصلى المكتوبة لانه تبع للمكتوبة وله ماروينا من اثر على في الجمعة“..... (تبيين الحقائق: ۱/۲۲۷)

ترجمہ: ”اور بہر حال جو ان کی شروط ہیں تو کتاب میں فرمایا کہ اقامت، شہر، فرض نماز، مستحب جماعت اس کے لیے شرط ہیں اور مسافروں، دیہات، نفل، وتر، عیدین، نماز جنازہ، منفرد، غیر مستحب جماعت، جیسے عورتوں اور غلاموں کی جماعت سے احتراز کیا، چنانچہ اس کا حاصل یہ ہے کہ تکبیرات کی شرائط وہی ہیں جو جمعہ کے لیے ہیں، سوائے خطبہ، سلطان اور ایک روایت کے مطابق حریت کے، یہی اصح ہے اور یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تکبیرات ہر اس شخص پر واجب ہیں، جو فرض نماز پڑھتا ہو، کیونکہ یہ فرض کے تابع ہیں، اور امام صاحب کی دلیل وہ روایت ہے جس میں ہم نے حضرت علیؑ سے جمعہ کے بارے میں اثر نقل کیا ہے۔“

لہذا تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جن فقہاء کرام نے دونوں چیزوں میں ترجیح امام صاحب کے قول کو دی ہے ان میں اہل ترجیح اور اصحاب تحقیق موجود ہیں جیسے صاحب ہدایہ، صاحب فتح القدر وغیرہ اور جن حضرات نے صرف ایام کے بارے میں صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے ان میں بھی صاحب خلاصۃ الفتاویٰ جیسے اہل ترجیح موجود ہیں لیکن جن حضرات نے دیہات میں تکبیرات تشریح کے حق میں صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے ان میں کوئی بھی اہل ترجیح نہیں ہے بلکہ بعض ایسی کتب سے ترجیح نقل کی گئی ہے جن کو فقہاء کرام کتب غیر معتبرہ میں سے شمار کرتے ہیں مثلاً صاحب بحر نے السراج الوہاج اور جوہرہ سے ترجیح نقل کی ہے نہ تو خود صاحب بحر اہل ترجیح میں سے ہیں اور نہ ان کتابوں والے جن سے صاحب بحر نے ترجیح کو نقل کیا ہے بلکہ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ کتب غیر معتبرہ کو شمار کرتے ہوئے سراج الوہاج کے بارے میں فرماتے ہیں:

”ومنها السراج الوهاج شرح مختصر القدوري من مؤلفات ابى بكر بن على الحدادی المتوفى سنة ثمان مائة كما نقله صاحب كشف الظنون عن المولى البرکلی الخ“..... (مقدمة عمدة الرعاية: ۱۲)

ترجمہ: ”ان میں ”مختصر القدوری کی شرح سراج الوہاج“ جو امام ابو بکر بن علی الحدادی متوفی ۸۰ھ کے مؤلفات میں سے ہے، جیسا کہ ”کشف الظنون“ کے مصنف نے مولیٰ برکلی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔“

صاحب بحر کے بارے میں علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

”ویؤخذ من قول صاحب البحر یجب علینا الافتاء بقول الامام الخ انه نفسه

لیس من اهل النظر فی الدلیل فاذا صحح قولاً مخالفاً لتصحیح غیره لا

یعتبر فضلاً عن الاستنباط والتخریج علی القواعد الخ“..... (شرح عقود رسم

المفتی: ۲۲)

ترجمہ: ”صاحب بحر“ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینا ہم پر واجب ہے، کیونکہ ہم دلیل میں غور و فکر کی اہلیت نہیں رکھتے، پس جب امام صاحب کسی ایسے قول کی تصحیح کریں جو دوسروں کی تصحیح کے مخالف ہو، تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، چہ جائیکہ اس سے استنباط کیا جائے، جبکہ تخریج ایسے قواعد کے مطابق ہوگی۔“

اور علامہ شامی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

”ورأیت فی حاشیة ابی السعد الازہری علی شرح مسکین انه لا یعتمد علی

فتاویٰ ابن نجیم ولا علی فتاویٰ الطوری“..... (رد المحتار: ۱/۵۲)

ترجمہ: ”شرح مسکین“ پر ابو سعود کے حاشیہ میں میں نے دیکھا کہ ابن نجیم ”اور طوری“ کے

فتاویٰ پر اعتناء نہیں کیا جائے گا۔“

لہذا دونوں (انتہاء وقت اور عدم اشتراط مصریت) میں صاحبین کے قول کو ترجیح دینا صحیح نہیں ہے بلکہ انتہاء وقت کے بارے میں صاحبین کے قول پر فتویٰ صحیح ہے اور اشتراط مصریت کے بارے میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ صحیح ہے اور اس طرف مبسوط میں علامہ سرخسی رحمہ اللہ کا طرز عمل مشیر ہے کیونکہ انتہاء وقت کے بارے میں دلائل کے ساتھ صاحبین کے قول کو آخر میں ذکر فرمایا ہے جبکہ اشتراط مصریت کے بارے میں امام صاحب کے قول کو دلیل کے ساتھ آخر میں ذکر فرما چکے ہیں:

”وانما اخذنا بقول علی وابن مسعود (رضی اللہ عنہما) لانه عمل الناس فی

الامصار ولانه یشتمل علی التکبیر والتہلیل والتحمید فہو اجمع وهذا

التکبیر علی الرجال المقیمین من اهل الامصار فی الصلوات المكتوبات فی

الجماعة عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وقال أبو یوسف ومحمد رحمہما اللہ

تعالیٰ کل من یصلیٰ مکتوبۃ فی هذه الايام فعليه التكبير مسافر كان او مقيما في
المصر او القرية رجلا او امرأة في الجماعة او وحده وهو قول ابراهيم رحمه
الله تعالى لان هذه التكبيرات في حق غير الحاج بمنزلة التلبية في حق الحاج
وفي التلبية لا تراعى هذه الشروط فكذلك في التكبيرات و ابو حنيفة رحمه
الله تعالى احتج بماروينا لاجمعة ولا تشريق الا في مصر جامع قال الخليل
والنضر بن شميل رحمهما الله تعالى التشريق في اللغة التكبير ولا يجوز ان
يحمل على صلاة العيد فقد قال في حديث علي لاجمعة ولا تشريق ولا فطر ولا
اضحى الا في مصر جامع فقد ثبت في الحديث انه بمنزلة الجمعة في اشراط
المصر فيه فكذلك في اشراط الذكورة والاقامة والجماعة ولهذا لم يشترط
ابو حنيفة رحمه الله فيه الحرية كما لا تشترط في صلاة الجمعة..... (مبسوط
سرخسي: ۶۸/۲)

ترجمہ:

اصول بالا کے تحت دیکھئے علامہ سرخسی رحمہ اللہ بھی اشراط مصریت کے بارے میں امام صاحب کے قول
کو آخر میں دلیل کے ساتھ ذکر فرما چکے ہیں اور علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

”وفي آخر المستصفي للامام النسفي اذا ذكر في المسئلة ثلاثة اقوال فالراجح
هو الاول او الأخير لا الاوسط انتهى (قلت) وينبغي تقييده بما اذا لم تعلم عادة
صاحب ذلك الكتاب ولم يذكر الادلة اما اذا علمت كما مر عن الخانية
والملتقى فتبع واما اذا ذكرت الادلة فالمرجح الاخير كما قلنا
الخ“..... (شرح عقود رسم المفتي: ص ۳۷)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

تکبیرات تشریح فی القرئی کا حکم:

مسئلہ نمبر (۶۰): کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تکبیرات تشریقات کا پڑھنا
شہر اور دیہات میں رہنے والے سب پر ضروری ہے یا صرف شہر میں رہنے والوں پر ضروری ہے؟

قرآن و سنت کی روشنی میں راہنمائی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

تکبیرات تشریق کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کے درمیان دو چیزوں میں

اختلاف ہے۔

اختلاف اول:

پہلا اختلاف انتہائے وقت کے بارے میں ہے۔

اختلاف اول کی تفصیل:

امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک عید کی عصر تک تکبیرات تشریق پڑھنا واجب ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ

کے نزدیک ایام تشریق کے آخر تک تکبیرات تشریق پڑھنا واجب ہے۔

اختلاف ثانی:

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ تکبیرات تشریق صرف شہر میں رہنے والوں پر واجب ہے یا دیہات میں رہنے والوں

پر بھی واجب ہے۔

اختلاف ثانی کی تفصیل:

امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک مصر جامع شرط ہے، لہذا دیہات والوں پر واجب نہیں ہے، جب کہ

صاحبین رحمہما اللہ کے مصر جامع شرط نہیں ہے لہذا دیہاتیوں پر بھی ان کے نزدیک ایسے ہی واجب ہے جیسے شہر والوں پر

واجب ہے۔

صاحب ہدایہ، صاحب بدائع علامہ کاسانی، محقق ابن ہمام رحمہم اللہ وغیرہ دونوں مسکولوں میں (انتہاء وقت

اور شرط مصر) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دے چکے ہیں، ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”وقول من جعل الفتوى على قولهما خلاف مقتضى الترجيح فان الخلاف فيه

مع رفع الصوت لافى نفس الذكر والاصل فى الاذكار الاخفاء الجهر به

بدعة“..... (فتح القدير: ۲/۳۹)

علامہ علی رحمہ اللہ کافی تفصیل لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

”وبهذا ظهر انه لا وجه لمن جعل الفتوى على قولهما“..... (غنية المستملی :

جب کہ صاحب بحر اور صاحب درمختار اور صاحب نور الايضاح رحمہم اللہ وغیرہ دونوں مسکوں میں صاحبین رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح دے چکے ہیں، چنانچہ صاحب بحر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

”واما عندهما فهو واجب على كل من يصلى المكتوبة لانه تبع لها فيجب على المسافر والمرءة والقروى قال في السراج الوهاج والجوهرة والفتوى على قولهما في هذا ايضا فالحاصل ان الفتوى على قولهما في آخر وقتہ وفيمن يجب عليه“..... (البحر الرائق: ۲/۲۹۰)

جب کہ خلاصۃ الفتاویٰ، وقایۃ الروایۃ، اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں صرف ایام کے بارہ میں صاحبین رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ جن فقہاء کرام نے دونوں چیزوں میں ترجیح امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کو دی ہے ان میں اہل ترجیح اور اصحاب تحقیق موجود ہیں، جیسے صاحب ہدایہ رحمہ اللہ، صاحب فتح القدر رحمہ اللہ وغیرہ، اور جن حضرات نے صرف ایام کے بارے میں صاحبین رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے ان میں خلاصۃ الفتاویٰ والے اہل ترجیح و تخریج موجود ہیں، لیکن جن حضرات نے دیہات میں تکبیرات تشریح کے حق میں صاحبین رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح دی ہے ان میں سے کوئی بھی اہل ترجیح نہیں ہے، بلکہ اکثر ایسی کتابوں سے ترجیح نقل کی گئی ہے جن کو فقہاء کرام نے کتب غیر معتبرہ میں شمار کیا ہے، مثلاً صاحب بحر رحمہ اللہ نے السراج الوہاج اور جوہرۃ سے ترجیح نقل کی ہے، نہ خود صاحب بحر رحمہ اللہ اہل ترجیح میں ہیں اور نہ ہی ان کتابوں والے اہل ترجیح ہیں جن سے ترجیح انہوں نے نقل کی ہے، بلکہ السراج الوہاج کے متعلق مولانا عبدالحی رحمہ اللہ کتب غیر معتبرہ میں شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”ومنها السراج الوهاج شرح مختصر القدوری من مؤلفات ابی بکر بن علی الحدادی المتوفی سنة ثمان مائة كما نقله صاحب كشف الظنون عن المولى البرکلی“..... (مقدمہ عمدۃ الرعاۃ: ۱۲)

جب کہ صاحب بحر رحمہ اللہ کے متعلق علامہ شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

”ويؤخذ من قول صاحب البحر يجب علينا الافتاء بقول الامام الخ انه نفسه ليس من اهل النظر في الدليل فاذا صح قولنا مخالفا لتصحيح غيره لا يعبر فضلا عن الاستنباط والتخريج على القواعد شرح الرسالة المنظومة المسماة بعقود رسم المفتي“..... (رسائل ابن عابدین: ۲۵)

لہذا دونوں مسئلوں (انتہاء وقت اور عدم اشتراط مصریت) میں صاحبین رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح دینا صحیح نہیں ہے، بلکہ صرف انتہاء وقت کے بارے میں صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ صحیح ہے، اور اشتراط مصریت کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ صحیح ہے، اور اسی طرف مبسوط میں علامہ سرخسی رحمہ اللہ کا طرز عمل مشیر ہے، کیونکہ انہوں نے انتہاء وقت کے بارے میں دلائل کے ساتھ صاحبین رحمہما اللہ کے قول کو آخر میں ذکر کیا ہے۔

”وفی آخر المستصفی للامام النسفی اذا ذکر فی المسئلة ثلاثة اقوال فالراجح هو الاول او الاخير لا الوسط انتهى (قلت) وینبغی تقييده بما اذا لم يعلم عادة صاحب ذلك الكتاب ولم يذكر الادلة اما اذا علمت كما مر عن الخانية والملتقى فتبع واما اذا ذكرت الادلة فالمرجح الاخير كما قلنا“..... (شرح عقود رسم المفتی: ۳۰)

اور صاحب مبسوط رحمہ اللہ کی ترجیح کے بعد میرے خیال میں کسی اور ترجیح کی طرف نظر اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

”قال الشيخ اسماعيل النابلسي قال العلامة الطرطوسي مبسوط السرخسي لا يعمل بما يخالفه ولا يركن الاليه ولا يفتي ولا يعول الاليه“..... (شرح عقود رسم المفتی: ۱۳)

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دیہات میں تکبیرات تشریق نہ پڑھنے پر معتد اہل ترجیح اور اصحاب تخریج جیسے علامہ سرخسی، صاحب الخلاصۃ، صاحب ہدایہ، محقق ابن ہمام، ملک العلماء علامہ کاسانی رحمہم اللہ وغیرہ متفق ہیں، جب کہ ایام کے بارے میں ان کے درمیان تصحیح کے متعلق اختلاف موجود ہے، جن میں سے علامہ سرخسی رحمہ اللہ اور صاحب خلاصۃ رحمہم اللہ صاحبین رحمہما اللہ کے قول کو اس بارہ میں ترجیح دے چکے ہیں، اور ان دونوں کا مقام فقہانہ اور ترجیح کے لحاظ سے دیگر مذکورہ بالا فقہاء کرام پر مقدم ہے لہذا دیہات میں قول راجح یہ ہے کہ تکبیرات تشریق ان میں واجب نہیں ہیں جب کہ شہروں میں ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک پڑھنا واجب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

نماز عید میں سہو ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ نمبر (۶۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

ایک گاؤں جس میں تین مسجدوں میں جمعہ پڑھا جاتا ہے ایک مسجد میں عید الفطر کی نماز میں خطیب صاحب بھول گئے، دوسری رکعت کی ایک تکبیر کہہ کر سجدہ میں چلے گئے یعنی ان سے تین تکبیریں رہ گئی، سلام پھیرنے کے بعد لوگوں نے اصرار کیا تو خطیب نے کہا یہ نماز واجب ہے اس کی کوئی وقعت نہیں نہ اس کا اعادہ صلوٰۃ اور نہ سجدہ سہو ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں تکبیرات عیدین علاوہ تکبیر افتتاح والرکوع ہر رکعت میں تین تین واجب ہیں، صاحب تنویر الابصار واجبات کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”وقنوت السلام وقنوت الوتر وتکبیرات العیدین ہی ست تکبیرات فی کل

رکعة ثلاثة“

اس پر علامہ شامی وضاحت فرماتے ہیں۔

”وکذا احدها افاد ان کل تکبيرة واجب مستقل اه“..... (رد المحتار:

(۱/۳۲۶)

ان میں سے کسی تکبیر کا چھوڑنا ترک واجب ہوگا اور ترک واجب پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے لہذا امام صاحب کا یہ کہنا کہ عید کی نماز کی کوئی وقعت نہیں یہ صحیح نہیں، مگر صلاۃ جمعہ و عید میں جم غفیر کی وجہ سے متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی سہو ہو تو بوجہ اندیشہ انتشار کے سجدہ سہو نہ کیا جائے، لہذا اگر سجدہ سہو نہ کیا گیا تب بھی نماز عید درست ہو جائے گی، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

”والسہو فی صلاۃ العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء والمختار

عند المتأخرین عدمہ فی الاولین لدفع الفتنة) انه ليس المراد عدم جوازہ بل

الاولی ترک لتلايق الناس فی الفتنة (کما فی جمعة البحر اقره المصنف وبه

جزم فی الدر)..... (درمع الرد: ۱/۵۵۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عید کی نماز پڑھنے والا اگر امام کو رکوع میں پائے تو کیا کرے؟

مسئلہ نمبر (۶۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص عید کی نماز پڑھنے کے لیے عید گاہ پہنچا تو امام صاحب پہلی رکعت مکمل کر چکے تھے یعنی رکوع تک پہنچ چکے تھے اب آیا کہ وہ شخص جو تاخیر سے عید گاہ میں پہنچا، اب وہ کیا کرے؟ رکوع میں ملتا ہے تو پہلی رکعت کی تین زائد واجب تکبیروں کا کیا بنے گا؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر وہ شخص اس حالت میں پہنچا کہ امام رکوع میں ہے تو اگر غالب گمان یہ ہو کہ امام کے اٹھنے سے پہلے تکبیرات کہہ لوں گا تو کہہ کر رکوع میں جائے، ورنہ رکوع میں جا کر کہہ لے اور ہاتھوں کو نہ اٹھائیں اگر رکوع میں تکبیریں پوری ہونے سے پہلے امام رکوع سے اٹھ جائے تو بقیہ تکبیریں ساقط ہو جائیں گی۔

”امالوادرکہ راکعافان غلب علی ظنہ اذارکہ فی الرکوع کبر قائما برای نفسہ ثم رکع والارکع وکبر فی رکوعہ خلافا لابی یوسف ولا یرفع یدیه لان الوضع علی الرکتین سنة فی محلہ والرفع لافی محلہ وان رفع الامام راسہ سقط عنه ما بقی من التکبیر لثلاثتوہ المتابعة“..... (ردالمحتار: ۱/۶۱۶)

”ولوانتھی رجل الی الامام فی الرکوع فی العید فانه یکبر للافتتاح قائما فان امکنه ان یاتی بالتکبیرات ویدرک الرکوع فعل ویکبر علی رأی نفسہ وان لم یمکنه رکع واشتغل بتسیحات الرکوع عندابی یوسف وعندہما یشغل بالتکبیرات فاذا قلنا یکبر فی الرکوع هل یرفع یدیه قال الخجندی لا یرفع وقیل یرفع ولورفع الامام راسہ بعد ما ادى بعض التکبیرات..... لان متابعة الامام واجبة“..... (الجوهرة النيرة: ۱/۱۱۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

خطبہ عید کے بعد دعا مانگنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۶۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد خطبہ ختم کرنے پر اجتماعی دعا مانگ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

حضور ﷺ کے اقوال وافعال کو دیکھتے ہوئے یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ ہر اجتماعی عمل کے بعد اجتماعی دعا ہے اور انفرادی عمل کے بعد انفرادی دعا کرنا مرغوب و مطلوب ہے۔

”فائدة واعلم ان الادعية بهذه الهيئة الكذائية لم تثبت عن النبي ﷺ ولم يثبت عنه رفع الايدي دبر الصلوات في الدعوات الا اقل قليل ومع ذلك وردت فيه ترغيبات قولية والامر في مثله ان لا يحكم عليه بالبدعة فهذه الادعية في زماننا ليست بسنة بمعنى ثبوتها عن النبي ﷺ وليست ببدعة بمعنى عدم اصلها في الدين والوجه فيه ما ذكرته في رسالتي نيل الفرقدين ص ۱۳۳ ان اكثر دعاء النبي ﷺ كان على شاكلة الذكر لا يزال لسانه رطبا به ويسطه على الحالات المتواردة على الانسان من (الذين يذكرون الله قياما وقعودا وعلى جنوبهم ويتفكرون في خلق السموات والارض) ومثل هذا في دوام الذكر على الاطوار لا ينبغي له ان يقصر امره على الرفع فان حالة خاصة لمقصد جزئي وهو دعاء المسئلة فان ذقت هذا نفس عن كرب ضاق بها الصدر لان الرفع بدعة فقد هدى اليه في قوليات كثيرة وفعله بعد الصلاة قليلا وهكذا شأنه في باب الاذكار والاوراد اختار لنفسه ما اختاره الله له وبقي اشياء رغب فيها للامة فان التزم احدنا الدعاء بعد الصلوة برفع اليد فقد عمل بما رغب فيه وان لم يكثره بنفسه فاعلم ذلك“..... (فيض الباري على صحيح البخاري: ۱۶۷/۴)

”عن ابي امامة قال قيل يا رسول الله اي الدعاء اسمع؟ قال جوف الليل الاخير ودبر الصلوات المكتوبات (الحديث) وقال العلامة ظفر احمد عثمانى، قلت فيه اثبات الدعاء بعد الصلاة..... قد ثبت ذلك عنه ﷺ قولاً وفعلاً فهذا حديث ابي امامة فيه ارشاد الامة بالدعاء بعد الصلوات المكتوبات واما تاويله بان المراد من دبر الصلوات ما قبل السلام كما زعمه ابن القيم فياظل..... والحاصل ان ماجرى به العرف في ديارنا من ان الامام يدعو في

دبر الصلوات مستقبلا للقبلة ليس بدعة بل له اصل في السنة..... (اعلاء

السنن : ۱۹۳، ۱۹۹، ۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا تکبیرات تشریق مسبوق پر بھی واجب ہیں؟

مسئلہ نمبر (۶۳): محترم جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از سلام مستنون عرض یہ ہے کہ آیا مسبوق پر بھی ایام تشریق میں تکبیرات کہنا واجب ہیں یا نہیں؟ یعنی

مسبوق بقیہ نماز کے بعد تکبیرات تشریق کہے گا یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

سلام پھیرنے کے بعد مسبوق پر بھی تکبیرات تشریق واجب ہیں۔

”و کذا يجب على المسبوق لانه مقتد تحريمه لكن لا يكبر مع الامام ويكبر

بعده ما قضى ما فاته“..... (البحر الرائق : ۲/۲۹۰)

”والمسبوق يكبر وجوبا كاللاحق لكن عقب القضاء لما فاته“..... (درمع

الر د : ۱/۶۲۱)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

دعا بعد صلوة العید کا حدیث مبارکہ سے ثبوت:

مسئلہ نمبر (۶۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دعا بعد صلوة العید کا ثبوت حدیث

مبارکہ سے ہے یا نہیں؟ اور اس کا مطلق بدعت سمجھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال نماز عید کے بعد دعا کرنا احادیث سے ثابت ہے، لہذا اسے بدعت سمجھنا درست نہیں ہے۔

”وعن ام عطية امرنا ان نخرج الحوض يوم العيد وذوات الخدود فيشهدن

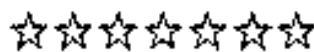
جماعة المسلمين ودعوتهم“..... (صحيح البخاري : ۱/۱۳۳)

”فیشهدن ای بحضرن جماعة المسلمين ودعوتهم ای دعائهم ویکثرن سوادهم..... قال الخطابی امر جميع النساء بحضور المصلی يوم العيد لتصلی من لیس لها عذر وتصل بركة الدعاء“.....(مرقاة المفاتیح : ۳/۳۸۳)

”عن ام عطية قالت کذا نومر ان نخرج يوم العيد حتى تخرا لیکر من خدرها حتى نخرج الحيض فيکن خلف الناس فيکبرن بتکبيرهم ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته“.....(عمدة القاری : ۲/۳۲۶)

”قال الخطابی وابن بطال وفيه تاخير النساء عن الرجال وفيه تساوى النساء والرجال فى التکبير والدعاء وفيه اخراج النساء يوم العيد الى المصلی حتى الحيض فيهن ولكنهن يعتزلن المصلی“.....(عمدة القاری : ۲/۳۲۷)

والله تعالى اعلم بالصواب



ناپاک جگہ کو پاک کر کے وہاں نماز عید پڑھی جائے:

مسئلہ نمبر (۶۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایسی زمین جو جانوروں کی چراگاہ ہو اس زمین پر جب کہ جانوروں کا گوبر کثیر طور پر ظاہر ہو اور اس کے برعکس ایک بڑی جامع مسجد موجود ہو لیکن چند افراد اپنی من مانی کے طور پر ناپاک جگہ پر نماز عید پڑھتے ہیں، کیا اس طرح نماز عید ہو جائے گی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اس جگہ کو صاف کیا جائے اور نماز عید پڑھی جائے کیونکہ حضور ﷺ نے کبھی بھی بغیر عذر کے مسجد میں نماز عید نہیں پڑھی بلکہ آپ عید گاہ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

”عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال کان النبی ﷺ یخرج يوم الفطر والاضحی الى المصلی الخ وفى فتح القدير والسنة ان یخرج الامام الى الجبابة ويستخلف من یصلی بالضعفاء فى المصر“.....(اعلاء السنن :

(۸/۱۱۳، ۱۱۴)

”ثم خروجه..... ماشيا الى الجبابة وهى المصلی العام والواجب مطلق التوجه

والخروج اليها اي الجبانه لصلاة العيد سنة وان وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح..... (در مختار على هامش الشامى: ١/٢١٢)
 "قوله وهو الصحيح قال في الظهيرية وقال بعضهم ليس بسنة وتعارف الناس ذلك لضيق المسجد وكثرة الزحام والصحيح هو الاول"..... (فتاوى شامى: ١/٢١٢)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جس ہستی میں جمعہ جائز نہیں وہاں نماز عید بھی جائز نہیں ہے:

مسئلہ نمبر (۶۷): محترم جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از سلام عرض یہ ہے کہ بندہ کو ایک مسئلہ درپیش ہے جس کا بندہ کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل درکار ہے، مسئلہ یہ ہے کہ میں مسمی محمد اخلاق مظفر آباد میں ہنیاں بالا کے ایک گاؤں میں رہتا ہوں ہمارے گاؤں میں بازار وغیرہ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی جامع مسجد ہے، بعض علماء کرام کی مشاورت کے بعد سنا ہے کہ جہاں بازار اور جامع مسجد نہ ہو وہاں نماز جمعہ اور نماز عیدین ادا نہیں کی جاتی، لیکن ہمارے گاؤں میں صرف نماز عید الاضحیٰ اور نماز عید الفطر ادا کی جاتی ہے، لہذا جناب سے گزارش ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں اور فتویٰ صادر فرمائیں کہ ہمارے گاؤں میں نماز عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ ایک جامع مسجد جہاں جمعہ کی نماز ادا ہوتی ہے اور وہاں بازار بھی ہے وہ ہمارے گاؤں سے تقریباً چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، کیا اس کی وجہ سے ہم نماز عید پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جس ہستی میں جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے تو وہاں عیدین کی نماز بھی جائز نہیں ہے، چنانچہ آپ کے گاؤں میں عیدین کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی ان گاؤں والوں پر جمعہ و عیدین کی نماز واجب ہے۔

"تجب صلوٰۃ العیدین علی من تجب علیہ صلوٰۃ الجمعة"..... (فتاویٰ

التاتارخانیة: ١/٦٦، ہدایہ: ١/١٤٣)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تکبیرات عیدین میں فاصلہ اور ان میں سہو کا حکم:

- مسئلہ نمبر (۶۸): (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مذکورہ مسائل کے بارے میں کہ عید کی زائد تکبیروں کے درمیان امام فاصلہ تین تسبیحات کے بقدر رکھے گا یا اس سے کم؟
- (۲) اگر امام عید کی تکبیرات کو پہلی رکعت میں بھول گیا اور سورۃ الفاتحہ شروع کر دی اور درمیان سورۃ الفاتحہ کے یاد آ گیا تو کیا وہ پہلے تکبیرات کہے پھر سورۃ الفاتحہ پڑھے گا یا کہ کوئی دوسری صورت ہوگی؟
- (۳) اگر امام عید کی نماز میں بغیر زائد تکبیر کہے رکوع میں چلا گیا اور رکوع سے کھڑا نہ ہوا بلکہ اس نے تکبیرات جہراً رکوع ہی میں کہہ لیں تو صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

- (۱) تکبیرات عیدین کے کے موقع پر تکبیرات کے درمیان فاصلہ تین تسبیحات کے بقدر ہونا چاہیے۔

”قال محمد فی الاصل يستحب المكث بين كل تكبيرتين مقدار ما يسبح

فلا ت تسبیحات“..... (فتاویٰ التاتارخانیہ: ۲/۸۸)

- (۲) سورۃ الفاتحہ پڑھ کر تکبیرات کہے اور سجدہ سہو کرے۔

- (۳) اگر تکبیرات عیدین رکوع میں جہراً پڑھے تو بھی صحیح ہے۔

”قال ابو حنیفۃ اذ انسی الامام تکبیرات العید حتی قرأ فانه یکبر بعد القراءۃ

اوفی الرکوع مالم یرفع ویسجد للسهو“..... (فتاویٰ التاتارخانیہ: ۲/۸۸)

نوٹ: اگر عوام زیادہ ہو تو سجدہ سہو ترک کر دے، خواہ نماز جمعہ ہو نماز عیدین ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

عید گاہ نہ ہو تو مسجد میں عید کی نماز کروانے کا حکم:

- مسئلہ نمبر (۶۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی گاؤں میں عید گاہ نہ ہو تو عید کی نماز مسجد میں کروانا کیسا ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مسجد میں ادا کرنا منع ہے، اور کیا سرکاری جگہ یا کسی ذاتی جگہ حجرہ وغیرہ میں ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مطلق عید کی نماز پڑھنا واجب ہے اور عید گاہ میں پڑھنا سنت ہے، اگر عید گاہ نہ ہو تو مسجد میں پڑھ سکتے ہیں، نیز جس گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں اس میں عید کی نماز بھی جائز نہیں ہے، البتہ جس آبادی میں شرائط جمعہ و عیدین موجود ہیں تو ہر جگہ عیدین کی نماز پڑھنی درست ہے، مسجد ہو یا عید گاہ، جب کہ متعدد مقامات پر پڑھنا شریعت کی منشاء کے خلاف ہے، جو کہ مظاہرہ عظمت اسلام ہے۔

”ثم خروجه ماشيا الى الجبانة وهي المصلی العام والواجب مطلق التوجه

والخروج اليها اي الجبانة لصلاة العيد سنة وان وسعهم المسجد الجامع

هو الصحيح“..... (الدر المختار على هامش الرد المحتار: ۱/۶۱۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گاؤں والے لوگ مصر یا فناء مصر میں جا کر عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں:

مسئلہ نمبر (۷۰): السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک گاؤں کے لوگ عید کی نماز پڑھتے تھے اپنے قریب شہر کی حدود میں جا کر کیونکہ اس گاؤں میں لوگ عید کی نماز ادا نہیں کرتے تھے شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے، پھر کسی عارضی وجہ سے لوگوں نے اس عمل کو ترک کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس گاؤں کے لوگ عید کی نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اپنی پرانی ترتیب پر شہر کی حدود میں جا کر کسی کھیت میں کیونکہ مستقل عید گاہ نہیں ہے، اگر لوگ اس عمل کو شروع نہ کریں تو لوگ غیر مقلدین کی اقتداء میں جا کر عید کی نماز ادا کرتے ہیں کیونکہ اس گاؤں میں ایک غیر مقلدین کی مسجد بھی ہے اور جو قریب شہر ہے اس میں بھی غیر مقلدین اور بریلویوں کی مساجد ہیں جہاں لوگ نماز ادا کرتے ہیں، اور میں آپ کے سامنے اس مسئلے کو بھی وضاحت سے بیان کر دوں کہ جہاں لوگ عید کی نماز ادا کرنے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں وہاں قریب شہر کی کوئی آبادی نہیں صرف اور صرف اس شہر کی حدود ہے، اور ایک چھوٹی سی آبادی جس میں ۳ یا ۴ گھر ہیں اس شہر اور اس آبادی کا فاصلہ تقریباً ۲ کلومیٹر ہے، آیا یہاں پر نماز عیدین ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں گاؤں والوں پر عید کی نماز واجب نہیں ہے کیونکہ شرائط نہیں پائی جاتی ہیں، باقی پرانی ترتیب کے مطابق بھی ان پر نماز عید پڑھنا ضروری نہیں ہے، ہاں اگر شہر میں یا فناء شہر میں حسب سابق جا کر کھلے میدان میں نماز عید ادا کریں گے تو باعث اجر و ثواب ہوگا۔

”تجب صلوة العید علی کل من تجب علیہ صلاة الجمعة کذا فی الہدایة
ویشترط للعید ما یشرط للجمعة الا الخطبة کذا فی الخلاصة فانها سنة
بعد الصلاة“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۵۰)

”لائصح الجمعة الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القرى لقوله
علیه السلام لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع
والمصر الجامع کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام و یقیم الحدود
وهذا عند ابی یوسف وعنه انهم اذا اجتمعوا فی اکبر مساجدهم لم یسعهم والاول
اختیار الکرخی وهو الظاهر والثانی اختیار الثلجی“..... (الہدایة: ۱/۱۷۷)

”ولادانها شرائط فی غیر المصلی منها المصر هکذا فی الکافی والمصر فی
ظاهر الروایة الموضع الذی یکون فیہ مفت وقاض یقیم الحدود
وینفذ الاحکام وبلغت ابنیته ابنیة منی هکذا فی الظہیریة وفتاویٰ قاضی خان،
وفی الخلاصة وعلیه الاعتماد کذا فی التارخانیة، ومعنی اقامة الحدود
القدرة علیها هکذا فی الغیاتیة وکما یجوز اداء الجمعة فی المصر یجوز اداؤها
فی فناء المصر وهو الموضع المعد لمصالح المصر متصلا بالمصر ومن کان
مقیما بموضع بینہ وبين المصر فرجة من المزارع والمراعی نحو القلع
بیخارا لاجمعة علی اهل ذلک الموضع وان کان النداء ینلغهم والغلوة
والمیل والامیال لیس بشیء هکذا فی الخلاصة هکذا روی الفقیہ ابو جعفر
عن ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالی وهو اختیار الشمس الائمة
الحلوانی کذا فی فتاویٰ قاضی خان“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۳۵)

واللہ تعالی اعلم بالصواب

گاؤں میں عید کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے:

مسئلہ نمبر (۷۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان دین متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک گاؤں ہے جس کی آبادی تقریباً تین سو سے زائد ہے اور وہ شہر اور مضافات شہر میں بھی نہیں ہے، اس میں عید کی نماز پڑھنا اور پڑھانا از روئے شرع متین کیسے ہے؟ اور اگر کسی علاقہ میں بیس پچیس سال سے عید کی نماز پڑھی جا رہی ہو اور وہ لوگ اس کو ترک کرنے پر راضی نہ ہوں تو اس کو جاری رکھنا چاہئے یا روک دینا چاہئے؟ اور روکنے کے لیے کونسا طریقہ اپنایا جائے؟ اور عید نماز میں خطبہ سے پہلے مسنون ہے یا بعد میں؟ اور اگر کسی علاقہ میں کئی سالوں سے خطبہ کے بعد کا طریقہ چلا آرہا ہو تو اس کو تبدیل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

گاؤں میں عید کی نماز پڑھنا جائز ہے لہذا اس کو روک دینا چاہئے۔

”تجب صلوتہما فی الاصح علی من تجب علیہ الجمعة بشرائطها المتقدمة
سوی الخطبة فانها سنة بعدها وفي القنية صلوة العید فی القرى تکره تحریم
ای لانه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة“
..... (در مختار: ۱/۱۱۶)

”لقوله علیه السلام لاجمعة ولا تشریق ولا صلاة فطر ولا اضحی الا فی
مصر جامع او مدينة عظيمة ولم ینقل عن الصحابة رضی الله عنهم انهم حين
فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجمع الا فی الامصار دون
القرى“..... (مراقی الفلاح شرح نور الايضاح: ۵۰۴)

نماز عیدین کے بعد دعا کا ثبوت تو ملتا ہے لیکن اس دعا کے تعیین کا ثبوت نہیں ملتا کہ نماز کے متصل بعد دعا ہے یا خطبہ کے بعد البتہ بہتر یہی ہے کہ خطبہ مکملات نماز میں سے ہے تو خطبہ کے بعد ہی دعا ہونی چاہئے۔

”عن ام عطية قالت کنانؤمران نخرج یوم العید حتی نخرج البکر من خدرها
حتى نخرج الحیض فیکن خلف الناس فیکبرون بتکبیرهم ویدعون بدعائهم
یرجون برکة ذلك الیوم وظهرته“..... (صحیح البخاری: ۱/۱۳۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عید گاہ کے ہوتے ہوئے مسجد میں نماز عید ادا کرنا خلاف سنت ہے:

مسئلہ نمبر (۷۲): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں بھیرکنڈ میں پہلے عید گاہ نہیں تھی اب عرصہ تین چار سال سے اللہ تعالیٰ نے عید گاہ کی نعمت سے نوازا ہے لیکن اس کے باوجود کچھ ائمہ جو پہلے مساجد میں نماز عید پڑھاتے تھے وہ اب بھی مساجد میں نماز عید پڑھاتے ہیں، تو کیا شرعاً عید گاہ کے ہوتے ہوئے مساجد میں نماز عید کا پڑھنا مسنون ہوگا یا نہیں؟ اور کیا اس عمل سے ائمہ مساجد گناہ گار ہوں گے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل بتلائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں اگر آپ کی بستی میں تمام شرائط جمعہ پائی جاتی ہوں تو نماز عید کی ادائیگی کے لیے عید گاہ کی طرف جانا مسنون ہے اور عید گاہ کے ہوتے ہوئے مساجد میں نماز عید ادا کرنا اور عید گاہ کی طرف نہ جانا یہ خلاف سنت ہے، اگرچہ نماز ہو جائے گی، اگر شرائط جمعہ پوری نہ ہوں تو عید کی نماز نہ عید گاہ میں جائز ہے اور نہ مسجدوں میں جائز ہے۔

”فصل واما شرائط وجوبها وجوازها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلوة العیدین وجوازها“..... (بدائع الصنائع: ۱/۶۱۶)

”وفی التجنیس والخروج الی الجبانة سنة لصلاة العید وان كان یسعهم المسجد الجامع عند عامة المشائخ هو الصحيح اه وفي المغرب: الجبانة المصلی العام فی الصحراء..... فان كانت صلوة العید واجبة حتی لو صلی العید فی الجامع ولم یتوجه الی المصلی فقد ترک السنة“..... (البحر الرائق: ۲/۲۷۸)

”ومطلق الخروج من بيته الى الصلوة وان كان واجبا بناء على ان ما يتم به الواجب واجب لكن الخروج الى الجبانة سنة مؤكدة وان وسعهم المسجد الجامع فان صلوا في مساجد المصر من غير عذر جازت صلواتهم وتركوا السنة هذا هو الصحيح كما في الظهيرية“..... (عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية: ۱/۲۳۵)

”در نماز عیدین رفتن بصحراء سنت مؤکده است یا مستحب، بینوا
 توجروا، هو المصوب، بعض فقہاء قائل باستحباب شدہ اندلیکن صحیح
 ومعتبر نزد ایشایان بودنش سنت مؤکده است در بحر الرائق از تجنیس نقل
 میسازد الخروج الى الجبانه سنة لصلوة العيد وان كان يسعهم المسجد
 الجامع عند عامة المشايخ هو الصحيح انتهى وهم جنس ست در بزازیہ و جامع
 الرموز و منح الغفار شرح تنویر الابصار وغیره و از کتب احادیث و سیرت اہل
 است کہ آنحضرت ﷺ دائما برای نماز عیدین بصحراء تشریف بردند
 و فی عمرہ بجزیرک مرتبہ بعد بارش گاهی در مسجد خود کہ از جملہ اماکن
 افضل است نماز عیدین ادا فرمودہ اند و خلقاء راشدین ہم برین مواظبت
 فرمودہ اند و این مواظبت نہ بر سبیل عادت بود و نہ بوجہ ضرورت ملکہ علی
 سبیل العبادة تا بوجہ کثرت جمعیت تزانند ثواب کرد و شوکت اسلام ظاهر
 کردہ و هذا آية للمنية على سبيل التاكيد“..... (مجموعۃ الفتاوی علی ہامش
 الخلاصۃ: ۱/۱۸۳)

واللہ تعالی اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تکبیرات تشریح کا شرعی ثبوت:

مسئلہ نمبر (۷۳): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام ان مسائل کے بارے میں کہ

- (۱) تکبیرات تشریح کا شرعی ثبوت کیا ہے؟
- (۲) ان تکبیرات کو تین مرتبہ پڑھنا چاہیے یا کہ ایک دفعہ سے ادا ہو جاتی ہیں؟
- (۳) اگر کوئی ان تکبیرات کو فرضوں کے بعد پڑھنا بھول جائے تو کیا نماز مکمل کر کے ان کو پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

- (۱) تکبیرات تشریح کا شرعی ثبوت قرآن و حدیث سے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”واذکروا اللہ فی ایام

”وقال عكرمة (واذكروا الله في ايام معدودات) يعني التكبير في ايام التشريق بعد الصلوات المكتوبات الله اكبر الله اكبر“..... (تفسير ابن كثير: ۱/۳۹۶)
 ”اجمع اهل العلم على العمل به والاصل فيه قول الله تعالى: (واذكروا الله في ايام معدودات) جاء في التفسير والله اعلم ان المراد به التكبير في هذه الايام عقب الصلوات وعن ابن عمر رضى الله عنهما ان رسول الله ﷺ قال افضل ما قلت وقالت الانبياء من قبلى يوم عرفة الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله والله اكبر الله اكبر والله الحمد، عن جابر رضى الله عنه ان رسول الله ﷺ صلى الفجر يوم عرفة وقال الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله والله اكبر الله اكبر والله الحمد“..... (فتاوى التاتارخانية: ۲/۷۸)

(۲) ایک دفعہ پڑھنے سے واجب تکبیر ادا ہو جاتی ہے۔

”واما عدده وماهيته فهو ان يقول مرة واحدة الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله والله اكبر الله اكبر والله الحمد“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۵۲)

(۳) اگر نماز پڑھ کر کوئی ایسا عمل کر لیا جو نماز کے منافی ہو تو تکبیر تشریح نہیں پڑھے گا۔

”واما محل ادائه فدبر الصلوة وفورها من غير ان يتخلل ما يقطع حرمة الصلوة حتى لو ضحك قهقهة او احدث متعمدا او تكلم عامدا او ساهيا او خرج من المسجد او جاوز الصفوف في الصحراء لا يكبر لان التكبير من خصائص الصلوة حيث لا يؤتى به الا عقب الصلوة..... والاصل ان كل ما يقطع البناء يقطع التكبير وما لا فلا“..... (البحر الرائق: ۲/۲۸۸، ۲۸۹)

والله تعالى اعلم بالصواب



سورج گرہن کے وقت کیا کرنا چاہیے؟

مسئلہ نمبر (۷۴): سورج گرہن کے وقت مرد کو کیا حکم ہے کیونکہ ہمارا علاقہ دیہاتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ جو عورت حاملہ ہو جب تک سورج گرہن رہے اتنی دیر تک چار پائی پر لیٹی رہے قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیل سے جواب دیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ سورج گرہن کے وقت مرد کو فوراً مسجد جا کر نماز اور ذکر کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اگر ہو سکے تو جب تک سورج گرہن ختم نہ ہو مسجد میں نماز و ذکر میں مشغول رہے اور آپ کے علاقے میں حاملہ کے بارے میں مشہور بات کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

”قال النبی ﷺ اذ ارایتم شیئاً من هذه فافزعوا الى الصلاة قال ولانها صلاة تقام

على سبيل الشهرة فكان شعار اللدین حال الفزع“..... (فتح القدیر: ۵۱/۲)

”عن النعمان بن بشیر قال انكسفت الشمس على عهد رسول الله ﷺ فخرج

يجر ثوبه فزعاً.... الخ“..... (فتح القدیر: ۵۳/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



نماز استسقاء دو رکعت باجماعت مسنون ہے:

مسئلہ نمبر (۷۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز استسقاء کتنی رکعت مسنون ہے؟ کیا امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرمایا ہے یا نہیں؟ اور کیا اگر کوئی شخص نماز استسقاء کی دو رکعت باجماعت پڑھتا ہے یہ شخص وہابی ہے؟ اور جو لوگ صلاۃ استسقاء چار رکعت پڑھتے ہیں ان پر بدعت کا حکم لگانا ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صلاۃ استسقاء دو رکعت باجماعت مسنون ہے یہی امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا مذہب ہے امام اعظم کے نزدیک بھی جائز ہے بلکہ علامہ ابن عابدین شامی نے رد المحتار میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی مستحب ہے۔

”قلت والظاهر ان المراد به الندب والاستحباب الخ“..... (رد المحتار: ۱/۲۲۴)

اس مقام پر علامہ شامی نے تفصیل لکھی ہے استسقاء اگرچہ مختلف طریقوں سے منقول ہے مگر بہتر اور افضل طریقہ صرف دو رکعت باجماعت پڑھنا ہے اسی کو فقہاء کرام نے مختار کہا ہے اور شیخ عبدالحق نے بھی اسی کو مختار کہا ہے وفتویٰ الان نزد حنفیہ بر مذہب صاحبین است از جهت ثبوت فعل آنحضرت ﷺ وعدم دلیل بہ اختصاص آل با آنحضرت ﷺ اس لئے دو رکعت استسقاء پڑھنے والوں کو وہابی کہنا گناہ اور جرم ہے۔

صلاۃ استسقاء کی چار رکعت کسی محدث اور فقیہ کے قول میں موجود نہیں ہیں اور نہ ہی کہیں منقول ہیں اس لئے چار رکعت پڑھنے کو موجب ثواب سمجھنا بدعت ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

﴿الباب السابع عشر فی صلوٰۃ الجنائز﴾

دعا بعد الجنائز کا حکم:

مسئلہ نمبر (۷۶): کیا فرماتے ہیں علماء دین و مقتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جنازہ کے بعد وہیں بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر قبل از دفن دعا کرنا فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے؟ نیز کتب فقہ حنفی میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ اگر شرعی حیثیت کچھ نہیں تو اس کو شعائر اہل سنت قرار دینا اور سنت نبوی قرار دینا اور اس کے تارک کو ملامت شدیدہ سے پریشان کرنا کیسا ہے؟

اگر کوئی اس کو سنت نبوی یا شعائر اہل سنت تصور کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

دعا بعد صلوٰۃ الجنائز میں فقہاء کرام کی عبارات چار قسم کی ہیں۔

(۱) وہ عبارات جن سے مطلق دعا کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

”ولا يدعو الميت بعد صلاة الجنائز لانه يشبه الزيادة في صلاة الجنائز“

..... (مرقاۃ المفاتیح: ۳/۱۳۹)

”لا يدعو بعد التسليم كما في الخلاصة“..... (البحر الرائق: ۳/۳۲۱)

(۲) وہ عبارات جن سے کھڑے ہو کر دعا کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

”اذا فرغ من الصلوٰۃ لا يقوم داعياله“..... (فتاویٰ سراجیہ معہ قاضی

خان: ۱/۱۳۱)

(۳) وہ عبارات جن سے دونوں کی ممانعت مراد لی جاسکتی ہے، مطلق دعا کی ممانعت بھی اور کھڑے ہو کر دعا کی

ممانعت بھی۔

”ولا يقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنائز لانه دعامة لان اكثرها دعاء“..... (فتاویٰ

بزازیہ: ۱/۷۲)

”ولا يقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنائز“..... (خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۲۲۵)

ان عبارات میں جن میں صلہ با آیا ہوا ہے فقہاء کرام نے دونوں معنی مراد لیے ہیں صاحب بحر نے

خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت سے نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرنے کا معنی مراد لیا ہے اور مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ

صاحب نور اللہ مرقدہ نے محیط کی عبارت کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعائے کرے کیونکہ یہ دعاء نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ پیدا کرتی ہے۔

(۴) وہ عبارات جن سے مطلق دعاء کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

”و عن الفضلی لا بأس به“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۱)

پہلی قسم کی عبارات تو مقید بالہیئۃ مخصوصہ ہیں کیونکہ نفس دعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ کے بارے میں احادیث و آثار صحابہ کرام موجود ہیں، اگر اختلاف ہے تو ہیئت مخصوصہ کی تشریح میں ہے بعض اکابر نے اس کی تشریح ہیئت الاجتماع سے کی ہے اور بعض اکابر نے ہیئت القیام سے ہیئت مخصوصہ کی تشریح کی ہے، لہذا اکابر کے اقوال میں ترجیح کی ضرورت پڑ گئی اس کی وضاحت یوں ہے۔

حکم کی علت کراہت معلوم کی جائے کیونکہ حکم کے لیے مدار علت ہوتی ہے، جس صورت میں علت موجود ہو اس صورت میں کراہت ہوگی جس صورت میں علت نہ ہو اس میں کراہت نہ ہوگی، دعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ کی کراہت کے لیے علت فقہاء کرام نے دو چیزیں ذکر کی ہیں، بعض نے صورت تکرار جنازہ کو اور بعض نے صورت زیادتی صلوٰۃ الجنازۃ کو علت کراہت قرار دیا ہے، جیسا کہ بزاز یہ مرقات اور محیط کی عبارات میں اس کی واضح تصریح موجود ہے۔

لہذا جس صورت میں علت ختم ہو جائے گی حکم کراہت بھی ختم ہو جائے گا الحاصل کھڑے ہو کر دعا کرنے میں تکرار جنازہ اور شبہ فی صلوٰۃ الجنازہ کی علت کراہت موجود ہے چاہے صورت اجتماعی ہو یا انفرادی اس لیے نماز جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرنا مکروہ ہے، لیکن بیٹھ کر دعا کرنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں علت کراہت موجود نہیں ہے، البتہ اس کو عقیدتاً لازم سمجھنا بدعت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۷۷): شہید کی نماز جنازہ غائبانہ سنت کے مطابق ہے یا خلاف سنت ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز جنازہ کے جواز کی شرائط میں سے ایک شرط میت کا امام کے سامنے ہونا ہے، غائبانہ نماز جنازہ میں میت کی حاضری چونکہ نہیں ہوتی اس لیے غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں۔

”شرط صحتها شرائط الصلوة المطلقة واسلام الميت وطهارته ووضع امام المصلی وبهذا القيد علم انها لا تجوز على غائب ولا حاضر محمول على دابة او غيرها لاختلاف المكان“..... (حلی کبیری: ۲+۵)

”وشرائط الجنائز الرابع حضوره او حضور اكثر بدنه او نصفه مع راسه والصلوة على النجاشی كانت بمشهده كرامة له ومعجزة للنبي ﷺ“

..... (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۵۸۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ کے ارکان:

مسئلہ نمبر (۷۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنازہ میں اگر تکبیرات کے علاوہ کچھ نہ پڑھا جائے تو کیا اس سے نماز جنازہ ادا ہو جاتی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جنازہ میں ارکان صرف تکبیرات و قیام ہیں لہذا اگر تکبیرات کے علاوہ کچھ نہ پڑھا جائے تو پھر بھی نماز جنازہ ادا ہو جائے گی۔

”واركانها التكبيرات والقيام“..... (حاشیة الطحطاوی علی المراقی: ۱/۵۸۰)

”وفي الفتاوى الحجة والامی والهنود الذين لا يعلمون الادعية يكبر تكبيرات ويسلم تجوز صلاته لان الاركان فيها التكبيرات“..... (الفتاوى التاتارخانية: ۱۱۸/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ میں درود ابراہیمی کا حکم:

مسئلہ نمبر (۷۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی امام نماز جنازہ کے اندر جو درود پڑھا جاتا ہے اس کو چھوڑ کر درود ابراہیمی پڑھ لے کیا اس سے نماز جنازہ کے اندر کوئی فرق تو نہیں پڑتا؟

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز جنازہ میں اگر نماز والا اور و شریف پڑھ لیا جائے تو اس سے نماز جنازہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

”ویصلی علی النبی ﷺ كما فی التشهد (قوله كما فی التشهد) ای المراد

الصلوة الابرہیمیة التي یاتی بها المصلی فی قعدة التشهد“..... (ردالمحتار:

۶۳۳/۱)

”وإذا کبر الثانية یاتی بالصلوة علی النبی ﷺ وهي الصلاة المعروفة وهي ان

یقول (اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد) الی قوله (انک حمید

مجید)“..... (بدائع الصنائع: ۵۱/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

متعدد میتوں پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۸۰): کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر متعدد میتیں جمع

ہو جائیں تو ہر ایک کی نماز جنازہ الگ الگ پڑھنا ضروری ہے یا ایک ہی نماز جنازہ سب کے لیے کافی ہوگی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر متعدد میتیں جمع ہو جائیں تو افضل یہ ہے کہ ہر ایک پر الگ الگ نماز جنازہ پڑھی جائے البتہ اگر سب پر

ایک ہی نماز جنازہ پڑھی گئی تو یہ بھی جائز ہے۔

”وإذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوة علی کل واحدة اولی من الجمع

وتقدیم الافضل افضل وان جمع جاز“..... (الدرالمختار: ۱۴۲/۱)

”ولو اجتمعت الجنائز یخیر الامام ان شاء صلی علی کل واحد علی حدة وان

شاء صلی علی الكل دفعة بالنية علی الجميع“..... (الہندیة: ۱۶۵/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

عورتوں کا قبرستان جانا:

مسئلہ نمبر (۸۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورتوں کا قبرستان جانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

درج ذیل شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے مثلاً پردے کا اہتمام ہو، محرم ساتھ ہو، راستہ پر امن ہو، جزع فزع

نہ کرتی ہو، قتلوں سے محفوظ ہو، تو عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہے۔

”قال في البدائع ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للاموات ان كانوا مومنين من غير وطء القبور لقوله عليه السلام اني كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها ولعمل الامة من لدن الرسول ﷺ الي يومنا هذا وصرح في المجتبى بانها مندوبة وقيل تحرم على النساء والاصح ان الرخصة ثابتة لهما“.....(البحر الرائق: ۲/۳۳۲)

”ولا بأس بزيارة القبور وهو قول ابي حنيفة وظاهر قول محمد يقتضى الجواز للنساء ايضا لانه لم يخص الرجال وفي الاشربة واختلف المشايخ في زيارة القبور للنساء قال شمس الائمة السرخسي الاصح انه لا بأس بها“.....(الهنديّة: ۵/۳۵۰)

”قال الترمذى قدرأى بعض اهل العلم ان هذا قبل ان يرخص النبي ﷺ في زيارة القبور فلما رخص دخل في رخصة الرجال والنساء قال القارى وهذا هو الظاهر وقال بعضهم انما كره زيارة القبور للنساء لقلّة صبرهن وكثرة جزعهن انتهى قال القارى هذا المبحث موقوف على التاريخ والافظاھر هذا الحديث العموم لان الخطاب في نهيتكم كما انه عام للرجال والنساء على وجه التغليب او اصاله الرجال فكذلك الحكم في فزوروها مع ان ما قيل من ان الرخصة عامة لهن واللعن قبل الرخصة مبنى على الاحتمال ايضا..... وكذلك ما اخرجہ البخارى ان النبي ﷺ مر بامرأة تبكى عند قبر فقال اتقى الله واصبرى الحديث ولم ينكر عليه الزيارة وكذلك مارواه الحاكم

ان فاطمة بنت رسول اللہ ﷺ كانت تزور قبر عمها حمزة كل جمعة فتصلي وتبكي عنده فالصواب الذي ينبغي الاعتماد عليه هو جواز الزيارة للنساء اذا كان الامن من تضييع حق الزوجة والتبرج والجزع والفرع ونحو ذلك من الفتن لان الزيارة علل بتذكر الموت ويحتاج اليه الرجال والنساء فلما منع من الاذن لهن..... (بذل المجهود: ۳/۲۱۵، ۲۱۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

توجیہ القبلة فی القبر:

مسئلہ نمبر (۸۴): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبر میں میت کو قبلہ رو لٹانے کے وجوب یا مسنون ہونے میں علماء کرام کی مختلف آراء ہیں جن میں سے اس کے ”سنت مؤکدہ“ ہونے کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے فتاویٰ شامی میں اس کی تصریح کی ہے، فتاویٰ شامی کی عبارت ملاحظہ ہو۔

”قلت ووجهه ان ظاهره التسوية بين الحياة والموت في وجوب استقباله لكن صرح في التحفة بانه سنة كماياتي عقبه قوله ولا يبش ليوجه اليها اي لو دفن مستديرا لها واما لو التراب لا يبش لان التوجه الى القبلة سنة والنش حرام“

..... (رد المحتار: ۱: ۶۶۰)

مگر اس مسنون طریقے کو پورا کرنے کے لیے میت کو قبر میں قبلہ رخ پوری کروٹ دی جائیگی یا پھر اس کو چپٹ لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دینا کافی ہوگا؟

چنانچہ اس مسئلہ میں علماء کرام کی عبارتوں میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، جن کی رو سے ایک رائے کے مطابق میت کو قبر میں قبلہ رو کرنے کی سنت کو پورا کرنے کے لیے دائیں کروٹ ہی پر لٹایا جائے گا، اور چپٹ لٹا کر صرف چہرے کو قبلہ رو کرنا کافی نہ ہوگا، جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارات سے معلوم ہوتا ہے۔

(۱) امداد الاحکام کی عبارت ملاحظہ ہو:

میت کو قبر میں دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف منہ کر کے لٹانا چاہیے اور اگر لحد ہو تو کمر کے نیچے کوئی پتھر یا کچی اینٹ رکھ دینی چاہیے تاکہ استقبال قبلہ باقی رہے (امداد الاحکام: ۱/۸۳۸)

(۲) احکام المیت کی عبارت ملاحظہ ہو:

میت کو قبر میں رکھ کر اپنے پہلو پر اس کو قبلہ رو کرنا مسنون ہے صرف قبلہ رو کرنا کافی نہیں بلکہ پورے بدن کو اچھی طرح کروٹ دے دینی چاہیے (ص ۶۵، بحوالہ بہشتی زیور)

(۳) فتاویٰ رحیمیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

میت کو قبر میں قبلہ کی جہت سے اتارنا مسنون ہے، قبر میں دائیں بازو پر لٹانا سنت موکدہ ہے قبلہ کی جہت پاؤں کرنا جائز ہے (فتاویٰ رحیمیہ: ۶۵/۷)

علاوہ ازیں یہی مسلک خیر الفتاویٰ: ۱۵۳/۳، عمدۃ الفقہ: ۵۲۱/۲، امداد الفتاویٰ: ۵۶۲/۱، احسن الفتاویٰ: ۲۳۵/۱، علم الفقہ: ۳۵۳/۲، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۱۵/۲ میں اختیار کیا گیا ہے۔

جب کہ دوسرے فریق کی رائے کے مطابق یہ ”سنت“ فقط چیت لٹا کر چہرہ قبلہ رخ کر دینے سے بھی ادا ہو جائے گی۔

(۱) فتاویٰ حقانیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

احادیث مبارکہ میں میت کے چہرے کا رخ قبلہ کی طرف کرنے کا حکم ہے اور یہ امر دونوں صورتوں میں پورا ہو سکتا ہے تاہم بائیں کروٹ پر لٹا کر قبلہ رخ کرنا بہتر ہے، اگر چہ چیت لٹا کر قبلہ رخ کر دینا بھی جائز ہے (فتاویٰ حقانیہ: ۲۵۱/۲)

(۲) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی عبارت ملاحظہ ہو:

میت کو دہنی کروٹ کرنا اس میں شک نہیں کہ یہ عمدہ ہے کما صرح بہ الفقہاء لیکن اگر منہ قبلہ کی طرف ہو جائے اور دہنی کروٹ پر لٹانا مشکل ہو تو یہ توجیہ الی القبلہ یعنی منہ قبلہ کی طرف کر دینا بھی کافی معلوم ہوتا ہے (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۷۲/۵)

جب کہ بعض کتابوں میں دونوں طرح کے فتوے موجود ہیں:

(۱) کفایۃ المفتی: ۴۸/۲، میں ہے کہ میت کو قبر میں چیت لٹانا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا بھی جائز ہے اور کروٹ سے لٹانا اور پشت کی طرف مٹی کے ڈھیلے سے ٹیک لگانا بھی جائز ہے اور یہ صورت چیت لٹانے سے افضل ہے۔

(۲) جب کہ اسی کتاب میں ۵۲/۲، پر ذکر ہے کہ میت کو قبر میں یا لحد میں سیدھے کروٹ پر قبلہ کی طرف منہ کرنا سنت ہے، یہی طریقہ اہل اسلام اور زمانہ نبی کریم ﷺ سے مقبول اور زمانہ سلف و خلف میں معمول و متواتر ہے، ہمارے ائمہ کرام و فقہائے عظام رحمہم اللہ کا مذہب ہے اور امام شافعی و احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہم اللہ صاحبان کا بھی یہی مسلک ہے، صغیری و کبیری، شرح منیۃ اور امام شافعی نے اپنی کتاب الام میں مردے کو رو قبلہ رکھنے کی

کیفیت میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ مردے کی پیٹھ کی طرف ڈھیلا یا مٹی کی روک کر دے تاکہ مردہ اونڈھا یا چپت نہ ہو جائے، آخر میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے تصدیقی دستخط کے ساتھ یہ عبارت درج ہے ”یہ صحیح ہے کہ قبر میں مردے کو دائیں کروٹ پر لٹانا مسنون ہے“ لہذا آنجناب کی خدمت میں عرض ہے کہ مذکورہ بالا عبارات میں سے راجح کو متعین فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

راجح یہ ہے کہ مطلقاً توجیہ الی القبلة سنت ہے اور جس حدیث سے درمختار اور مٹھاوی وغیرہ میں وجوب پر استدلال کیا گیا ہے اس کو فقہاء نے ضعیف قرار دیا ہے جیسا کہ فتح القدر میں ہے ”قوله یوجہہ الی القبلة بذلک امر رسول اللہ ﷺ، غریب“..... (فتح القدر: ۲/۹۹) اور بنایہ میں ہے کہ ”وورد الامر بذلک من رسول اللہ ﷺ لم یثبت“..... (البنایہ: ۳/۲۵۳) اور شامی میں ہے ”لکن لم یجدہ المخرجون وفی الفتح انه غریب واستؤنس الی قوله لکن صرح فی التحفة بانہ سنة کما سیاتی عقبہ..... لان التوجہ الی القبلة سنة والنہی حرام“..... (شامی: ۱/۶۶۰)

پھر توجیہ کی دو صورتیں ہیں (۱) چپت لٹا کر منہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے (۲) دائیں کروٹ پر لٹا کر رو بہ قبلہ کیا جائے، اس میں شک نہیں کہ افضل تو دائیں کروٹ پر لٹانا ہی ہے لیکن سنت دونوں طرح ادا ہو جائے گی جیسا کہ فقہاء کی عبارات سے ظاہر ہے چنانچہ درمختار کی عبارت ملاحظہ ہو ”ویوجہ الیہا وجوباً وینبغی کونہ علی شقہ الایمن“..... (الدر علی ہامش الرد: ۱/۶۶۰) اس میں توجیہ کو الگ بیان کیا ہے جو دونوں کو شامل ہے اور دائیں کروٹ کو الگ ینبغی کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے فقط اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ کے لیے تیمم کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۸۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جنازہ فوت ہونے کے خوف سے پانی پر قدرت کے باوجود تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

غیر ولی کے لیے جائز ہے اگرچہ پانی پر قادر ہو، اور اس ولی کے لیے بھی جائز ہے جس سے مقدم ولی موجود ہو۔

”وجاز لخوف فوت جنازة اى ولو كان الماء قريبا“..... (ردالمحتار: ۱/۱۷۵)
 ”ويجوز التيمم اذا حضرته جنازة والولى غيره فخاف ان اشتغل بالطهارة ان
 تفوته الصلاة ولا يجوز للولى وهو الصحيح هكذا فى الهداية ولالمن امره
 الولى هكذا فى الخلاصة ويجوز التيمم للولى اذا كان من هو مقدم عليه
 حاضرا اتفاقا لانه يخاف الفوت“..... (الهندية: ۱/۳۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کافر کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۸۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ایک کافر کا نماز جنازہ پڑھتا ہے کیا اس شخص کو دوبارہ مسلمان ہونے کے لیے کلمہ پڑھنے کی ضرورت ہے کہ نہیں؟ نیز اس کا نکاح بھی ٹوٹ گیا ہے کہ نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

قرآن و سنت اور اجماع امت کے مطابق اگر اس شخص کو ان کا کفر معلوم ہو پھر اس نے اس کو مسلمان سمجھ کر جنازہ پڑھا ہو تو دائرہ اسلام سے خارج ہے، اور اس کا نکاح ٹوٹ چکا ہے، اور اس پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے، اور اگر اس کو مسلمان سمجھ کر نہیں بلکہ کافر سمجھ کر جنازہ پڑھا ہو تو اس صورت میں فاسق اور فاجر ہے لہذا اس صورت میں توبہ اور استغفار کریں اور آئندہ اس عمل سے احتراز کریں۔

”والاصل ان من اعتقد الحرام حلالا فان كان حراما لغيره كمال
 الغير لا يكفروا ان كان لعينه فان كان دليلا قطعا كفروا الا فلا وقيل التفصيل فى
 العالم اما الجاهل فلا يفرق بين الحلال والحرام لعينه لغيره وانما الفرق فى
 حقه انما كان قطعا كفربه والا فلا فيكفر اذا قال الخمر ليس
 بحرام“..... (البحر الرائق: ۵/۴۰۶)

”ولا تصل على احد منهم مات ابدا، قال علمائنا هذا نص فى الامتناع من
 الصلوة على الكفار يؤخذ لانه علل المنع من الصلوة على الكفار“.....

(تفسير قرطبي: ۳/۲۴۱)

”ان ما یكون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح وما فیہ خلاف

یؤمر بالاستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح“..... (شامی: ۳/۳۱۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کافر کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۸۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ایک کافر کے پیچھے نماز جنازہ پڑھتا ہے کیا اس شخص کو دوبارہ مسلمان ہونے کے لیے کلمہ پڑھنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ نیز کیا اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

قرآن و سنت و اجماع امت کے مطابق اگر اس شخص کو ان کا کفر معلوم ہو پھر اس نے اس کو مسلمان سمجھ کر جنازہ پڑھا ہو تو دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اس کا نکاح ٹوٹ چکا ہے، اس پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے اور اگر اس کو مسلمان سمجھ کر نہیں بلکہ کافر ہی سمجھ کر جنازہ پڑھا ہو تو اس صورت میں فاسق و فاجر ہے، لہذا اس صورت میں توبہ و استغفار کریں اور آئندہ اس عمل سے احتراز کریں۔

”والاصل ان من اعتقد الحرام حلالا فان كان حراما لغيره كمال الغير لا يكفر وان كان لعينه فان كان دليله قطعيا كفر والا فلا وقيل التفصيل في العالم اما الجاهل فلا يفرق بين الحلال والحرام لعينه ولغيره وانما الفرق في حقه انما كان قطعيا كفر به والا فلا فيكفر اذا قال الخمر ليس بحرام“..... (البحر الرائق: ۵/۴۰۶)

”ولا تصل على احد منهم مات ابدا قال علمانا هذا نص في الامتناع من الصلوٰۃ على الكفار يؤخذ لانه علل المنع من الصلوٰۃ على الكفار“..... (تفسير قرطبي: ۸/۴۲۱)

”ان ما یكون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح وما فیہ خلاف

یؤمر بالاستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح“..... (فتاویٰ شامی: ۳/۳۱۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قریب المرگ آدمی کو پورا کلمہ پڑھانا چاہیے:

مسئلہ نمبر (۸۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حدیث میں ہے کہ سب سے افضل ذکر ”لا الہ الا اللہ“ ہے، اور ایک دوسری حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ جس شخص کا آخری کلام ”لا الہ الا اللہ“ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا ان دونوں احادیث پاک میں کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ ”محمد رسول اللہ“ نہیں آیا اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر کوئی شخص کلمہ طیبہ کا ورد کرنا چاہے تو کیا اسے صرف ”لا الہ الا اللہ“ کا ورد ہی کرنا چاہیے؟ اسی طرح اگر کسی قریب المرگ شخص کو اللہ تعالیٰ کلمہ شریف پڑھنے کی توفیق عطا فرمادے تو کیا اس شخص کو صرف ”لا الہ الا اللہ“ ہی پڑھنا چاہیے یا پورا کلمہ پڑھنا چاہیے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

۱۔ پہلی حدیث ”افضل الذکر لا الہ الا اللہ“ میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ ”لا الہ الا اللہ“ تمام اذکار میں سے افضل ذکر ہے کیونکہ ”لا الہ الا اللہ“ تمام انبیائے کرام کے کلموں کا جزء ہے (یعنی یہاں ذکر بتایا ہے) دوسری حدیث میں ”لا الہ الا اللہ“ سے موت کے وقت ایمان پر خاتمہ ہونا مراد ہے، اسی وجہ سے ان احادیث کے آخر میں ”محمد رسول اللہ“ نہیں آیا کیوں کہ پورا کلمہ ذکر کرنا مقصود نہیں، بلکہ افضل ذکر اور ایمان پر خاتمہ ہونا بتلانا مقصود ہے لیکن جہاں ایمان لانے کا ذکر آئے گا وہاں مکمل ایمانیات کے کلمات بیان کیے جائیں گے، جیسے (پہلا کلمہ، ایمان مفصل، ایمان مجمل وغیرہ) وہاں ”لا الہ الا اللہ“ کے ساتھ ”محمد رسول اللہ“ بھی آئے گا، کلمہ طیبہ کا ورد کرتے وقت اگر مکمل طور پر پڑھ لیں تو پھر بھی صحیح ہے اور اگر تسبیح کے آخر میں دو تین مرتبہ پڑھ لیں اور باقی تسبیح ”لا الہ الا اللہ“ ہی کی کر لیں تو بھی ٹھیک ہے یا پھر بھی اپنے شیخ کامل کی ہدایت کے مطابق ذکر کریں۔ قریب المرگ آدمی کے سامنے مکمل کلمہ طیبہ پڑھنا چاہیے وہ بھی پورا کلمہ پڑھے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کو غسل دینا مسلمانوں پر واجب ہے:

مسئلہ نمبر (۸۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

۱۔ ایک آدمی سرکاری ملازم تھا کچھ دن مرض میں مبتلا رہا بعد میں فوت ہو گیا ڈاکٹر نے اس کے مرض کو بہت مہلک قرار دیا اور کہا کہ کوئی اس کو غسل نہ دیں بلکہ پلاسٹک میں بند کر دیں، نہیں تو دوسروں کو بھی یہ مرض لاحق

ہوسکتا ہے، ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ بغیر غسل کفن دیئے اسی طرح ہی جنازہ پڑھائیں اور گھر پہنچا کر دفن کر دیں چونکہ ڈاکٹر صاحب اس مرض کے متعدی ہونے کا قوی سے قوی تر اندیشہ بتاتے ہیں واضح رہے کہ ڈاکٹر حضرات پائپ یا لوٹے کے ساتھ بھی میت پر پانی ڈالنے کی اجازت نہیں دیتے، بلکہ مطلقاً یہ کہتے ہیں کہ بغیر غسل اور کفن، جنازہ پڑھائیں کیا ڈاکٹر کے اس قول صریح کو شریعت میں کوئی وقعت ہے کہ نہیں؟

۲۔ کیا میت کو غسل دینا نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے یا کہ اعزاز میت ہے واضح ہو کہ امام سرکاری ملازم ہیں وہ بذات خود بے اختیار ہیں اور افسران بالا ڈاکٹر کی بات کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں اور بغیر غسل کفن کے جنازہ پڑھانے کو کہتے ہیں تو کیا امام ایسی صورت میں بغیر غسل کے جنازہ پڑھائیں اور بغیر غسل کفن کے جنازہ دفن کر دیں؟

۳۔ کیا ایسے مردہ کو جو گزشتہ صورت میں ذکر کیا گیا یا بدبودار میت کو جو کچھ دن بعد جنگل میں مردہ پایا گیا ہو شریعت طیبہ کے حکم سے تیمم کی گنجائش ہے یا کہ نہیں؟ ان تینوں صورتوں کا شریعت طیبہ کی رو سے حکم الگ الگ جواب عنایت فرمائیں تاکہ مابعد اسی طرح عمل کیا جائے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں ڈاکٹروں کے اس بے بنیاد دعویٰ کا کوئی اعتبار نہیں کہ یہ مرض مہلک اور متعدی ہے اس لیے اس میت کو کفن و غسل نہ دیا جائے بلکہ بغیر غسل و کفن کے پلاسٹک میں لپیٹ کر جنازہ پڑھا کر دفن کر دیا جائے، غسل دینا نماز جنازہ کے لیے شرط ہے جس طرح ڈاکٹر حضرات خود کسی مہلک و متعدی مرض کا علاج کرتے وقت حفاظتی تدابیر اختیار کرتے ہیں اسی طرح ناک اور منہ پر کپڑا لپیٹ کر ہاتھوں میں پلاسٹک کے دستانے چڑھا کر پانی میں ڈیٹول وغیرہ ڈال کر لوٹے یا کپ کے ذریعے پانی اس میت پر خوب بہا دیا جائے اگر غسل نہ دیا تو سارے مسلمان گناہ گار ہوں گے کیونکہ یہ میت کا حق واجب ہے کہ اس کو غسل دیا جائے۔

”غسل الميت حق واجب علی الاحیاء بالسنة واجماع الامة کذافی

النهاية“..... (الہندیہ: ۱/۱۵۸)

۲۔ نماز جنازہ کے لیے میت کا مسلمان ہونا اور اس کی طہارت شرط ہے۔

”وشرطها اسلام الميت وطهارته مادام الغسل ممکنا وان لم یکن بأن دفن قبل

الغسل ولم یکن إخراجہ إلا بالنہش تجوز الصلوٰۃ علی قبرہ للضرورة ولو صلی

علیہ قبل الغسل ثم دفن تعاد الصلوٰۃ لفساد الاولی ہکذافی

التبین“..... (الہندیہ: ۱/۱۵۸)

اگر میت کا جسم پھولا ہو ہے اور بدبو آ رہی ہے اور ہاتھ سے اس کا ملنا مشکل ہے تو اس پر صرف پانی ڈال دینا کافی ہے، غسل مسنون اس کے لیے واجب نہیں۔

”ولو كانت الميت متفسخا بعتنر مسحه كفى صب الماء عليه. كذا في

التارخانية ناقلا عن العنابية“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۵۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نا بالغ بچی کو غسل کون دے گا:

مسئلہ نمبر (۸۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر چار پانچ مہینے کی بچی فوت ہو جائے تو کیا کوئی محرم مرد اس کو غسل دے سکتا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مرد نا بالغ بچی کو غسل دے سکتا ہے۔

”والصغير والصغيرة إذا لم يبلغا حد الشهوة يغسلهما الرجال والنساء“..... (فتح

القدیر: ۷۶/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

غیر محرم میت کا چہرہ دیکھنا:

مسئلہ نمبر (۸۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا غیر محرم عورتوں کا میت مرد کا چہرہ یعنی منہ دیکھنا جائز ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

غیر محرم مرد کے لیے زندگی میں اور موت کے بعد اجنبی عورت کے چہرہ کو دیکھنا ممنوع ہے، اسی طرح غیر محرم عورت بھی اجنبی مرد کا چہرہ زندگی میں اور موت کے بعد نہیں دیکھ سکتی۔

”سئل الحسن بن علی المرغینانی..... عن النظر إلى عظام المرأة بعد موتها مثل

جمجمتهاهل يجوز فقال لا كذا في التارخانية ناقلا عن اليتيمية في مفرقات

الكراهة..... (الهندية: ٣٣٠/٥)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

دُفن سے پہلے میت کا چہرہ دیکھنا:

مسئلہ نمبر (۹۰): کیا دُفن سے پہلے میت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے؟ بینواتو جروا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

دُفن سے پہلے میت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے لیکن اگر مجمع بہت زیادہ ہو تو اس سے بچنا چاہیے کیونکہ اس سے دُفن میں تاخیر ہوگی، اور میت کو جلدی دُفن کرنا چاہیے۔

”ولا بأس بأن يرفع ستر الميت ليرى وجهه وإنهما يكره ذلك بعد الدفن

كذا في القنية..... (الهندية: ٣٥١/٥)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جنازہ لے جانے کا مستنون طریقہ:

مسئلہ نمبر (۹۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام و علمائے کرام قرآن و سنت کی روشنی میں مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میت کا جنازہ پڑھنے کے لیے جاتے وقت آگے آگے جانا چاہیے اور بلند آواز سے یا خاموشی سے تلاوت و ذکر و روضہ شریف پڑھتے ہوئے جانا چاہیے، تفصیل کے ساتھ جنازہ میں سنت نبوی ﷺ گھر سے قبر تک میت کو لے جاتے وقت کیا ہے؟ ارشاد فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

گھر سے قبر تک میت کا جنازہ لے جانے کا سنت طریقہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ میت کی نمازہ جنازہ پڑھنے کے لیے میت اٹھانے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ پہلے جنازہ کی چار پائی کا اگلا واہنا پایا، اپنے داہنے کندھا پر رکھ کر کم از کم دس قدم چلے اس کے بعد اس کا پچھلا واہنا پایا اپنے داہنے کندھے پر رکھ کر کم از کم دس قدم چلے، اس کے بعد اگلا پایا پایا اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے، پھر پچھلا پایا پایا اپنے

ہائیں کندھے پر رکھ کر کم از کم دس قدم چلے، تاکہ چاروں پایوں کو ملا کر چالیس قدم پورے ہو جائیں، اگر اس طرح میسر ہو تو بہتر ورنہ کوئی حرج نہیں، ضروری نہیں۔

”وإذا حمل الجنازة وضع نديا مقدما على يمينه عشر خطوات..... ثم وضع مؤخرها على يمينه كذلك ثم مقدما على يساره ثم مؤخرها كذلك الخ“..... (الدرمع الرد: ۱/۲۵۷)

۲۔ جنازہ اٹھا کر چلنے کی حالت میں سر ہانہ آگے رکھنا چاہیے۔

”وفي حالة المشي بالجنازة يقدم الرأس كذا في المضمرة اه“..... (الهنديّة: ۱/۱۶۲)

۳۔ جنازہ کو تیز قدم لے جانا مسنون ہے مگر اس قدر تیز نہ ہو کہ نعرش کو حرکت و اضطراب ہونے لگے۔

”ويسرع بها بلا خيب قوله بلا خيب..... وحد التّعجيل المسنون أن يسرع به بحيث لا يضطرب الميت على الجنازة الخ“..... (الدرمع الرد: ۱/۲۵۷)

۴۔ جو لوگ جنازہ کے ہمراہ جائیں ان کے لیے قبل اس کے کہ جنازہ کندھوں سے اتارا جائے بیٹھنا مکروہ ہے ہاں اگر کوئی ضرورت بیٹھنے کی درپیش ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

”كما كره لتبعها جلوس قبل وضعها الخ“..... (درمع الرد: ۱/۲۵۸)

۵۔ مختار اور مستحب یہ ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلے، اگر چہ آگے چلنا بھی جائز ہے لیکن اگر سب لوگ جنازہ کے آگے چلیں تو مکروہ ہے۔

”وندب المشي خلفها ولو مشي أمامها جاز ولكن إن تباعد عنها أو تقدم الكل

أوركب أمامها كره الخ“..... (درمع الرد: ۱/۲۵۸)

۶۔ میت کو اٹھا کر لے جانے والے اور دوسرے پیچھے چلنے والوں کو حکم یہ ہے کہ وہ خاموش ہو کر چلیں، اپنے دل میں آہستہ آہستہ ذکر کرتے ہوئے چلیں۔

”وينبغي لمن تبع الجنازة أن يطيل الصمت ويكره رفع الصوت بالذكر وقرأة

القرآن وغيرهما في الجنازة..... وفي الظهيرية: فإن أراد أن يذكر الله تعالى

يذكره في نفسه اه..... ويكره النوح والصياح في الجنازة ومنزل الميت

للنهي عنه الخ“..... (البحر الرائق: ۲/۳۳۶)

- ۷۔ جو لوگ جنازہ کے ساتھ نہ ہوں، بلکہ کہیں بیٹھے ہوں جنازہ دیکھ کر ان کو کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔
 ”ولا یقوم من مرت بہ جنازۃ ولم یرد المشی معها الخ“..... (مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی: ۶۰۷)
- ۸۔ جنازہ کے ہمراہ پیدل چلنا مستحب ہے اور اگر کسی سواری پر ہو تو جنازہ کے پیچھے چلے۔
 ”اما الركوب خلفها فلا بأس به والمشی افضل کما فی البحر“..... (الرد المحتار: ۱/۲۵۸)
- ۹۔ نماز جنازہ پڑھ چکنے کے بعد میت کو دفن کرنے کے لیے جلدی اٹھا کر قبرستان لے جانا چاہیے۔
 ”وکذا یتحب الإسراع بتجهیزه کله الخ“..... (مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی: ۶۰۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جنازہ لے جاتے وقت راستے میں منزلیں طے کر لینا:

مسئلہ نمبر (۹۲): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں رواج ہے کہ چار پائی گھر سے جنازہ گاہ کی طرف نکلتی ہے تو کہتے ہیں ”رستے منزلیں کر لو“ پھر ایک مولوی صاحب جنازہ پڑھانے والے منزلیں طے کرتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہے۔ نمبر ایک والے سے پائے کو مولوی صاحب پکڑتے ہیں اور وہ دوسرے نمبر پر چلا جاتا ہے اور دوسرے نمبر والا تیسرے نمبر پر چلا جاتا ہے اور تیسرے نمبر والا چوتھے نمبر پر چلا جاتا ہے، پھر اس کے بعد چند قدم کھڑے ہوتے ہیں پھر مولوی صاحب دوسرے نمبر پر چلے جاتے ہیں جب کہ دوسرے والا تیسرے اور تیسرے والا چوتھے نمبر پر چلا جاتا ہے اور چوتھے والا پہلے نمبر پر آ جاتا ہے اور اس طرح منزلیں ختم ہو جاتی ہیں، قرآن و سنت کی روشنی میں اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جنازہ میں رش اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے آگے بڑھ کر کندھا دینے کا موقع میسر نہ ہو تو سنت یہ ہے کہ میت کی چار پائی کے پایوں کو یکے بعد دیگرے پکڑے اور چالیس قدم پورے کرے، اور اگر آگے بڑھ کر کندھا دینے کا موقع میسر ہو تو سنت یہ ہے کہ اٹھانے والا میت کی چار پائی کی دائیں جانب کو پہلے اپنے

دائیں کندھے پر رکھے اور دس قدم چلے، پھر دائیں جانب ہی پاؤں والے پائے کی طرف آجائے اور یہاں بھی دس قدم چلے اسی طرح پھر بائیں جانب بائیں کندھے پر رکھے اور دس قدم چلے، پھر پیچھے کی طرف آجائے اور دس قدم چلے اس طرح چالیس قدم پورے ہو جائیں گے، اس کے بعد جنازہ کے پیچھے چلے، جنازہ کی چارپائی اٹھانے میں منزلیں مقرر کرنے کا جو طریقہ سوال میں مذکور ہے وہ اگر فقہاء کے اس بیان کردہ سنت کے طریقے کے مطابق ہے تو درست ہے ورنہ درست نہیں ہے۔

”أمانفس السنة هي أن يأخذ بقوائمها الأربع على طريق التعاقب بان يحمل من كل جانب عشر خطوات جاء في الحديث ”من حمل جنازة أربعين خطوة كفرت له أربعون كبيرة“ وهذا يتحقق في الجمع“..... (التتارخانية: ۱۱۵/۲، البدائع: ۲/۲۲، الہندیۃ: ۱/۱۶۲)

”وإذا حمل الجنازة وضع ندبا (مقدما) بكسر الدال وتفتح وكذا المؤخر (على يمينه) عشر خطوات لحديث من حمل جنازة أربعين خطوة كفرت عنه أربعين كبيرة (ثم) وضع (مؤخرها) على يمينه كذلك كذا الك ثم مقدمها على يساره ثم مؤخرها) كذلك فيقع الفراغ خلف الجنازة فيمشى خلفها“..... (الدر المختار: ۱/۶۵۷)

”قوله (وضع مقدمها على يمينه ثم مؤخرها) ثم مقدمها على يسارك مؤخرها) بيان لإكمال السنة في حملها عند كثرة الحاملين إذ اتناوبوا في حملها“..... (البحر الرائق: ۲/۳۳۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جنازہ کے ساتھ ذکر الجہر اور تلاوت کرنا:

مسئلہ نمبر (۹۳): بعض لوگ جنازہ کے ساتھ مختلف ٹولیوں میں بلند آواز کے ساتھ کلمہ طیبہ ذکر و اذکار اور قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور بعض حضرات مخالفت کرتے ہیں کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کو خاموش رہنا چاہیے بلند آواز سے کلمہ طیبہ یا ذکر و اذکار اور تلاوت قرآن

کا پڑھنا مکروہ ہے اگر کوئی شخص ذکر کرنا چاہے تو دل میں کرے، مخالفت کرنے والے غلطی کرنے والوں کو محبت سے سمجھانے کی کوشش کریں۔

”وعلى متبعي الجنازة الصمت ويكره لهم رفع الصوت بالذكر وقرأة القرآن
كذافي شرح الطحاوي فإن أراد أن يذكر الله في نفسه كذافي فتاوى قاضيخان
الخ“..... (الهنديّة: ۱/۱۲۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کو لے جاتے وقت نعرے لگانا:

مسئلہ نمبر (۹۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام قرآن و سنت کی روشنی میں مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کیا یہ عمل صحابہ کرام و ائمہ کرام سے ثابت ہے۔

۱۔ میت کو قبرستان لے جاتے وقت میت کے آگے آگے چند آدمی اردو اور پنجابی میں مختلف قسم کے اشعار پڑھتے ہیں عموماً شیعہ لوگ جو جنازہ میں ہوتے ہیں وہی پڑھتے ہیں۔

۲۔ وقفے وقفے سے ایک آدمی بلند آواز سے کلمہ شہادت کہتا ہے اور ہر شریک جنازہ بلند آواز سے ایک دفعہ دوسرا کلمہ پڑھتے ہیں، کیا اس طرح کرنا کہنا سنت ہے؟ یہ عمل میت کو جنازہ گاہ کی طرف لے جاتے وقت کیا جاتا ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں ذکر خفی سے منع نہیں بلکہ اور اونچی آواز سے ذکر اور نعرے وغیرہ لگانا منع ہے میت کو اٹھا کر لے جانے والے اور دوسرے پیچھے چلنے والوں کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ خاموش ہو کر چلیں، بلند آواز سے کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت اور قرآن پاک کی سورت کی تلاوت یا ذکر جبر و غیرہ سلف صالحین اور فقہاء و محققین کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، البتہ اپنے دل میں کوئی بھی ذکر خفی کر سکتا ہے۔

”وينبغي لمن تبع الجنازة أن يطيل الصمت ويكره رفع الصوت بالذكر
وقراءة القرآن وغيرهما في الجنازة والكره فيها كراهة التحريم“.....
(البحر الرائق: ۲/۳۳۶)

”وفيه عن الظهيرية: فإن أراد أن يذكر الله تعالى يذكره في نفسه لقوله تعالى

أنه لا يحب المعتدين ای الجاهرين بالدعاء وعن إبراهيم أنه كان يكره أن يقول الرجل وهو يمشي معها استغفروا له غفر الله لكم الخ قلت وإذا كان هذا في الدعاء والذكر فما ظنك بالغناء الحادث في هذا الزمان..... (رد المحتار: ۱/۶۵۸)

”ويكره النوح والصياح في الجنائز ومنزل الميت للنهي عنه اه“..... (البحر الرائق: ۲/۳۳۷)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ اور نماز عصر کا ایک وقت میں جمع ہونا:

مسئلہ نمبر (۹۵): اگر کسی مسجد میں باجماعت نماز ساڑھے چار بجے ہو (جبکہ سورج چھ بجکر چھ منٹ پر غروب ہوتا ہے) اسی محلے میں فوتگی ہو جائے اس کے جنازے کا وقت بھی ساڑھے چار بجے رکھا جائے تو آیا اس صورت میں نماز جنازہ پہلے پڑھی جائے گی یا کہ نماز عصر پہلے پڑھی جائیگی؟ اور جب جنازہ، جنازہ گاہ تک جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے آدھا گھنٹہ خرچ ہوتا ہو تو واپسی پر نماز عصر پانچ بجے پڑھنا بہتر ہے، یا پہلے، نیز سورج غروب ہونے سے کتنی دیر پہلے نماز جنازہ پڑھنا بہتر ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ اگر فرض نماز کا وقت تنگ ہو تو پہلے فرض نماز کا ادا کرنا ضروری ہے، بصورت دیگر نماز جنازہ کو فرض نماز پر مقدم کرنا بہتر ہے، لہذا صورت مسئلہ میں نماز جنازہ کو نماز عصر سے پہلے پڑھنا بہتر ہے، تغیر شخص سے پہلے پہلے نماز جنازہ ادا کرنا ضروری ہے، جس کی حد یہ ہے کہ سورج پر نظر نہ لگتی ہو۔

”وينبغي تقديم الجنائز والكسوف حتى على الفرض مالم يضق وقته فتأمل (قوله: ينبغي)..... وأما إذا اجتمع كسوف وجمعة أو فرض وقت لم أراه وينبغي تقديم الفرض إن ضاق الوقت وإلا فالكسوف لأنه يخشى فواته بالانجلاء الخ“..... (رد المحتار: ۱/۶۱۱)

”(ومنع عن الصلوة وسجدة التلاوة و صلاة الجنائز عند الطلوع والاستواء

والغروب إلا عصر يومه)..... و ذكر في الأصل ما لم ترتفع الشمس قدر رمح
فهي في حكم الطلوع واختار الفضلي أن الإنسان مادام يقدر على النظر إلى
قرص الشمس في الطلوع فلا تحل الصلاة فإذا عجز عن النظر حلت
وهو مناسب لتفسير التغير المصحح كما قدمناه وإراد بالغرور
التغير كما صرح به قاضيخان في فتاواه حيث قال وعند إحمرا الشمس إلى أن
تغيب..... (البحر الرائق: ١/٣٣٣)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ میں ثناء میں ”وجل ثنائک“ پڑھا جائے گا:

مسئلہ نمبر (۹۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تعلیم الاسلام میں جنازہ کی
نماز میں ثناء ”وجل ثنائک“ پڑھنا بہتر بتایا گیا ہے جبکہ بہشتی زیور کے گیارہویں حصے میں ”سبحانک اللہم“
آخر تک پڑھنے کا حکم ہے ”جل ثنائک“ کا ذکر نہیں ہے، کس پر عمل کیا جائے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز جنازہ کی ثناء میں ”وجل ثنائک“ پڑھا جائے گا: بہشتی زیور میں اس کا عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں۔

”قرأ كما كبر“ سبحانک اللہم تارکا) وجل ثناء ک (إلا في الجنزة) قوله
تارکا) هو ظاهر الرواية بدائع لأنه ينقل في المشاهير كافي فالأولى تركه في
كل صلوة نظرا إلى المحافظة على المروى بلا زيادة وإن كان ثناء على الله
بحر وحلية وفيه إشارة أن قوله في الهداية لا يأتي به في الفرائض لا مفهوم له
لكن قال صاحب الهداية في كتابه مختارات النوازل وقوله وجل ثناء ك
لم ينقل في الفرائض في المشاهير وما روى فيه فهو في صلوة التهجد (قوله
إلا في الجنزة) ذكره في شرح المنية الصغير ولم يعزه إلى أحد ولم أره لغيره
سوى ما قدمناه عن الهداية ومختارات النوازل الخ..... (رد المحتار: ١/٣٦٦)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ میں تکبیرات فرض ہیں:

مسئلہ نمبر (۹۷): ایک مفتی صاحب جو کہ علمائے دیوبند سے تعلق رکھنے والے ہیں انہوں نے نماز جنازہ پڑھاتے وقت صرف تین تکبیریں کہہ کر سلام پھیر دیا اور میت کے وارثوں نے جنازہ کو دفن دیا آیا اس صورت میں نماز جنازہ ہوگی یا نہیں اگر ادا نہیں ہوئی تو کیا صورت اختیار کرنی چاہیے؟ اس حال میں ان سے پوچھا گیا تو کہنے لگے کہ تکبیر اولیٰ واجب ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز جنازہ میں بشمول پہلی تکبیر کے تمام تکبیریں رکن ہیں ایک تکبیر بھی رہ جائے تو جنازہ نہیں ہوتا، لہذا جب تک میت کے گلنے اور پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو تو لوگوں کو بتلائے بغیر دو تین آدمی ملکر قبر پر نماز جنازہ پڑھ لیں۔

”و صلوة الجنازہ أربع تکبیرات ولو ترک واحده منہا لم تجز صلوتہ ہکذا فی

الکافی إلی قوله ولو سلم الامام بعد الثالثة ناسيا کبر رابعة ویسلم کذا فی

التاتارخانیة“..... (الہندیة: ۱/۲۳۱)

”فہی شرط من وجہ رکن من وجہ اہ“..... (رد المحتار: ۱/۶۳۲)

”وان دفن بغیر صلوة صلی علی قبرہ مالم یغلب علی الظن تفسخہ من غیر

تقدیر وهو الاصح“..... (در مع الرد: ۱/۲۵۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ میں تکبیرات ہو جانے کے بعد شامل ہونے والا کیا کرے؟:

مسئلہ نمبر (۹۸): میں ایک جنازہ میں شریک ہوا تاکہ نماز جنازہ پڑھوں میرا وضو نہیں تھا میں وضو میں لگ گیا تو ادھر امام صاحب نے نماز جنازہ پڑھانا شروع کر دیا جب میں آیا تو دو تکبیرات کہہ چکا تھا میں نماز میں شریک ہو گیا اور امام کے سلام کے ساتھ میں نے سلام پھیر دیا اب پوچھنا یہ ہے کہ اگر تکبیرات چھوٹ جائیں تو وہ تکبیرات کس طرح کہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں امام کے سلام پھیرنے کے ساتھ سلام نہ پھیرا جائے، بلکہ امام کے سلام سے فارغ

ہو جانے کے بعد فوت شدہ تکبیرات جنازہ اٹھانے سے پہلے ادا کر لے اور بعد میں سلام پھیر لے، جیسا کہ نماز جنازہ کے علاوہ نمازوں میں مسبوق، امام کے سلام کے بعد اپنی رکعتیں پوری کرتا ہے، اسی طرح یہاں پر بھی ہر تکبیر، ایک رکعت کے قائم مقام ہے، جتنی تکبیریں رہ جائیں، اتنی تکبیریں امام کے سلام کے بعد، جنازہ اٹھانے سے پہلے پوری کر کے سلام پھیر دے۔

”وإذا جاء رجل وقد كبر الإمام التكبيرة الأولى ولم يكن حاضرًا انتظره حتى يكبر الثانية ويكبر معه فإذا فرغ الإمام كبر المسبوق التكبيرة التي فاتته قبل أن ترفع الجنازة وهذا قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى وكذا إن جاء وقد كبر تكبیرین أو ثلاثاً“..... (الهندية ۱/۱۶۳، ۱۶۵)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ کی دعا عیادہ ہو:

مسئلہ نمبر (۹۹): ایک آدمی جس کو نماز جنازہ کی مسنون دعا نہیں آتی، اب وہ کیا کرے؟ اس کے متبادل کوئی دعا پڑھ سکتا ہے؟ یا کوئی ذکر کر سکتا ہے؟ یا وہ خاموش کھڑا ہوگا؟ شریعت کے مطابق جو اب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں نماز جنازہ کی معروف دعا ”اللهم اغفر لحينا وميتنا الخ“ یاد نہ ہو تو ”اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات الخ“ یا کوئی اور دعا جو یاد ہو پڑھے اور اگر کوئی دعا یاد نہ ہو تو سورۃ القاتحہ بیت دعا پڑھے یا مرد میت کے لیے ”اللهم اغفر له“ اور عورت میت کے لیے ”اللهم اغفر لها“ پڑھے، جنازہ کی دعاؤں کو یاد کرنے کا پختہ عزم کرے، جب تک یاد نہ ہو تو صرف تکبیرات جنازہ کہتا رہے، کیونکہ بغیر تکبیرات سے جنازہ کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

”ويدعو الخ أي لنفسه وللमित وللمسلمين لكي يغفر له فيستجاب دعاؤه في حق غيره بولان من سنة الدعاء أن يبدأ بنفسه قال تعالى رب اغفر لي ولوالدي وللمن دخل بيتي مؤمنا جوهرة ثم أفاد أن من لم يحسن الدعاء بالمأثور يقول ”اللهم اغفر لنا ولوالدينا وله وللؤمنين والمؤمنات“..... (فتاوى شامی: ۱/۶۳۳)

”ثم يكبر الثالثة ويستغفر للميت ويستشفع له ويذكر الدعاء المعروف ”اللهم اغفر لحينا وميتنا الخ إن كان بحسن وإن كان لا يحسن ذلك يذكر ما يدعو به في التشهد ”اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات الخ..... وفي التلوة الجية وليس في صلاة الجنائز دعاء مؤقت لأن الأخبار وردت بدعوات مختلفة“.....
(التارخانية: ۱۱۸/۲)

”ولا يقرأ فيها القرآن ولو قرأ الفاتحة بنية الدعاء فلا بأس به وإن قرأ هابنية القراءة لا يجوز لأنهما محل الدعاء دون القراءة كذافي محيط السرخسي“.....
(الهندية: ۱۶۳/۱)

والله تعالى أعلم بالصواب



حیلہ اسقاط کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۰۰): ہمارے علاقہ میں مردہ سے صوم و صلوٰۃ کے اسقاط کا یہ رواج ہے کہ چند سیر گندم یا چند ہزار روپیہ اور قرآن مجید یہ تینوں چیزوں کو ملا کر چند آدمی حلقہ بنا کر آپس میں ملکر تملیک کرتے ہیں اور قبرستان ہی میں روپیہ لوگوں کو بطور صدقہ دینا ضروری سمجھتے ہیں، اگرچہ یہ روپیہ قرض سے حاصل شدہ کیوں نہ ہو، میت امیر ہو یا فقیر، وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، اور اس کے ذمے کچھ فرائض باقی ہوں یا نہ، بہر حال اس مذکورہ اسقاط کو نہایت ضروری سمجھتے ہوئے کرتے ہیں، آیا اس طرح کرنا اولہ اربعہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

ضرورت کی بنیاد پر مسکین کے لیے نفس حیلہ تملیک کے جواز میں احناف فقہاء کرام کا کوئی اختلاف نہیں۔

”وإن لم يتبرك ما لا يستقرض ورثته نصف صاع ويدفع إلى المسكين

ثم يتصدق المسكين على بعض ورثته ثم يتصدق ثم وثم حتى يتم لكل صلوٰۃ

ما ذكرنا كذافي الخلاصة الخ..... (الهندية: ۱۲۵/۱)

علامہ طحاویؒ شرح مراقی الفلاح میں اور علامہ شامیؒ رسائل ابن عابدین میں اس کی وضاحت کر چکے

ہیں اور علامہ شامیؒ نے رسائل میں یوں بھی فرمایا ہے:

کہ تدفین سے قبل دینا بہتر ہے:

”وینبغی ان یفدی قبل الدفن“

البتہ آج کل عوام نے جو نقائص اس میں داخل کی ہیں اس کو نکالنے اور ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، جو لوگ ان نقائص کے ہوتے ہوئے اس پر مصر ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں اور جو حضرات حیلہ تملیک کے علی الاطلاق منکر ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں، دونوں طرف سے افراط و تفریط ہے اللہ کریم اعتدال کے راستے پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ:

مسئلہ نمبر (۱۰۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت یا مرد خودکشی کرتا ہے کیا اس کا نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی یا نہیں؟ علماء نے جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا، کیا اس کا نماز جنازہ ہوتا ہے یا کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

خودکشی کرنا گناہ کبیرہ ہے لیکن اس عمل سے ایسا شخص کافر نہیں ہوتا اس لیے اس کی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے، تاہم اس عمل کی قباحت دوسروں کے سامنے روشناس کرانے کے لیے کہ دوسرے لوگ اس عمل بد سے بچ سکیں مقتداء حضرات کو جنازہ پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

”وفی الدر المختار: من قتل نفسه ولو عمدا یغسل ویصلی علیہ بہ یفتی وإن

کان أعظم وزر امن قاتل غیرہ، ورجح الکمال قول الثانی بما فی مسلم أنه علیہ

السلام أتى برجل قتل نفسه فلم یصل علیہ وفی الشامیہ: أقول قد یقال لادلالة

فی الحدیث علی ذلك لأنه لیس فیہ سوی أنه علیہ السلام لم یصل علیہ

فالظاهر أنه امتنع زجر الغیرہ عن مثل هذا الفعل كما امتنع عن الصلاة علی

المدیون ولا یلزم من ذلك عدم صلاة أحد علیہ من الصحابة“..... (الدر مع

الرد: ۱/۶۴۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کے لیے قبل از غسل تلاوت کرنا:

مسئلہ نمبر (۱۰۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص فوت ہو گیا، اب اس مردہ کے لیے قبل از غسل تلاوت کرنا کیسا ہے اور غسل کیوں دیا جاتا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مردہ کے پاس قبل از غسل دینے کے تلاوت کو فقہاء کرام مکروہ لکھتے ہیں۔

”وبكره قراءة القرآن عنده حتى يغسل كذا في التبيين“..... (الهندية :

(۱۵۷/۱)

اور میت کو غسل دینا اجماع امت اور حدیث پاک سے زندوں پر واجب علی الکفایہ ہے۔

”غسل الميت واجب علی الأحياء بالسنة والإجماع الأمة كذا في النهاية“

..... (الهندية : ۱۵۸/۱)

ہاں سبب غسل کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے عراقیین کہتے ہیں:

”وجب عليه لنجاسة الموت لالسبب الحدث لأن للآدمي دما سائلا“

(غسل واجب ہے موت کی نجاست کی وجہ سے، حدث کی وجہ سے نہیں ہے اس لیے کہ آدمی میں بنے

والاخون ہوتا ہے دوسرے حیوانات کی طرح تو موت کی وجہ سے آدمی نجس ہو جاتا ہے دوسرے حیوانات پر قیاس کرتے ہوئے)

اور بعض کہتے ہیں:

”وجب لحدث يحل باسترخاء المفاصل لالنجاسة تحل به“..... (العناية على

هامش الفتح القدير : ۱/۳۳۷)

(اس حدث کی وجہ سے ہے جو اعضاء کے بند/ جوڑ ڈھیلے ہونے کی وجہ سے اس کو لاحق ہوا ہے اس نجاست

کی وجہ سے نہیں ہے جو اس میں آگئی ہے)

اس لیے کہ آدمی تکریراً موت کی وجہ سے نجس نہیں ہوتا اگر وہ موت کی وجہ سے ناپاک ہوتا تو غسل سے پاک

نہ ہوتا جیسا کہ دوسرے حیوانات ہیں وہ اگر مر جائیں تو دھونے سے پاک نہیں ہوتے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

قبر پر اذان دینا:

مسئلہ نمبر (۱۰۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کو قبر میں رکھ کر اس کے بعد قبر پر اذان دینا کیسا ہے اگر جائز ہے تو حوالہ جات کے ساتھ جواب دیں اگر جائز نہیں تو بھی مدلل جواب دیں پوری تحقیق کے ساتھ کتابوں کے حوالے جتنی کتابوں میں لکھا ہے سب تحریر فرمادیں اجر کم علی اللہ۔

الجواب باسم الملك الوهاب

میت کو قبر میں رکھ کر اس کے بعد قبر پر اذان دینا بدعت و مکروہ ہے، درر البحار میں ہے کہ

”من البدع التي شاعت في الهند الاذان على القبر“

اور محمود علی کی کتاب ”توضیح شرح تنقیح“ میں بھی اذان علی القبر کے متعلق ”لیس بشی“ لکھا ہے (احسن

الفتاویٰ)

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں۔

”تنبیه: فی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد إشارة إلی أنه لا یسن الاذان

عند ادخال الميت فی قبره كما هو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاویہ

بأنه بدعة وقال ومن ظن أنه سنة قیاسا علی ندبهما للمولود إلحاقا لخاتمة

الأمر بابتدائه فلم یصب اه“..... (رد المحتار: ۱/۶۶۰)

”ویکره عند القبر ما لم یعهد من السنة والمعهود منها لیس إلا زیارته والدعاء

عنده قائما کذا فی البحر الرائق“..... (الهندیة: ۱/۱۶۶)

”ویکره کل ما لم یعهد من السنة والمعهود منها لیس إلا زیارتها والدعاء

عندها قائما اه“..... (مرقاة: ۱/۶۹)

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح طور پر یہ ثابت ہوا کہ قبر پر اذان دینا خلاف سنت یعنی بدعت و مکروہ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قبر کے لیے ٹھہر اور تعمیق ضروری ہے:

مسئلہ نمبر (۱۰۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج سے تقریباً نو سال پہلے

۱۶ اگست ۶۲ء کو حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب کا وصال لاہور میں ہوا۔ حضرت اقدس کے حقیقی بھائی حضرت حافظ محمد خلیل صاحب (جو حضرت کے خواص مجازین میں سے بھی ہیں) اور ان کے صاحبزادے مولانا عبدالجلیل صاحب اور حضرت کے حقیقی بھانجے مولانا عبدالوحید صاحب (جو اہل علم ہونے کے علاوہ حضرت کے مجاز بھی تھے) و دیگر قریبی اعضاء جو وہاں موجود تھے انہوں نے اصل وطن ڈہڈیاں شریف ضلع سرگودھا لے جا کر دفن کرنے کا فیصلہ کیا۔ چونکہ گاؤں دریا کے قریب ہے اوپر برسات کا موسم تھا، اور اس سے قبل ایک سیلاب سے پورا گاؤں متاثر ہوا تھا، اور پیش تر مکانات گر گئے تھے اور شہر کی مسجد کو بھی نقصان پہنچنے کی وجہ اہل بستی نے مسجد کی کرسی پانچ، چھ فٹ بلند کر کے تعمیر کر دی تھی، مسجد کے کمروں میں مٹی بھر دی تھی، مگر تاحال صحن مسجد میں مٹی ڈالنے کا کام باقی تھا نیز یہ بھی پہلے طے پا چکا تھا کہ مسجد کی شمالی جانب حجروں کے سامنے پلاٹ کو جو ۲۸ فٹ چوڑا اور ۳۸ فٹ لمبا ہے، پانچ، چھ فٹ مٹی بھر کر صحن مسجد کے ہم سطح کر دیا جائے، تاکہ حسب سابق حجروں کے صحن کے طور پر بھی استعمال ہوتا رہے، یہ قطعہ زمین حضرت کے خاندان کی ملکیت تھا، جب ڈہڈیاں پہنچے تو پھر اسی قطعہ زمین میں حضرت اقدس کی تدفین کا فیصلہ ہو گیا اور قبر کی کھدائی شروع ہوئی، تو تقریباً ڈیڑھ فٹ کے قریب کھودنے پر نرم مٹی اور کباڑ نکلنے لگا، تو لوگوں نے سوچا کہ جب اسی جگہ کو صحن مسجد کے متوازی کرنا ہے اور لحد کا امکان پہلے سے نہیں ہے، کیونکہ گہرا کرنے سے سیم کے وجہ سے کچھ نکلنے کا خطرہ تھا برسات اور دیہات کی وجہ سے کچی اینٹ تو دستیاب نہ ہوئی جس پر پختہ اینٹوں کا فرش لگا کر اطراف کے دیواروں کو بصورت شق بنا کر درمیان لکڑی کا صندوق جس میں حضرت کی میت تھی اتار دیا گیا اور اوپر سے پختہ ڈال لگا کر اطراف کو مٹی سے بھر دیا گیا۔

اور اوپر بھی اچھی طرح مٹی ڈال کر کوہان نما قبر بنا دی گئی، اس قدر کام رات کو ہو گیا تھا صبح ہوتے ہی لوگوں نے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس پورے قطعہ زمین کو پانچ، چھ فٹ مٹی ڈال کر صحن مسجد کے برابر کر دیا، اب تقریباً نو سال کے بعد بعض لوگ جو کہ حضرت اقدس کے نسبتی اقرباء میں سے بھی نہیں ہیں، حقیقی درثناء کے مرضی کے خلاف حضرت کے صندوق کو نکال کر ایک مسلم مملکت پاکستان سے منتقل کر کے غیر مسلم ملک بھارت رائے پور ضلع سہارنپور دفن کرنے پر مصر ہیں اور وہ جواز یہ بیان کرتے ہیں کہ تحفیر اور تعمیق قبر فرض تھا، جو کہ "قال اللہ تعالیٰ فبعث اللہ غرابا یبحث فی الارض" (الآیۃ) اور "احضروا واعمقوا ووسعوا" (الحديث) سے معلوم ہوتا ہے نہیں پایا گیا اس لیے دفن متحقق نہیں ہوا۔

اور اب یہ انتقال قبل از دفن ہے علامہ شامی کی اس عبارت سے (و افادہ انه لایجزی دفنہ علی وجہ الارض مبنی علیہ کما ذکرہ الشافعیۃ الخ) سے بھی اور الفقہ علی المذہب الاربعہ کی عبارت سے کہ

”لا يجوز الدفن على وجه الأرض الخ“ سے فریضت حفر ثابت کر رہے ہیں، نیز یہ کہ حضرتؓ کی خواہش اور وصیت تھی کہ (جو کہ خلاف واقع ہے) کہ ضرور رائے پور ہی میں دفن ہوں، نیز اتنا ذاتا بتاوت اور خارجی مٹی ڈالنا بدعت سیدہ ہے اس لئے یہ عیش قبر نہیں، بلکہ سرے سے دفن ہی نہیں، اس لیے جب تک اس کو شرعی قبر نہ بنا کر یعنی نصف قامہ گہرا کر کے اور تابوت سے نکال کر بصورت لحد یا شق دفن نہ کیا جائے دفن متحقق نہیں ہوا، حالانکہ سیم و سیلاب کا عذر واضح تھا ڈیڑھ فٹ جو کھدائی کر لی گئی اس سے زیادہ کچھ نکلنے کا خطرہ تھا، نیز ارض رخوت میں تابوت کی تصریح ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی تحفیر و تمہیق قبر ایسا فرض ہے کہ (اعذار کے باوجود) یہاں دفن متحقق نہیں ہوا اور یہاں سے حضرت کے صندوق کو نکال کر رائے پور منتقل کرنا عیش قبر ہے یا نہیں؟ تحقیق شرعی سے مفصل آگاہ فرمایا جاوے، نیز اب نو سال کے بعد اس وصیت کو پورا کرنے کے لیے عیش قبر کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ (جبکہ اس قسم کی وصیت تھی ہی نہیں) بیوا تو جروا عند اللہ۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں اس تدفین کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے اور ایسا دفن کا عدم ہے کیونکہ دفن کے لیے مذہب اسلام میں حفر ارض باجماع امت ضروری ہے اور لحد اور شق سنت ہیں یہ مسئلہ بالکل واضح ہے، قرآن و سنت اور عبارات فقہاء کرام رحمہم اللہ اس کے لیے واضح اور صریح دلائل ہیں۔

(الف) فبعث الله غرابا يبحث في الأرض في الأرض کے ذیل میں علامہ آلوسیؒ تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

”فبعث الله غرابين قتل أحدهما الآخر وهو ينظر إليه ثم حفر له بمنقاره وبرجله

حتى مكن له ثم دفعه برأسه حتى ألقاه في الحفرة ثم بحث عليه برجله حتى

واراه..... البحث في الأصل التفتيش عن الشيء مطلقاً وفي التراب والمراد به

هنا الحفر“..... (روح المعانی: ۱۱۵/۶)

اس تفسیر سے صاف واضح ہے، کہ آیت میں حفر کی تعلیم مقصود ہے۔

(ب) حدیث شریف میں ہے:

”احضروا أو سعموا أو عمقوا أو أحسنوا وادفنوا“..... رواه أبو داود، نسائی ابن

ماجد، احمد، ترمذی)

آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غزوہ احد کے موقع پر یہ فرمایا تھا، جبکہ صحابہ تخفیف چاہتے

تھے، لیکن حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کے تعب اور مشقت کے باوجود یہ درخواست

منظور نہیں فرمائی، ہاں چند نعشوں کو ایک قبر میں دفن کرنے کی اجازت عطا فرما کر ایک گونہ تخفیف پیدا کر دی، اس حدیث کی شرح میں صاحب بذل الحجو داوار انوار المحمود لکھتے ہیں۔

”اعمقوا ای احفروا القبر عمیقاً فهذا يدل على أنه لا بد من تعميق القبر فإنه عليه ^{عليه} أمرهم بتعميقه مع حالة الشدة والجروح والمشقة والتعب ولذا قالت الحنفية أن يعمق القبر إلى الصدر وإلا فالى السرة“..... (بذل المجهود: ۳/۲۱۳)

(ج) قرون مشہودا ہا بالخیر میں حفر کا طریق تعامل اور توارث متواتر چلا آ رہا ہے جو کہ عملی اجماع امت ہے۔

(د) ”قوله حفر قبره..... ومفاده أنه لا يجرى دفنه على وجه الأرض ببناء عليه“..... (رد المحتار: ۱/۶۵۹)

یہ واضح دلیل فقہی ہے کہ کسی طرح بھی فریضہ تدفین اس طریقہ سے ادا نہیں ہوتا۔

کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ میں تحریر ہے:

”ولا يجوز وضع الميت على وجه الأرض والبناء عليه من غير حفرة“..... (۱/۴۶۶)

”وفى كتاب غايه المشتهى فى الجمع بين الإقناع والمنتهى: ودفنه بمحفور فرض كفاية“..... (۱/۲۴۷)

اور فقہ شافعی کی معتبر کتاب تحفہ المحتاج ۱۶۷ میں بھی اشتراط حفر کی تصریح موجود ہے۔

(۲) صورت مرقومہ میں تدفین شرعی چونکہ نہیں ہوئی تو اس کو ہمیش نہیں کہا جاسکتا بلکہ لازم ہے کہ صندوق مبارک نکال کر اسی جگہ زمین میں قبر کھود کر دفن کو عمل میں لایا جائے، البتہ یہاں سے نقل کرنا مکروہ ہے۔

”وقال السرخسى قول محمد بن سلمه ذلك دليل على أن نقله من بلد إلى بلد مكروه“..... (فتح القدير: ۱/۴۷۲) و(قاضيخان: ۱/۹۳) و(خلاصة

الفتاوى: ۱/۱۶۲)

الحاصل: اعذار مذکورہ فی السؤال کے باوجود بھی خشکی میں حفر ضروری ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت:

مسئلہ نمبر (۱۰۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیلہ اسقاط یعنی دائرہ اسقاط مفلس اور غنی میت دونوں کے لیے مفید اور واجب ہے یا کہ حیلہ اسقاط صرف میت مفلس کے لیے مفید اور واجب ہے یا کہ مفلس کے لیے بھی واجب نہیں اور غنی میت کے لیے حیلہ اسقاط نہ مفید اور نہ واجب ہے بلکہ غنی میت کا اسقاط بغیر حیلہ اسقاط کرنے کے تقسیم کیا جاوے گا اور درست ہوگا، حضرات علمائے کرام جو صورت صواب اور درست ہو وضاحت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں حیلہ اسقاط کسی صورت میں واجب نہیں، اگرچہ میت نے ذور کی وصیت کی ہو تب بھی علامہ شامی نے ۳۷۲ مطبوعہ جدید میں لکھا ہے کہ ذور واجب نہیں۔

”لا یجب علی الولی فعل الدور وإن أوصی به المیت لأنها وصیة بالتبرع“

بلکہ میت پر اگر واجبات ہوں اور وہ مال کا مالک ہو تو ثلث مال تک وصیت کر جائے اور بغیر حیلہ ذور کے مساکین کو فقیر کے طور پر تقسیم کیا جائے، ہاں اگر واجبات زیادہ ہیں، اور ثلث مال تھوڑا ہو یا میت کا مترکہ مال بالکل نہیں ہے تو پھر قرض لے کر یہ حیلہ کر لیا جائے۔

”ولو لم یترک ما لا یستقرض وارثه نصف صاع مثلاً ویدفعه للفقیر ثم یدفعه

الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتیم ترکه“..... (الدر المختار: ۳۷۲ جدید)

الحاصل جس میت کا مال متصرف فیہ شرعاً زیادہ ہے جس سے واجبات ادا ہو سکتے ہیں، اس کے لیے فقہاء نے یہ حیلہ نہیں لکھا بلکہ نادر یا قلیل المال کے لیے یہ حیلہ کیا جائے تو فقہاء کرام نے اجازت دی ہے، آج کل تو لوگوں نے ایک رسم اور رواج بنا لیا ہے کہ چاہے مالدار ہو یا غریب ہو ہر شخص کے لیے ائمہ حضرات کیا کرتے ہیں، ایسا نہ کیا جائے اور نہ اس کام کو واجب خیال کیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کو غیر مسلم سمجھ کر اس کی لاش جلانے کے بعد نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۰۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی فوت ہو گیا اس کو غیر مسلم سمجھ کر جلا دیا گیا اب اس پر نماز جنازہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں جب جسم کو جلا کر رکھ کر دیا گیا تو اس پر اب نماز جنازہ نہیں پڑھی جاسکتی، کیونکہ نماز جنازہ کے لیے میت کا جسم سامنے رکھنا ضروری ہے۔

”و شرطها أيضا حضوره (و وضعه) و كونه هو أو أكثره (امام

المصلی)..... (الدرمع الرد: ۱/۲۴۱)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ کو جمعہ و ظہر، مغرب، عشاء کے سنتوں پر مقدم کرنا:

مسئلہ نمبر (۱۰۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک جنازہ جمعہ کی نماز کے وقت حاضر ہوا جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر امام صاحب میت کی چار پائی کے پاس کھڑے ہو کر میت کے چہرہ کو کھول کر حاضرین کو دکھایا اور بعد میں نماز جنازہ ادا کیا گیا، لیکن جنازہ سنتوں سے پہلے پڑھایا گیا، اسی طرح مغرب اور عشاء کی نماز کے وقت بھی کیا جاتا ہے کہ فرضوں کے بعد اور سنتوں سے پہلے نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے، اب یہاں پر تین باتوں کا جواب مطلوب ہے:

(۱) میت کا سارے مجمع کو چہرہ دکھانا جنازہ پڑھنے سے پہلے کیسا ہے؟ (۲) جنازہ سنت مؤکدہ سے پہلے پڑھایا جائے یا بعد میں (۳) تینوں نمازوں کا حکم ایک ہے یا کہ مختلف ہے؟ برائے مہربانی جواب لکھ کر عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

میت کا چہرہ دکھانا جائز ہے، مگر جب تاخیر کا سبب بنے یعنی سارا مجمع دیکھے جس سے غیر ضروری تاخیر ہو جائے تو خلاف سنت ہے، کیونکہ میت کی تجہیز و تکفین وغیرہ میں جلدی کرنے کا حکم شریعت میں وارد ہے۔

”كما في أبي داود قال عَنْ أَبِيهِ مَا أَرَى ظُلْحَةَ إِلَّا قَدْ حُدِّثَ فِيهِ الْمَوْتُ لِإِذَا مَاتَ

فَأَذْنُونِي حَتَّى أَصْلَى عَلَيْهِ وَعَجَلُوا بِهِ لِأَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِجَنَافَةِ مُسْلِمٍ أَنْ تَحْبَسَ بَيْنَ

ظَهْرَانِي أَهْلَهُ“..... (سنن ابی داؤد: ۳/۲۰۰، ب)

صلاة جنازہ سنت مؤکدہ سے پہلے پڑھنا افضل اور راجح ہے۔

”(و) تقلم (صلاة الجنزة على الخطبة) وعلى سنة المغرب وغيرها“.....

(الدر المختار: ۲/۱۸۱، جلید)

تینوں نمازوں کی سنتوں پر تقدیم صلاۃ جنازہ کا ایک ہی حکم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۰۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا شہید کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ نماز جنازہ کی صحت کے لیے میت کا حاضر ہونا (سامنے موجود ہونا) شرط ہے، لہذا صورت مسئلہ میں شہید کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں ہے حضور ﷺ نے نجاشی پر جو غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔

”و شرطها أيضا حضوره و وضعه و كونه أو أكثره أمام المصلی و كونه للقبلة

فلا تصح علی غائب و محمول علی نحو دابة و موضوع خلقه لأنه كالإمام من

وجه دون وجه اه“..... (رد المحتار: ۱/۶۳۱)

”و صلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی النجاشی لغویة أو خصوصیتہ اه“

..... (الدر المختار: ۱/۶۳۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

پرانی قبر پر عمارت بنانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۰۹): محترم و مکرم حضرت مفتی صاحب عرض ہے کہ میں ایک سوال کے ساتھ آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں کہ ہم نے ایک پلاٹ خریدا ہے جس میں ایک قبر موجود ہے اب ہم اس پلاٹ میں تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور اس قبر کو ادب و احترام کے ساتھ وہاں سے کسی قبرستان میں شفٹ کرنا چاہتے ہیں معلوم یہ ہوتا ہے کہ مدفون کو تقریباً چالیس سال کے قریب ہو گئے یعنی چالیس سال پرانی ہے اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

نعش مذکور کو اسی جگہ سے جس جگہ وہ دفن ہے منتقل کرنا اور اس جگہ کو عیش کرنا (یعنی کھودنا) جائز نہیں ہاں اگر غالب گمان ہے کہ میت مٹی ہوگئی ہے تو اب اس پر کچھ بنانا اور تعمیر کرنا جائز ہے، اگر ہڈیاں باقی رہنے کا احتمال ہے تو احترام قبر کے لیے ڈاٹ لگا دینا مزید احتیاط کی صورت یہ ہے اس ڈاٹ کے اوپر تعمیر شروع کر دیں۔

”أما نقله بعد دفنه فلا مطلقاً“..... (رد المحتار: ۱/۶۲۳)

”وقال الزيلعي ولوبلى الميت وصارت رابا جاز دفن غيره فى قبره

وزرعه“..... (رد المحتار: ۱/۶۵۹)

”قوله أو أخذت لشفعة) بأن اشترى أرضاً دفن فيها ميتة ثم علم الشفيع

بالشراء فتملكها بالشفعة (قوله ومساواته بالأرض) أى ليزرع فوقه مثلاً لأن

حقه فى باطنها ووظاهرها فان شاء ترك حقه فى باطنها وإن شاء استوفاه

فتح“..... (در مع الرد: ۱/۶۲۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۱۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد میں نماز جنازہ ہو سکتا ہے؟ اور کیا مسجد میں کسی چھوٹے بچے کا نماز جنازہ ہو سکتا ہے؟ قرآن حکیم اور حدیث کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ صورت میں مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے البتہ عذر کی وجہ سے پڑھ سکتے ہیں جیسے بارش وغیرہ یا در ہے کہ بالغ اور نابالغ بچوں کے جنازہ کا ایک ہی حکم ہے۔

”وصلاة الجنائز فى المسجد الذى تقام فيه الجماعة مكروهة سواء كان

الميت والقوم فى المسجد او كان الميت خارج المسجد والقوم فى

المسجد او كان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقى فى

المسجد والمیت فی المسجد والامام والقوم خارج المسجد هو المختار کذا
فی الخلاصة ولا تکره بعد المطر ونحوه هکذا فی الکافی..... (الهندیة :

(۱۶۵/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قریب المرگ کے پاس جنبی اور حائضہ حاضر ہو سکتے ہیں:

مسئلہ نمبر (۱۱۱): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں حائضہ، نفساء اور جنبی مختصر (قریب الموت) کے پاس کھڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

انہیں اگرچہ اختلاف علماء ہے کہ حائضہ، نفساء اور جنبی میت کے احتضار کے وقت اسکے پاس رہیں یا نہیں، لیکن یہ اختلاف فقط اولویت وغیر اولویت کا ہے لہذا مذکورہ حضرات میں سے اگر کسی کی ضرورت نہ ہو تو پھر ان کا میت کے قریب نہ ہونا بہتر ہے، کیونکہ یہ وقت ملائکہ کے نزول کا ہے، ہاں اگر ضرورت ہو تو پھر حاضر ہو سکتے ہیں۔

”واختلفوا فی اخراج الحائض والنفساء والجنب (من عنده) ووجه
الاخراج امتناع حضور الملائکہ محلأ به حائض او نفساء کما ورد بحضرة
عنده طیب، قوله (وجه الاخراج) اخراجهم علی سبیل الاولوية اذا كان
حضورهم غنی فلا ینافی ما ذکره الکافی من انه فلا یمتنع حضور الجنب
والحائض وقت الاحتضار، ووجه عدم الاخراج انه قد لا یمکن الاخراج
للشفقة اوللاحتیاج الیہن“..... (حاشیة الطحطاوی: ۵۶۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت پر رونے کی شرعی حد:

مسئلہ نمبر (۱۱۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ میت پر رونے کی شریعت میں کس حد تک اجازت ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر رونا اس طرح ہو کہ فقط آنسو بہیں اور بغیر آواز کے ہونو نہ ہو اور نہ رونے میں کپڑے پھاڑ دیئے جائیں، اور نہ چہرہ کو تھپڑوں سے مارا جائے تو پھر اس کی اجازت ہے، کیونکہ حدیث نبوی ﷺ میں اس کا ثبوت ہے اور اگر رونا نوحہ وغیرہ کے ساتھ ہو تو احادیث میں اس پر سخت وعیدیں آئیں ہیں۔

”ولایکرمہ البکاء علیہ یارسال الدموع بلارفع صوت ولا نیاحۃ ولا شق ثوب وضرب غدو نحو ذلک..... لأن النبی ﷺ بکی علی ابنہ ابراہیم فقال له عبدالرحمن بن عوف وانت یارسول اللہ تبکی فقال یا ابن عوف انہا رحمة وقال ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول إلا ما یرضی ربنا وأنا بفراقک یا ابراہیم لمحزونون، وفي حدیث الاتسمعون ان اللہ لا یعذب بدمع العین ولا یحزن القلب ولكن یعذب بهذا و اشار الی لسانہ او یرحم..... ان المیت لیعذب بکاء أهله علیہ فاجمعوا علی انہ محمول علی البکاء بصوت ونیاحتہ ولا بمجرد الدمع“..... (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح : ۵۶۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



میت کے بال کاٹنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۱۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر میت کے زیر ناف بال چالیس دن سے زائد ہو جائیں تو ان کو کاٹنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

میت کے زیر ناف بال اگر چہ چالیس دن سے زیادہ بڑھے ہوئے ہوں انہیں کاٹنا جائے گا۔

”ولا یسرح شعر المیت ولا لحیتہ ولا یقص ظفرہ ولا شعرہ کذافی الہدایۃ ولا یقص شاربہ ولا یتنف ابطہ ولا یحلق شعر عانتہ ویدفن بجمیع ماکان علیہ کذافی محیط السرخسی“..... (الہندیۃ : ۱۵۸/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



حطمی، جنوط اور کافور کا بیان:

مسئلہ نمبر (۱۱۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنازہ کی بحث میں حطمی، جنوط اور کافور کا تذکرہ کیا جاتا ہے اس کا مفہوم کیا ہے اور اس کا کیا فائدہ ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ میت کو ہر ایسی چیز سے غسل دیا جاسکتا ہے جس سے نظافت حاصل ہو، چاہے وہ صابون ہو یا حطمی گھاس، اور میت کو ازار میں رکھنے کے بعد اس کے پورے بدن پر سوائے زعفران اور ورس کے ہر قسم کے خوشبو لگا سکتے ہیں اور کافور خوشبو اس کے سجدہ والی اعضاء پر لگا دیئے جائیں گے۔

” (ويغسل رأسه ولحيته بالخطمي) نبت بالعراق طيب الرائحة يعمل عمل الصابون في التنظيف وإن لم يكن فالصابون (ويجعل الجنوط) وهو عطر مركب من أشياء طيبة ولا بأس بسائر أنواعه غيره الزعفران والورس للرجال (على رأسه ولحيته) وسائر جسده كما في الجوهرة بعدان يوضع على الإزار كما في القهستاني، وروى ذلك عن علي وانس وابن عمر (ويجعل الكافور على مساجده)..... وهي الجبهة وأنفه ويداها وركبته وقدماه وروى ذلك عن ابن مسعود قوله فتخص بزيادة أكرام أي لما كانت هذه الأعضاء يسجد بها خصت بزيادة أكرام صيانة لها عن سرعة الفساد“..... (حاشية الطحطاوى مع مراقى الفلاح: ۵۶۹ تا ۵۷۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

فوت شدگی کا اعلان کرنا:

مسئلہ نمبر (۱۱۵): مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ میت کا اعلان لاؤڈ سپیکر پر کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

میت کی موت کا اعلان کرنا مستحب ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کے جنازے میں شریک ہو سکیں

خصوصاً جب میت عالم ہو یا متقی ہو، تو پھر دوسرے شہروں میں بھی اعلان کیا جاسکتا ہے اور یہ اعلان فقط لوگوں کے اطلاع کے طور پر ہو میت کے مدح اور بڑائی کے طور پر نہ ہو البتہ ایسے اشعار جس میں افراط سے کام سے نہ لیا گیا ہو جائز ہے۔

”ولا بأس بأعلام الناس بموته بل يستحب للتكثير المصلين عليه لما رواه ولاشيخان أنه نهى لأصحابه النجاشي في اليوم الذي مات فيه وانه يهني جعفر بن أبي طالب وزيد بن حارثة وعبدالله بن رواحة وقال في النهاية إن كان عالماً أو زاهداً أو ممن يتبرك به فقد استحسن بعض المتأخرين انداء في السوق لجنائزته وهو الأصح انتهى. وكثير من المشائخ لم يروا بأساً بأن يؤدى بالجنائزاة ليؤدى أقاربه وأصدقائه حقه لكن لأعلى جهة التفخيم والإفراط في المدح. وفي شرحه قوله (ولكن لأعلى جهة التفخيم والإفراط في المدح) فينبغي أن يكون بنحو مات الفقير إلى الله فلان بن فلان وقال في التنجيس والمزيد يكره الإفراط في مدح الميت لاسيما عند جنازته لأنه صنيع الجاهلية وقد قال عليه السلام ”من تعزى بعزاء الجاهلية فأعضوه على هن أبيه ولا تسكنوا“ ولا بأس برثاء الميت بشعر أو غيره ما لم يفراط في مدحه“..... (طحطاوى: ۵۶۵)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کو غسل دینے کے بعد اسے تولیہ سے خشک کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۱۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا میت کو مکمل غسل دینے کے بعد تولیہ سے خشک کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ ہمارے طرف رواج یہی چلا آ رہا ہے، شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

میت کو غسل دینے کے بعد اسکے جسم کو کسی کپڑے سے خشک کیا جاسکتا ہے۔

”ثم ينشف بشوب) كيلا يتبل أكفانه أى يؤخذ ماؤه بشوب حتى يجف“..... (حاشية طحطاوى على المراقى: ۵۲۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کو قبر میں رکھنے وقت اذان اور سورۃ یس وغیرہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۱۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کو قبر میں رکھنے سے قبل قبر میں اتر کر اذان دینا اور پھر سورۃ یس یا آیت الکرسی کی تلاوت کرنا کیسا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ میت کو قبر میں رکھنے سے قبل یا بعد میں اذان دینے کو فقہاء کرام نے بدعت فرمایا ہے اور میت کو قبر میں رکھنے سے قبل یا بعد میں سورۃ یس یا آیت الکرسی کو مسنون سمجھ کر پڑھنا درست نہیں۔

”وفى الشامية: (تنبیه) فى الاقتصار على ما ذكر من الوارد اشارة الى أنه لا يسن الأذان عند إدخال الميت فى قبره كما هو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فى فتاويه بأنه بدعة اه“..... (رد المحتار: ۱/۲۶۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بوقت ضرورت قبروں پر تختی لگانا:

مسئلہ نمبر (۱۱۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبر پر تختی لگانا جس پر میت کا نام لکھا ہوا ہو یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بوقت ضرورت قبر پر تختی لگانا نشانی کے طور پر جائز ہے۔

”وان احتيج الى الكتابة حتى لا يذهب الاثر ولا يمتنهن فلا باس به فاما الكتابة من غير عذر فلا“..... (البحر الرائق: ۲/۳۳۰)

”ولا بأس بالكتابة عليه لئلا يذهب الاثر قوله فقال ان احتيج الى الكتابة حتى لا يذهب الاثر ولا يمتنن به جازت فاما الكتابة من غير عذر فلا“..... (طحطاوى على المراقى الفلاح: ۶۱۱)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

خاوند فوت شدہ بیوی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟

مسئلہ نمبر (۱۱۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیوی فوت ہو جائے تو خاوند اس کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ لوگ کہتے ہیں کہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بیوی کے فوت ہونے کی صورت میں خاوند اس کے منہ کو دیکھ سکتا ہے، البتہ خاوند کا ہاتھ لگانا اور غسل دینا درست نہیں ہے، بیوی کے فوت ہونے کی صورت میں نکاح ختم ہو جاتا ہے۔

”ويمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر اليها على الاصح“..... (الدر المختار على هامش الرد المحتار: ۱/۶۳۳)

”حتى ان الرجل اذا مات بين يدي النساء في السفر يمم وكذا الك المرأة اذا ماتت بين يدي الرجال في السفر، فبعد ذلك ينظر ان كن اجنبيات يمين من وراء الثياب وان كان فيهن ذات رحم محرم منه تيممه بيدها وفي الخانية اذا كان للمرأة محرم يممها باليد واما الاجنبي فبخرقه على يده ويغض بصره عن ذراعها وكذا الرجل في امرء ته الا في غض البصر ولا فرق بين الشابة والمعجوز“..... (الفتاوى التاتارخانية: ۲/۱۰۵، قديمى كتب خانہ)

”بخلاف ما اذا ماتت المرأة حيث لا يغسلها الزوج لان هناك انتهى ملك النكاح لانعدام المحل فصار الزوج اجنبيا فلا يحل له غسلها“..... (بدائع الصنائع: ۲/۳۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

خاوند بیوی کے جنازے کو کندھا دے سکتا ہے:

مسئلہ نمبر (۱۲۰): بخدمت جناب مفتی صاحب دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

گزارش ہے کہ مندرجہ ذیل سوالات کے تحریری جوابات مع تصدیق مطلوب ہیں۔

- (۱) کیا خاوند اپنی بیوی کے جنازے کو کندھا دے سکتا ہے؟
- (۲) کیا خاوند اپنی مردہ بیوی کا منہ دیکھ سکتا ہے؟ جنازے سے پہلے یا بعد میں؟
- (۳) کیا خاوند اپنی بیوی کی میت کو قبر میں اتار سکتا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

- (۱) خاوند اپنی بیوی کے جنازے کو کندھا دے سکتا ہے۔
- (۲) خاوند اپنی مردہ بیوی کا چہرہ دیکھ سکتا ہے لیکن اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔
- (۳) بغیر حائل کے قبر میں نہیں اتار سکتا، البتہ کوئی موٹا کپڑا وغیرہ ہو تو اس کے ساتھ پکڑ کر اتار سکتا ہے۔

(۱) "وقال الامام الاجل فخرالدين خان يكره للناس ان يمنوا حمل جنازة

المرءة لزوجها مع ابها او اخيها"..... (خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۵)

"ويؤخذ سيره بقوائمه الاربع بذلك وردت السنة وفيه تكثير الجماعة

وزيادة الاكرام والصيانة ويرفعونه اخذ باليد"..... (البحر الرائق: ۲/۳۳۵)

(۲) "ويمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر اليها على الاصح"

..... (در على هامش رد المحتار: ۱/۶۳۳)

(۳) "ذوالرحم المحرم اولى بادخال المرءة ثم ذوالرحم غير المحرم ثم

الصالح من مشائخ جيرانها ثم الشبان الصلحاء ولا يدخل احد من النساء

القبر ولا يخرجهن الا الرجال ولو كانوا اجانب لان مس الاجنبى لها بحائل

عند الضرورة جائز فى حياتها فكذا بعد موتها"..... (مراقى الفلاح: ۱۲۹)

"ويدخل الزوج فى القبر مع محرما استحسانا وهو الصحيح وعليه

الفتوى"..... (خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جوتا پہن کر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۲۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جنازہ میں جوتا پہن کر یا جوتے پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ مفصل جواب لکھ کر ممنون فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

دونوں صورتوں میں جوتے کا پاک ہونا شرط ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

”ولو افترش نعليه وقام عليهما جازت وبهذا يعلم ما يفعل في زماننا من القيام على النعلين في صلاة الجنائز لكن لا بد من طهارة النعلين“..... (البحر الرائق: ۲/۳۱۵)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

دعاء بعد از نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۲۲): کیا فرماتے ہیں علماء حق اور مفتی صاحبان اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء کرنا صحیح ہے کہ نہیں؟ اگر صحیح ہے تو اس کے جواز کی دلیل اور اگر صحیح نہیں تو اس کے عدم جواز کی دلیل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے واضح کریں۔

(۲) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی روشنی میں یہ بتائیں کہ جب امام صاحب نماز جنازہ کی نیت کرتے ہیں اور عوام کو بھی طریقہ بتاتے ہیں تو کیا اس نیت میں صرف چار تکبیر نماز جنازہ کہے یا ساتھ فرض کفایہ بھی کہے اور اگر نیت میں فرض کفایہ کہنا ضروری نہیں ہے تو اس کی دلیل دیں، ان دونوں مسکوں کو حوالہ کے ساتھ واضح کریں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

دعاء بعد صلاة الجنائزہ میں فقہاء کرام کی عبارات چار قسم کی ہیں۔

(۱) وہ عبارات جن سے مطلق دعاء کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

”قال الفقيه ابو بكر بن حامد ان الدعاء بعد صلاة الجنائز مكره اه“

..... (القوائد البهية: ۱/۱۵۲)

”ولا يدعوا للسميت بعد صلاة الجنائز لانه يشبه الزيادة في صلاة الجنائز اه“

..... (مرفاة شرح مشكوة: ۳/۱۳۹)

”لا یدعو بعد التسلیم کما فی الخلاصة اه“..... (البحر الرائق: ۳۲۱/۲)

(۲) وہ عبارات جن سے کھڑے ہو کر دعاء کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

”اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یقوم داعی الہ“..... (فتاویٰ سر اجیہ معہ قاضی

خان: ۱۳۱/۱)

”وبعدہ ایستادہ نماز برای دعا اه“..... (فتاویٰ برہنہ)

(۳) وہ عبارات جن سے دونوں یعنی مطلق دعاء کی ممانعت اور کھڑے ہو کر دعاء کی ممانعت مراد لیے

جاسکتے ہیں۔

”لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازة اه“..... (قنیۃ: ۵۶/۱)

”ولا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازة لانه يشبه الزیادة فیہا کذا فی المحيط

اه“..... (کفایت المفتی: ۱۵۸/۳)

”ولا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازة لانه دعامة لان اکثرها دعاء اه“.....

(فتاویٰ بزازیہ: ۸۰/۱، ط رشیدیہ)

”ولا یقوم بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازة اه“..... (خلاصة الفتاویٰ: ۲۲۵/۱)

ان عبارات میں جن میں صلہ ”باء“ آیا ہے یہ معنی بھی لے سکتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء نہ کرے

جیسا کہ حضرت العلامہ مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب رحمہ اللہ نے ”المنہاج الواضح“ میں لیا ہے اور یہی معنی صاحب

بحر نے خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت سے لیا ہے اور یہ بھی معنی لے سکتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعاء

نہ کرے، جیسا کہ العلامہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے ”محیط“ کی مذکورہ عبارت کا ترجمہ یوں کیا ہے، نماز جنازہ

کے بعد کھڑا رہ کر دعاء نہ کرے کیونکہ یہ دعاء نماز میں زیادتی کا شبہ پیدا کرتی ہے۔

(۴) وہ عبارات جن سے مطلق دعاء کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

”وقال محمد بن الفضل لا یاس بہ کذا فی القنیۃ اه“..... (کفایت المفتی: ۱۵۸/۳)

”وعن الفضلی لا یاس بہ اه“..... (البحر الرائق: ۳۲۱/۲)

پہلی قسم کی عبارات تو بالاتفاق مقید بالہیۃ مخصوصہ ہیں کیونکہ نفس دعاء بعد صلوٰۃ الجنازة کے بارے میں

احادیث و آثار صحابہ موجود ہیں اگر اختلاف ہے تو ہیئت مخصوصہ کی تشریح میں ہے بعض اکابر اس کی تشریح ہیئت الاجتماع

سے کرتے ہیں جیسا کہ حضرت العلامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

بہر حال نفس دعاء انفرادی طور پر جائز ہے اور اجتماعی صورت بنانے کا قصد اور اہتمام کرنا بدعت اور ناجائز ہے (کفایت المفتی: ۱۱۱/۳۰)

اسی صفحہ پر دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

نماز جنازہ بھی میت کے لیے دعاء ہے اور نماز جنازہ کی مشروعیت کی راجح جہت یہی ہے تاہم نماز کے بعد میت کی مغفرت کے لیے دعاء کرنا ناجائز نہیں بلکہ ہر شخص تمام عمر اپنے اموات کے لیے دعا کر سکتا ہے، دعا کرنے یا ایصال ثواب کرنے کی کوئی ممانعت نہیں لیکن نماز جنازہ کے بعد اگر جماعت کے لوگ بہ بیت اجتماع تین بار سورۃ اخلاص پڑھنے کا طریقہ مقرر کر لیں تو یہ بیت اجتماعیہ اور اہتمام بدعت ہے۔

حضرت العلامة مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب فرماتے ہیں۔

کسی مسلمان کی وفات کے بعد اس کے عزیز واقارب اور دوست احباب اس کو جو بہترین تحفہ بھیج سکتے ہیں اور اس کے ساتھ جو حسن سلوک کر سکتے ہیں وہ اس کے حق میں دعا کرنا ہے، انفرادی طور پر جس وقت بھی چاہے اس کی وفات کے بعد تازیت اس کے لیے دعاء کرے اس میں کوئی قباحت اور خرابی نہیں ہے، اور نصوص شرعیہ سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے، لیکن بصورت اجتماع میت کے لیے دعا کرنے کا ثبوت صرف نماز جنازہ کی صورت میں اور قبر پر تلقین شرعی کی شکل میں ہے۔ (المہاج الواضح: ۱۹۴)

بعض اکابر اس بیت مخصوصہ کی تشریح بیت القیام سے کرتے ہیں جیسا کہ علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ اور علامہ مولانا مفتی محمد فرید صاحب کی رائے ہے، حضرت مفتی صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

”قد ثبت الدعاء بعد صلوة الجنازة ممن فاتته الجنازة مثل ابن عمرو عبد الله ابن سلام واما الدعاء ممن صلى عليها فذخيرة الاحاديث ساكتة عنه فمن ادعى انه عليه الصلوة دعابعدھا او ادعى انه لم يدع بعدها فدخل في حديث من كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار، ولو قال الخصم لو دعابعدھا لبلغ الينا لجاز لنا ان نقول لو لم يدع لبلغ الينا كما بلغ الينا انه ما اذن وما اقام لصلوة العيد وبالجملة انه لا بد من الفرق بين عدم الرواية وبين رواية العدم نعم منع عنه الفقهاء واكثرهم لم يذكروا دليل المنع والبعض عللوا المنع بالزيادة على الجنازة والبعض الآخر عللوه بتكرار الجنازة وكلتا القباحتين انما تلزمان اذا دعافائما في الصف دون بعد كسر الصف وكذا اكثر الفقهاء يعبرون بلفظ

طویل ای لایقوم بالدعاء ولا یعبرون بلفظ مختصر ای لایدعوا“..... (منہاج

السنن: ۴/۲۱۶)

”اب اکابر کے ان دو قولوں میں سے ایک کو ترجیح دینا ضروری ہے تاکہ ہمارے لیے عمل کا راستہ متعین ہو سکے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ علت کراہت معلوم کی جائے کیونکہ حکم کے لیے ہر علت ہوتی ہے جس صورت میں علت موجود ہو اس میں کراہت ہوگی، جس میں علت نہ ہو اس میں کراہت نہ ہوگی، دعا بعد صلاۃ الجنائزہ کی کراہت کے لیے علت فقہاء کرام نے دو چیزیں ذکر کی ہیں بعض نے صورت تکرار نماز جنازہ کو اور بعض نے صورت زیادہ فی صلاۃ الجنائزہ کو علت کراہت قرار دیا ہے، جیسا کہ بزاز یہ، مرقات، محیط کی عبارت میں اس کی واضح تصریح موجود ہے، فقہ کی کتابوں میں یہ واضح طور پر لکھا ہے کہ قیام نماز جنازہ کا بالاتفاق رکن ہے۔

”ورکنہا شینان التکبیرات الاربع فالاولی رکن ایضا لاشروط فلذا لم یجزبناء

اخری علیہا والقیام فلم تجز قاعدا بلا عذر“..... (در مختار: ۱/۱۲۱)

اس پر علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

”قوله فلم تجز قاعدا ای ولا راکبا“..... (رد المحتار: ۱/۸۱۳)

”وفی الاستحسان لایجوز لان الرکن فی الصلاۃ علی الجنائزہ التکبیرات

والقیام فکما لاتنادی بدون التکبیرات لاتنادی بدون القیام من غیر

عذر“..... (المبسوط: ۴/۱۸۲)

”ولایجوز ان یصلی علی الجنائز وهو راکب لانه یفوت القیام الواجب وهذا

قول ابی حنیفۃ والشافعی وابی ثور، ولا اعلم فیہ خلافاہ“..... (المغنی للعلامة

موفق الدین الحنبلی: ۴/۳۷۴)

”ولو صلی راکبا او قاعدا من غیر عذر لم تجزہم استحسانا“..... (بدائع

الصنائع: ۲/۵۴)

اور جماعت نماز جنازہ میں نہ رکن ہے اور نہ ہی اس کے لیے شرط ہے ایک ہی آدمی کے نماز جنازہ پڑھنے

سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔

”الصلاۃ علی الجنائزہ فرض کفاۃ اذا قام بہ البعض واحدا کان او جماعة ذکرا

کان او انسی سقط عن الباقین واذا ترک الكل اثموا هكذا فی التارخانیة

والصلوة على الجنابة تنادى باداء الامام وحده لان الجماعة ليست بشرط
 الصلوة على الجنابة كذا في النهاية..... (الهندية: ۱/۱۶۲)
 ”فاما الصلوة على الجنابة فتنادى باداء الامام وحده لان الجماعة ليست
 بشرط للصلوة على الجنابة“..... (مبسوط سرخسی: ۲/۱۷۹)
 ”ولو كان الامام على الطهارة والقوم على غير طهارة جازت صلوة الامام ولم
 يكن عليهم اعادتها لان حق الميت نادى بصلوة الامام ودلت المسئلة على
 ان الجماعة ليست بشرط في هذه الصلوة“..... (بدائع الصنائع: ۲/۵۳)

لہذا قیام کے نیست و نابود ہونے سے نماز جنازہ کی صورت اور حقیقت دونوں نیست و نابود ہو جاتی ہیں کیونکہ
 قیام رکن ہے اور رکن کے معدوم ہونے سے شرعی عمل خود بخود معدوم ہو جاتا ہے، اور جب صلوة جنازہ کی صورت ہی
 نہ رہی تو شبہ زیادہ فی صلوة الجنابة یا صورت تکرار جنازہ خود بخود ختم ہوئیں اور علت کے ختم ہونے سے حکم کراہت بھی ختم
 ہوا، لیکن اگر قیام باقی رہے اور اجتماعیت باقی نہ رہی تو شبہ زیادہ فی صلاة الجنابة یا صورت تکرار جنازہ باقی رہتی ہیں
 کیونکہ نماز جنازہ انفراداً بھی پڑھی جاسکتی ہے، صاحب اعلاء السنن تکرار نماز جنازہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔
 ”ولا فرق بين تكرارها اجتماعا وانفرادا بالاجماع فيكره مطلقا“..... (اعلاء

السنن: ۸/۴۳۹)

نیز قید قیام پر تصریح فقہاء کرام کے قول میں موجود ہے جب کہ قید اجتماعیت کی تصریح تیرہویں صدی ہجری
 سے قبل کسی فقہ کے قول میں ہمیں نہیں ملی ہے، لہذا فقہائے کرام کی عبارات مطلقہ کو اس قید سے مقید کرنا جو اوفق بالفقہ
 ہونے کے ساتھ ساتھ فقہاء کرام کا مقید کردہ ہو اوٹی ہے نسبت اس قید کے جو غیر اوفق بالفقہ ہونے کے ساتھ ساتھ
 کتب فقہ معتبرہ میں اس کا ذکر تک نہ ہو، لہذا نماز جنازہ کے بعد بیٹھ کر دعا کرنا جائز ہے، البتہ اس کو عقیدہ لازم سمجھنا
 بدعت ہے اور کھڑے ہو کر نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا بھی مکروہ ہے۔

(۲) نیت دل کا عمل ہے اس پر تلفظ ضروری نہیں البتہ متاخرین نے اس کو مستحب لکھا ہے نماز جنازہ کی نیت
 میں فرض کفایہ کا لفظ بولنا ضروری نہیں بول دیا تو بہتر ہے۔

”فالامام والقوم ينوون ويقولون نويت اداء هذه الفريضة عبادة لله تعالى
 متوجها الى الكعبة مقتديا بالامام ولو تفكر الامام بالقلب انه يؤدي صلوة
 الجنابة يصح ولو قال المقتدى اقتديت بالامام يجوز كذا في
 المضمورات“..... (الهندية: ۱/۱۶۳)

”وبہ ظہر ان الصیغۃ الی ذکرہا المصنف غیر لازمۃ فی نیتہا بل یکفی مجرد نیۃ فی قلبہ اداء صلاۃ الجنازۃ کما قدمنا عن الحلۃ“..... (رد المحتار:

۳۹۳/۱، ۳۹۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

شیعہ کے جنازے میں شرکت کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۲۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام و علماء عظام رہنمائے امت محمدیہ و ورثاء انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ملک پاکستان میں جو شیعہ حضرات رہتے ہیں ہم سنی مسلمانوں کے لیے ان کے جنازہ قل ختم وغیرہ میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ اس کے بارے میں عوام الناس کے لیے کیا حکم ہے؟ اور خصوصاً ہمارے اہل السنۃ والجماعت کے علماء کے لیے کیا حکم ہے کہ ان کی نماز جنازہ پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ کسی ختم وغیرہ کے لیے ہمارے ائمہ مساجد کو بلاتے ہیں تو ان کو جانا چاہیے یا نہیں؟ اگر ان کے گھر سے کھانے کی کوئی چیز پیش کی جائے یا بھیجی جائے تو لینا چاہیے یا نہیں؟ ازراہ کرم وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں تفصیل ہے، اگر وہ شیعہ جو غالی ہوں اور وہ جن کے عقائد ان کی مذہبی کتابوں کے مطابق ہوں اور وہ جن کے عقائد کفریہ حد کو پہنچے ہوئے ہوں وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگاتے ہوں یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے منکر ہوں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ خدا سمجھتے ہوں اور خدا تعالیٰ کی ساتھ قدرت وغیرہ میں شریک مانتے ہوں یا جن کے عقیدہ یہ ہو کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے محمد مصطفیٰ ﷺ کو پہنچائی یا معاذ اللہ تحریف قرآن کے قائل ہوں، ایسے عقائد والوں کو فقہاء کرام نے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے اور ان کے ساتھ مذہبی میل جول اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں، اور وہ شیعہ جو مندرجہ بالا عقائد سے پاک ہیں اور ان کے عقائد شیعہ مذہب کی کتابوں کے مطابق بھی نہیں ہیں ان کا نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، البتہ ممتاز علماء کرام شرکت سے اجتناب کریں۔

”الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنہما والعیاذ باللہ فہو کافر وان کان

یفصل علیا کرم اللہ وجہہ علی ابی بکر رضی اللہ عنہ لایکون کافرا الا انہ

مبتدع والمعتزلی مبتدع الاذا قال باستحالة الروية فحينئذ هو كافر كذافي الخلاصة ولوقذف عائشة رضي الله عنها بالزنى كفر بالله ولوقذف سائر نسوة النبي ﷺ لا يكفر ويستحق اللعنة كذافي خزانه الفقه ومن انكر امامة ابي بكر الصديق رضي الله عنه فهو كافر وعلى قول بعضهم هو مبتدع وليس بكافر والصحيح انه كافر وكذلك من انكر خلافة عمر رضي الله عنه اصح الاقوال كذافي الظهيرية ويجب اكفارهم باكفار عثمان وعلى وطلحة وزبير وعائشه رضي الله عنهم ويجب اكفار الزيدية كلهم في قولهم بانتظار النبي من العجم ينسخ دين نبينا وسيدنا محمد ﷺ كذافي الوجيز للكردي، ويجب اكفار الروافض في قولهم برجة الاموات الى الدنيا وبتناسخ الارواح و بانتقال روح الاله الى الائمة ويقولهم في خروج امام باطن وبتعطيلهم الامر والنهي الى ان يخرج الامام الباطن ويقولهم ان جبرئيل عليه السلام غلط في الوحي الى محمد ﷺ دون علي ابن ابي طالب وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحكامهم احكام المرتدين كذافي الظهيرية“ (فتاوى الهندية : ۲/۲۸۶)

”نعم لاشك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها او انكر صحبة الصديق او اعتقد الالهوية في علي او ان جبرئيل غلط في الوحي او نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن“..... (رد المحتار : ۳/۳۲۱)

”ولا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره“..... (التوبة : ۸۴)

”ما كان للنبي والذين امنوا ان يستغفروا للمشركين“..... (۱۱۳)

والله تعالى اعلم بالصواب



جنازہ میں عورت کی چار پائی پر گہوارہ بنانے کی شرعی حیثیت:

مسئلہ نمبر (۱۲۳): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مسلمان عورت کا جنازہ چار پائی پر گہوارہ بنایا جاتا ہے جیسے چار پائی کے چاروں کونوں کے ساتھ چھڑیاں باندھ کر اوپر چادر ڈال

دی جاتی ہے کہ واضح رہے کہ یہ عورت کا جنازہ ہے، مزید یہ کہ فقہ حنفی کے مطابق ایسا کرنا فرض ہے، سنت، واجب، مستحب یا مباح ہے؟

فتویٰ جمع دلیل عنایت فرمایا جائے تاکہ عام مسلمان مستفید ہو سکیں اور یہ پتہ چل سکے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

شریعت مطہرہ میں صنف نازک کے تستر کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اس تستر کی بنیاد پر صنف نازک کے بہت سے احکامات مرووں سے جدا ہیں۔

سوال میں ذکر کردہ طریقے کی بنیاد بھی یہی ہے یعنی مبالغہ فی التستر، لہذا یہ طریقہ جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے، البتہ بعینہ یہ طریقہ کہ چھڑیاں باندھ کر اوپر چادر ڈال دی جائے ضروری نہیں، بلکہ کوئی بھی ایسی صورت اختیار کی جاسکتی ہے جو مقصد پورا کر دے مثلاً جنازے کی مخصوص چارپائی کی بناوٹ ہی ایسی ہو کہ چاروں کونے قدرے بلند ہوں اور درمیان میں جالی نما سہارا ہو جس پر چادر ڈال دی جائے تو بھی درست ہے۔

”فی فتح القدير من متن الهداية، ويسجى قبر المرأة بثوب حتى يجعل اللبن

على اللحد ولا يسجى قبر الرجل لان مبنى حالهن على الستر ومبنى حال

الرجال على الانكشاف“..... (فتح القدير: ۲/۹۹)

”وفى الكفاية (قوله ويسجى قبر المرأة التسجية التغطية يسجى قبر المرأة

بثوب حتى يفرغ من اللحد لانها عورة من قرنھا الى قدمھا فر بما يبدوشىء من

الر عورتھا الا ترى انها خصت بالنعش على جنازتها وهو شبه المحومشك

يطبق على المرأة اذا وضعت على الجنازة وقد صح ان قبر فاطمة رضى الله

عنها سجد بثوب ونعش على جنازتها ولم يكن النعش فى جنازة النساء حتى

ماتت فاطمة رضى الله عنها فاوصت قبل موتھا ان تستر على جنازتها فاتخذوا

لھا نعشا من جريد النخل فبقى سنة هكذا فى جميع النساء“..... (فتح القدير مع

الكفاية: ۲/۹۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

میت کو غسل دینے کے لیے گڑھا کس رخ پر کھودا جائے؟

مسئلہ نمبر (۱۲۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کو غسل دینے کے لیے گڑھا کس رخ میں کھودنا چاہیے؟ کیا مشرق و مغرب کی طرف یا شمال اور جنوب کی طرف؟ یا دونوں طرح جائز ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

ہمارے ہاں قبلہ چونکہ جانب مغرب میں ہے اس لیے شمالاً جنوباً گڑھا بنایا جائے تاکہ میت کی ٹانگیں قبلہ کی طرف نہ ہوں۔

”ووضع کمامات کما تیسر فی الاصح علی سریر معمر و ترا، قوله فی

الاصح وقيل يوضع الى القبلة طولا وقيل عرضا كما فی القبر افاده فی

البحر“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۶۳۱)

”ومتهم من اختار الوضع عرضا كما يوضع فی القبر والاصح انه يوضع

کما تیسر“..... (البحر الرائق: ۲/۳۰۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا ایکسڈنٹ میں مرنے والا شہید ہے؟

مسئلہ نمبر (۱۲۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سائل کا حقیقی بیٹا عبدالقیوم خان وادی لیپا کی طرف لڑنے کے لیے جاتے ہوئے گاڑی کے ایکسڈنٹ میں شہید ہو گیا، مگر گورنمنٹ اس کو شہید ماننے کے لیے تیار نہیں ہے، برائے مہربانی اگر وہ شہید ہے تو آپ اس کی شہادت کا فتویٰ صادر فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

آپ کا بیٹا اخروی اعتبار سے شہید ہے مگر دنیا میں اس پر شہادت کے احکام لاگو نہیں ہوں گے۔

”وقيد بالقتل لانه لومات حتف انفه او بترد او خرق او غرق او هدم لم يكن

شہیدا فی حکم الدنيا وان كان شهيدا لآخره“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۶۷۰)

”قيد بكونه مقتولا لانه لومات حتف انفه او تردى من موضع او احترق بالنار

اومات تحت هدم او غرق لا یكون شهيداً ای فی حکم
الدنيا..... (البحر الرائق: ۲/۳۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۲۷): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟ خصوصاً
اگر شہید کی غائبانہ نماز جنازہ ہو، قرآن و سنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

غائبانہ نماز جنازہ احناف کے نزدیک ثابت نہیں ہے خواہ شہید کا ہو یا غیر شہید کا، بہت سے صحابہ کرام رضی
اللہ عنہم اجمعین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں شہید ہوئے اور حضور ﷺ کو مدینہ میں اطلاع ہوئی مگر آپ نے
ان کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

”و شرطها (صلاة الجنزة) ايضاً حضوره و وضعه و كونه هو او اكثره امام
المصلي و كونه للقبلة فلا تصح على غائب..... و صلاة النبي ﷺ على
النجاشي لغوية او خصوصية (قوله لغوية) اي المراد بها المجرّد الدعاء
وهو بعيد (قوله او خصوصية) اولانه رفع سريره حتى راه عليه السلام
بحضرته فتكون صلاة من خلفه على ميت يراه الامام وبحضرته دون
المأمومين وهذا غير مانع من الاقتداء فتح واستدل لهذين الاحتمالين
بمالمزيد عليه فارجع اليه من جملة ذلك انه توفي خلق كثير من اصحابه
ﷺ من اعزهم عليه القراء ولم ينقل عنه انه صلى عليهم مع حرصه على
ذلك..... (رد المحتار: ۱/۶۳۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بھٹی ہوئی نعش اور آدھے جسم پر نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۲۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام درج ذیل مسائل کے بارے میں

- (۱) اگر نعش پھٹ جائے تو نماز جنازہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟
 (۲) اگر میت کا نصف جسم ہو تو اس پر نماز جنازہ پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟
 (۳) اگر میت کے زیر ناف بال چالیس دن سے زائد ہو جائیں تو ان کو کاٹنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

- (۱) پھٹی ہوئی نعش نماز جنازہ کے قابل نہیں ہے اس لیے کہ نماز جنازہ میت کے قائم اور صحیح بدن پر مشروع ہوا ہے اور پھٹا ہوا بدن قائم نہیں رہتا۔

”وقيد بعدم التفسخ لانه لا يصلى عليه بعد التفسخ لان الصلاة شرعت على

بدن الميت فاذا تفسخ لم يبق بدنه قائما“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۰)

- (۲) میت کا نصف جسم اگر جمع سر کے ہو تو وہ پورے جسم کے حکم میں ہے اس کی بطریق مسنون تجہیز و تکفین اور تدفین کی جائے اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی، لیکن اگر آدھا جسم بلا سر کے ہو تو ایسی میت کو صاف کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔

”قوله كالعضو من الميت اى لو وجد طرف من اطراف انسان او نصفه مشقوقا

طولا او عرضا يلف فى خرقة الا اذا كان معه الرأس فيكفن كما فى البدائع“

..... (رد المحتار: ۱/۶۳۸)

”وشرائطها ستة اولها اسلام الميت لانها شفاعته وليست لكافر..... والرابع

حضوره او حضورا اكثر بدنه او نصفه مع رأسه“..... (حاشية الطحطاوى على

مراقى الفلاح: ۵۸۱، ۵۸۲)

- (۳) اگر میت کے زیر ناف بال چالیس دن سے زائد بڑھے ہوئے ہوں تو بھی ان کا کاٹنا ضروری نہیں ہے۔

”ولا يصرح شعر الميت ولا لحيته ولا يقص ظفره ولا شعره كذا فى الهداية

ولا يقص شاربه ولا ينتف ابطه ولا يحلق شعر عاتنه ويدفن بجميع ما كان عليه

كذا فى محيط السرخسى“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۵۸)

والله تعالى اعلم بالصواب

میت کو غسل دیتے وقت ورد کرنے کا حکم:

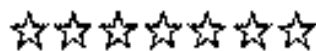
مسئلہ نمبر (۱۲۹): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کو غسل دیتے ہوئے زبان سے ”غفرانک یا رحمن“ کا ورد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

میت کو غسل دیتے ہوئے ”غفرانک یا رحمن“ پڑھنے کا ثبوت حدیث مبارکہ سے ملتا ہے لہذا درج بالا الفاظ پڑھنا جائز ہے اور غسل میت کے دوران یہ میں مذکورہ ورد کرتے رہنا چاہیے۔

”اخرجہ ابو حفص بن شاہین فی کتاب الجنائز عن حماد بن عمرو الضبی عن السری بن خالد عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ عن علی ابن ابی طالب قال قال لی رسول اللہ یا علی اغسل الموتی فانہ من غسل میتا غفر لہ سبعون مغفرة لو قسمت مغفرة منها علی جمیع الخلائق لو سعتهم قلت یا رسول اللہ ما یقول من یغسل میتا؟ قال یقول غفرانک یا رحمن حتی یفرغ من الغسل“
..... (نصب الرایة فی تخریج احادیث الہدایة: ۲/۲۶۳، کذا فی حاشیة الطحطاوی: ۵۷۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

**تعزیت کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا حکم:**

مسئلہ نمبر (۱۳۰): کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جب کسی کی تعزیت کے لیے جاتے ہیں تو کچھ لوگ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الاخلاص وغیرہ پڑھ کر میت کے لیے ایصال ثواب کرتے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، اور کچھ لوگ ہاتھ نہیں اٹھاتے، اس عمل مختلف فیہا سے کچھ کش مکش ہی پیدا ہو چکی ہے، لہذا آپ کرم نوازی فرماتے ہوئے تعزیت کا شرعی طریقہ اور شرعی حیثیت بیان فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں میت کے گھر والوں کے پاس جا کر تعزیت کرنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز اور بہتر ہے، کیونکہ اس کے بغیر میت کے لواحقین کی تسلی اور تشفی نہیں ہوتی، اور ہاتھ اٹھائے بغیر تعزیت کرنا بھی جائز ہے جب کہ تعزیت ہی مقصود ہو، اور مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے، ایسے مسائل میں الجھنا نہیں چاہیے۔

”و يستحب ان يقال لصاحب التعزية غفر الله تعالى لميتك وتجاوز عنه
وتغمده برحمته ورزقك الصبر على مصيبة واجرک على موته“
..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۶۷)

”والتعزية..... وهي كما في التبيين ان يقول اعظم الله اجرک واحسن عزاک
وغفر لميتک“..... (البحر الرائق: ۲/۳۳۷)

”يستحب ان يقال لصاحب التعزية غفر الله لميتک وتجاوز عنه وتغمده
برحمته ورزقک الصبر على مصيبة واجرک على موته..... وفي العتابة
التعزية لصاحب المصيبة حسنة والمعزى ماجور عليه وهي من حقوق
الاسلام لقوله عليه السلام حقوق المسلم على المسلم ان يعزیه اذا اصابته
مصيبة“..... (فتاویٰ التاتارخانية: ۱/۱۳۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۳۱): السلام علیکم جناب مفتی صاحب قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ اگر کسی شخص نے خودکشی کی
ہو تو اس شخص کا نماز جنازہ پڑھنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور خودکشی کے بارے میں بھی بتائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر کوئی شخص زندگی سے مایوس ہو کر خودکشی کرے یا کسی پریشانی اور مصیبت کی وجہ سے خودکشی کرے تو اس کا
یہ فعل حرام ہے، اور فاسق گناہ گار ہوگا، لیکن کافر نہیں ہے اس لیے اس کا جنازہ پڑھنا چاہیے، اہانت کے طور پر قاضی،
سلطان مفتی وغیرہ کو نہیں پڑھنا چاہیے، تاکہ اس عمل کی اہانت سب کو معلوم ہو جائے

”حکم قاتل نفسه عمدا للاختلاف فعندہما یصلی علیہ وهو الاصح لانه فاسق

غیر ساع فی الارض بالفساد“..... (البحر الرائق: ۲/۳۵۰)

”من قتل نفسه عمدا یصلی علیہ عندابی حنیفة ومحمد رحمہما اللہ

وهو الاصح کذا فی التبيين“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۶۳)

”من قتل نفسه ولو عمدا يغسل ويصلى عليه به يفتى“..... (فتاویٰ شامی:

(۱/۶۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

رافضی کا جنازہ پڑھنے کے بعد علم ہو تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ نمبر (۱۳۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا جنازہ پڑھا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ رافضی تھا، اب کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اپنی کوشش سے مرنے والے کے متعلق معلومات کریں اور کفریہ عقائد رکھنے والے کا جنازہ نہ پڑھیں، ماضی میں اگر ایسا ہو چکا ہے تو اس پر استغفار کریں۔

”فنقول لا یصلی علی الکافر ویصلی علی کل مسلم مات بعد الولادة“

..... (فتاویٰ التاتارخانیة: ۲/۱۲۲)

”ولانصل علی احد منهم مات ابدا ولا نقم علی قبره“..... (سورة التوبة: ۸۴)

”ماکان للنبی والذین امنوا ان یتستغفروا للمشرکین“..... (سورة التوبة:

(۱۱۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا میاں بیوی ایک دوسرے کی میت کو غسل دے سکتے ہیں؟

مسئلہ نمبر (۱۳۳): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میاں بیوی میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو ان میں سے دوسرا اُسے غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ مشہور یہ ہے کہ جب بیوی فوت ہو جائے تو خاوند نہ اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور نہ چار پائی کو کندھا دے سکتا ہے، قرآن و سنت کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں شوہر کا بیوی کو غسل دینا اور چھونا جائز نہیں ہے البتہ بیوی کا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور اس کے جنازے کو کندھا دے سکتا ہے، اور بیوی شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔

”ويمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر اليها على الاصح“

..... (در المختار على هامش رد المحتار: ۱/۲۳۳)

”اما الرجل فنقول اذا مات رجل في سفر فان كان معه رجال يغسله الرجل وان

كان معه نساء لارجل فيهن فان كان فيهن امرأه غسلته وكفنته وصلين عليه

وتدفنه..... بخلاف ما اذا ماتت المرأة حيث لا يغسلها الزوج لان هناك انتهى

ملك النكاح لانعدام المحل فصار الزوج اجنبيا فلا يحل له غسلها“

..... (بدائع الصنائع: ۲/۳۳)

”اذا كان للمرأة محرم يممها باليد واما الاجنبي فيخرقة على يده ويغض

بصره عن ذراعيها وكذا الرجل في امرأته الا في غض البصر ولا فرق بين

الشابة والعجوز“..... (فتاوى التاتارخانية: ۲/۱۰۵)

”وفي السغناقي ويحمل الجنازة من هو افضل منه فان افضل جميع الخلائق

وهو نبينا صلوات الله عليهم حمل جنازة سعد بن معاذ لمان حمل الجنازة عبادة فيجب

على كل احد ان يتبادر في العبادة“..... (فتاوى التاتارخانية: ۲/۱۱۵، ۱۱۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قاتل اور خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۳۴): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ دین کے بارے میں کہ اگر کسی شخص نے خودکشی کی ہو تو اس کا

نماز جنازہ پڑھنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ کیا ہمارے نبی کریم صلوات الله عليهم نے اس سے منع فرمایا ہے؟ نیز اگر کسی آدمی نے دو تین قتل

کیے ہوں تو اس کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

خودکشی حرام ہے اور حرام کا مرتکب فاسق اور گناہ گار ہے مگر کافر نہیں، اسی طرح قاتل بھی گناہ گار اور فاسق ہے مگر کافر نہیں لہذا ان دونوں پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

”من قتل نفسه ولو عمدا يغسل ويصلى عليه به يفتى وان كان اعظم وزر امن

قاتل غيره“..... (الدروعلى الرد: ۱/۲۳۳)

”ومن قتل نفسه عمدا يصلى عليه عند ابي حنيفة ومحمد وهو الاصح كذا في

التبيين“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۶۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا اسلام میں قبر کو پکا کرنے کی اجازت ہے؟

مسئلہ نمبر (۱۳۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا اسلام قبر کو پکا کرنے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں بتادیتے، نیز یہ بھی بتادیتے کہ اگر قبر کو پکا کر دیا گیا ہو تو پھر کیا کیا جائے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر زمین نرم ہو چکی قبر صحیح نہ بن سکتی ہو تو پکی اینٹوں کے ساتھ قبر کو پختہ کرنا جائز ہے، اور مشائخ بخارانے اپنے علاقہ کے ضعف ارض کی وجہ سے اسی پر فتویٰ دیا ہے، اسی طرح اگر زمینت کے لیے نہ ہو بلکہ دفع اذی السباع ہو تو مکروہ نہیں، اگر زمین پختہ ہو تو پکی قبر بنانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ قبر فناء کے لیے ہے اور پختہ کرنا بقاء کے لیے ہے۔

اور بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ نے قبر پر چونا لگانے، اس پر لکھائی کرنے، اس پر تعمیر کرنے اور روندنے سے منع فرمایا ہے۔

البتہ قبر پر پانی چھڑکنا اور مٹی کے ساتھ لپ دینا جائز ہے، اس لیے کہ حضور ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر سرخ مٹی لگائی تھی۔

لیکن پختہ بنی ہوئی قبر کو گرانا کتب احادیث اور فقہ میں نہیں ملا۔

”وکرهوا الآجر والواح الخشب وقال الامام التمر تاشی هذا اذا كان حول

الميت فلو فوقه لا يكره لانه يكون عصمة من السبع وقال مشايخ بخارى لا يكره الآخر فى بلدتنا للحاجة اليه لضعف الاراضى “.....(فتاوى شامى : 1/261)

”وقال بعض مشايخنا انما يكره الآخر اذا ريد به الزينة اما اذا ريد به دفع اذى السباع او شىء آخر لا يكره ، لان الكراهة علة لمحذوف اى فلا يكره ان حينئذ لان الكراهة لكونهما للاحكام والزينة “.....(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح : 210)

”وبعض مشايخنا قالوا انما يكره الآخر اذا ريد به الزينة اما اذا ريد به دفع اذى السباع او شىء آخر لا يكره “.....(فتاوى التتارخانية : 2/128)

”لا الآخر والخشب لانهما لاحكام البناء والقبر موضع البلاء..... وفى المغرب الآخر الطين المطبوخ “.....(البحر الرائق : 2/320)

”عن جابر قال نهى رسول الله ﷺ ان تجصص القبور وان يكتب عليها وان يبنى عليها وان توطأ “.....(جامع ترمذى : 1/329)

”عن ابى سعيد ان النبى ﷺ نهى ان يبنى على القبر “.....(سنن ابن ماجه : 112)

”ويكره البناء عليه للاحكام بعد الدفن لانه للبقاء والقبر للفناء واما قبل الدفن فليس بقبر وفى النوازل لا بأس بتطيينه وفى الغيائية وعليه الفتوى واما قبل الدفن اى فلا يكره الدفن فى مكان بنى فيه كذا فى البرهان قال فى الشرح وقد اعتاد اهل مصر وضع الاحجار حفظا للقبور عن الاندراس والنش ولا بأس به وفى الدر ولا يجصص ولا يطين ولا يرفع عليه بناء وقيل لا بأس به هو المختار قوله وفى النوازل لا بأس بتطيينه وفى التنجيس والمزيد لا بأس بتطيين القبور خلافا لما فى مختصر الكرخى لان رسول الله ﷺ مر بقبر ابنه ابراهيم فرأى فيه حجر اسقط فيه فسهه وقال من عمل عملا فليتقنه وروى البخارى انه ﷺ رفع قبر ابنه ابراهيم شبرا وطينه بطين احمره “..... (طحطاوى على مراقى الفلاح : 211)

”وفی کتاب الآثار عن محمد لاری ان یزاد فی تراب القبر علی ما خرج

ولاری برش الماء علیہ بأما“..... (المحیط البرہانی : ۳/۹۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

موجودہ دور میں نماز جنازہ میں ہونے والی کوتاہیوں کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۳۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دور حاضر میں کچھ بدعات بہت زور و شور سے رائج ہو گئی ہیں اور علماء کرام اس سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ مدابہنت کرتے ہیں بلکہ خود ان میں شریک ہو کر اپنے عمل سے ان کی تبلیغ کرتے ہیں، اسی طرح جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے مصلحین امت ہونے کا عظیم مقام عطا فرمایا تھا وہ اصلاح کی بجائے فساد کا ذریعہ بن رہے ہیں، عوام سے جب بھی اس موضوع پر بات کی جائے اور شرعی مسئلہ بتایا جائے تو وہ بڑے بڑے علماء اور بڑے بڑے جامعات کا نام لے کر سند جواز پیش کرتے ہیں، اس لیے اس چیز کی اشد ضرورت ہے کہ مقتدر علماء ان منکرات و بدعات پر شدت سے رو کریں۔

کیا مندرجہ ذیل امور منکرات و بدعات نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو کیا ان پر رد کرنا، ان سے خود بچنا اور دوسروں کو بچانے کی کوشش کرنا علماء کا فریضہ نہیں ہے؟

(۱) نماز جنازہ میں غیر معمولی تاخیر، خواہ رونمائی کے لیے ہو یا بڑے اجتماع کی غرض سے، کچھ خاص کی شرکت کی غرض سے ہو یا کسی اور مصلحت سے؟

حضرت حکیم الامتہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوا تو مظاہر علوم سہارنپور سے فون آیا کہ خواص علماء نماز جنازہ میں شرکت کے لیے اسپیشل ریل گاڑی پر روانہ ہو چکے ہیں، لہذا انتظار کیا جائے، سہارنپور سے تھانہ بھون زیادہ دور نہیں، منٹوں کا سفر ہے، مگر اس کے باوجود چونکہ جنازہ تیار ہو چکا تھا اس لیے حضرت مولانا شبیر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو ولی تھے فرمایا کہ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا اور ان خواص کے بچنے سے قبل نماز جنازہ پڑھادی۔

(۲) میت کو مقام انتقال سے کسی دوسری جگہ منتقل کرنا؟

(۳) ولی میت کو جان بوجھ کر غائب کرنے کی مشہور حیلہ سازی کر کے نماز جنازہ کا حکمرا؟

(۴) مسجد یا مدرسہ کے لیے وقف زمین میں متولی یا کسی دوسرے کو دفن کرنا۔

امور اربعہ مذکورہ کی کراہت تنزیہیہ ہے یا تحریمیہ؟ اگر تنزیہیہ ہے تو علماء عوام و خواص نے جو ان امور کو مستقل

دستور العمل بنا لیا ہے اور واجب سے بھی زیادہ ان کا اہتمام کرنے لگے ہیں، کیا ان حالات میں بھی یہ کراہت تخریہ ہی رہے گی یا ان عوارض کے پیش نظر تحریمیہ بن جائے گی؟

(۵) مطالبات منوانے یا کسی حادثہ پر اظہار رنج و غم یا اظہار غیظ و غضب کے لیے ہڑتال کرنا۔

اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے حضرت حکیم الامتہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر مندرج احسن الفتاویٰ جلد نمبر ۶ ص ۱۲۲ ضرور مطالعہ فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

شریعت کی پابندی اور سنت کا اتباع سب کے ذمہ لازم ہے البتہ علماء کی ذمہ داری زیادہ ہے کہ ان کے قول و فعل کو لوگ دلیل بناتے ہیں بنا بریں ان کا کوئی بھی قول و فعل شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہیے، لہذا نماز جنازہ میں ضرورت سے زائد تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

”و کرہ تاخیر صلوتہ و دفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلوة الجمعة“

..... (در مختار: ۱/۱۲۳)

(۲) مستحب یہ ہے کہ جہاں انتقال ہوا ہے وہیں دفن کیا جائے اور دوسرے شہر منتقل کرنا خلاف مستحب ہے۔

”ان النقل من بلد الی بلد مکروہ قالہ قاضی خان وقد قال قبلہ لومات فی

غیر بلده یستحب ترکہ فان نقل الی مصر آخر لا بأس بہ لما روی ان یعقوب

صلوات اللہ علیہ مات بمصر ونقل الی الشام وسلمتہ بن ابی وقاص مات فی

ضیعة علی اربعة فراسخ من المدینة ونقل علی اعناق الرجال الی المدینة“

..... (مراقی الفلاح: ۳۳۷)

(۳) نماز جنازہ میں تکرار مشروع نہیں ہے اور اگر ولی کو جان بوجھ کر غائب کیا گیا تو اس حیلہ سازی سے حکم شرعی

نہیں بدلے گا، اور اللہ تعالیٰ تو علیم بذات الصدور ہے اس کو کون دھوکہ دے سکتا ہے۔

(۴) میت کو مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کرنا چاہیے گھر میں دفن ہونا انبیاء کرام کی خصوصیت ہے اور وقف

بر مدرسہ اور مسجد میں دفن کرنا شرائط واقف کے خلاف ہے جب کہ واقف کی شرط پر عمل کرنا قرآن و سنت کی طرح

ضروری ہے۔

”لا ینبغی ان یدفن المیت فی الدار ولو کان صغیرا لاختصاص هذه السنة

بالانبياء واقعات وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قوله فی الدار کذا فی

الحلیة عن منیة المفتی و غیرها وهو اعم من قول الفتح ولا یدفن صغیر ولا کبیر فی البیت الذی مات فیہ فان ذلک خاص بالانبیاء بل ینقل الی مقابر المسلمین الخ ومقتضاه انه لا یدفن فی مدفن خاص کما یفعلہ من ینی مدرسة ونحوها ویسنی له بقربها مدفنا..... (فتاویٰ شامی: ۱/۶۶، مراقی الفلاح:

(۳۳۶)

(۵) شرعاً اگر مطالبہ جائز ہو اور اس کے علاوہ اور کوئی صورت اس کے منوانے کی نہ ہو اور کسی خلاف شرع کام کا ارتکاب (مثلاً ایذاً مسلم وغیرہ) بھی نہ ہو تو ہڑتال کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مسجد کی حدود سے باہر میت رکھ کر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۳۷): بخدمت جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حضرت گزارش ہے کہ ہماری مسجد خالد لاہور چھاؤنی کی بڑی مساجد میں شمار ہوتی ہے، ہماری مسجد میں نماز جنازہ اس طرح ہوتی ہے کہ امام منبر میں مصلیٰ پر کھڑا ہوتا ہے اور مقتدی حضرات باقی مسجد میں جہاں نماز کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں وہیں رہتے ہیں اور جنازہ جو ہے وہ منبر میں قبلہ کی طرف کا دروازہ کھول کر مسجد کی حدود سے باہر رکھتے ہیں اور جنازے کی نماز ادا کی جاتی ہے، اور اس کا ریفرنس وہ حرم کعبہ اور مسجد نبوی دیتے ہیں۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ آیا اس طرح ہو سکتا ہے کہ امام اور چند مقتدی مسجد کی حدود سے باہر قبلہ کی طرف صف بنالیں اور باقی مقتدی مسجد کے اندر ہی ہوں، آیا کہ ان صورتوں سے نماز جنازہ ادا ہو جاتی ہے؟ اور جو لوگ نماز جنازہ پڑھنے آئے ہوئے ہیں ان کی نماز قبول ہوتی ہے؟ اور جس کا جنازہ پڑھا گیا ہے آیا اس کا جنازہ ادا ہو گیا یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اس طرح کرنا جائز ہے اگر بانی نیت کریں۔

”وفی الشامیة اما اذا عملنا بخوف تلویث المسجد فلا یکرہ اذا کان المیت خارج المسجد او مع بعض القوم قال فی شرح المنیة والیہ مال فی المبسوط والمحیط وعلیہ العمل وهو المختار: ۲/۲۲۵، تقریرات رافعی: ۱۴۱“

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

پیدائشی پاگل بالغ کی نماز جنازہ نابالغ والی ہوگی:

مسئلہ نمبر (۱۳۸): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بندہ پیدائشی پاگل ہے اور بالغ ہونے کے بعد فوت ہو گیا تو اب اس کا نماز جنازہ بالنعون والا پڑھا جائے گا یا نابالغوں والا؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں بشرط صحت بیان اگر جنون پیدائشی ہو اور بالغ ہونے کے بعد بھی رہا ہو تو اس کی نماز جنازہ نابالغوں والی ہوگی۔

”ولا يستغفر فيهابصبي ومجنون ومعتوه لعدم تكليفهم بل يقول بعد دعاء البالغين اللهم اجعله لنا فرطاً بفتح تحتين وفي الشامية تحت قوله ومجنون ومعتوه هذا في الاصل فان المجنون والعتوه الطائرين بعد البلوغ لا يسقطان الذنوب السابقة كما في شرح المنية“..... (در مختار: ۱/۲۱۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قبر پر لکھنا کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۳۹): بخد مت اقدس حضرت مفتی صاحب زید مجدکم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

کیا فرماتے ہیں علماء دین زیر بحث مسئلہ میں کہ

عمر کہتا ہے کہ قبر پر لکھنا جائز ہے کیونکہ بعض فقہی کتب سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے جب کہ زید کہتا ہے کہ لکھنا ناجائز ہے اور وہ بھی بعض فقہی کتب کا حوالہ پیش کرتا ہے، عمر کا کہنا ہے کہ اصحاب الرقیم سے بھی اس کا جواز ملتا ہے، زید کا کہنا ہے کہ ہماری شرع میں قبر پر لکھنے سے منع کر دیا گیا ہے، لہذا شریعت کی تکمیل کی صورت میں یہ ناجائز ہے بالخصوص ابوداؤد شریف کی جس روایت میں قبر کو پختہ کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں ”وان یکتب علیہ“ عمر کا کہنا ہے کہ بڑے بڑے اکابرین کی قبور پر لکھی ہوئی تختیاں موجود ہیں، زید کا کہنا ہے کہ بڑے بڑے اکابرین کی قبریں بغیر تختیوں کے بھی موجود ہیں۔

ایسے میں گزارش ہے کہ اصل مسئلہ سے سائل کو آگاہ کیا جائے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

”وعن جابر قال نهى رسول الله ﷺ ان تجصص القبور وان يكتب عليها وان توطأ..... قال المظهر يكره كتابة اسم الله ورسوله والقرآن على القبر لتلايهان بالجلوس عليه ويداس بالانهدام وقال بعض علمائنا وكذا يكره كتابة اسم الله والقرآن على جدار المساجد وغيرها قال ابن حجر واخذنا مننا انه يكره الكتابة على القبر سواء اسم صاحبه او غيره فى لوح عند رأسه او غيره قيل ويسن كتابة اسم الميت لاسيما الصالح ليعرف عند تقادم الزمان لان النهى عن الكتابة منسوخ كما قال الحاكم او محمول على الزائد على ما يعرف به حال الميت اه وفى قوله يسن محل بحث والصحيح ان يقال انه يجوز“..... (مرقاة المفاتيح: ١٢٦/٣)

”ويكره تجصيص القبر وتطيينه وكره ابو حنيفة البناء على القبر وان يعلم بعلامة وكره ابو يوسف الكتابة عليه ذكره الكرخى لماروى عن جابر عن النبى ﷺ انه قال لاتجصصوا القبور ولا تبنوا عليها ولا تقعدوا ولا تكتبوا عليها ولان ذلك من باب الزينة ولا حاجة بالميت اليها ولانه تضييع المال بلا فائدة فكان مكروها“..... (بدائع الصنائع: ٣٢٠/١)

”قوله ان تجصص القبور النهى عنه لما فيه من الزينة وتكلف وجوز الحسن البصرى التطيين وفى الخاتمة تطيين القبور لا باس به خلافا لما قاله الكرخى وقوله وان يكتب عليها اى اسم الله والقرآن واسم الرسول لتلايمتهن اويبول عليه حيوان“..... (حاشية الترمذى: ١/٣٢٩، مكتبه رحمانية)

”لا باس بالكتابة لان النهى عنها وان صحح فقد وجد الاجماع العملى بها فقد اخرج الحاكم النهى عنها من طرق ثم قال هذه الاسانيد صحيحة وليس العمل عليها فان ائمة المسلمين من المشرق الى المغرب مكتوب على قبورهم وهو عمل اخذ به الخلف عن السلف ويتقوى بما اخرج به ابو داود باسناد جيد ان رسول الله حمل حجرا فوضعها عند رأس عثمان بن مظعون

وقال اتعلم بها قبر اخي وادفن اليه من تاب من اهلي فان الكتابة طريق الى تعرف القبر بهانعم يظهر ان محل هذا الاجماع العملي على الرخصة فيها ما اذا كانت الحاجة داعية اليه في الجملة كما اشار اليه في المحيط وان احتيج الى الكتابة حتى لا يذهب الدر ولا يمتهن فلا بأس به فاما الكتابة بغير عذر فلا حتى انه يكره كتابة شيء عليه من القرآن او الشعر او اطراء مدح له ونحو ذلك حيلة ملخصاً..... (فتاوى شامى: ۲/۲۳۷)

”ويكره ان ينس على القبر او يقعد او ينام عليه او يوطأ عليه او يقضى حاجة الانسان من بول او غائط ان يعلم بعلامة من كتابة ونحوه كذافي التبيين“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۶۶)

ان تمام عبارات سے جو مسئلہ اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قبر پر ایسا کتبہ لگانا کہ جس میں قرآنی آیات ہوں یا کوئی حدیث ہو یا اسی طرح اشعار لکھنا مکروہ ہے، رہا یہ مسئلہ کہ آیا صرف میت کا نام اور تاریخ لکھنا بطور علامت کے اگرچہ بعض عبارات میں اس کی بھی کراہت معلوم ہوتی ہے، لیکن اللہ کے نبی ﷺ کا وہ عمل جو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر ایک پتھر رکھا تھا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامت کے طور پر کتبہ پر نام لکھنے کی گنجائش ہے، خصوصاً اولیاء اللہ اور علماء کی قبور پر۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

۱۰۔ ادن کے بعد میت کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۴۰): بخدمت جناب حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص دوہنی میں فوت ہوادوہنی کی حکومت نے میت کو ۸ یا ۱۰ دن بعد پاکستان لانے کی اجازت دی، اب ۱۰ دن کے بعد اس میت کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس حال میں کہ میت صحیح سلامت ہے، نہ اس میں بو وغیرہ پیدا ہوئی اور نہ ہی میت پھولی پھٹی

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اگر میت نہ پھولی نہ پھٹی ہو اور نہ اس پر وہاں نماز جنازہ پڑھی گئی ہو تو اس صورت میں یہاں اس پر نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے مزید تاخیر ہرگز نہ کریں۔

”وان دفن واهیل علیہ التراب بلاصلاة لامر اقتضى ذلك صلى على قبره.....
 مالم يتفسخ والمعتبر فيه اى فى التفسخ اكبر الرأى على الصحيح لاختلافه
 باختلاف الزمان والانسان قوله لامر اقتضى ذلك من نسيان وغيره قوله
 مالم يتفسخ اى تفرق اعضاؤه فان تفسخ لا يصلى عليه مطلقا لانها شرعت
 على البدن ولا وجود له مع التفسخ“.....(حاشية الطحطاوى على مراقى
 الفلاح: ۵۹۱، ۵۹۲)

”وان دفن واهیل علیہ التراب بغير صلاة او بها بلا غسل او ممن لا ولاية له
 صلى على قبره استحسانا مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير
 هو الاصح (تنبيه) ينبغى ان يكون فى حكم من دفن بلاصلاة من تردى فى
 نحو بئر او وقع عليه بنیان ولم يمكن اخراجه“.....(در مختار مع رد المحتار:
 ۱/۶۵۲)

”ولو دفن بعد الغسل قبل الصلاة عليه صلى عليه فى القبر مالم يعلم انه تفرق
 فلما جازت الصلوة على القبر بعد ما صلى على الميت مرة فلان تجوز فى
 موضع لم يصل عليه اصلا اولى“.....(بدائع الصنائع: ۲/۵۵)

”فان دفن بلاصلاة صلى على قبره مالم يتفسخ اقامة للواجب بقدر الامكان
 والمعتبر فى ذلك اكبر الرأى على الصحيح لانه يختلف باختلاف الزمان
 والمكان والاشخاص قوله فى المتن مالم يتفسخ لان بعد التفسخ يتشقق
 البدن ويتفرق والصلاة مشروعة على البدن“.....(تبيين الحقائق مع حاشية
 شلبى: ۱: ۲۳۰)

”وان دفن بلاصلاة صلى على قبره مالم يتفسخ) وقيد بعدم التفسخ لانه

لا یصلی علیہ بعد التفسخ لان الصلوة شرعت علی بدن الميت فاذا تفسخ لم یبق بدنه قائما..... (البحر الرائق: ۳۱۹، ۲/۳۲۰)

”وان دفن الميت ولم یصل علیہ صلی علی قبرہ لان النبی ﷺ صلی علی قبر امرأة من الانصار ویصلی علیہ قبل ان یتفسخ والمعتبر فی معرفة ذلك اكبر الراى فی الصحیح لا اختلاف الحال والزمان والمكان قال العینی ویصلی علیہ قبل ان یتفسخ یعنی انما تجوز الصلوة علی الميت فی قبرہ قبل ان یتفسخ الميت ویتمزق“..... (البناء شرح الہدایة: ۲۱۳، ۳/۲۱۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



فاسق نے نماز جنازہ پڑھائی تو وہ ادا ہوگئی:

مسئلہ نمبر (۱۴۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کو اس کی نانی نے وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ آپ نے پڑھانی ہے لیکن نانی کے خاندان والوں نے اس آدمی کو نماز جنازہ پڑھانے نہیں دی بلکہ کسی دوسرے آدمی سے نماز جنازہ پڑھوائی، جو ایسا آدمی تھا کہ جس کی بیوی کو اس آدمی کے باپ نے شہوت کی حالت میں ہاتھ لگایا تھا اور اب بھی وہ عورت سابقہ بیوی اس کے ساتھ رہتی ہے اور تمام لوگوں کو اس واقعہ کا علم بھی ہے، باوجود اس واقعہ کا علم ہونے کے انہوں نے اس آدمی سے نماز جنازہ پڑھوائی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس آدمی کا نماز جنازہ پڑھانا کیسا ہے؟ اور اس آدمی کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کا کیا حکم ہے؟ نیز باپ کا بیٹے کی بیوی کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا بیٹے کے لیے بیٹے کی بیوی کی حرمت کو ثابت کرتا ہے یا نہیں؟

براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں اگر واقعتاً اس شخص کے والد نے اس کی بیوی کو بغیر موٹے کپڑے کے ہاتھ لگایا اور اس کو شہوت آگئی یا پہلے سے شہوت تو تھی لیکن اس میں زیادتی آگئی (یعنی عضو تناسل میں سختی تھی تو اس سختی میں زیادتی ہوگئی) تو اس شخص کی بیوی اس کے لیے حرام ہوگئی اگر اب بھی اس نے سابقہ بیوی کو ساتھ رکھا ہوا ہے تو یہ شخص فاسق ہے اور فاسق کی امامت اگرچہ مکروہ تحریمی ہے لیکن جب نماز جنازہ پڑھا دی تو وہ ادا ہوگئی اب اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

” قوله وفاسق من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزاني واكل الربا ونحو ذلك كذافي البرجندي اسمعيل وفي المعراج قال اصحابنا لا ينبغي ان يقتدى بالفاسق الا في الجمعة لانه في غيرها يجداما غيره اه..... قال في الفتح وعليه فيكره في الجمعة اذا تعددت اقامتها في المصر على قول محمد المفتي به الاسبيل الى التحول“..... (فتاوى شامى: ١/٣١٣)

” واما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بانه لا يهتم لامر دينه وبان في تقديمه..... لا تزول العلة فانه لا يؤمن ان يصلى بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره امامته بكل حال بل مشى في شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا“..... (فتاوى شامى: ١/٣١٣)

” فنقول تقديم الفاسق للامامة جائز عندنا ويكره وقال مالك رضى الله عنه لا تجوز الصلاة خلف الفاسق لانه لما ظهرت منه الخيانة في الامور الدينية فلا يؤتمن في اهم الامور الا ترى ان الشرع اسقط شهادته لكونها امانة..... ولنا حديث مكحول ان النبي ﷺ قال الجهاد مع كل امير والصلاة خلف كل امام والصلاة على كل ميت“..... (المبسوط سرخسى: ١/١٣٣)

” ومن مسته امرأة بشهوة حرمت عليه امها وبناتها..... ولنا ان المس والنظر سبب داع الى الوطى فيقام مقامه في موضع الاحتياط ثم ان المس بشهوة ان ينتشر الآلة او تزاد انتشارا هو الصحيح“..... (هداية: ٢/٣٢٩)

” فمن زنى بامرأة حرمت عليه امها وان علت وابنتها وان سفلت وكذا تحرم المزنى بها على آباء الزانى واجداده وان علوا وابناءه وان سفلوا كذافي فتح القدير..... وكما ثبت هذه الحرمة بالوطء ثبت بالمس والتقبيل والنظر الى الفرج بشهوة هكذا في الذخيرة“..... (فتاوى الهندية: ١/٢٤٢)

والله تعالى اعلم بالصواب

جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کا حکم:

- مسئلہ نمبر (۱۴۲): (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب گھر سے جنازہ اٹھایا جاتا ہے تو چند آدمی راستے میں کلمہ طیبہ کا بلند آواز سے ذکر کرتے ہیں تو شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟
- (۲) جب نماز جنازہ ہو جاتا ہے تو پھر اجتماعی دعا کی جاتی ہے تو شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟
- (۳) جنازے کی دعا کے بعد حیلہ اسقاط کیا جاتا ہے جو کہ چند لوگ کرتے ہیں، حیلہ اسقاط کا شریعت میں کیا حکم ہے؟
- (۴) میت قبر میں رکھنے سے پہلے امام مسجد قبر میں اتر کر اذان دیتا ہے اور پھر سورۃ یس یا آیۃ الکرسی پڑھتا ہے تو اس طرح کرنا کیسا ہے؟ ان تمام مسائل کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

فقہ حنفی کی معتبر کتاب مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مع حاشیہ الطحاوی ۳۳۲ میں ہے۔

”ویکره رفع الصوت بالذکر والقرآن وعليهم الصمت وقولهم کل حی سیموت ونحن ذلک خلف الجنازة بدعة وفي الطحطاوی ویکره رفع الصوت قبل یکره تحریمًا کما فی الہقستانی عن القنیة“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ کلمہ طیبہ یا تلاوت وغیرہ بلند آواز سے کرنا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے، البتہ دل میں ذکر کرنا جائز ہے۔

(۲) مشہور حنفی محدث ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”لا یدعو اللمیت بعد صلوة الجنازة لانه يشبه الزیادة فی صلوة الجنازة“

..... (مرفقات شرح مشکوٰۃ: ۱۲۹/۳)

نیز البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے۔

”وقید بقوله بعد الثالث لانه لا یدعو ابعد التسليم کما فی الخلاصة“

..... (البحر الرائق: ۱۹۷/۲)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ خود دعا ہے اس کے سلام کے بعد پھر اجتماعی دعا کرنا نماز جنازہ میں زیادتی اور اضافہ کے مشابہ ہے اس لیے اس کو ترک کرنا ضروری ہے، البتہ بیعت جنازہ ختم کر کے بیٹھ کر دعاء کی گنجائش ہے کیونکہ علت کراہت ختم ہو جاتی ہے۔

(۳) اگر میت کے ذمہ کئی نمازیں روزے وغیرہ ہوں اور اس نے کچھ مال چھوڑا ہو اور وصیت کی ہو کہ میری نمازوں اور روزوں کا فدیہ دے دینا اور مال ناکافی ہے تو حیلہ کر سکتے ہیں تاکہ اس کے تمام روزوں اور نمازوں کا فدیہ ادا ہو جائے۔

”فحيلة لبراء ذمة الميت عن جميع ما عليه ان يدفع ذلك المقدار اليه بعد تقديره لشيء من صيام او صلوٰۃ او نحوه ويعطيه الفقير بقصد اسقاط ما يرد عن الميت فيسقط عن الميت بقدره ثم بعد قبضه يهبه الفقير للولي او للاجنبي ويقبضه الخ“..... (مراقى الفلاح على هامش الطحطاوى: ۲۳۹)

(۴) ”قال ابن عابدين الشامي رحمه الله تعالى في الاقتصار على ما ذكر من الوارداشارة الى انه لايسن الاذان عند ادخال الميت في قبره كما هو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر في فتاويه بانه بدعة“..... (فتاوى شامى: ۲/۲۳۵)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر پر اذان اور قبر میں داخل ہو کر جو کچھ امام موصوف کرتا ہے وہ سب خلاف سنت ہے اور بدعت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

اگر میت ایک سے زائد ہوں تو نماز جنازہ الگ الگ پڑھنا بہتر ہے:

مسئلہ نمبر (۱۴۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک سے زائد میتیں ہوں تو ان کا ایک نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا الگ الگ پڑھنا ضروری ہے؟ اگر پڑھنا جائز ہے تو میت رکھنے کا طریقہ کیا ہوگا؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اگر جنازے ایک سے زائد ہوں تو بہتر یہ ہے کہ الگ الگ نماز جنازہ ادا کیا جائے اور سب پر ایک ہی مرتبہ نماز جنازہ کافی اور جائز ہے، فقہاء کرام نے متعدد جنازے رکھنے کے تین طریقے بیان فرمائے ہیں جن میں بہتر اور افضل طریقہ یہ ہے کہ سب کو امام کے سامنے رکھا جائے، اگر تمام جنس واحد میں سے ہوں تو افضل کو امام کے قریب رکھا جائے اور اگر مخلوط ہوں تو سب سے پہلے مرد پھر بچے پھر خنثی پھر عورتیں پھر بچیاں۔

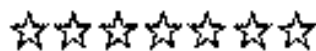
”اذا اجتمعت الجنائز للصلاة قالوا الامام بالخيار ان شاء صلى عليهم دفعة

واحدة وان شاء صلى على كل جنازة صلاة على حدة فان اراد الثاني فالافضل ان يقدم الافضل فالافضل فان لم يفعل فلا باس به واما كيفية وضعها فان كان الجنس متحدا فان شاوروا جعلوها صفا واحدا كما يصطفون في حال حياتهم عند الصلاة وان شاوروا وضعوا واحدا بعد واحد مما يلي القبلة ليقوم الامام بحذاء الكل واذوا وضعوا واحدا بعد واحد ينبغي ان يكون الافضل مما يلي الامام وان اختلف الجنس وضع الرجل بين يدي الامام ثم الصبي وراءه ثم الخنثى ثم المرأة ثم الصبية (البحر الرائق : ٣٢٨، ٣٢٩/٢)

”اجتمعت الجنائز فافراد الصلوة على كل واحدة اولى من الجمع وتقديم الافضل افضل وان جمع جاز ثم ان شاء جعل الجنائز صفا واحدا وقام عند افضلهم وان شاء جعلها صفا مما يلي القبلة واحدا خلف واحد بحيث يكون صدر كل جنازة مما يلي الامام ليقوم بحذاء صدر الكل قوله وان جمع جاز اي بان صلى على الكل صلاة واحدة (فتاوى شامى : درمع الرد / ١)

”ولو اجتمعت الجنائز يغير الامام ان شاء صلى على كل واحد على حدة وان شاء صلى على الكل دفعة بالنية على الجميع كذا في معراج الدراية وهو في كيفية وضعهم بالخيار ان شاء وضعهم بالطول سطرًا واحدا ويقف عند افضلهم وان شاء وضعهم واحد وراء واحد الى جهة القبلة وترتيبهم بالنسبة الى الامام كترتيبهم في صلاتهم خلفه حالة الحياة فيقرب منه الافضل فالافضل فيصف الرجال الى جهة الامام ثم الصبيان ثم الخنثى ثم النساء ثم المراهقات ولو كان الكل رجلا روى الحسن عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى يوضع افضلهم واسنهم مما يلي الامام (فتاوى الهندية : ١/١٦٥)

والله تعالى اعلم بالصواب



تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۳۴): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام مذکورہ مسائل کے بارے میں

- (۱) ہمارے علاقے میں تعزیت کا یہ طریقہ رائج ہے کہ لوگ ہاتھ اٹھا کر فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں اور واپس جاتے وقت دعائے خیر کرتے ہیں لوگ ان دونوں چیزوں کو ضروری بھی سمجھتے ہیں جب کہ بعض لوگ ہاتھ بلند نہیں کرتے۔ مہربانی فرما کر قرآن و سنت و اجماع و قیاس کی روشنی میں تعزیت کی شرعی حیثیت اور شرعی طریقہ کار بتادیں۔
- (۲) دوسرا مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ بیوی کے مرنے کے بعد شوہر کے ساتھ اس کا تعلق رہتا ہے یا نہیں؟ جب کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیوی کی موت کے بعد شوہر نہ اسے دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اسے چھو سکتا ہے، اب شوہر اس کے لیے مثل اجنبی کے ہے، نیز عورتوں کی عدم موجودگی میں شوہر مردہ بیوی کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی وضاحت فرمادیں۔ شکریہ

الجواب باسم الملك الوهاب

- (۱) تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ہمارے علم میں نہیں، کیونکہ حدیث شریف میں تعزیت کا جو طریقہ منقول ہے اس میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں۔

”وفی المرقات وقال وهذا الحدیث اصل فی التعزیه ولذا قال الجزری فی الحوض فاذا عزوا احدا یسلم ویقول ان لله ما اخذوله ما اعطى وکل شیء عنده باجل مسمى فلتصبر“..... (مرقات المفاتیح: ۸/۱۷۸)

اور مطلق دعا کے آداب میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا درست ہے، نیز اگر میت کے لیے استغفار مقصود ہو تو ہاتھ اٹھانا حدیث سے ثابت ہے۔

- (۲) بیوی کی وفات کے بعد شوہر کا اس سے دنیاوی اعتبار سے تعلق ختم ہو چکا ہے لہذا اس کو چھونا بلا حائل درست نہیں، اور دیکھنا درست ہے، لیکن مجبوری میں غسل دینا جب کہ کوئی عورت موجود نہ ہو اور بغیر دستاؤں یا لفافوں کے نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے، اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

”واما الاجنبی فبحرقۃ علی یدہ ویغض بصرہ عن ذراعیہا وکذا الرجل فی امرأته“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۶۰)

نیز بیوی کی وفات کے بعد شوہر اسے دیکھ سکتا ہے جیسا کہ شامی میں ہے۔

”قال فی التنویر ویمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر الیہا علی الاصح“..... (در مع رد المحتار: ۱/۶۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

قبرستان کے راستے سے گزرنے کا حکم:

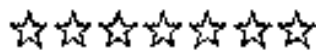
مسئلہ نمبر (۱۳۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے قبرستان کے ساتھ ایک جگہ خریدی ہے جو پانچ مرلے کا پلاٹ ہے اس جگہ کو کوئی رستہ نہیں لگتا اور ہم نے دروازہ قبرستان کی طرف لگایا لوگوں نے دروازہ لگانے سے منع کر دیا خیر دروازہ ہم نے لگایا ہے، تو ہم اس قبرستان کے راستے سے گزر سکتے ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اگر واقعی آپ کے گزرنے کے لیے کوئی اور راستہ نہیں ہے تو آپ کے لیے قبرستان سے گزرنا جائز ہے۔

”وسئل ایضا عن له بقعة مملوكة بين المقابر يريد ان يتصرف فی تلك البقعة ولا طریق له الا على المقابر هل له ان يتخطى المقابر فقال ان كان الاموات فی التوابیت فلا بأس به قال رضی اللہ عنہ وکذا لک ان کانوا فی غیر التوابیت کذا فی التاتارخانیة“..... (فتاویٰ الہندیة: ۵/۳۵۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

**جنازہ میں دوسری مرتبہ شرکت کرنے کا حکم:**

مسئلہ نمبر (۱۳۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا ایک دوست گھر سے دور فوت ہو گیا اور ہم نے اس کا جنازہ وہیں پڑھا اور ہم اس کی میت کو لے کر اس کے گھر آئے جہاں اس میت کے اولیاء موجود تھے میت کے اولیاء نے اس کا جنازہ پڑھا اور ہم بھی اس جنازہ میں شریک ہو گئے تو ہمیں ایک مولوی صاحب نے کہا کہ تمہارا جنازے میں دوبارہ شریک ہونا درست نہیں ہے، برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں بتائیں کہ ہمارا جنازے میں دوبارہ شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

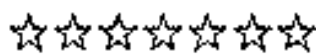
صورت مسئلہ میں ایک بار جنازہ پڑھنے کے بعد انہی افراد کا دوبارہ اسی میت کے جنازے کی نماز میں شریک ہونا ناجائز ہے۔

”قلنا لیس لمن صلی علیہا ان یعید مع الولی لان تکرارها غیر مشروع قال

الشامی فلیس لمن صلی اولا ان یعید مع الولی لان اعادته تكون نفلا من کل وجه بخلاف الولی لانه صاحب الحق هذا ما ظهر لی فتامله (قوله غیر مشروع) ای عندنا وعند مالک خلافا للشافعی رحمه الله..... (رد المحتار: ۱/۶۵۲)

”ولان الفرض قد سقط بالفعل مرة واحدة لكونها فرض كفاية ولهذا ان من لم یصل لو ترک الصلوٰۃ ثانيا لا یأثم واذ سقط الفرض فلو صلی ثانيا كان نفلا والتفعل لصلاة الجنائز غیر مشروع“..... (بدائع الصنائع: ۲/۴۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



زوجین میں سے اگر ایک فوت ہو جائے تو کیا دوسرا اس کو دیکھ سکتا ہے؟

مسئلہ نمبر (۱۳۷): کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین دریں مسئلہ کہ عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ زوجین میں سے اگر کوئی ایک وفات پا جائے تو دوسرے کو یعنی شوہر کو بیوی کی میت کا دیکھنا ہاتھ لگانا قبر میں اتارنے کی غرض سے یا میت کو غسل یا کفن پہنانے کی غرض سے ناجائز و حرام ہے، اسی طرح عورت کو بھی اپنے شوہر کی میت کا چہرہ دیکھنا یا غسل دینا حرام ہے، آیا دوسرے صحابہ کرام میں ایسی کوئی مثال ملتی ہے کہ انہوں نے اس کو حرام سمجھا ہو، کیا حضرت صدیق اکبر نے وصیت کی تھی کہ میری بیوی میری میت کو غسل دے، اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ کا چہرہ مطہر نہیں دیکھا تھا یا قبر میں نہیں اتارا تھا؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عطا فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر شوہر فوت ہو جائے تو بیوی شوہر کو غسل بھی دے سکتی ہے اور دیکھ بھی سکتی ہے، جب کہ شوہر صرف چہرہ اور ہتھیلیاں اور قدمین کو تو دیکھ سکتا ہے مگر غسل نہیں دے سکتا، اور نہ ہی بغیر حائل کے ہاتھ لگا سکتا ہے۔

”قوله وهي لا تمنع من ای من تغسل زوجها دخل بها اولا كفاية المعراج ومثله في البحر عن المجتبى قلت ای لانها تلزمها عدة الوفاة ولو لم يدخل بها وفي البدائع المرأة تغسل زوجها لان اباحة الغسل مستفادة بالنكاح فتبقى ما بقى النكاح والنكاح بعد الموت باق الى ان تنقضي العدة بخلاف

ما اذا ماتت فلا يغسلها لانتهاء ملك النكاح لعدم المحل فصار اجنبيا وهذا
اذالم يثبت البينونة بينهما في حال حيوة الزوج فان ثبت بان طلقها باننا
او ثلاثا ثم مات لا تغسل لارتفاع الملك بالابانة“..... (فتاوى
شامى: 1/633)

”ويجوز للمرأة ان تغسل زوجها اذالم يحدث بعد موته ما يوجب البينونة من
تقبيل ابن زوجها او ابنة وان حدث ذلك بعد موته لم يجز لها غسلها
واما هو فلا يغسلها عندنا كذا في السراج الوهاج“..... (فتاوى الهندية:
1/160)

”لامن النظر اليهما على الاصح عزاه في المنح الى القنية ونقل عن الخانية انه
اذا كان للمرأة محرم يمسها بيده واما الاجنبى فبحرقه على يده ويغض بصره
عن ذراعها وكذا الرجل في امراته الا في غض البصراه ولعل وجهه ان النظر
اخف من المس فجاز لشبهة الاختلاف والله اعلم“..... (فتاوى شامى:
1/633)

والله تعالى اعلم بالصواب



قبر کو پکا کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۳۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبر کو پکا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

قبر کو پکا کرنا اگر زینت کی بناء پر ہو تو حرام ہے اور اگر مضبوطی کے لیے ہو تو مکروہ ہے البتہ اگر صرف مٹی سے
لیپ دیا جائے تو جائز ہے۔

”ولايجصص للنهي عنه ولايطين ولايرفع عليه بناء قوله وقيل لا بأس به
وهو المختار المناسب ذكره عقب قوله ولايطين لان عبارة السراجية كما نقله
الرحمى ذكر في تجريد ابى الفضل ان تطيب القبور مكروه والمختار انه
لايكروه“..... (رد المحتار: 1/622)

قبر کے اوپر ٹھیکریاں یا اینٹ اگر بغیر سیمنٹ کے ہوں اور مقصد یہ ہوتا کہ قبر چوپاؤں سے محفوظ رہے تو یہ جائز ہے ورنہ مکروہ ہے۔

”انما یکرہ الآجر اذا ریدہ بہ الزینۃ اما اذا ریدہ دفع اذی السباع او شیء آخر

لایکرہ“..... (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۱۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کو تابوت میں دفن کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۴۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ ملازمت کے سلسلہ میں لندن میں مقیم ہے اور یہاں کا قانون ہے کہ اگر کوئی فوت ہو جائے چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم میت کو تابوت میں بند کر کے دفن کیا جاتا ہے تو کیا ہم مسلمانوں کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

ضرورت کی بناء پر تابوت میں میت کو بند کر کے دفن کرنا درست ہے، البتہ بغیر ضرورت کے ایسا کرنا مکروہ

ہے۔

”ولا بأس باتخاذ تابوت ولو من حجر او حديد له عند الحاجة كرخاوة الارض“

..... (در مختار: ۱/۱۲۳)

”قوله ولا بأس باتخاذ تابوت الخ ای برخص ذلك عند الحاجة والا کرہ

كما قدمناه آنفا“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۲۶۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

عورتوں کا قبرستان میں جانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۵۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام و علمائے عظام رہنمائے امت محمدیہ و ورثاء انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورتوں کا قبرستان میں جانا جائز ہے یا ناجائز، تفصیل بھی بتادیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہے مذکورہ شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے مثلاً پردہ کے ساتھ ہو، محرم ساتھ ہو، راستہ پر امن ہو، جزع فزع نہ کرتی ہو، قتلوں سے محفوظ ہو۔

”قال في البدائع ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للاموات ان كانوا مؤمنين من غير وطء القبور لقوله عليه السلام اني نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها ولعمل الامة من لدن الرسول ﷺ الى يومنا هذا اه وصرح في المجتبى بانها مندوبة وقيل تحرم على النساء والاصح ان الرخصة ثابتة لهما“.....(البحر الرائق: ۴/۳۴۲)

”ولا بأس بزيارة القبور وهو قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى وظاهر قول محمدرحمه الله تعالى يقتضى الجواز للنساء ايضا لانه لم يخص الرجال وفي الاثرية واختلف المشائخ رحمه الله تعالى في زيارة القبور للنساء قال شمس الائمة السرخسى الاصح انه لا بأس بها“.....(فتاوى الهندية: ۵/۳۵۰)

”قال الترمذى قدرأى بعض اهل العلم ان هذا كان قبل ان يرخص النبي ﷺ في زيارة القبور فلما رخص دخل في رخصة الرجال والنساء قال القارى وهذا هو الظاهر وقال بعضهم انما كره زيارة القبور للنساء لقلة صبرهن وكثرة جزعهن انتهى قال القارى هذا المبحث موقوف على التاريخ والافظاھر هذا الحديث العموم لان الخطاب في نهيتكم كما انه عام للرجال والنساء على وجه التعليم او اصاله الرجال فكذلك الحكم في فزوروها مع ان ما قيل من ان الرخصة عامة لهن واللعن قبل الرخصة مبنى على الاحتمال ايضا..... وكذلك ما اخرج به البخارى ان النبي ﷺ مر بامرأة تبكى عند قبر فقال اتقى الله واصبرى الحديث ولم ينكر عليه الزيارة وكذلك ما رواه الحاكم ان فاطمة بنت رسول الله ﷺ كانت تزور قبر عمها حمزة رضى الله عنه كل جمعة فتصلى وتبكى عنده فالصواب الذى ينبغى الاعتماد عليه هو جواز

الزيارة للنساء اذا كان الامن من تضييع حق الزوج والتبرج والجزع والفرع
ونحو ذلك من الفتن لان الزيارة علل بتذكر الموت ويحتاج اليه الرجال
والنساء فلا مانع من الاذن لهن..... (بذل المجهود: ۲۱۳، ۲۱۵/۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قادیانی کا جنازہ لاعلمی میں پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۵۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص لاعلمی میں کسی کو مسلمان سمجھ کر اس کا نماز جنازہ پڑھاتا ہے بعد میں معلوم ہوا کہ میت مذکورہ مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد و نظریات پر عمل پیرا تھا، جو کہ بالاتفاق مرتد و زندقہ ہیں، برائے کرم قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں جنازہ پڑھانے والے شخص کا حکم بیان فرما کر ہماری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر واقعی اس شخص نے لاعلمی میں میت کو مسلمان سمجھ کر نماز جنازہ پڑھایا ہے تو یہ شخص مرتد نہیں ہوا اور نہ ہی تجدید ایمان و نکاح کی ضرورت ہے، البتہ بے احتیاطی ہوئی ہے کیونکہ تحقیق نہیں کی گئی اس لیے توبہ و استغفار کریں۔

”فلانم لانه خطأ وهو مرفوع بالحديث قوله بالحديث وهو قوله عليه الصلوة

والسلام رفع عن امتي الخطأ والنسيان معناه رفع مآثم الخطأ تقاني“

..... (فتاویٰ شامی: ۵/۱۲۶)

”في التارخانيه لا يكفر بالمحتمل لان الكفر نهاية في العقوبة فيستدعي نهاية

في الجنابة ومع الاحتمال لانهاية“..... (البحر الرائق: ۵/۲۱۰)

”وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح وظاهره انه

امر احتياط“..... (فتاویٰ شامی: ۳/۳۱۶)

”وما كان خطأ من الالفاظ ولا يوجب الكفر فقائله يقر على حاله ولا يؤمر

بتجديد النكاح ولكن يؤمر بالاستغفار والرجوع عن ذلك“..... (فتاویٰ

شامی: ۳/۳۲۸)

”واجتمع المسلمون على انه لا يجوز ترك الصلاة على جنائز المسلمين من

اهل الكبائر كانوا او صالحين“..... (تفسیر قرطبی: ۳/۲۲۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تعزیت کتنے دن تک کی جا سکتی ہے؟

مسئلہ نمبر (۱۵۲): کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل کے بارے میں

(۱) اگر کسی کے گھر فوتگی ہو جائے تو ان کے ہاں تعزیت کے لیے کتنے دن جانا جائز ہے۔

(۲) تعزیت ایک بار کرنا ہے یا دو بارہ بھی کر سکتے ہیں؟

(۳) ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جب کہ ضروری نہ جانے اور بغیر رسومات کی پابندی کے جائز ہے یا کہ ناجائز؟ جیسا کہ

بعض مقامات پر بڑے بڑے علماء کا معمول دعا کرتے دیکھا گیا ہے اور ایک محقق عالم نے لکھا کہ آنحضرت ﷺ نے

”رفع یدیه ثم قال اللهم اغفر لعبیدی عامر رضی اللہ عنہ“..... (صحیح مسلم: ۲/۲۱۳)

راہ سنت علامہ نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ ”فیہ استحباب الدعاء والاستحباب رفع

الیدین فیہ“ اور شاہ محمد اسحاق صاحب نے سائل اربعین مسئلہ نمبر ۳۲ میں لکھا ہے کہ میت کے لیے دعا کرنا مستحب

ہے، ہاں سورۃ الفاتحہ کی تخصیص ثابت نہیں ہے، بحوالہ عالمگیری، اب آپ ارشاد فرمائیں کہ دعا کو ضروری نہ سمجھتے ہوئے

اور رسومات کی پابندی کیے بغیر دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ کا فیصلہ ہمارے لیے سندر ہے گا جواب نہایت ہی مختصر ہو،

شکریہ۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) میت کے اہل خانہ کے ساتھ تین دن تک تعزیت کرنا جائز ہے، علم ہونے کے وقت سے اور تین دن کے بعد

مکروہ ہے۔

”ووقتها من حين يموت الى ثلاثة ايام ويكره بعدها الا ان يكون المعزى

او المعزى اليه غائبا فلا بأس بها“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۶۷)

”ووقتها من حين يموت الى ثلاثة ايام واولها افضل وتكره بعدها لان

تجدد الحزن وهو خلاف المقصود منها لان المقصود منها ذكر ما يسلى

صاحب الميت ويخفف حزنه ويحضه على الصبر كما نبهنا الشارع على هذا المقصود في غير ما حديثه اه..... (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ٢١٨)

”ووقتها من حين يموت الى ثلاثة ايام وتكره بعد ذلك لانها تجدد الحزن الا ان يكون المعزى او المعزى غائبا فلا بأس بها اه..... (الجوهرة النيرة: ١/١٣٣)

(٢) تعزيت صرف ایک بار کریں دو بارہ کرنا مناسب نہیں ہے۔

”وروى الحسن بن زياد اذا عزى اهل الميت فلا ينبغي ان يعزیه مرة اخرى اه..... (فتاوى الهندية: ١/١٦٤)

”ولا ينبغي لمن عزى مرة ان يعزى اخرى..... (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ٢١٩)

(٣) اس دعا میں میت کے لیے مغفرت طلب کرنا ہے لہذا جو دعا بھی علی شاکلہ الاذکار نہ ہو تو اس میں بلا کراہت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے۔

”واما عند الصفا والمروة وعرفات فيرفعهما كالدعاء والرفع فيه وفي الاستسقاء مستحب فيسقط يديه حذاء صدره نحو السماء لانها قبله الدعاء قوله كالدعاء اي كما يرفعهما لمطلق الدعاء في سائر الامكنة والازمنة على طبق ماوردت به السنه ومنه الرفع في الاستسقاء فانه مستحب كما جزم به في القنية خزائن..... (در مختار مع الدر المختار: ١/٣٤٥)

”فائدة، واعلم ان الادعية بهذه الهيئة الكذائية لم تثبت عن النبي ﷺ ولم يثبت عنه رفع الايدي دبر الصلوات في الدعوات الا اقل قليل ومع ذلك وردت فيه ترغيبات قولية والامر في مثله ان لا يحكم عليه بالبدعة فهذه الادعية في زماننا ليست بسنة بمعنى ثبوتها عن النبي ﷺ وليست ببدعة بمعنى عدم اصلها في الدين والوجه فيه ما ذكرته في رسالتي نيل الفرقدين ص ١٣٣، ان اكثر دعاء النبي ﷺ كان على شاکلہ الذكر لا يزال لسانه

رطباه و يبسطه على الحالات المتواردة على الانسان من الذين يذكرون الله قياما و قعودا و على جنوبهم يتفكرون في خلق السموات و الارض و مثل هذا في دوام الذكر على الاطوار لا ينبغي له ان يقصر امره على الرفع فان حالة خاصة لمقصد جزى و هو دعاء المسئلة فان ذقت هذا نفس عن كرب ضاق بها الصدر لان الرفع بدعة فقد هدى اليه في قوليات كثيرة و فعله بعد الصلوة قليلا و هكذا شأنه في باب الاذكار و الاوراد اختار لنفسه ما اختاره الله و بقي اشياء رغب فيها للامة فان التزم احدنا الدعاء بعد الصلوة برفع اليد فقد عمل بما رغب فيه و ان لم يكثره بنفسه فاعلم ذلك اه..... (فيض الباري : ٢/١٦٤)

”ومن هذا الباب رفع اليدين بعد الصلوات للدعاء قل ثبوته فعلا و كثر فضله قولا فلا يكون بدعة اصلا فمن ظن ان الفضل فيما ثبت عمله ﷺ به فقط فقد حاد عن طريق الصواب و بنى اصلا فاسدا يخبرك عن البناء مع ان ادعية النبي ﷺ قد اخذت ما اخذ الاذكار و ليس في الاذكار رفع الايدي و نحن في جلجتنا..... اذالم نقر بالاذكار فينبغي لنا ان لا تحرم من الادعية و نرفع لها الايدي لثبوته عنه عقيب النافلة و ان لم يثبت بعد المكتوبة فاذا ثبت جنسه لم تكن بدعة اصلا مع ورود القولية في فضله“..... (فيض الباري : ٢/٣٣١)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ کی تکبیریں اگر دہ جائیں تو کیا کرے؟

مسئلہ نمبر (۱۵۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ان مسائل کے بارے میں

- (۱) نماز جنازہ ہو رہا ہے اسی اثناء میں ایسے شخص آئے جنہوں نے پہلی اور دوسری تکبیر نہیں پائی کیا امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ دونوں تکبیریں کہے گا؟ اور کیا ان دونوں تکبیروں میں کچھ پڑھے گا یا نہیں؟ اور کس طرح پڑھے گا؟
- (۲) نماز جنازہ مسجد میں ادا کرنا کیسا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی جاتی ہے اس لیے ہم بھی مسجد میں ادا کرتے ہیں۔

(۳) جنہوں نے نماز جنازہ پڑھی ہے وہ بھی ایصالِ ثواب میں داخل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) امام کے سلام پھیرنے کے بعد اگر تحمید و ثناء وغیرہ پڑھنے تک جنازہ کی چارپائی اٹھائی جائے گی تو صرف دو تکبیریں پڑھ کر سلام پھیرے کیونکہ تکبیرات جنازہ میں رکن ہیں۔

”يقضى ما فاته بغير دعاء لانه لو قضى الدعاء رفع الميت فيقوت له التكبير
واذا رفع الميت قطع التكبير لان الصلاة على الميت ولا ميت يتصور الخ“
..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۵)

”واما ركنها فالتكبيرات والقيام واما سننها فالتحميد والثناء والدعاء فيها اه
فقد صرح بان الدعاء سنة وقولهم فى المسبوق يقضى التكبير نسقا بغير دعاء
يدل عليه“..... (البحر الرائق: ۲/۳۱۵)

(۲) مسجد میں جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، مسجد حرام متشکی ہے اس پر آپ قیاس نہیں کر سکتے۔

”وصلوة الجنابة فى المسجد الذى تقام فيه الجماعة مكروهة سواء كان
الميت والقوم فى المسجد او كان الميت خارج المسجد والقوم فى
المسجد او كان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقى فى
المسجد او الميت فى المسجد والامام والقوم خارج المسجد هو المختار
كذافى الخلاصة ولا تکره بعذر المطر ونحوه هكذا فى الكافى“..... (فتاوى
الهندية: ۱/۱۶۵)

(۳) تین روز تک تعزیت کر سکتے ہیں، کچھ دینی باتیں کریں تاکہ میت کے گھر والوں کو صبر آئے، بلکہ جنازہ میں شریک ہونے کا زیادہ ثواب ہے اور پتایا گیا ہے کہ مسنون ہے۔

”التعزية لصاحب المصيبة حسن كذافى الظهيرية ووقتها من حين يموت
الى ثلاثة ايام ويكره بعدها الا ان يكون المعزى او المعزى اليه غائبا فلا بأس
بها..... ويستحب ان يقال لصاحب التعزية غفر الله تعالى لميتك وتجاوز عنه

وتغمدہ برحمته ورزقک الصبر علی مصیبتہ واجرک علی موتہ“

.....(فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۶۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ کے فوراً بعد دعا کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۵۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ان مسائل کے متعلق

(۱) نماز جنازہ کے فوراً بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جنازہ کے ساتھ ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا اور گھر سے قبرستان تک قدم شمار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نیز نماز جنازہ کے فوراً بعد قرآن کا دورہ کرنا جس کو ہماری بستی کے لوگ حیلہ اسقاط کہتے ہیں (جس کا طریقہ

یہ ہے کہ بڑا جنازہ ہو تو پینتیس یا چالیس آدمی اور اگر چھوٹا جنازہ ہو تو پندرہ یا بیس آدمی گول دائرہ بنا کر کھڑے ہو جاتے

ہیں، اور قرآن مجید پر مٹھائی اور کچھ رقم رکھ کر گھماتے ہیں یعنی ہر آدمی کے ہاتھ میں دیتے ہیں جس میں امیر وغریب

سب ہوتے ہیں، اکثر طور پر دائرے میں کھڑے ہونے والے امیر لوگ ہوتے ہیں اور آخر میں سب کچھ مولوی

صاحب کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے، مولوی صاحب اپنی ملکیت میں کر کے پھر دعا کرتے ہیں، اس کو وہ لوگ حیلہ

اسقاط کہتے ہیں، برائے مہربانی حیلہ اسقاط کی صحیح صورت تحریر فرمائیں قرآن و سنت کی روشنی میں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) بشرط صحت سوال نماز جنازہ کے فوراً بعد ہاتھ اٹھا کر بہ ہیئت اجتماعیہ کھڑے ہو کر دعا کرنا مکروہ ہے۔

”اذافرغ من الصلوٰۃ لایقوم داعیالہ“.....(فتاویٰ سراجیہ معہ قاضی

خان: ۱/۱۳۱)

(۲) جنازہ کے ساتھ ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے البتہ آہستہ دل ہی دل میں ذکر کر سکتا ہے، اور گھر سے

قبرستان تک قدم شمار کرنا اس کی شریعت میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

”وعلی متبعی الجنازۃ الصمت ویکرہ لہم رفع الصوت بالذکر وقراءۃ

القرآن کذا فی شرح الطحاوی فان اراد یذکر اللہ یذکرہ فی نفسہ کذا فی

فتاویٰ قاضی خان“.....(فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۶۲)

”ویکره رفع الصوت بالذكر فان اراد ان يذكر الله يذكره في نفسه“

.....(قاضی خان علی الہندیہ: ۱/۱۹۰)

”قوله كما كره الخ قيل تحريما وقيل تنزيها كما في البحر عن الغاية وفيه عنها
وينبغي لمن تبع الجنازة ان يطيل الصمت وفيه عن الظهيرية فان اراد ان
يذكر الله يذكره في نفسه لقوله تعالى انه لا يحب المعتدين اي الجاهرين
بالدعاء وعن ابراهيم انه كان يكره ان يقول الرجل وهو يمشي معها استغفروا
له غفر الله لكم اه قلت واذا كان هذا في الدعاء والذكر فما ظنك بالغناء
الحادث في هذا الزمان“.....(فتاوى شامی: ۱/۲۵۸)

”ویکره رفع الصوت بالذكر خلف الجنازة ويذكر في نفسه“.....(بزازیه علی

هامش الہندیہ: ۳/۸۰)

(۳) واضح رہے کہ حیلہ اسقاط فی نفسہ حیلہ تملیک ہے اور حیلہ تملیک کو فقہاء نے جائز کہا ہے، البتہ جو حیلہ اسقاط کا طریقہ سوال میں مذکور ہے وہ درست نہیں ہے۔

حیلہ اسقاط کا صحیح طریقہ:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ کچھ نمازیں لازم ہیں اگر اس نے وصیت کی ہے تو اس کی وصیت ثلث/تہائی مال تک نافذ ہوگی، اور اگر ثلث مال کی اتنی مقدار ہے جس سے اس کے ذمہ فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ وغیرہ اداء ہو جاتا ہے تو حیلہ تملیک کی ضرورت نہیں ہے، اور بغیر حیلہ تملیک کے مساکین و فقراء میں تقسیم کر دے، اگر ثلث مال اتنی مقدار کا متحمل نہ ہو تو پھر اگر تمام ورثاء بالغ ہوں اور اپنی رضامندی سے کل مال سے فدیہ اداء کرنا چاہیں تو تب بھی فدیہ اداء ہو جائے گا اور اگر ورثاء میں سے کوئی نابالغ ہو تو پھر کل مال سے فدیہ اداء کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ نابالغ اجازت بھی دے دے، کیونکہ نابالغ کی اجازت معتبر نہیں ہے، تو اس صورت میں اگر کوئی وارث تبرع کے طور پر اپنے مال میں سے فدیہ اداء کرنا چاہے تو اس کے لیے حیلہ اسقاط کی گنجائش ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ میت پر جتنی نمازیں اور روزے وغیرہ ہیں ان کافی نماز نصف صاع گندم کے اعتبار سے حساب لگایا جائے (جس کا وزن تقریباً دو کلو ہے) پھر جتنی مقدار بنتی ہے اتنی گندم یا اس کی قیمت (واضح رہے کہ مختلف اجناس کا جمع کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر ایک ہی جنس یا اس کی قیمت دیدی جائے تو بھی درست ہے) کسی فقیر کو دیدے پھر وہ فقیر وارث کو ہبہ کر دے پھر وارث فقیر کو دیدے پھر فقیر وارث کو ہبہ کر دے، ثم و ثم یعنی اسی طرح

کرتے رہیں حتی کہ میت کی تمام فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ مکمل ہو جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی طرف سے کافی فرمائیں گے۔

”ولومات وعلیہ صلوات فائتة و اوصی بالكفارة يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حکم الوتر والصوم وانما يعطى من ثلث ماله ولو لم يترك مالا (قوله ولو لم يترك مالا) الخ ای اصلا او كان ما اوصی به لا ینفی زاد فی الامداد اولم یوص بشیء و اراد الولی التبرع الخ قال الحسکفی ینتقرض وارثه نصف صاع مثلا ویدفعه لفقیر ثم یدفعه الفقیر للوارث ثم و ثم حتی یتم قوله وینتقرض وارثه نصف صاع مثلا الخ ای اوقیمة ذلك والاقرب اویحسب ما علی المیت وینتقرض بقدره بان یقدر عن کل شهر اوسنة اویحسب مدة عمره بعد اسقاط اثنتی عشرة سنة للذكر وتسع سنین للانثی لانها اقل مدة بلوغهما فیجب عن کل شهر نصف غرارة قمح بالمد الدمشقی مد زماننا لان نصف الصاع اقل من ربع مد فتبلغ کفارة ست صلوات لكل یوم وليلة نحو مد وثلث ولكل شهر اربعون مدا وذلك نصف غرارة ولكل سنة شمسیة ست غرائر فلیسقرض قیمتها ویدفعها للفقیر ثم یسترهبها منه ویتسلمها منه لتتم الهبة ثم یدفعها لذلك الفقیر..... اکثر من ذلك بسقط بقدره“..... (فتاویٰ شامی : ۱/۵۳۲)

”وان لم یف ما اوصی به المیت عما علیہ اولم یکف ثلث ماله اولم یوص بشیء و اراد احد التبرع بقلیل لایکفی فحیلته لبراء ذمة المیت عن جمیع ما علیہ ان یدفع ذلك المقدار الیسیر بعد تقدیره لشیء من صیام او صلوة او نحوه و یعطیه للفقیر بقصد اسقاط ما یرد عن المیت فیسقط عن المیت بقدره ثم بعد قبضه یهبه الفقیر للولی او للاجنبی و یقبضه لتتم الهبة وتملك ثم یدفعه الموهوب له للفقیر بجهة الاسقاط متبرعا به عن المیت فیسقط عن المیت بقدره ایضا ثم یهبه الفقیر للولی او للاجنبی و یقبضه ثم یدفعه الولی للفقیر متبرعا عن المیت وهكذا یفعل مرارا حتی یسقط ما كان یظنه علی

المیت من صلوٰۃ وصیام ونحوہما مما ذکرناہ من الواجبات وهذا
هو المخلص فی ذلك ان شاء اللہ تعالیٰ بمنہ وکرمہ..... (حاشیہ
الطحطاوی علی مراقی الفلاح : ۱/۳۳۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گھر میں دفن اور متعین شخص کے نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۵۵): (۱) کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص یہ
وصیت کر کے مرا کہ مجھے گھر کے اندر ہی دفن کیا جائے تو کیا شرعاً اس وصیت کا پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟
(۲) نیز اگر کوئی شخص یہ وصیت بھی کرے کہ میرا جنازہ فلاں معین شخص پڑھائے تو کیا شرعاً اسی معین شخص کو
نماز جنازہ پڑھانا ضروری ہے؟ یا کوئی دوسرا شخص بھی پڑھا سکتا ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) صورت مسئلہ میں مذکورہ شخص کو گھر کے اندر دفن نہیں کیا جائے گا بلکہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن
کیا جائے گا۔

”اوصی بان یدفن فی دارہ فوصیتہ باطلۃ الا ان یوصی ان یجعل دارہ مقبرۃ
للمسلمین و فی الفتاوی الخلاصۃ ولو اوصی ان یدفن فی بیتہ لایصح و یدفن
فی مقابر المسلمین“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۶/۹۵)

”ولو اوصی بان یدفن فی بیتہ لایصح و یدفن فی مقابر المسلمین“..... (فتاویٰ
بزازیہ علی ہامش الہندیہ: ۶/۳۳۰)

(۲) شرعاً اسی معین شخص کو نماز جنازہ پڑھانا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص بھی پڑھا سکتا ہے۔

”اوصی بان یصلی علیہ فلان فالوصیۃ باطلۃ فی الاصح وقد ذکرناہ“
..... (فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الہندیہ: ۶/۳۳۰)

”ولو اوصی بان یصلی علیہ فلان فقد ذکر فی العیون ان الوصیۃ باطلۃ و فی
الفتاوی الخلاصۃ وهو لایصح“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۶/۹۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زیارت قبور کا مستنون طریقہ:

مسئلہ نمبر (۱۵۶): جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سوال یہ ہے کہ قبرستان جانے کا حضور ﷺ کا سنت طریقہ کیا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

آپ ﷺ کبھی کبھی قبرستان (بیت شریف) تشریف لے جایا کرتے تھے کوئی طریقہ یا دن شرعاً متعین نہیں ہے، البتہ قبر کے پاس ہاتھ اٹھا کر حضور ﷺ دعا کر چکے ہیں، جب بھی موقع مل جائے انسان جاسکتا ہے اور ایصال ثواب بھی ہر وقت کیا جاسکتا ہے

”والسنة زیارتها قائما والدعاء عندها قائما كما كان يفعل رسول الله ﷺ في الخروج الى البقيع ويقول السلام عليكم دار قوم مؤمنين وانا ان شاء الله بكم لاحقون اسأل الله لي ولكم العافية“..... (حاشية الطحطاوى على المراقى الفلاح: ۶۲۰، ۶۲۱)

”ثم انطلقت على اثره حتى جاء البقيع فقام فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات ثم انحرف فانهحرفت فاسرع فاسرعت فهورول فهورلت فاحضر فاحضرت فسبقته فدخلت فليس الان اضطجعت“..... (صحيح مسلم: ۳۱۳/۱، قديمى كتب خانه)

”قولها جاء البقيع فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات فيه استحباب اطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه وفيه ان دعاء القائم اكمل من دعاء الجالس في القبور“..... (شرحہ الكامل للنووى على هامش الصحيح المسلم: ۳۱۳/۱، قديمى كتب خانه)

”عن عائشة رضی اللہ عنہ قالت كان رسول الله ﷺ كلما كان ليبتها من رسول الله ﷺ يخرج من آخر الليل الى البقيع فيقول السلام عليكم دار قوم مؤمنين وانا كما اتوعدون غدا مؤجلون وانا ان شاء الله لاحقون اللهم اغفر لاهل بقيع الغرقدر واه مسلم“..... (مرقاۃ المفاتيح: ۲۱۹، ۲۲۰/۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

دو میتوں کا جنازہ اکٹھا پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۵۷): محترم جناب مفتی صاحب

ایک لڑکے نے اپنی بیوی کو قتل کر کے خودکشی کر لی، مغرب سے کچھ دیر پہلے دونوں میتوں کا اکٹھا نماز جنازہ پڑھایا گیا مگر ایک آدمی نے اعتراض کیا کہ یہ نماز جنازہ درست نہیں ہو، یہ پہاڑی علاقہ کے ایک گاؤں کا واقعہ ہے میتوں کو دفنانے میں مشکل کے باعث نماز جنازہ اکٹھا پڑھایا گیا، کیا یہ نماز جنازہ درست ہو یا نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

”واذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلوٰۃ علی کل واحدة اولی من الجمع وتقدیم

الافضل افضل فان جمع جاز“..... (درمختار: ۱/۱۲۲)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ الگ الگ نماز جنازہ پڑھانا اگرچہ افضل ہے مگر جمع کرنا بھی جائز ہے، لہذا یہ نماز جنازہ درست ہے اگر یہ شبہ ہو کہ قتل یا خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے، تو فتویٰ اس پر ہے کہ قتل اور خودکشی دونوں بہت بڑے گناہ ہیں لیکن مسلمان ہونے کی وجہ سے انہیں غسل بھی دیا جائے گا اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

”من قتل نفسه ولو عمدا يغسل ويصلى عليه به يفتى وان كان اعظم وزرا“

..... (درمختار: ۱/۱۲۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مرد اور عورت کے کفن کے کپڑے اور ان کے نام:

مسئلہ نمبر (۱۵۸): (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کفن کے کتنے کپڑے (حصے) ہوتے ہیں؟ ان کے نام کیا ہیں؟ عورت اور مرد کے کفن میں کیا فرق ہے؟ مکمل تفصیل چاہیے۔

(۲) نام معلوم عورت فوت ہو جائے تو اس کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کی کیا دلیل ہے؟

(۳) جنازے کو غسل دینے سے پہلے ناخن یا بال کاٹنے کا کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟ اس سے جنازے

کو تکلیف ہوتی ہے یا کہ نہیں؟ بال سے مراد زیر ناف بال ہیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں میت کو کفن پہنانا فرض کفایہ ہے، مرد کے لیے مسنون کفن تہہ بند قمیص اور اوپر لپیٹنے کی چادر ہے اور عورت کے لیے مسنون کفن قمیص، تہہ بند، اوڑھنی، لپیٹنے کی چادر اور سینہ بند ہے۔

”وهو فرض على الكفاية كذا في فتح القدير كفن الرجل سنة ازار وقميص

ولقافة..... وكفن المرأة سنة درع وازار وخمار ولقافة وخرقة يربط بهائدباها

وكفاية ازار ولقافة خمارهكذا في الكنز“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۶۰)

(۲) صورت مذکورہ میں اگر میت کے مسلمان ہونے کی کوئی علامت ہو یا وہ مسلمانوں کی حکومت کے علاقے میں پائی جاتی ہو تو اسے غسل دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

”ومن لا يدري انه مسلم او كافر فان كان عليه سيما المسلمين اوفى بقاع

دار الاسلام يغسل والافلا كذا في معراج الدراية“..... (فتاوى الهندية:

۱/۱۵۹)

(۳) مذکورہ صورت میں میت کے ناخن یا بال نہ کاٹے جائیں جو کچھ اس پر تھا اسی سمیت دفن کر دیا جائے۔

”ولا يقص شاربه ولا ينتف ابطه ولا يحلق شعر عانته ويدفن بجميع ما كان عليه

كذا في محيط السرخسي“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۵۸)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

دفن سے پہلے میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۵۹): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کو مقام انتقال سے کسی دوسری جگہ منتقل کرنا دفن کرنے سے پہلے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جائز ہے مگر کراہت سے خالی نہیں ہے۔

”قوله ولا بأس بنقله قبل دفنه قيل مطلقا وقيل الى ما دون مدة السفر وقيد

محمد بقدر ميل او ميلين لان مقابر البلد ربما بلغت هذه المسافة فيكره

فیمآ زاد قال فی النهر عن عقد الفرائد وهو الظاهر اه امانقله بعدد فنه فلا مطلقا
قال فی الفتح وانفتت کلمة المشایخ فی امرأة دفن ابنها وهی غائبة فی غیر
بلده فلم تصبر و ارادت نقله علی انه لا یسعها ذلک فتجوز شواذ بعض
المتأخرین لا یلتفت الیه و امانقل یعقوب و یوسف علیهما السلام من مصر الی
الشام لیكونا مع ابائهما الکرام فهو شرع من قبلنا ولم یعرف فیہ شروط کونه
شرعاً لنا اه (فتاویٰ شامی: ۱/۶۶۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

دور اور حیلہ اسقاط کا شرعی حکم:

مسئلہ نمبر (۱۶۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دور اور اسقاط کا کیا حکم ہے؟ یعنی قرآن پاک کے نیچے پیسے رکھ کر دائرہ میں گھمانا اور ہر چکر پر یہ اعتقاد رکھنا کہ پہلی مرتبہ قضاء نمازیں معاف ہیں اور دوسری مرتبہ قضاء روزے معاف اور تیسری مرتبہ جملہ حقوق معاف ہیں، اور پھر قرآن پاک کو رکھ کر پیسوں کو تقسیم کرنا اور یہ دلیل پیش کرنا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے ثابت ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں واضح رہے کہ نفس حیلہ کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ حرام طریقوں سے بچنے کے لیے جائز اور حلال حیلہ کرنا جائز ہے، لیکن کسی پر ظلم کرنے اور حرام کو حلال کرنے کے لیے کوئی حیلہ کرنا جائز ہے، نیز فقہاء امت نے ان حیلوں کا ذکر بھی کیا ہے جو جائز اور مشروع ہیں، ان میں سے ایک حیلہ حیلہ اسقاط بھی ہے، نیز حیلہ اسقاط حقوق العباد میں جائز نہیں ہے، کیونکہ حقوق العباد صرف ادا کرنے یا معاف کرنے سے ساقط ہوتے ہیں، حیلہ اسقاط حقوق اللہ کے ادا کرنے میں جائز ہے اور حقوق اللہ یہ ہیں، قضاء نمازیں، قضاء روزے، قضاء صدقۃ الفطر، نفقات واجبہ، خراج، جزیہ اور دیگر کفارات مالیہ وغیرہ۔

لیکن حیلہ اسقاط کا شرعی طریقہ یہ نہیں جو سوال میں مذکور ہے بلکہ اس کا شرعی طریقہ جس کو فقہاء نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص کے ذمہ میں قضاء نمازیں اور قضاء روزے ہیں وہ ہر نماز اور ہر روزے کے برابر فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے اور پھر ورثاء اس کی وصیت کے مطابق اس کے ثلث مال میں سے ان قضاء نمازوں اور قضاء

روزوں اور دیگر کفارات مالیہ کے برابر رقم یا مال شرعی طریقہ کے مطابق فقراء اور مساکین پر خرچ کریں، لیکن ٹکٹ مال سے زیادہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ ورثاء ٹکٹ مال سے زیادہ خرچ کرنے پر راضی نہ ہوں اور کوئی وارث نابالغ نہ ہو، لیکن اگر کوئی شخص ورثاء میں سے یا کوئی اور شخص تبرعاً میت کی طرف سے فدیہ ادا کرنا چاہتا ہے تو بھی اس کو حیلہ اسقاط کرنے کا اختیار ہے کہ وہ میت کی جانب سے ادا کر دے، اگر حقوق اللہ زیادہ ہوں اور مال کم ہو تو پھر ہر کفارہ کے بدلے فقیر کو اتنا مال بطور کفارہ دیا جائے اور پھر فقیر اس مال کو بطور ہدیہ کفارہ ادا کرنے والے کو واپس دے اور پھر کفارہ ادا کرنے والا دوبارہ اس مال کو بطور کفارہ کے فقیر کو دے، اس طرح بار بار یہ عمل دوہرایا جائے تاکہ تمام کفارات ادا ہو جائیں۔

”انی لمارایت الحیل والمخارج جائزة استدلالاً بالكتاب والسنة واجماع الامة اما الكتاب فقولہ تعالیٰ فی قصة ایوب صلوات اللہ علیہ وخذیبدک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث واما السنة فهو ما روی عنه صلی اللہ علیہ وسلم انه قال ان اللہ تعالیٰ یحب ان یؤتی برخصة کما یحب ان یؤتی بعزائمہ واما الاجماع فهو ما جرت العادة بالاحتیال فی تاکید الوثائق والاحکام والهرب من الربا والحرام ورفع الضرر والظلم والاحتراز عن الوقوع فی الحرج والائم من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا هذا خلف عن سلف من غیر منازع و نکیر فحل محل الاجماع“..... (الفتاویٰ فی الحیل والمخارج : ۲۱)

”الاصل ان من اراد بالحيلة المعانی التي ذكرت فی اول الكتاب فلا بأس به وارجوا ان یكون ماجورا ومن اراد بها ابطال حق الغير فلا یسعه ذلك وربما یكون آثما واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب“..... (الفتاویٰ فی الحیل والمخارج : ۲۲)

”واما ابو حفص رحمه اللہ تعالیٰ كان یقول هو ما تصانیف محمد رحمه اللہ تعالیٰ وكان یروی عنه ذلك هو الاصح فان الحیل فی الاحکام المخرجة عن الامام جائزة عند جمهور العلماء وانما کره بعض المتعسفین لجهلهم وقلة تأملهم فی الكتاب والسنة والدلیل علی جوازه من الكتاب قوله تعالیٰ وخذیبدک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث ، هذا تعلیم المخرج لایوب علیہ

السلام عن يمينه التي حلف بها ليضربن زوجته مائة عود فانه حين قالت له لو ذبحت عناقا باسم الشيطان في قصة طويلة اوردها اهل التفسير رحمهم الله تعالى واما السنة فماروى ان رسول الله ﷺ قال يوم الاحزاب لعروة بن مسعود في شأن بنى قريظة فلعلنا امرناهم بذلك فلما قال له عمر رضى الله عنه في ذلك قال عليه السلام الحرب خدعة وكان ذلك منه اكتساب حيلة ومخرج من الائم بتقييد الكلام بلعل ولما اتاه رجل واخبره انه حلف بطلاق امراته ثلاثا ان لا يحكم اخاه قال له طلقها واحدة فاذا انقضت عدتها فكلم اخاك ثم تزوجها وهذا تعليم الحيلة والآثار فيه كثيرة من تأمل احكام الشرع وجد المعاملات كلها بهذه الصفة فالحاصل ان ما يتخلص به الرجل من الحرام او يتوصل به الى الحلال من الحيل فحسن وانما يكره ذلك ان يحتال في حق لرجل حتى يبطل حقه او في باطل حتى يموهه او في حق حتى يدخل فيه شبهة فما كان على هذا السبيل فهو مكروه وما كان على السبيل الذي قلنا اولا فلا بأس به لان الله تعالى قال وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الائم والعدوان ، فهي النوع الاول معنى التعاون على البر والتقوى في النوع الثاني معنى التعاون على الائم والعدوان “.....(المبسوط للسرخسي : ٣/٢٢٩)

”الفصل الاول في بيان جواز الحيل وعدم جوازها فنقول من مذهب علمائنا رحمهم الله تعالى ان كل حيلة يحتال بها الرجل لا يبطل حق الغير او لا يدخل شبهة فيه او لتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام او ليتوصل بها الى حلال فهي حسنة والاصل في جواز هذا النوع من الحيل ” قوله تعالى وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث“ وهذا تعليم المخرج لايوب النبي عليه السلام عن يمينه التي حلف ليضربن امراته مائة عود وعامة المشايخ على ان حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح من المذهب كذا في الذخيرة “.....(فتاوى الهندية : ٢/٣٩٠)

”اذا مات المريض ولم يقدر على الصلوة بالایماء لايلزمه الايضاء بها وان قلت وكذا الصوم ان افطر فيه المسافر والمريض وماتقبل الاقامة والصحة وعليه الوصية بماقدر عليه وبقي ذمته فيخرج عنه وليه من ثلث ماترك لصوم كل يوم واصلوة كل وقت حتى الوتر نصف صاع من بر او قيمته وان لم يوص تبرع عنه ووليّه جاز ولايصح ان يصوم ولا ان يصلى عنه وان لم يف ما اوصى به عما عليه يدفع ذلك المقدار للفقير فيسقط عن الميت بقدره ثم يهبه الفقير للولي ويقبضه ثم يدفعه للفقير..... وهكذا حتى يسقط ما كان على الميت من صلوة وصيام“.....(نور الايضاح مع مراقى الفلاح: ١٠٣)

”قوله من ثلث ماترك الموصى لان حقه في ثلث ماله حال مرضه وتعلق حق الوارث بالثلثين فلا ينفذ قهرا على الوارث الا في الثلث ان اوصى به وان لم يوص لايلزم الوارث الاخراج فان تبرع جاز كما سنده وعلى هذا دين صدقة الفطر والنفقة الواجبة والخراج والجزية والكفارات المالية والوصية بالحج والصدقة المنذور والاعتكاف المنذور عن صومه لاعن اللبث في المسجد“.....(مراقى الفلاح شرح نور الايضاح: ١٠٦)

”قوله وبقي ذمته حتى ادركه الميت من صوم فرض وكفارة وظهار وجناية على احرام ومنذور“.....(مراقى الفلاح شرح نور الايضاح: ١٠٦)

”قوله يعطى بالبناء للمجهول اى يعطى عنه وليه اى من له ولاية التصرف في ماله بوصاية او وراثه فيلزمه ذلك من الثلث ان اوصى والا فلايلزم الولى ذلك لانها عبادة فلا بد فيها من الاختيار فاذا لم يوص فالتشرط فيسقط في احكام الدنيا للتعذر بخلاف حق العباد فان الواجب فيه وصوله الى مستحقه لا غير ولهذا لو ظفر به الغريم يأخذه بلا قضاء ولا رضاء ويبرأ من عليه الحق بذلك امداد“.....(فتاوى الشامى: ١/٥٢١)

والله تعالى اعلم بالصواب

پرانی قبروں کو منہدم کر کے نئی قبریں بنانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۶۱): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبرستانوں میں جگہ کی قلت کے باعث قبرستان پر چھت ڈال کر اوپر قبریں بنانا جائز ہے یا نہیں؟
پرانی قبریں منہدم کر کے نئی قبریں بنائی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ اگر بنائی جاسکتی ہیں تو پرانی قبروں کو ختم ہونے میں کتنا عرصہ لگ سکتا ہے؟

کیا قبرستان پر چھت ڈال کر اوپر مدرسہ بنایا جاسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) قبرستان پر چھت ڈال کر اوپر قبریں بنانا جائز نہیں، کیونکہ قبر کے لیے حفر (کھودنا) واجب ہے اور پرانی قبروں کو اس صورت میں منہدم کرنا جائز ہے جب کہ اس میں موجود میت خاک بن چکی ہو۔

”دفن الميت فرض كفاية ان امکن فان لم يمكن كما اذا مات في سفينة بعيدة عن الشاطئ..... وعند امكان دفنه يجب ان يحفر له حفرة في الارض واطلها عمقا ما يمنع ظهور الرائحة ونش السباع“..... (الفقه على المذاهب الاربعة: ۱/۳۶۶)

”وقال الزيلعي ولويلي الميت وصار تراها جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه اه“..... (فتاوى شامی: ۱/۶۵۹)

”هكذا في الهندية: ۱/۱۶۷، ونور الايضاح على الطحطاوى: ۶۱۴“

(۲) اگر قبرستان کی زمین کسی کی مملوکہ زمین میں ہے تو اس صورت میں اس زمین کے مالک کی اجازت سے قبرستان پر چھت ڈال کر مدرسہ بنایا جاسکتا ہے، لیکن اگر وہ زمین قبرستان کے لیے وقف ہے تو اس صورت میں قبرستان پر چھت ڈال کر مدرسہ بنانا جائز نہیں ہے۔

”فاذا تم ولنزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن، قال ابن عابدين في شرحه (قوله لا يملك) اي لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملك اي لا يقبل التملك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تملك الخارج عن ملكه ولا يعار ولا يرهن لاقتضائهما الملك“..... (رد المحتار: ۳/۳۰۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

جنازہ اٹھاتے وقت کلمہ طیبہ کا بلند آواز سے ذکر کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۶۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس وقت جنازہ اٹھایا جاتا ہے اور اس کو قبرستان کی طرف لے کر جایا جاتا ہے تو لوگ راستے میں اونچی آواز سے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہیں تو شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ مستحب یہ ہے کہ جو جنازے کے پیچھے جائے وہ اللہ جل شانہ کے ذکر میں مشغول رہے اور قبر و حشر و آخرت کی فکر کرتا رہے اور فضول و لغو کلام نہ کرے اگر اللہ کا ذکر نہ کر سکے تو چپ رہے، باواز بلند کوئی قرأت یا ذکر نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

”ویکره رفع الصوت بالذكر والقرآن وعليهم الصمت قوله ويكره رفع الصوت قيل يكره تحريما كما في القهستاني عن القنية وفي الشرح عن الظهيرية فان اراد ان يذكر الله ففي نفسه اي سرا بحيث يسمع نفسه وفي السراج ويستحب لمن تبع الجنازة ان يكون مشغولا بذكر الله والتفكير فيما يلقاه الميت وان هذه عاقبة الدنيا وليحذر عمالا فائدة فيه من الكلام فان هذا وقت ذكر وموعظة فتصح فيه الغفلة فان لم يذكر الله فليزوم الصمت ولا يرفع صوته بالقراءة ولا بذكر الله ولا يغتر بكثرة من يفعل ذلك وامام يفعل الجهال في القراءة على الجنازة من رفع الصوت والتمطيط فيه فلا يجوز بالاجماع ولا يسع احدا يقدر على انكاره ان يسكت عنه ولا ينكر عليه اه“..... (طحطاوى على مراقى الفلاح: ۶۰۶)

”وفي العلية كما كره فيها رفع صوت بذكر او قراءة..... وفي الشامية كره قيل تحريما وقيل تنزيها كما في البحر عن الغاية وفيه عنها وينبغي لمن تبع الجنازة ان يطيل الصمت وفيه عن الظهيرية فان اراد ان يذكر الله بذكره في نفسه لقوله تعالى انه لا يحب المعتدين اي الجاهرين بالدعاء“..... (فتاوى

”والکراهة فيه كراهة تحريم في فتاوى العصر“..... (۲/۳۳۶)
 ”ويطيل الصمت اذا تبع الجنازة ويكره رفع الصوت بالذكر لما روى عن
 قيس بن عباد انه قال كان اصحاب رسول الله ﷺ يكرهون الصوت
 عند الثلاثة عند القتال وعند الجنازة والذكور لانه تشبه باهل الكتاب فكان
 مكروها“..... (بدائع الصنائع: ۲/۳۶)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

پرانے قبرستان کو ختم کر کے مسجد بنانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۶۳): بخدمت جناب مفتی صاحب

گزارش ہے کہ ہم جملہ اہلیان محلہ محن آپ سے استفتاء کرتے ہیں کہ تقریباً دو سو سال پرانے قبرستان میں
 مسجد بنانے کی ضرورت پڑی ہے لہذا ہم باشندگان محن تعمیر مسجد سے قبل فتویٰ چاہتے ہیں کہ کیا اس پرانے قبرستان میں
 قرآن و سنت کی روشنی میں مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں ایسے پرانے قبرستان میں جس میں مسلمانوں نے اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیا ہو
 اور مردے مٹی کے ساتھ مٹی ہو گئے ہوں تو اس قبرستان میں مسجد بنانا درست ہے۔

”فان قلت هل يجوز ان تبني على قبور المسلمين؟ قلت قال ابن القاسم لو ان
 مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم ار بذلك بأسا
 وذلك لان المقابر وقف من اوقاف المسلمين لا يجوز ان يملكها
 فاذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها الى المسجد لان المسجد
 ايضا وقف من اوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لاحد فمعناها على هذا واحد
 وذكر اصحابنا ان المسجد اذا خرب ودثر ولم يبق حوله جماعة والمقبرة
 اذا عنت ودثرت تعود ملكا لاربابها فاذا عادت ملكا يجوز ان يبني موضع
 المسجد دارا وموضع المقبرة مسجدا وغير ذلك فاذا لم يكن لها رباب
 تكون لبית المال اه“..... (عمدة القارى: ۳/۲۶۵)

”ولوبلی المیت وصارت رابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ کذا فی التبین“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۶۷)

”ولوبلی المیت وصارت رابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ“..... (البحر الرائق: ۲/۳۶۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

عہد اگر نماز جنازہ میں پانچویں تکبیر کہہ دی تو نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۶۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی امام صاحب اگر جان بوجھ کر نماز جنازہ کی چار تکبیر کی بجائے پانچ تکبیرات کہہ دے تو کیا نماز جنازہ ادا ہو جائے گی؟ از روئے شرع جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز جنازہ ادا ہو جائے گا البتہ مقتدیوں کے لیے حکم یہ ہے کہ پانچویں تکبیر میں اس امام کی متابعت نہ کریں بلکہ ٹھہرے رہیں کیونکہ پانچویں تکبیر منسوخ ہے اور جب امام سلام پھیر لے تو اس کی متابعت کرتے ہوئے سلام پھیر دیں کیونکہ سلام میں امام کی متابعت واجب ہے۔

”قوله فلو كبر الامام خمساً لم يتبع لانه منسوخ ولا متابعة فيه ولم يبين ماذا يصنع وعن ابي حنيفة روايتان في رواية يسلم للحال ولا ينتظر تحقيقاً للمخالفة وفي رواية يمكث حتى يسلم معه اذا سلم ليكون متابعا فيما تجب فيه المتابعة وبه يفتى“..... (البحر الرائق: ۲/۳۴۳)

”ولو كبر امامه خمساً لم يتبع لانه منسوخ فيمكث المؤتم حتى يسلم معه اذا سلم به يفتى“..... (الدر المختار: ۱/۱۴۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کی کیفیت:

مسئلہ نمبر (۱۶۵): کیا فرماتے ہیں علماء حق اور مفتی صاحبان تحریر شدہ مسائل کے متعلق

(۱) نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کی کیفیت کی وضاحت فرمائیں، نیز سلام کے بعد ہاتھ چھوڑنے ہیں یا سلام سے پہلے؟

(۲) نماز جنازہ کے فوراً بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) قرآن پاک پڑھ کر ایک دوسرے کی ملک کر کے ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے یا نہیں؟

قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کا طریقہ یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد پہلے دائیں طرف سلام پھیرے پھر بائیں طرف سلام پھیرے۔

”وہی اربع تکبیرات بثناء بعد الاولیٰ وصلاة علی النبی ﷺ بعد الثانية ودعاء بعد الثالثة وتسليمین بعد الرابعة..... وفي الظهيرية ولاينوى الامام الميت في تسليمین الجنازة بل ينوى عن يمينه في التسليمة الاولي ومن عن يساره في التسليمة الثانية“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۰)

”قوله ثم يكبر تكبيرة رابعة ويسلم“..... (الجوهرة النيرة: ۱/۱۲۹)

”ثم يكبر الرابعة ثم يسلم تسليمین“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۶۳)

چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہاتھ چھوڑ دے۔

”ولايجوز الاستخلاف ولا يعقد بعد تكبير الرابع لانه لا يبقى ذكر مسنون حتى يعقد فالصحيح انه يحل اليدين ثم يسلم تسليمین هكذا في الذخيرة“..... (خلاصة الفتاوى: ۱/۲۲۵)

(۲) نماز جنازہ کے فوراً بعد ہاتھ اٹھا کر بہت اجتماعی کھڑے ہو کر دعا کرنا مکروہ ہے۔

”اذا فرغ من الصلوٰۃ لا يقوم داعياله“..... (فتاویٰ سراجیہ مع قاضی خان:

(۳) قرآن مجید پڑھ کر ایک دوسرے کو بخشش کر کے ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے۔

”قوله له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة او صوما عند اهل السنة والجماعة لا يراد به ان الخلاف بيننا وبينهم في ان له ذلك اوليس له كما هو ظاهرة بل في انه ينجعل بالجعل اولاهل يلغو جعله قوله او غيرها كتلاوة القرآن والاذكار“..... (فتح القدير : ۳/۲۵)

”الاصل ان كل من اتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره وان نواها عند الفعل لنفسه لظاهر الادلة واما قوله تعالى وان ليس للانسان الا ما سعى اى الا اذا وابه له كما حققه الكمال او اللام بمعنى على كفاى ولهم اللعنة ولقد افصح الزاهدى عن اعتزاله هنا والله الموفق قوله لغيره اى من الاحياء والاموات بحر عن البدائع قلت وشمل لطلاق الغير النبى ﷺ ولم ار من صريح بذلك من ائمتنا وفيه نزاع طويل لغيرهم والذى رجحه الامام السبكي وعمامة المتأخرين منهم الجواز كما بسطنا آخر الجنائز فراجعه“..... (در مع الرد : ۲/۲۵۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قبر کے پاس قرآن پاک اٹھا کر تلاوت کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۶۶): حضرت مفتی صاحب ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے مدلل و بحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔
کہ ہمارے علاقے کے بعض لوگ قرآن مجید کو اٹھا کر قبر کے پاس جا کر تلاوت کرتے ہیں، آیا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں قبر کے پاس تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں چاہے قرآن دیکھ کر پڑھے یا بغیر دیکھے۔

”قراءة القرآن عند القبور عند محمد لا تكره ومشائخنا رحمهم الله تعالى اخذوا بقوله وهل ينتفع والمختار انه ينتفع هكذا في المضمرة“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۶۶)

”قوله يقرأ يسين لماورد من دخل المقابر فقرأ سورة يسين خفف الله عنهم يومئذ وكان له بعدد من القرآن مايسر له من الفاتحة واول البقرة الى المفلحون واية الكرسي وامن الرسول وسورة يسين وتبارك الملك وسورة التكاثر والاخلاص اثني عشر مرة او احدى عشر اوسبعاً او ثلاثاً ثم يقول اللهم اوصل ثواب ماقرأناه الى فلان او اليهم“..... (فتاوى شامى:

(۱/۶۶۶)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا کب درست ہے؟

مسئلہ نمبر (۱۶۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کن وجوہات کی بناء پر دفن شدہ میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا درست ہے؟ جب کہ ایک آدمی نے وہنی توازن درست نہ ہونے کی وجہ سے اپنے کسی عزیز کی میت کو قبر سے نکال لیا ہے تو اس طرح کی بے حرمتی کے خوف سے میت کو کسی دوسری جگہ اپنے قریبی قبرستان میں دفن کرنا کیسا ہے؟ اور ایک آدمی نے اپنے والدین کی دفن شدہ میتوں کو مزار بنانے کی خاطر اپنی ذاتی جگہ میں منتقل کیا ہے کیونکہ پہلے مقام پر زمین کا مالک مزار بنانے کی اجازت نہیں دیتا تھا تو کیا مزار بنانے کی خاطر دفن شدہ میت کو دوسری جگہ منتقل کرنا درست ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں دفن شدہ میت کو دوسری جگہ منتقل کرنا اس وقت درست ہے جب کہ میت کو معصوبہ زمین میں دفن کر دیا گیا ہو یا اس زمین پر کسی نے شفعہ کیا ہو یا زمین کا مالک اس کو نکالنے کا حکم کر دے اس کے علاوہ دفن شدہ میت کو دوسری جگہ منتقل درست نہیں ہے۔

”ولا یتبغی اخراج المیت من القبر بعد ما دفن الا اذا كانت الارض مغصوبة او اخذت بشفعة كذافی فتاوى قاضى خان ، اذا دفن المیت فى ارض غیره بغير اذن مالکها فالمالک بالخيار ان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوى الارض وزرع فيها“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۶۷)

”وان ظهر ان الموضع الذى دفن فيه الميت مغسوب او اخذها لشفعة فانه يخرج الميت عنه ويدفن في موضع آخر وفي (تجنيس الناصري) واذا دفن الميت في ارض غيره بغير اذن مالکها ان شاء امر باخراج الميت وان شاء سوى الارض وزرع فوقها“..... (فاتار خانیه ۲/۱۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کو دوبارہ غسل دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۶۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ہذا کے بارے میں صورت مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے علاقے کے اندر جب کوئی آدمی مر جاتا ہے تو مرنے کے بعد اسے فوراً غسل دیا جاتا ہے اور پھر کپڑے وغیرہ پہنا کر اس کو گھر میں رکھ دیا جاتا ہے اور پھر جب اس کے جنازے کا وقت آتا ہے تو پھر اسے دوبارہ غسل دیا جاتا ہے اور پھر کفن دیا جاتا ہے۔

پوچھنا یہ ہے کہ دو مرتبہ غسل دینا شرعی نقطہ نظر سے کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟ شریعت کی رو سے وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

آپ کے علاقہ کا یہ رواج غیر شرعی ہے، کیونکہ شریعت مطہرہ میں تکرار غسل نہیں، لہذا پہلی مرتبہ غسل دیکر آپ کو چاہئے کہ اس میت کو کفن پہنا دیں دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں ہے۔

”فان خرج منه شيء غسله ولا يعيد غسله ولا وضوءه لان الغسل عرفناه

بالنص وقد حصل مرة“..... (ہدایہ : ۱/۱۹۰)

”اجمعوا على انه لو خرج منه شيء بعد ادرأجه في الكفن لا يجب غسله

ولا وضوءه بلا خلاف“..... (البنایة : ۳/۱۸۶)

”قوله ولا يعاد غسله ولا وضوءه بالخارج لانه عرف مرة نصا وقد حصل نهر

ومقتضى التعليل ان لا يعاد غسله“..... (حاشیة الطحطاوی علی الدر :

(۱/۳۶۷)

”و کذا الواجب هو الغسل مرة واحدة“..... (بدائع الصنائع: ۲/۲۴)

”ولا یعاد غسله ولا وضوئه بالخارج منه“..... (در علی الشامی: ۱/۶۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قرآن وحدیث سے حیلہ اسقاط کا ثبوت اور حکم:

مسئلہ نمبر (۱۶۹): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں میت کی نماز جنازہ کے بعد چند افراد دائرہ بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور قرسی کسی گھریا مسجد سے قرآن مجید لایا جاتا ہے اور اس میں کچھ پیسے مثلاً دو ہزار روپے رکھے جاتے ہیں، پھر ایک آدمی فارسی، عربی زبان میں کچھ پڑھتا ہے، اور قرآن کریم دوسرے آدمی کو دے دیتا ہے، اسی طرح پورے دائرے میں قرآن کریم کو پھیرا جاتا ہے، اس کے بعد وہ پیسے دائرے میں موجود لوگوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں اور کچھ پیسے حیلہ کرنے والا بھی رکھتا ہے، یہ لوگ اسے حیلہ کا نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح حیلہ کرنے سے اس میت کے ذمہ جو نماز یا روزہ یا حقوق رہ گئے ہوں وہ معاف ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح حیلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے سے شروع ہوا۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ

- (۱) کیا اس طرح کے حیلہ کا قرآن وحدیث یا فقہاء کرام کے اقوال سے کوئی ثبوت ملتا ہے؟
 - (۲) کیا صحابہ کرام، اولیاء کرام نے اپنے زمانہ میں کسی کو اس طرح حیلہ کرنے کا حکم دیا ہے، اس طرح کسی کا حیلہ کیا یا کروایا نیز کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس طرح کا حیلہ ہوا؟
 - (۳) کیا اس طرح حیلہ کرنے سے انسان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں؟
 - (۴) انسان کے مرجانے کے بعد اس کے ذمہ جو نماز، روزہ، حقوق باقی رہ جاتے ہیں اور جو گناہ ہوئے ان کے کفارہ کا شریعت میں کیا صل ہے؟
 - (۵) جو لوگ اس طرح حیلہ نہیں کرواتے وہ کس حد تک درست یا غلط ہیں؟
 - (۶) جو لوگ اس طرح حیلہ کرتے یا کرواتے ہیں ان کا عمل شرعاً کیسا ہے؟
- اس بارے میں شرعی راہنمائی فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) بشرط صحت سوال صورت مذکورہ کے بارے میں وضاحت یہ ہے کہ جہاں تک نفس حیلہ کا تعلق

ہے، قرآن، حدیث، اور کتب فقہ میں اس کی صراحت اور ثبوت ملتا ہے، جیسا کہ المہموط السرخسی (مطبوعہ دارالکتب العلمیہ: ۳۰/۲۲۹) میں قرآن پاک کی آیات و احادیث سے حیلہ کے ثبوت کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

”والدلیل علی جوازہ من الكتاب قوله تعالیٰ وخذبیدک ضغثا فاضرب به ولا تحنث (سورۃ ص: ۴۴) ہذا تعلیم المخرج لایوب علیہ السلام عن یمینہ الی حلف لیضربن زوجته مائة فانه حين قالت له لو ذبحت عناقا باسم الشیطان فی قصة طویلة اوردها اهل التفسیر رحمہم اللہ واما السنة فماروی ان رسول اللہ قال یوم الاحزاب لعروۃ بن مسعود فی شان بنی قریظۃ فلعلنا امرناہم بذلك فلما قال له عمر فی ذلك قال علیہ السلام الحرب خدعة وکان ذلك منه اکتساب حیلۃ و مخرج من الائم بتقید الکلام بلعل ولما اتاہ رجل و اخبرہ انه حلف بطلاق امرأته ثلاثا ان لا یکلم اخاه قال له طلقها واحده فاذا انقضت عدتها فکلم اخاک ثم تزوجها و هذا تعلیم الحیلۃ والاثار فیہ کثیرة من تأمل احکام الشرع وجد المعاملات کلها بهذه الصفة“

..... (المہموط السرخسی (مطبوعہ دارالکتب العلمیہ: ۳۰/۲۲۹)

(۶۵،۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نفس حیلہ کا ثبوت تو ملتا ہے لیکن خاص طریقہ سے حیلہ اسقاط حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہماری نظر سے نہیں گزرا، البتہ فقہاء کی عبارات سے اس حیلہ اسقاط کی وضاحت ملتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

واضح رہے کہ حیلہ اسقاط فی نفسہ حیلہ تملیک ہے، اور حیلہ تملیک کو فقہاء نے جائز کہا ہے البتہ جو حیلہ اسقاط کا طریقہ سوال میں مذکور ہے اس میں کچھ خامیاں ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔

حیلہ اسقاط کا صحیح طریقہ اور اس کی تفصیل:

اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ کچھ نمازیں و روزے لازم ہیں تو دیکھیں گے کہ اس نے وصیت کی ہے یا نہیں؟ اگر وصیت کی ہے تو اس کی وصیت ثلث مال تک نافذ ہوگی، اگر ثلث مال کی مقدار اتنی ہے جس سے اس کے ذمہ فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ وغیرہ بغیر حیلہ کے مکمل اداء ہو جاتا ہے تو حیلہ تملیک کی ضرورت نہیں، تو بغیر حیلہ تملیک کے مساکین اور فقراء میں تقسیم کر دیں، اگر ثلث مال اتنی مقدار کا متحمل نہ ہو تو پھر اگر تمام ورثاء بالغ ہوں اور اپنی رضامندی سے کل مال سے بغیر حیلہ کے مکمل فدیہ ادا کرنا چاہیں تو تب بھی حیلہ تملیک کی ضرورت نہیں

ہے، اور اگر وراثت میں کوئی نابالغ ہو تو پھر کل مال سے فدیہ ادا کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ نابالغ اجازت بھی دے دے، کیونکہ اس کی اجازت معتبر نہیں ہے، ہاں اگر کوئی وارث اپنے مال سے ادا کرنا چاہے تو جائز ہے، اور اگر وصیت نہیں کی اور تمام بالغ وراثت یا کوئی ایک وارث تبرعاً اپنی طرف سے فدیہ دینا چاہے تو جائز ہے، اگر تو اتنا مال ہے کہ فدیہ کی مقدار کو پہنچ جاتا ہے تو حیلہ تملیک کی ضرورت نہیں ہے اور اگر نہ پہنچے تو حیلہ تملیک کیا جائے گا۔

طریقہ تملیک:

حیلہ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ میت پر چشتی نمازیں و روزے وغیرہ ہیں ان کافی نماز و روزہ نصف صاع گندم کا حساب لگا کر (جس کا وزن تقریباً دو کلو ہے) اتنی مقدار یا اس کی قیمت (واضح رہے کہ مختلف اجناس جمع کرنا ضروری نہیں بلکہ اگر ایک ہی جنس یا اس کی قیمت دیدی جائے تو پھر بھی درست ہے) کسی فقیر کو دے دیں پھر وہ فقیر وارث کو ہبہ کر دے پھر وارث فقیر کو ہبہ کر دے پھر فقیر وارث کو ہبہ کر دے اسی طرح کرتے رہیں حتیٰ کہ میت کی تمام فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ مکمل ہو جائے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے کافی فرمائیں گے۔

نوٹ: یاد رہے کہ وصیت نہ ہونے کی صورت میں وراثت پر فدیہ وغیرہ دینا لازم نہیں ہے، اگر کوئی نہ بھی کرے تو اس کو ملامت نہیں کیا جاسکتا۔

”ولو مات عليه صلوة فائنة واوصى بالكفارة يعطى لكل صلوة نصف صاع من
بر كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم وانما يعطى من ثلث ماله ولو لم يترك
مالا قوله ولو لم يترك مالا الخ اي اصلا او كان ما اوصى به لا يفي زاد في
الامداد اولم يوص بشيء واراد الولي التبرع قال الحصكفي يستقرض وارثه
نصف صاع مثلا ويدفعه لفقير للوارث ثم وثم حتى يتم قوله يستقرض وارثه
نصف صاع مثلا الخ اي او قيمة ذلك والاقرب ان يحسبمدة عمره
بعداسقاط النتي عشرة سنة للذكر وتسع سنين للانثى لانها اقل مدة بلوغهما
فيجب عن كل شهر نصف غرارة قمح بالمد الدمشقي ملزماننا لان نصف
الصاع اقل من ربع مد فتبلغ كفارة ست صلوات لكل يوم وليلة نحو مد وثلث
ولكل شهر اربعون مدا وذاك نصف غرارة ولكل سنة شمسية ست غرائر
فيستقرض قيمتها ويدفعها للفقير ثم يستوهبها منه ويتسلمها منه لتتم الهبة ثم

يدفعها لذلك الفقير او لفقير آخر وهكذا فليسقط في مرة كفارة سنة وان استقرض اكثر من ذلك يسقط بقدره“.....(درمع الرد: ١/٥٢٢)

”وان لم يف ما وصى به الميت عما عليه اولم يكف ثلث ماله اولم يوص بشيء واراد احد التبرع بقليل لا يكفي وحيلته لا يبراء ذمته الميت من جميع ما عليه ان يدفع ذلك المقدار اليسير بعد تقديره لشيء من صيام او صلاة او نحوه ويعطيه للفقير بقصد اسقاط ما يرد عن الميت فيسقط عن الميت بقدره ثم بعد قبضه يهبه الفقير للولى او للاجنبي ويقبضه لتم الهبة وتملك ثم يدفعه الموهوب له للفقير بجهة الاسقاط متبرعا به عن الميت فيسقط عن الميت بقدره ايضا ثم يهبه الفقير للولى او للاجنبي ويقبضه ثم يدفعه الولى للفقير متبرعا عن الميت وهكذا يفعل مرارا حتى يسقط ما كان يظنه على الميت من صلاة وصيام ونحوهما مما ذكرناه من الواجبات وهذا هو المخلص في ذلك ان شاء الله تعالى بمنه وكرمه“.....(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ٢٣٩)

نوٹ: اور یہ بات بھی یاد رہے کہ اگر نصف صاع سے کم ہو تو جائز نہیں ہے۔

”ولو ادى للفقير اقل من نصف صاع لم يجز ولو اعطاه الكل جاز“.....(الدرمع الرد: ١/٥٢٣)

”ولا يجوز ان يعطى كل مسكين اقل من نصف صاع في كفارة اليمين فكذلك هذا فالاحاصل ان كفارة الصلاة تفارق في كفارة اليمين في حق انه لا يشترط فيها العدد وتوافقها من حيث انه لو ادى اقل من نصف صاع الى فقير واحد لا يجوز والله اعلم“.....(البحر الرائق: ٢/١٦١)

(٣) کفایت کر جانا یقینی نہیں ہے اگر کر جائے تو فیہا وگرنہ صدقہ کا ثواب مل ہی جائے گا۔

”وجوب الفدية في الصلاة للاحتياط..... فامرنا بالفدية عن جانب الصلوة فان كفت عنها عند الله تعالى فيها والافله ثواب الصدقة ولهذا قال محمد في الزيادات تجزيه ان شاء الله تعالى والمسائل القياسية لاتعلق بالمشية قط

كما اذا تطوع به الوارث في قضاء الصوم من غير ايصاء نرجوا القبول منه ان

شاء الله تعالى فكذا فهذا..... (نور الانوار: ۳۳)

جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے اگر اس کے مستحقین کی طرف ورثاء ادا ہو چکی ہو تو مرنے والے کے سر سے ذمہ اتر جائے گا وگرنہ نہیں، باقی رہے حقوق اللہ تو نماز روزے کے بارے میں وضاحت ہو چکی ہے، باقی رہے دوسرے گناہ تو اس میت کے لیے بخشش کی دعاء کی جائے اور صدقات و خیرات کیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائیں۔

”ولومات وعليه صلوات فائنة واوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة قوله

يعطى..... فان لم يوص فالت الشرط فيسقط في حق احكام الدنيا للمعسر

بخلاف حق العباد فان الواجب فيه وصوله الى مستحقه لا غير ولهذا لو ظفر به

الغريم يأخذه بلا قضاء ولا رضاء ويرأمن عليه الحق بذلك امداد..... (درمع

الرد: ۱/۵۳۱)

”الاصل ان كل من اتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره..... قوله بعبادة ما اى

سواء كانت صلاة او صوما او صدقة او قراءة او ذكرا او طوافا او حججا او عمرة

او غير ذلك من زيارة قبور الانبياء عليهم الصلاة والسلام والشهداء والاولياء

والصالحين وتكفين الموتى وجميع انواع البر كما فى الهندية، وقد منافى

الزكاة عن التاتارخانية عن المحيط الافضل من يتصدق نفلان ينوى لجميع

المؤمنين والمؤمنات لانها تصل اليهم ولا ينقص من اجره شيء..... (درمع

الرد: ۲/۲۵۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قبر میں میت کے نیچے چٹائی بچھانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۷۰): بخمدت جناب حضرت مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کو قبر میں لٹاتے وقت میت کے نیچے کوئی چٹائی، مصلیٰ یا کوئی کپڑا وغیرہ بچھانا کیسا ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

قبر میں میت کے نیچے کوئی چیز بچھانا مکروہ تحریمی ہے۔

”قوله ولا يجوز الخ ای یکرہ ذالک قال فی الحلیة ویکرہ ان یوضع تحت المیت فی القبر مضربة او لخدۃ او حصیر او نحو ذلک اه ولعل وجهہ انه اتلاف مال بلا ضرورۃ فالکراهۃ تحریمیة ولذا عبر بلا یجوز“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۶۵۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا عالم دین کی والدہ کا جنازہ دوسرا آدمی پڑھا سکتا ہے؟

مسئلہ نمبر (۱۷۱): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عالم دین جو کہ بدعت وغیرہ سے مکمل اجتناب کرتا ہے، تیجہ چالیسواں وغیرہ سے بالکل پرہیز کرتا ہے، اس کی والدہ صاحبہ کا جب انتقال ہوا تو محلے والے اور ان کے دوسرے سگے بھائیوں نے یہ کیا کہ ان کو جنازہ پڑھانے سے روکا، کسی دوسری مسجد کے امام صاحب سے ان کا جنازہ پڑھوایا، اس عالم نے بھی ان کے پیچھے نماز جنازہ ادا کی، کیا ان کا جنازہ درست ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اس عالم دین کا موقف بالکل درست ہے، جب محلے کی مسجد کا امام موجود نہ ہو تو والدہ کی نماز جنازہ پڑھانے کا حق بھی اس عالم دین کو تھا لیکن جب انہوں نے اس مولوی صاحب کی اقتداء میں جنازہ ادا کیا تو نماز جنازہ ادا ہو گئی۔

”فذكر فی الاصل ان امام الحی احق بالصلاة علی المیت وروی الحسن عن ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ ان الامام الاعظم احق بالصلاة ان حضر فان لم یحضر فامیر المصر وان لم یحضر فامام الحی فان لم یحضر فالاقرب من ذوی قراباته وهذا هو حاصل المذهب عندنا“..... (بدائع الصنائع: ۲/۵۸)

”والاولی بالامامة فیها السلطان ثم القاضی ثم امام الجمعة ثم امام الحی ثم الولی علی ترتیب الارث وله ان یأذن لغيره اذا انتهى الحق الیه وليس لغير المذکورین ان یتقدم بلاذنه فان تقدم فله ان یعید ان شاء وان صلی هو فلیس لغيره ان یصلی بعده عن السلطان فمن دونه والاصل ان الحق فی الصلوٰۃ للولی، ولذا هو مقدم علی الجميع فی قول ابی یوسف رحمه الله تعالی“..... (حلی کبیری : ۵۰۳/)

والله تعالی اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جنازہ پڑھنے کے بعد میت کا چہرہ دیکھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۷۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنازہ پڑھنے کے بعد میت کا چہرہ دیکھنا کیسا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں میت کا چہرہ دیکھنا دفن کرنے سے پہلے جائز ہے، دفن کے بعد مکروہ ہے۔

”ولا بأس بان یرفع ستر الميت لیری وجہہ وانما یکرہ ذلک بعد الدفن کذا فی القنیة“..... (فتاویٰ الہندیة: ۵/۳۵۱)

”فجاء ابوبکر فکشف عن رسول الله ﷺ فقبله فقال باہی انت وامی طبت حیا ومیتا“..... (صحیح البخاری: ۱/۵۱۷)

والله تعالی اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

شیعہ کی شرکت سے نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۷۳): محترم جناب مفتی صاحب اگر امام اور مقتدی سنی ہوں مگر چند شیعہ آکر اس میں شریک ہو جائیں تو کیا نماز جنازہ پر کچھ اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں نماز جنازہ درست ہے کیونکہ امام سنی مسلمان ہے البتہ شیعوں کو مسلمانوں کے جنازہ میں شریک ہونے کا موقع نہ دیا جائے۔

”قولہ و شرطها ای شرط صحتها و اما شروط وجوبها فهي شروط بقية الصلوات من القدرة والعقل والبلوغ والاسلام مع زيادة العلم بموته تأمل“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۶۳۰)

”اما ماتصح به فكل مايعتبر شرطاً لصحة سائر الصلوات من الطهارة الحقيقية والحكمة واستقبال القبلة وستر العورة والنية يعتبر شرطاً لصحتها“..... (بدائع الصنائع: ۲/۵۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا نماز جنازہ کے لیے جماعت کا ہونا ضروری ہے؟

مسئلہ نمبر (۱۷۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جنازہ کے لیے جماعت کا ہونا ضروری ہے یا فرداً فرداً بھی پڑھ سکتے ہیں؟ نیز مردوں کی عدم موجودگی میں کیا عورتیں بھی جنازہ پڑھ سکتی ہیں کہ نہیں؟ اور نماز جنازہ پڑھانے کے لیے ان میں سے کوئی عورت امام بن سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں نماز جنازہ کے لیے جماعت کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ فرداً فرداً بھی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور مردوں کی عدم موجودگی میں عورتوں میں سے کوئی عورت بھی عورتوں کو نماز جنازہ پڑھا سکتی ہے۔

”ويكره امامة المرأة للنساء في الصلوات كلها من الفرائض والنوافل الا في صلوة الجنائز كذافي النهاية“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۸۵)

”والصلوة على الجنائز تتادى باداء الامام وحده لان الجماعة ليست بشرط الصلوة على الجنائز كذافي النهاية“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۶۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ کی ثناء میں ”جل ثناؤک“ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۷۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تعلیم الاسلام میں جنازے کی نماز میں ثناء ”وجل ثناؤک“ پڑھنا بہتر بتایا گیا ہے، جب کہ ہشتی زیور کے گیارہویں حصے میں ”سبحانک اللہم“ آخر تک پڑھنے کا حکم ہے، ”وجل ثناؤک“ کا ذکر نہیں عمل کس پر کیا جائے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز جنازہ میں ”سبحانک اللہم“ آخر تک پڑھے جیسا کہ دوسری نمازوں میں ثناء پڑھی جاتی ہے ”وجل ثناؤک“ پڑھنا بھی جائز ہے۔

”ثم یشی علی اللہ تعالیٰ فی التکبیرۃ الاولیٰ کما فی سائر الصلوات“
..... (مبسوط: ۱/۱۰۱)

”وهی اربع تکبیرات یقرأ دعاء الاستفتاح عقب الاولیٰ کما فی سائر الصلوات“..... (حلبی کبیری: ۵۰۴)

”قوله سبحانک اللہم شرح الفاظہ فی البحر والامداد وغیرہما قوله تارک قال الحصکفی وجل ثناء ک قال الشامی وهو ظاهر الروایۃ بدائع، لانه لم ینقل فی المشاہیر کافی فالاولیٰ ترکہ فی کل صلوٰۃ محافظۃ علی المروی بلازیادۃ وان کان ثناء علی اللہ تعالیٰ بحر وحلیۃ وفيہ اشارۃ الی ان قوله فی الہدایۃ لایاتی بہ فی الفرائض لامفہوم له لکن قال صاحب الہدایۃ فی کتابہ مختارات النوازل وقوله وجل ثناؤک لم ینقل فی الفرائض فی المشاہیر وماروی فیہ فهو صلوٰۃ التہجد قوله الافی الجنازۃ ذکرہ فی شرح المنیۃ الصغیر ولم یعزہ الی احد ولم ار لغيرہ سوى ما قدمناہ عن الہدایۃ ومختارات النوازل“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۳۶۰)

”وان زاد فی دعاء الاستفتاح بعد قوله تعالیٰ جدک لفظ جل ثناؤک لایمنع من زیادتہ وان سکت عنہ لایؤمر بہ لانه لم یذکر فی الاحادیث المشہورۃ“
..... (حلبی کبیری: ۲۶۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حیلہ اسقاط کا شرعی طریقہ اور حکم:

مسئلہ نمبر (۱۷۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام و علماء عظام رحمہم اللہ امت محمدیہ و ورثاء انبیاء علیہم السلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں ایک رواج ہے کہ جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو لوگ جمع ہوتے ہیں، ان میں علماء، چوہدری اور تمام عوام ہوتے ہیں وہ سب ایک رومال میں قرآن پاک رکھتے ہیں اور کچھ پیسے بھی، اور ایک دائرہ بنا لیتے ہیں پھر ایک دوسرے کو وہ رومال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قبول کرو اس طرح یہ رومال گھومتا ہو واپس پہلے آدمی کے پاس آجاتا ہے، یہ عمل ہر ایک کے انتقال پر ہوتا ہے، ہمارے ہاں بڑے علماء بھی اس عمل کو جائز قرار دیتے ہیں، آپ فرمائیں کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم مدلل جواب دیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں دیکھا جائے گا کہ میت نے وصیت کی ہے یا نہیں؟ اگر وصیت کی ہو تو ثلث مال سے اس کی فوت شدہ نمازوں اور روزوں کی ادائیگی کی جائے گی اگر ثلث مال سے پورا نہ ہو تو حیلہ کیا جائے گا۔ اور اگر میت نے وصیت نہ کی ہو اور ورثاء اپنی طرف سے ادا کرنا چاہیں تو دیکھا جائے گا کہ اس سے میت کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ پورا ہو جاتا ہے تو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر پورا نہیں ہوتا ہے تو اس کے لیے حیلہ کیا جائے گا۔

صورت حیلہ یہ ہے کہ ورثاء میت کے ذمے سے نمازوں اور روزوں کے اسقاط کی نیت سے فقیر کو کچھ رقم دے دیں، تو اس کے بقدر میت کی طرف سے فدیہ ادا ہو جائے گا، اور وہ فقیر وارث کو واپس بہہ کرے گا اور وارث قبضہ کر کے پھر غریب کو نیت سابق دے گا اور فقیر پھر قبضہ کر کے وارث کو بہہ کرے گا یہاں تک کہ ورثاء کا یقین ہو جائے کہ میت کے ذمے جو نمازیں اور روزے تھے وہ ساقط ہو گئے۔

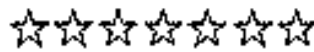
”واراد احد التبرع بقليل لا يكفي فحياته لبراء ذمة الميت عن جميع ما عليه ان يدفع ذلك المقدار اليسير بعد تقديره لشيء من صيام او صلاة او نحوه ويعطيه للفقير بقصد اسقاط ما يرد عن الميت ويسقط عن الميت بقدره ثم بعد قبضه يهبه الفقير للولى او للاجنبي ويقبضه لتمام الهبة وتملك ثم يدفعه الموهوب له للفقير بجهة الاسقاط متبرعا عن الميت فيسقط عن الميت بقدره ايضا ثم يهبه الفقير للولى وللجنى ويقبضه ثم يدفعه الولى للفقير

متبرعا عن الميت هكذا يفعل مرارا حتى يسقط ما كان يظنه على الميت من
صلوة وصيام..... (الطحطاوى على المراقى الفلاح: ۴۳۹)

”واعلم ان المذكور فيما رآيته من كتب ائمتنا فروعا واصولا انه اذا لم يوص
بقضية الصوم يجوز ان يتبرع عنه وليه وهو من له التصرف في ماله بورثته
او وصاية قالوا لو لم يملك شيئا يستقرض الولي شيئا فيدفعه للفقير ثم
يستوهبه منه ثم يدفعه لآخر وهكذا حتى يتم..... (مجموعه رسائل ابن
عابدین: ۱/۱۹۶)

”الرابع فى الفدية اراد الفدية عن صوم ابيه او صلاته وهو فقير يعطى منوبين من
الحنطة فقير ثم يستوهبه ثم يعطيه وهكذا الى ان يتم..... (الاشباه والنظائر
لابن نجيم: ۳۹۸)

والله تعالى اعلم بالصواب



سرکاری زمین پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۷۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سرکاری زمین پر نماز جنازہ کا کیا حکم
ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اعادہ صلوٰۃ ضروری ہے، حالانکہ وہ گراؤنڈ ایسا ہے جہاں پر لڑکوں کے لیے کھیلنے کو دینے
کی اجازت ہوتی ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

سرکاری زمین میں نماز جنازہ پڑھنا درست ہے، جب کہ قبضہ کی نیت سے نہ پڑھتے ہوں کیونکہ اس میں کوئی
شرعی ممانعت موجود نہیں ہے۔

”قال فى الدر وشرطها ستة اسلام الميت وطهارته قال ابن عابدین تحت قوله
وشرطها اى شرط لصحتها واما شروط وجوبها فهى شروط بقية الصلوات من
القدرة والفعل والبلوغ..... واما الشروط التى ترجع الى المصلى فهى شروط بقية
الصلوة من الطهارة الحقيقية بدنا وثوبا ومكانا..... (الدر مع رد المحتار: ۱/۲۳۰)

”و شرط صحتها شرائط الصلوة المطلقة واسلام الميت وطهارته“..... (حلی)

کبری: ۵۰۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جنازہ گاہ چھوٹی ہو تو مسجد میں جنازہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۷۸): کیا فرماتے ہیں علماء ذی وقار و مفتیان ذی شعار اندریں صورت کہ ہماری جامع مسجد انوار مدینہ واقع ماڈل زیڈ بلاک تحصیل ضلع بہاولنگر کے متصل ایک چھوٹی سی جنازہ گاہ ہے، آبادی کے بڑھنے کی وجہ سے لوگوں کا رش اور بھیز کو دیکھتے ہوئے عام نماز جنازہ میں یہ جگہ بہت کم پڑ گئی ہے، کچھ لوگ باہر مجبوری جگہ کی قلت کے پیش نظر اب بھی نماز جنازہ مسجد میں پڑھ لیتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان لوگوں کو مسجد میں کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ میت، امام صاحب اور دیگر نمازی مسجد سے باہر ہی ہوتے ہیں، علاوہ ازیں اس پورے ایریا میں کوئی متبادل جنازہ گاہ بھی نہیں ہے جہاں یہ انتظام وانصرام ہو سکے، از روئے شرع ہماری راہنمائی فرمائی جائے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں چونکہ مجبوری ہے جگہ تنگ ہے، اور متبادل جگہ یعنی کوئی میدان وغیرہ کا بندوبست بھی نہیں ہے، لہذا اس صورت میں اگر بعض نمازی نماز جنازہ کے لیے مسجد میں کھڑے ہو جائیں تو اس صورت میں بوجہ ضرورت کوئی حرج نہیں ہے۔

”قال في الدر واختلف في الخارجة عن المسجد وحده اومع بعض القوم
والمختار الكراهة مطلقا خلاصة بناء على ان المسجد انما بنى للمكتوبة
وتوابعها كنافلة وذكر وتدریس علم وهو الموافق لاطلاق حدیث ابی داؤد
من صلی علی میت فی المسجد فلاصلاقله، قال فی الرد قوله بناء علی ان
المسجد الخ اما اذا عللنا بخوف تلویث المسجد فلا یکره اذا کان المیت
خارج المسجد وحده اومع بعض القوم قال فی شرح المنیة والیہ مال فی
المبسوط والمحیط وعلیه العمل وهو المختار“..... (الدر مع الرد: ۱/۶۵۳)

”فلایکره اذا کان المیت خارج المسجد وحده او مع بعض القوم“

.....(الطحطاوی علی الدر: ۱/۳۷۷)

”فلایکره بعذر المطر ونحوه هکذا فی الکافی“.....(فتاویٰ الہندیۃ:

(۱/۱۶۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قبر پر کتبہ لگانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۷۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبر پر بطور نشانی کتبہ لگانا کیسا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

قبر پر بطور نشانی کتبہ لگانا جائز ہے۔

”قوله لا بأس بالكتابة الخ لان النهی عنها وان صح فقلو جدا لاجماع العملی

بها فقد اخرج الحاكم النهی عنها من طرق ثم قال هذه الاسانید صحیحة

ولیس العمل علیها فان ائمة المسلمین من المشرق الی المغرب مکتوب

علی قبورهم وهو العمل اخذ به الخلف عن السلف اه ویتقوی بما اخرجہ

ابوداؤد باسناد جید ان رسول اللہ ﷺ حمل حجرا فوضعها عند رأس عثمان

بن مظعون وقال اتعلم بها قبر اخی وادفن الیه من مات اهل فان الكتابة طریق

الی تعریف القبر بها نعم ینظر ان محل هذا لاجماع العملی علی الرخصة فیها

ما اذا كانت الحاجة داعیة الیه فی الجملة كما اشار الیه فی المحيط“

.....(رد المحتار: ۱/۶۶۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

خنثیٰ کی نماز جنازہ کی نیت:

مسئلہ نمبر (۱۸۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خنثیٰ کی نماز جنازہ میں کیا نیت کریں گے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

خوشی کی نماز جنازہ میں بھی وہی نیت کریں گے جو عام نماز جنازہ میں کی جاتی ہے یعنی نماز اللہ تعالیٰ کے لیے اور دعائیت کے لیے، اگر سوال سے مقصود کچھ اور ہے تو اس کی وضاحت کی جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کراچی میں فوت شدہ آدمی کی میت کو آبائی گاؤں لانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۸۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ایک دوست کراچی میں رہتے ہیں اور وہ وہیں پر وفات پا چکے ہیں، لیکن ان کا آبائی گاؤں وہاں سے کافی دور ہے جہاں پر اس کے رشتہ دار مدفون ہیں، اب لواحقین یہ چاہتے ہیں کہ ان کو ان کے آبائی گاؤں میں دفن کیا جائے، کیا ایسا کرنا شرعی اعتبار سے درست ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں بہتر صورت تو یہی ہے کہ اس کو وہاں پر ہی دفن کیا جائے جہاں پر وہ فوت ہوا ہے لیکن اگر ضرورت ہو تو دوسری جگہ بھی منتقل کر سکتے ہیں۔

”ويستحب في القتل والميت دفنه في المكان الذي مات في مقابر اولئك

القوم وان نقل قبل الدفن الى قدر ميل او ميلين فلا بأس به“..... (فتاویٰ

الهندية: ۱/۱۶۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

شہید کی غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۸۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ان مسائل کے بارے میں کہ

(۱) کیا شہید کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) شہید کی روح کو ایصالِ ثواب پہنچانے کے لیے کونسی صورت دین کی نظر میں بہتر ہے، ارشاد فرمائی جائے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

”قال في الدر ووضعه ای الميت وكونه هو او اكثر امام المصلی وكونه للقبلة فلا تصح علی غائب“..... (در مختار علی هامش رد المحتار: ۱/۸۱۲)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ میت پر غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے، بلکہ میت کا سامنے ہونا ضروری ہے، حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام کی زندگی میں بہت سے حضرات دور دراز علاقوں میں شہید ہوتے تھے مگر ان حضرات نے ان شہداء پر غائبانہ نماز نہیں پڑھی، اور جو بعض مواقع پر حضور ﷺ سے مروی ہے وہ ان کی خصوصیت تھی۔

(۲) ایصال ثواب کر سکتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ قرآن پاک اور درود شریف پڑھ کر نقلی عبادت، صدقہ خیرات، عمرہ اور نقلی حج وغیرہ کر کے اس کو ایصال ثواب کیا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مجبور شیعہ کا جنازہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۸۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شیعہ کا جنازہ تھا جس سے میں نے دوسرے ساتھیوں کو بھی منع کیا لیکن عین موقع پر میرے سینئر میرے پاس کھڑے تھے جن کے سامنے مجبوراً جنازہ پڑھنا پڑا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرے لیے تجدید ایمان و نکاح ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال چونکہ آپ نے اس کا جنازہ ناجائز سمجھتے ہوئے پڑھا ہے اس وجہ سے آپ کافر نہیں لہذا آپ پر تجدید ایمان و نکاح لازمی نہیں ہے البتہ اس عمل کی وجہ سے آپ گناہ گار ہوئے لہذا توبہ ضروری ہے۔

”فنقول لا یصلی علی الکافر..... لان الصلوٰۃ علی الميت دعاء واستغفار له

والاستغفار للکافر حرام“..... (المحیط البرہانی: ۳/۸۲)

”وشرطها ستة اسلام الميت وطهارته وفي الشامي قوله وشرطها ای شرط

صحتها“..... (الدرمع الشامي: ۱/۶۳۰)

”ومنہا ان استحلل المعصیۃ صغیرۃ کانت او کبیرۃ کفر“..... (شرح فقہ

الاکبر : ۱۵۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مرزائی کا نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۸۴): کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی جانتے ہوئے قادیانی (مرزائی) کا جنازہ پڑھے اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ اور ایک آدمی عدم علم کی بناء پر یعنی یہ جانتا نہ ہو کہ یہ مرزائی ہے یا اس کو پتہ نہ ہو کہ مرزائی کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا ناجائز ہے، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

قادیانی غیر مسلم ہیں ان کو مسلمان سمجھ کر نماز جنازہ پڑھا ہے تو کفر کا مرتکب ہوا ہے، توبہ کریں اور تجدید نکاح کریں، اور عدم علم کی بناء پر پڑھا ہے تو بھی توبہ کریں، عدم علم معتبر نہیں ہے، مگر کافر نہیں ہوا ہے۔

”مطلب فی صلاة الجنائزۃ..... و شرطها سنة اسلام الميت و طهارتہ قوله

و شرطها ای شرط صحتها“..... (الدرمع الشامی : ۱/۶۴۰)

”فنقول لا یصلی علی الکافر لقوله تعالیٰ ولا تصل علی احد منہم مات ابدا

ولا تقم علی قبرہ و روی انه لمات ابوطالب جاء علی رضی اللہ عنہ الی

رسول اللہ ﷺ وقال ان عمک الضال قدمات فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام

غسلہ و کفنه و ادفنہ و لاتحدث بہ حدثا حتی تلاقی ای و لاتصل علیہ لان

الصلاة علی الميت دعاء و استغفار له و الاستغفار للکافر حرام قال اللہ تعالیٰ

ان تستغفر لہم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لہم“..... (المحیط البرہانی :

۳/۸۲)

”ان استحلل المعصیۃ صغیرۃ کانت او کبیرۃ کفر“..... (شرح الفقہ الاکبر :

۱۵۲)

”وان كانت نية القائل الوجه اللذي يوجب التكفير لا تنفعه فتوى المفتي
ويؤمر بالتوبة والرجوع عن ذلك وبتجديد النكاح بينه وبين امرأته كذا في
المحيط“..... (فتاوى الهندية: ۲/۲۸۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۸۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کیسا ہے؟
کیا حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے۔

”عن محمد بن قيس بن مخزومة بن المطلب انه قال يوما الاحدثكم عنى وعن
امى قال فظننا انه يريد امه التى ولدته قال قالت عائشة الاحدثكم عنى وعن
رسول الله ﷺ قلنا بلى قال قالت لما كانت ليلتى التى كان النبى ﷺ فيها
عندى انقلب فوضع رداءه و خلع نعليه فوضعهما عند رجليه وبسط طرف
ازاره على فراشه فاضطجع فلم يلبث الا ريث ماظن ان قدر قدرت فاخذ رداءه
رويدا وانتعل رويدا وفتح الباب رويدا فخرج ثم اجافه رويدا فجعلت درعى
فى راسى واختمرت وتقنعت ازارى ثم انطلقت على الره حتى جاء البقيع
فقال فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرارة..... الحديث“..... (صحيح مسلم: ۱/۳۱۳)

”وقال النووي رحمه الله تعالى فيه استحباب اطالة الدعاء وتكريره ورفع
اليدين فيه وفيه ان دعاء القائم اكمل من دعاء الجالس فى القبور“..... (نوى
شرح مسلم: ۱/۳۱۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قرآن مجید کے پھٹے ہوئے اوراق کو قبر میں دفن کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۸۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قرآن مجید کے پھٹے ہوئے اوراق کو قبر میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی پہلے میت کو دفن کرے اس کے اوپر لحد بند کر کے اوراق کو دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

قرآن پاک کے مقدس اوراق کو میت کے ساتھ قبر میں دفن کرنا درست نہیں ہے، اس لیے کہ میت کے پھٹنے کی صورت میں ان مقدس اوراق کی تحقیر لازم آتی ہے، البتہ قرآن مجید کے اوراق کو دفن کرنے کے لیے علیحدہ لحد بنا کر کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر ایسے طریقے سے دفن کرنا چاہیے کہ قرآن کریم کے اوراق کو مٹی نہ پہنچ سکے۔

”المصحف اذا صار بحال لا يقرأ فيه يدفن اه قوله يدفن اي يجعل في خرقه طاهرة ويدفن في محل غير ممتهن لا يوطأ وفي الذخيرة وينبغي ان يلحد له ولا يشق له لانه يحتاج الى اهالة التراب عليه وفي ذلك نوع تحقير الا اذا جعل فوقه سقفا بحيث لا يصل التراب اليه فهو حسن ايضا اه..... قوله كالمسلم فانه مكرم واذامات وعدم نفعه يدفن وكذلك المصحف فليس في دفنه اهانة له بل ذلك اكرام خوفا من الامتهان“..... (در المختار مع رد المحتار: ۱۳۰، ۱۳۱/۱)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۸۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک نوجوان نے حالات سے تنگ آ کر خودکشی کر لی اس کے ورثاء نے علاقے کے ایک مشہور عالم دین کو جنازہ پڑھانے کے لئے کہا تو انہوں نے انکار کر دیا اور نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو جس عالم دین نے نماز جنازہ نہیں پڑھائی انکا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جو مسلمان خودکشی کرے اسکی نماز جنازہ پڑھی جائے گی لیکن واضح رہے کہ خودکشی کرنا حرام ہے، اور خودکشی کرنے والا مرتکب کبیرہ ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے اس گناہ کے سدباب کے لئے تعذیر فرمایا ہے کہ خودکشی کرنے والے کی مقتدی اور اہل علم حضرات نماز جنازہ نہ پڑھیں، لہذا جن مشہور عالم دین نے اس شخص کی نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا تھا ان کا یہ فعل عین شرع کے مطابق ہے۔

”ومن قتل نفسه عمدا یصلی علیہ عند ابی حنیفۃ و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ
وهو الاصح کذا فی التبیین“..... (ہندیہ ۱/۱۶۳)

”من قتل نفسه ولو عمدا یغسل ویصلی علیہ بہ یفتی“..... (در مختار:
۱/۱۲۲)

”باب (ما جاء فی قاتل النفس) وفی فقہ الحنیفۃ لا یصلی علیہ العلماء ومن
صار مقتدی للناس بالفتح وهکذا قاتل الوالدین والباغی لانه لم یبق من تعذیر
هم عندنا شئی غیر الصلاة فلا یصلون علیہم تعذیرا“..... (فیض الباری:
۲/۳۹۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زندگی میں اپنے لیے کفن خریدنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۸۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے والد صاحب حج پر گئے تو وہاں سے اپنے کفن کے لیے کپڑا بھی خرید لائے اور وصیت کی کہ مجھے اسی کپڑے میں کفن دیا جائے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے والد صاحب کا زندگی میں ہی کفن خریدنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں آپ کے والد صاحب کا اپنی زندگی میں ہی اپنے لیے کفن خریدنا از روئے شریعت درست ہے۔

”والذی ینبغی انہ لایکرہ تھیئہ نحو الکفن بخلاف القبر“

..... (الدر المختار: ۱/۱۲۶)

”قوله والذي ينبغي كذا قاله في شرح المنية وقال لان الحاجة اليه متحققة غالباً بخلاف القبر لقوله تعالى وماندرى نفس باى ارض تموت“..... (فتاوى شامى: ۱/۶۶۷)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۸۹): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، البتہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے۔

”وفى الهداية لا يصلى على ميت فى مسجد جماعة لقول النبى ﷺ من صلى على جنازة فى المسجد فلا اجر له ولانه بنى لاداء المكتوبة ولانه يحتمل تلويث المسجد“..... (الهداية: ۱/۱۹۳)

”وفى الهندية وصلاة الجنازة فى المسجد الذى تقام فيه الجماعة مكروهة..... ولا تكره بعذر المطر ونحوه“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۶۵)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کفن کس رنگ کا ہونا چاہئے؟

مسئلہ نمبر (۱۹۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کفن کے لیے سفید کپڑا ہونا چاہئے یا کوئی اور رنگ کا کپڑا بھی استعمال کر سکتے ہیں، آج کل کسی پارٹی کا کوئی لیڈر فوت ہو جائے تو پارٹی کے پرچم کو اس کا کفن بنایا جاتا ہے، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

کفن کے لیے سفید کپڑوں کے علاوہ اور رنگ کے کپڑے کا استعمال کرنا جائز ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے

لکھا ہے کہ جو کپڑا اور رنگ حالت حیات میں جائز ہے وہ کفن کے لیے بھی جائز ہے، اور جو رنگ اور کپڑا حالت حیات میں ناجائز ہے وہ کفن کے لیے بھی ناجائز ہے۔

البتہ کفن کے لیے سفید کپڑے کا استعمال کرنا مستحب ہے، آپ ﷺ کا کفن سفید تھا اور آپ ﷺ نے سفید رنگ کے کفن کی ترغیب بھی دی ہے، لہذا کسی پارٹی کی خاطر آپ ﷺ کی ہدایات کو ترک کرنا انتہائی غیر مناسب ہے۔

”فالا فضل ان يكون التكفين بالثياب البيض لما روى عن جابر بن عبد الله الانصاري رضى الله عنه عن رسول الله ﷺ انه قال احب الثياب الى الله تعالى البيض فليلبسها احيائكم و كفنوا فيها موتاكم وقال النبي ﷺ حسنوا اكفان الموتى فانه يتزاورون فيما بينهم ويتفاخرون بحسن اكفانهم، وقال عليه السلام اذا ولي احدكم اخاه ميتا فليحسن كفنه والبرود والكتان والقصب كل ذلك حسن والخلق اذا غسل والجديد سواء لما روى عن ابي بكر رضى الله عنه انه قال اغسلوا ثوبى هذين و كفنوني فيهما فانهما للمهل والصديد وان الحى اخرج الى الجديد من الميت والحاصل ان ما يجوز لكل جنس ان يلبسه فى حياته يجوز ان يكفن فيه بعد موته حتى يكره ان يكفن الرجل فى الحرير والمعصر والمزعر ولا يكره للنساء ذلك اعتبارا باللباس فى حال الحيوة“..... (بدائع الصنائع: ۲/۳۹)

”واحب الاكفان الثياب البيض هكذا فى النهاية..... وكل ما يباح للرجال لبسه فى حال الحيوة يباح تكفينه بعد الوفاة وما لا يباح له لبسه حال الحيوة لا يباح تكفينه بعد الوفاة كذا فى شرح الطحاوى“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۶۱)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جو بچہ ماں کے پیٹ میں مر جائے اس کے کفن اور غسل کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۹۱): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی بچہ ماں کے پیٹ سے مردہ ہی پیدا ہو تو اس کا نام رکھا جائے گا یا نہیں؟ اور اس کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟ اور اس کو مسنون کفن دیا جائے گا یا نہیں؟ اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں ایسا بچہ جو ماں کے پیٹ سے ہی مردہ پیدا ہوا تو اس کا نام بھی رکھا جائے گا، اس کو غسل بھی دیا جائے گا، لیکن مسنون کفن نہیں دیا جائے گا، بلکہ کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

”والایستہل غسل وسمی عند الثانی وهو الاصح فیفتی بہ علی خلاف ظاہر الروایۃ اکراما لبنی آدم کما فی ملتقى البحار وفى النهر عن الظہیریۃ واذا استبان بعض خلقه غسل وحشر هو المختار وادرج فی خرقۃ ودفن ولم یصل علیہ“..... (الدر علی الشامی : ۱/۶۵۵)

”لکن قال فی الشربلالیۃ یمکن التوفیق بان من نفی غسلہ اراد الغسل المراعی فیہ وجہ السنۃ ومن اثبتہ اراد الغسل فی الجملة کصب الماء علیہ من غیر وضوء وترتیب لفعلة کغسلہ ابتداء بسدر وحرص اہ قلت ویؤیدہ قولہم ویلف فی خرقۃ حیث لم یراعوا فی تکفینہ السنۃ فکذا غسلہ“..... (فتاویٰ شامی : ۱/۶۵۵)

”وان لم یستہل ادرج فی خرقۃ کرامة لبنی آدم ولم یصل علیہ لماروینا ویغسل فی غیر الظاہر من الروایۃ لانہ نفس من وجہ وهو المختار، قوله لماروینا ولولم یثبت کفی فی نفیہ کونہ نفسا من وجہ جزء من الحی من وجہ فصلى الاول یغسل ویصلی علیہ وعلی الثانی لا ولافاً عملنا الشہین فقلنا یغسل عملاً بالاول ولا یصلی علیہ عملاً بالثانی ورجحنا خلاف ظاہر الروایۃ واختلفوا فی الغسل السقط الذی لم یتم خلقة اعضائه والمختار انه یغسل ویلف فی خرقۃ“..... (فتح القدير : ۲/۹۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کو دفنانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۹۲): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کو دفنانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر

دعا کرنا کیسا ہے؟ اور یہ بھی لوگوں میں رواج ہے کہ میت کو دفنانے کے بعد واپس آتے ہوئے چالیس قدم کے قریب چل کر پھر رک جاتے ہیں اور اجتماعی دعا کرتے ہیں، اس کے متعلق بھی شرعی حکم واضح فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

میت کو دفنانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز بلکہ مستحب ہے اور دفنانے کے چالیس قدم چلنے کے بعد اجتماعی دعا کو مسنون یا مستحب سمجھنے کا کوئی جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔

”و يستحب اذا دفن الميت ان يجلسوا ساعة عند القبر بعد الفراغ بقدر ما ينحدر جزور ويقسم لحمها يتلون القرآن ويدعون للميت فان في سنن ابي داؤد كان النبي ﷺ اذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره وقال استغفروا الله لا خيكم واسألوا الله“..... (الجوهرة النيرة : ۱/۱۳۲)

”و يستحب حثية من قبل رأسه ثلاثا وجلس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحدر الجزور ويفرق لحمه“..... (در مختار: ۱/۱۲۵)

”وفى حديث ابن مسعود رأيت رسول الله ﷺ فى قبر عبد الله ذى النجادين الحديث وفيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا يديه، اخرج ابو عوانه فى صحيحه“..... (فتح البارى : ۱/۱۷۳)

”وفى حديث مسلم جاء البقيع فقام فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات“..... (صحيح مسلم : ۱/۳۱۳)

اسی حدیث کی تشریح میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”فيه استحباب اطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه وفيه ان دعاء القائم اكمل من دعاء الجالس فى القبور“..... (التنوير على المسلم : ۱/۳۱۳)

”بل اذا فرغ ورجع الناس لکن فليتفرقوا ويشغل الناس بامورهم وصاحب البیت بامرہ“..... (فتاویٰ شامی : ۱/۶۶۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جنازہ لاہور میں پڑھ کر آبائی گاؤں میں دفنانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۹۳): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک میت کا جنازہ لاہور میں پڑھا گیا ہے اور پھر اس کو اپنے آبائی وطن لے جایا گیا جہاں اس کے اور رشتہ دار بھی رہتے ہیں، تو کیا وہاں آبائی گاؤں میں اس پر دوبارہ جنازہ پڑھا جاسکتا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز جنازہ کا تکرار مشروع ہے (الافی صورة خاصة) بناء بریں جب ایک دفعہ نماز جنازہ ادا کر لی گئی ہو تو دوبارہ ولی کے بغیر کسی کے لیے اس کا اعادہ درست نہیں ہے۔

”ولا یصلی علی میت الامرة واحدة والتنفل بصلاة الجنازة غیر مشروع

کذا فی الابضاح ولا یعید الولی ان صلی الامام الاعظم او السلطان او الوالی

او القاضی او امام الحی لان هؤلاء اولی منه وان کان غیر هؤلاء له ان یعید

کذا فی الخلاصة وان صلی علیہ الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ

ولو اراد السلطان ان یصلی علیہ فله ذلك لانه مقدم علیہ“..... (فتاویٰ

الہندیة: ۱/۱۶۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا امائے ذفن کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

مسئلہ نمبر (۱۹۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں کے قریب دریائے

سندھ بہتا ہے جس میں گرمیوں کے موسم میں نعشیں آتی رہتی ہیں ہمارے لوگ انہیں پکڑ کر امائے ذفن کر دیتے ہیں،

پھر اگر کوئی اس کا رشتہ دار وغیرہ مل جائے تو اسے اپنے علاقے میں منتقل کرتے ہیں ورنہ بدستور مدفون رہتے ہیں، اب

وضاحت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایسی نعشوں (لاشوں) کی امائے ذفن صحیح ہے یا نہیں؟ نیز ان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی

یا نہیں؟ اگر پڑھنی ضروری ہے تو کس طرح پڑھیں؟

قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں، بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

امائتہ دفن کرنے کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے، جب میت کو دفن کر دیا تو اس کے بعد نکالنا اور دوسری جگہ میت کو منتقل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر زمین کسی کی مملوکہ ہے اور مالک کی اجازت کے بغیر دفن کیا گیا ہو تو نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا ہوگا، اور اگر قرآن سے معلوم ہو جائے کہ میت مسلمان ہے تو اس پر نماز جنازہ پڑھنی ہوگی، نیز کفر کی کوئی نشانی نہ ہو تب نماز پڑھی جائے گی، کیونکہ دارالاسلام میں زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ میت مسلمان ہے۔

”ولا يخرج من القبر الا ان تكون الارض مغصوبة اي بعد ما هيل التراب عليه
لا يجوز اخراجه لغير ضرورة للنهي الوارد عن نبشه وصرحوا بحرمته“.....
(البحر الرائق: ۲/۳۳۱)

”ولا يخرج من القبر يعني لا يخرج الميت من القبر بعدما هيل عليه التراب
للنهي الوارد عن نبشه“.....(تبیین الحقائق: ۱/۲۳۶)
”ولا يخرج منه بعد اهالة التراب شامل لما لو دفن في غير بلده حتى لو حضرت
امه لنقله لا يسعها ذلك وتجوز بعض شواذ المتأخرين ذلك لا يلتفت اليه“
.....(حاشية الطحطاوى مع الدر: ۱/۳۸۲)

”واما بعد الدفن فلا يجوز اخراجه حتى قالوا لو ان امرأة مات ولدها ودفن
ببلد غير بلدها وهي لاتصبر وارادت نبشه ونقله الي بلدها لا يباح لها ذلك“
.....(حلی کبیری: ۵۲۳)

”ولو دفن بثوب او درهم للغير او في ارض مغصوبة او اخذت بشفعة يخرج منه
لانها حق العبد وان وقع في القبر متاع فعلم به بعدما هيل التراب نبش ايضا
واخرج ولا يجوز نبش القبر لغير ذلك“.....(حلی کبیری: ۵۲۱)
”واتفقت كلمة المشايخ في امرأة دفن ابنها وهي غائبة في غير بلدها فلم
تصبر وارادت نقله انه لا يسعها ذلك فتجوز شواذ بعض المتأخرين لا يلتفت
اليه“.....(فتح القدير: ۲/۱۰۱)

”واشار بكون الارض مغصوبة الي ان يجوز نبشه لحق الآدمي كما اذا سقط
فيها متاعه او كفن بثوب مغصوب او دفن في ملك الغير او دفن معه مال احياء

لحق المحتاج قد اباح النبي ﷺ نبش قبر ابي رغال لعصا من ذهب معه.....
 ودخل فيه ما اذا اخذها الشفيح فانه ينش ايضا لحقه "..... (البحر الرائق :
 ٢/٣٢١)

"ولا يباح نبشه بعد الدفن اصلا الا لما تقدم من سقوط ماله فيه او كون الارض
 في حق الغير"..... (حلي كبيرى : ٥٢٣)
 "اذا دفن الميت في ارض غيره بغير اذن مالکها فالمالك بالخيار ان شاء امر
 باخراج الميت وان شاء سوى الارض وزرع فيها"..... (فتاوى الهندية:
 ١/١٦٤)

"واذا وجد الميت لا يدري ام مسلم هو ام كافر فان كان في قرية من قرى اهل
 الاسلام فالظاهر انه مسلم فيغسل ويصلى عليه وان كان في قرية من قرى اهل
 الشرك فالظاهر انه منهم فلا يصلى عليه الا ان يكون عليه سيما المسلمين
 فحينئذ يغسل ويصلى عليه وسيماء المسلمين الختان والخضاب ولبس
 السواد وما تعذر الوقوف على حقيقة يعتبر فيه العلامة والسيما قال الله تعالى
 (يعرف المجرمون بسيماهم) (الرحمن: ٣١) وقال ولو اراد الخروج
 لاعدوا له عدة (التوبة) "..... (المبسوط للسرخسى : ٢/٨٣)

"لو لم يدرك مسلم ام كافر ولا علامة فان في دارنا غسل وصلى عليه والا
 قوله ولا علامة الخ نص على ما هو المعتمد من الخلاف ان العبرة للمكان
 عند فقد العلامة واما اذا كان به علامة فيعمل بها اتفاقا وانما اعتبر المكان
 عند فقدها لان دلالة المكان تحصل بها غلبة الظن بكونه مسلما"..... (حاشية
 الطحطاوى مع الدر : ١/٣٦٨)

"لو لم يدرك مسلم ام كافر ولا علامة فان في دارنا غسل وصلى عليه والا
 قوله فان في دارنا الخ افاد بذكر التفصيل في المكان بعد انتفاء العلامة ان
 العلامة مقدمة وعند فقدها يعتبر المكان في الصحيح لانه يحصل به غلبة
 الظن كما في النهر عن البدائع وفيها ان علامة المسلمين اربعة الختان

والخضاب ولبس السواد وحلق العانة اه قلت في زماننا لبس السواد لم يبق
علامة للمسلمين“..... (درمع الرد : ۱/۶۳۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کسی کی وفات پر مارکیٹ کو زبردستی بند کروانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۹۵): محترم حضرت مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مندرجہ ذیل مسئلہ از روئے اسلام شرع و وضاحت فرمادیں۔

یہاں ہمارے بازار میں رسومات پڑی ہوئی ہیں کہ اگر کوئی بازار کا دکاندار مرجائے تو اس کی وجہ سے مارکیٹ کے لوگ دکانیں بند کروا دیتے ہیں، اس سلسلہ کی وضاحت چاہتا ہوں کہ اسلام میں اس کا کوئی تصور ہے؟ یا دین اسلام میں مرنے والے کے لیے بازار بند کرنے کی اجازت ہے؟ مکمل وضاحت فرمادیں، اور کیا یہ رسومات ہندوؤں اور عیسائیوں کی ہیں؟ اس کی وضاحت فرمادیں، میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

از روئے شرع کسی کی موت پر تین دن تک اظہار سوگ کی اجازت ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے، اور یہ حکم بھی ان لوگوں کے لیے جو حقیقتہً غمزدہ ہوں اس لیے صورت مسئولہ میں اگر تو دکانیں جنازہ میں شرکت ہمدردی اور تعاون کی نیت سے بند کرتے ہیں تو یہ باعث ثواب ہے کیونکہ ایک مسلمان کا حق یہ بھی ہے کہ اس کے جنازہ میں شریک ہو جائے، اور جنازہ کے بعد حسب معمول اپنے کاروبار کو جاری رکھے، البتہ اگر تین دن کے بعد اس لیے بند کرتے ہیں کہ غم میں شریک ہو کر سوگ منایا جائے یا جنازہ کے بعد بھی دکانیں جبراً بند کراتے ہیں تو یہ جائز نہیں ہے۔

”لابأس بتعزية اهل الميت من المسلمين وترغيبهم في الصبر والرضاء

بقضاء الله تعالى لينالوا اجر الصابرين والدعاء بالرحمة والمغفرة للميت“

..... (الفتاوى السراجية: ۱۳۶)

”والتعزية للمصاب سنة للحديث من عزي مصابا فله مثل اجره“

..... (البحر الرائق: ۲/۳۳۷)

”قوله وبالجوس لها..... الجوس في المصيبة ثلاثة ايام للرجال جاءت

الرخصة فيه ولا تجلس النساء قطعا“..... (رد المحتار: ۱/۶۶۳)

”عن زينب بنت ابي سلمة..... قالت زينب دخلت على ام حبيبة زوج النبي ﷺ حين توفي ابوها ابو سفيان بن حرب فدعت ام حبيبة بطيب فيه صفرة خلوق او غيره فدهنت منه جارية ثم مست بعارضتها ثم قالت والله مالي بالطيب من حاجة غير اني سمعت رسول الله ﷺ يقول لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر ان تحد على ميت فوق ثلاث ليال الا على زوج اربعة اشهر وعشرا“..... (صحيح البخارى: ۲/۸۰۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کو دفنانے کے بعد قبر پر اذان کہنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۹۶): محترم جناب مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته!

(۱) جناب عالی گزارش ہے کہ ہمیں ایک مسئلہ درپیش ہے کہ میت کو دفنانے کے بعد قبر کے اوپر کھڑے ہو کر اذان پڑھنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو قرآن و حدیث کے حوالہ سے تحریر فرمادیں۔

(۲) اور کیا شیطان قبر کے اندر جا کر مردے کے ایمان کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے؟ آپ کی بہت بہت مہربانی ہوگی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

میت کو دفنانے کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر اذان کہنا بدعت ہے، اس سے اجتناب کریں۔

”تنبيه وفي الاقتصار على ما ذكر من الوارد اشارة الى انه لا يسن الاذان

عند ادخال الميت في قبره كما هو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر في فتاويه

بانه بدعة وقال ومن ظن انه سنة قياسا على نديهما للمولود الحاقا لخاتمة

الامر بابتداءه فلم يصب“..... (فتاوى شامی: ۲/۲۳۵)

(۲) شیطان زندگی تک ہی انسان کے ایمان کو نقصان پہنچا سکتا ہے، مرنے کے بعد شیطان انسان کے ایمان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قبر کے پاس دعا کرتے وقت رخ کس طرف ہونا چاہیے؟

مسئلہ نمبر (۱۹۷): کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا قبرستان میں قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگی جاسکتی ہے؟ نیز دعا مانگنے والا کس طرف رخ کر کے کھڑا ہو، شریعت مطہرہ کی روشنی میں صحیح وضاحت فرمادیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ قبرستان میں جا کر میت کے چہرہ کے مقابل کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مستحب ہے کیونکہ یہی عامۃ المسلمین کا طرز عمل ہے، البتہ قبروں کا بوس و کنار کرنا شرعاً درست نہیں ہے کیونکہ تجلجہ بالصاری لازم آتا ہے جو کہ منع ہے۔

”عن ابن عباس قال مر النبي ﷺ بقبور بالمدينة فاقبل عليهم بوجهه فقال السلام عليكم يا اهل القبور يغفر الله لنا ولكم انتم سلفنا ونحن بالانوار رواه الترمذی ای علی اهل القبور وفيه دلالة علی ان المستحب فی حال السلام علی الميت ان یكون وجهه لوجه الميت وان یستمر كذلك فی الدعاء ایضا وعلیه عمل عامة المسلمین خلافا لما قاله ابن حجر من ان السنة عندنا انه حالة الدعاء یسقبل القبلة كما علم من احادیث اخر فی مطلق الدعاء اه وفيه ان كثير من مواضع الدعاء ما وقع استقباله ﷺ للقبلة منها ما نحن فيه ومنها حالة الطواف والسعی ودخول المسجد وخروجه وحال الاكل والشرب وعبادة المريض وامثال ذلك فیتعین ان یقتصر الاستقبال وعدمه علی المورد ان وجدوا لافخیر المجالس ما استقبال القبلة كما ورد به الخبر واما ما فعله بعض السلف بعد زیارة النبوة من استقبال القبلة للدعویة فهو امر زائد لا مسطور فیہ للاتمة بوجهه قال المظهر واعلم ان زیارة الميت کزیارته فی حال حیوته یتقبله بوجهه فان كان فی الحیاة اذا زاره یجلس منه علی البعد لكونه عظیم القدر فكذلك فی زیارته یقف او یجلس علی البعد منه وان كان یجلس منه علی القرب فی حیاته كذلك یجلس بقربه اذا زاره اه

واذا زاغ يقرء فاتحة الكتاب وقل هو الله احد ثلاث مرات ثم يدعوا له ولا يمسحه ولا يقبله فان ذلك من عادة النصارى“..... (مراقبة المفاتيح : ۲۱۸، ۲۱۹/۳)

”قولها جاء البقيع فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات فيه استحباب اطالة الدعاء او تكريره ورفع اليدين فيه وفيه ان دعاء القائم اكمل من دعاء الجالس في القبور“..... (صحيح مسلم مع شرح النووي : ۱/۳۱۳)

واضح رہے کہ ہمارے بعض اکابر نے جو قبر کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کو منع فرمایا تھا ان میں سے بعض حضرات نے مذکورہ حدیث کو زیر نظر آنے کے بعد رجوع کر لیا ہے اور دیگر بعض حضرات کو یا تو یہ حدیث منظور نظر نہیں تھی یا ان حضرات کے سدباب کے لیے فرمایا ہے جو اصحاب القبور سے مانگتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

دُفن کے بعد سورۃ البقرۃ کی ابتدائی اور اختتامی آیات پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۹۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کو دفن کرنے کے بعد میت کی قبر پر کھڑے ہو کر جو سورۃ البقرۃ کی شروع اور اخیر والی آیات پڑھی جاتی ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا نابالغ میت کی قبر پر بھی پڑھی جائیں گی یا کہ نہیں؟ جب کہ نابالغ معصوم ہوتے ہیں، برائے مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں جس طرح نابالغ میت کی قبر پر دفن کے بعد سورۃ البقرۃ کی شروع اور اخیر والی آیات پڑھی جاتی ہیں، اسی طرح نابالغ میت کی قبر پر بھی پڑھنی چاہئیں، اس کی بنیاد متکلمین اور فقہاء کا قبر میں بچوں سے سوال و جواب کے ہونے نہ ہونے پر ہے، بعض متکلمین اور فقہاء قبر میں بچوں سے سوال و جواب کے قائل نہیں ہیں، لہذا یہ حضرات ان آیات کے پڑھنے کے بھی قائل نہیں، اور بعض متکلمین اور فقہاء قبر پر ان آیات کے پڑھنے کے قائل ہیں لہذا ان کے نزدیک بچوں کی قبر پر بھی ان آیات کا پڑھنا چاہیے، اور احتیاطاً فتویٰ اسی دوسرے قول پر

”سوال متکر و تکبر و هما ملکان بدخلان القبر فيسألان العبد عن ربه وعن دينه وعن نبيه قال السيد ابو شجاع ان للصبيان سؤالا وفي حاشيته قوله للصبيان الخ قبل ينبغي ان يكون هذا مخصوصا بصبيان المشركين فان صبيان المؤمنين مغفورون وفيه انه منقوض بسؤال المطيعين المغفورين“
.....(شرح العقائد، مطبوعه الميزان: ١٠٠ حاشية نمبر: ١)

”واستثنى من عموم سوال القبر الانبياء عليهم السلام والاطفال والشهداء ففي صحيح مسلم انه عليه الصلوة والسلام سئل عن ذلك؟ فقال كفى ببارقة السيوف شاهدا ففي الكفاية انه لا سؤال للانبياء عليهم السلام وقال السيد ابو شجاع علماء الحنفية ان للصبيان سؤالا وكذا للانبياء عند البعض وقال بعضهم صبيان المسلمين مغفور لهم قطعا والسؤال لحكمة لم يطلع عليها“.....(الفقه الاكبر: ١٠٠)

”قوله وجلوس الخ لما في سنن ابى داؤد وكان النبي ﷺ اذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره وقال استغفروا لآخيكم واسألوا الله له التثبيت فانه الآن يسئل وكان ابن عمر يستحب ان يقرأ على القبر بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمتها وروى ان عمرو بن العاص قال وهو في سياق الموت اذا نامت فلا تصبحنى نائحة ولا نار فاذا دفتمونى فشنوا على التراب شنائم اقيموا حول قبرى قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها حتى استانس بكم وانظر ماذا اراجع رسل ربى جوهره“.....(فتاوى شامى: ١/٦٦١)

”عن عثمان قال كان النبي ﷺ اذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال استغفروا لآخيكم ثم سلوا له بالتثبيت فانه الآن يسئل..... وفي سنن البيهقي ان ابن عمر استحب ان يقرأ على القبر بعد الدفن اول سورة البقرة وخاتمتها قاله الطيبي وفي رواية يقرأ اول البقرة عند رأس الميت وخاتمتها عند رجليه رواه ابو داؤد“.....(مرقاة المفاتيح: ١/٣٢٤)

والله تعالى اعلم بالصواب

کیا شیعہ کے جنازہ میں شریک ہونے سے تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے؟

مسئلہ نمبر (۱۹۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں ننھے جاگیر ضلع قصور میں علماء نے شیعہ کا جنازہ پڑھنے والے کے بارے میں تجدید ایمان و نکاح کا حکم دیا ہے، ازراہ کرم اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ کیا واقعی شیعوں کے جنازے میں شرکت کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور تجدید ایمان کی بھی ضرورت ہوتی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اگر شہت کے وہ عقائد جن سے کفر لازم آتا ہے (مثلاً کذب عائشہؓ، انکار صحبت صدیقؓ اور تحریف قرآن وغیرہ) کا علم ہونے کے باوجود جائز سمجھ کر جنازہ پڑھا تو پڑھنے والے پر تجدید ایمان و نکاح دونوں ضروری ہیں۔

”فنقول لا یصلی علی الکافر..... لان الصلوٰۃ علی المیت دعاء واستغفار له

والاستغفار للکافر حرام“..... (المحیط البرہانی : ۳/۸۲)

”وشرطها ستة اسلام المیت وطهارته وفي الشامی قوله وشرطها ای شرط

صحتها“..... (الدرمع الشامی : ۱/۶۳۰)

”ومنها استحلال المعصية صغيرة كانت او كبيرة كفر“..... (شرح فقہ

الاکبر: ۱۵۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

اگر امام بھول کر پانچویں تکبیر کہہ دے تو مقتدی کیا کرے؟

مسئلہ نمبر (۲۰۰): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز جنازہ پڑھتے وقت امام نے بھول کر پانچویں تکبیر کہہ دی اور مقتدیوں نے بھی پیچھے تکبیر کہہ دی اس کے بعد سلام پھیرا، آیا یہ جنازہ ہوا یا نہیں ہوا؟ کیا جنازہ دوبارہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟

قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل جواب دیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

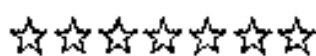
بشرط صحت سوال مذکورہ صورت میں نماز جنازہ درست ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

”ولو كبر الامام خمسا فالمقتدى لا يتابع ثم ماذا يصنع في رواية عن ابي حنيفة
يمكث حتى يسلم معه وهو الاصح هكذا في محيط السرخسي اه“
..... (فتاوى الهندية : ۱/۱۶۳)

”ولو كبر امامه خمسالم يتبع لانه منسوخ فيمكث المؤتم حتى يسلم معه
اذا سلم به يفتي اه“..... (الدر على الشامي : ۱/۶۳۵)

”الحنفية قالوا اذا زاد الامام عن اربع فالمقتدى لا يتابعه في الزيادة بل ينتظر
حتى يسلم معه وصحت صلاة الجميع“..... (كتاب الفقه على المذاهب
الاربعة : ۱/۳۵۸)

والله تعالى اعلم بالصواب



تعزیت صرف ایک ہی دفعہ کافی ہے:

مسئلہ نمبر (۲۰۱): کیا فرماتے ہیں ہمارے مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

ہمارے علاقہ میں جب کوئی فوت ہو جائے تو اس کے لیے تعزیت کا ایک مخصوص طریقہ اختیار کیا جاتا ہے،
باہر سے آنے والا شخص فوت ہونے والے آدمی کی برادری کے ہر شخص سے علیحدہ علیحدہ نام لے کر ایک ایک سے
دعا کرواتا ہے، مثلاً پہلے ایک سے کہے گا کہ ملاں بھائی دعا کرو، اس طرح دوسرے کو تیسرے کو اور دعا کرو یہاں کہا ہے
”راہ حق نال“ جواب میں دوسرا آدمی جس کا رشتہ دار فوت ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ ”حق ہو یا اے“ جو باپ پھر دعائیہ کلمات
اپنی زبان کے مطابق کہے جاتے ہیں اس طرح یہ طریقہ تین دن تک اور کبھی کبھار مہینوں تک چلتا ہے، پوچھنا یہ ہے
کہ کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے یعنی جائز ہے، واجب ہے، سنت ہے، یا مستحب یا بدعت؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

پسماندگان میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ تعزیت کرنا یہ ضروری نہیں، تعزیت میں یوں کہنا چاہئے، اللہ
تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کی میت کی مغفرت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر کی تلقین کی جائے، تعزیت
ایک دفعہ ہی کافی ہے۔

”وتكره التعزية ثانياً وعند القبر وعند باب الدار ويقول اعظم الله اجرک

واحسن عزاءک وغفر لميتک“..... (در مختار علی رد المحتار: ۱/۶۶۵)

”قوله بتعزية اهله ای تصيرهم والدعاء لهم به“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۶۶۳)

والله تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

اگر لاش گل سڑ جائے یا پھٹ جائے تو نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۰۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو شخص نشہ کی حالت میں مر جائے اور لاش کئی دن بعد ملے لاش گل سڑ جائے، جسم میں کیڑے پڑ جائیں یا جسم پھول کر پھٹ جائے یا پھیل جائے، ایسی مذکورہ لاش کو غسل بھی نہیں دیا جاسکتا تو کیا میت مذکورہ کا نماز جنازہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر ہاتھ لگانے سے لاش کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں لاش پر صرف پانی بہا دینا کافی ہے کیونکہ غسل میں ملنا وغیرہ ضروری نہیں ہے لہذا پانی بہانے کے بعد کفن پہنایا جائے اور پھر نماز پڑھی جائے۔

”ولو كان الميت متفسخاً يتعذر مسحہ كفي صب الماء عليه كذا في

التارخانية“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۵۸)

والله تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بغیر کسی عذر کے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۰۳): محترم جناب مفتی صاحب

اس مسئلہ کے بارے میں مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں

ہمارے محلہ میں ایک بہت بڑی مسجد ہے جس کے سامنے بڑے بڑے پارک بھی ہیں لیکن ہماری مسجد کے

امام صاحب اس میں نماز جنازہ پڑھاتے ہیں، جب کہ کوئی بہانہ یا عذر بھی مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا معلوم نہیں ہوتا،

کیا مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا صحیح ہے یا نہیں ہے؟

قرآن و حدیث کے حوالوں سے جواب دیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بلاعذر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا بناء بر قول راجح مطلقاً مکروہ تحریمی ہے چاہے میت مسجد کے اندر ہو یا باہر ہو، نمازی بعض مسجد میں ہوں یا باہر ہوں، نیز حدیث شریف ہے۔

”من صلی علی میت فی المسجد فلا صلاۃ له“..... (سنن ابی داؤد: ۱/۱۰۱)
 ”فی الدر مع الشامیة و کرهت تحریمًا و قیل تنزیہًا و فی الشامیة قوله و قیل تنزیہًا..... فرجع القول الاول لاطلاق المنع قال الحصکفی فی مسجد جماعة هو ای المیت فیہ وحده او مع القوم و اختلف فی الخارجة عن المسجد وحده او مع بعض القوم و المختار الکراهة مطلقًا و فی الشامیة قوله مطلقًا ای فی جمیع الصور المتقدمة کما فی الفتح عن الخلاصة و فی مختارات النوازل سواء کان المیت فیہ او خارجه هو ظاهر الروایة“.....
 (فتاویٰ شامی: ۱/۶۵۲، ۶۵۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

اپنے آپ کو آگ لگانے کے پانچ دن بعد وفات پانے والے کی نماز جنازہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۰۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جس کی عمر تقریباً ۲۱ سال ہے بعض نامعلوم وجوہات کی بناء پر اس نے اپنے آپ کو آگ لگالی اور تقریباً پانچ دن تک زندہ رہا اور بعد ازاں وفات پا گیا، دوران علالت اس نے اپنے جرم پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے خوب توبہ کی اور ٹھیک حالت نزع کے وقت اس نے کلمہ طیبہ کا ورد بھی کیا، مقامی علماء نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا فتویٰ دیا بہر حال اس کی نماز جنازہ پڑھائی گئی۔

برائے مہربانی تحریری طور پر اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ آیا ایسے شخص کی نماز جنازہ ہو جاتی ہے

یا کہ نہیں؟ اور جب ایسے شخص کو حالت نزع میں کلمہ طیبہ نصیب ہو جائے تو پھر کیا حکم ہے؟

نیز جن لوگوں نے نماز جنازہ نہ پڑھنے کا فتویٰ دیا ہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال جب یہ شخص حادثہ کے پانچ دن بعد تک زندہ رہا اور توبہ وغیرہ بھی نصیب ہوگئی تو اس پر نماز پڑھنا عام مسلمانوں کی طرح ہی فرض کفایہ ہے، بنا بریں جن علماء نے نماز کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے وہ درست نہیں ہے، اگر یہ حادثہ میں ہی فوراً بغیر توبہ کے مرجاتا جب بھی مفتی بہ قول کے مطابق اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔

”من قتل نفسه ولو عمدا يغسل ويصلى عليه به يفتى وان كان اعظم وزرا من

قاتل غيره“..... (در مختار علی هامش الر د: ۱/۶۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کے نیچے قبر میں مصلے اور روئی بچھانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۰۵): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں ایک رسم یہ چلی ہے کہ بعض لوگ میت کو دفن کرتے وقت اس کے نیچے مصلے، روئی، کپڑا وغیرہ بچھاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ ایسا کرنے سے بدعت گناہ کا کام شریعت کے خلاف تو نہیں ہوگا؟

(۲) میں نے ضرب مؤمن کے ایک شمارے میں پڑھا ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد انفرادی طور پر دعائے مانگنا جائز ہے، اجتماعی دعا درست نہیں ہے، لیکن ہم نے تو ہر جگہ اجتماعی دعائے مانگتے ہوئے دیکھا ہے، اور خود بھی ایسا ہی کرتے ہیں، ہماری راہنمائی فرمائیں کہ کیا کرنا چاہیے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

”ولا يجوز ان يوضع فيه مضربة (قوله ولا يجوز الخ) ای يكره ذلك قال في

الحلية ويكره ان يوضع تحت الميت في القبر مضربة او مخدة او حصيرا

اونحو ذلك اه ولعله وجهه انه اتلاف مال بلا ضرورة فالكرهية تحريمية

ولذا عبر بلایجوز“..... (فتاویٰ شامی: ۲/۳۵۹)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ چٹائی وغیرہ میت کے نیچے رکھنا مکروہ ہے۔

(۲) ضرب مؤمن میں جو مسئلہ لکھا گیا ہے احسن الفتاویٰ کے پرانے نسخے سے لکھا گیا ہے، نئے نسخے میں رجوع

ثابت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

علم کے باوجود قادیانی کی نماز جنازہ پڑھانا:

مسئلہ نمبر (۴۰۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب نے چند سال قبل ایک قادیانی کی نماز جنازہ علم ہونے کے باوجود پڑھائی تھی، امام مسجد کے متعلق اور جنازہ پڑھنے والے مقتدیوں کے متعلق دین اسلام کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اگر امام نے جائز سمجھ کر قادیانی کا جنازہ پڑھایا تھا اسی طرح اگر مقتدیوں نے بھی جائز سمجھ کر قادیانی کا جنازہ پڑھا تھا تو سب اسلام سے خارج ہیں اور ان پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم ہے، اور اگر جائز سمجھ کر نہیں بلکہ محض سیاستاً یا رسماً ناجائز سمجھتے ہوئے پڑھا ہے تو پھر یہ سب لوگ کثرت سے توبہ واستغفار کریں۔

”سمعت بعضهم يقول اذا لم يعرف الرجل ان محمداً ﷺ آخر الانبياء عليهم وعلى نبينا السلام فليس بمسلم كذا في التيممة“..... (فتاوى الهندية: ۲/۲۶۳)

”ما كان محمداً باحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين“..... (سورة الاحزاب: ۴۰)

”والاصل ان من اعتقد الحرام حلالاً فان كان حرام لغيره كمال الغير لا يكفر وان كان لعينه فان كان دليله قطعياً ككفر الافلاوقيل التفصيل في العالم اما الجاهل فلا يفرق بين الحلال والحرام لعينه ولغيره وانما الفرق في حقه انما كان قطعياً ككفره والافلا فيكفر اذا قال الخمر ليس بحرام“..... (البحر الرائق: ۵/۲۰۶)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا مسجد میں نماز جنازہ ہو سکتا ہے؟

مسئلہ نمبر (۴۰۷): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد میں نماز جنازہ ہو سکتا ہے؟ کیا مسجد میں کسی چھوٹے بچے کا جنازہ ہو سکتا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ صورت میں مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے البتہ عذر کی وجہ سے پڑھ سکتے ہیں جیسے بارش وغیرہ یا درہے کہ بالغ اور نابالغ چھوٹے بچوں کے جنازہ کا ایک ہی حکم ہے۔

”و صلاة الجنائزة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروهة سواء كان الميت والقوم في المسجد او كان الميت خارج المسجد والقوم في المسجد او كان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقي في المسجد او الميت في المسجد والامام والقوم خارج المسجد هو المختار كذا في الخلاصة ولا تكره بعذر المطر ونحوه هكذا في الكافي“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۶۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز جنازہ میں تکرار کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۰۸): کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل کے بارے میں کہ

- (۱) نماز جنازہ دو بارہ پڑھنا یا پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟
- (۲) جن لوگوں نے ایک میت پر ایک دفعہ نماز جنازہ پڑھ لی ہو اسی پر دو بارہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز جنازہ دو بارہ پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر نماز جنازہ پڑھی گئی ہو تو ولی کو دو بارہ پڑھنے کا حق ہے، اس صورت میں بھی جو لوگ پہلے نماز جنازہ پڑھ چکے ہوں تو ان کو ولی کے ساتھ دو بارہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

”فان صلی غیرہ ای الولی لمن لیس له حق التقدم علی الولی ولم یتابعہ الولی اعداد الولی ولو علی قبرہ ان شاء لاجل حقه لالاسقاط القرض ولذا قلنا لیس لمن صلی علیہا ان یعید مع الولی لان تکرارها غیر مشروع“..... (درمع الرد: ۲/۶۵۱، ۶۵۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مغالطہ میں قادیانی کا نماز جنازہ پڑھانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۰۹): بخدمت جناب حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

درج ذیل سوال کا شرعی جواب مطلوب ہے۔

زید مرزائی اور قادیانیوں کو قطعی طور پر کافر سمجھتا ہے، ہوا یوں کہ چند لوگوں نے ایک میت کے متعلق زید سے کہا کہ اس کا نماز جنازہ پڑھا دے، زید کو اس میت کے مسلمان ہونے کے حوالے سے تردد تھا، چونکہ پہلے یہ شخص بطور قادیانی مشہور تھا اسی وجہ سے زید نے مذکورہ شخص کا جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا، مگر کچھ لوگوں نے (جس میں بعض مسلمان تھے اور بعض قادیانی) یقین دلایا کہ نہیں یہ مسلمان ہی تھا، بلکہ حج و عمرہ بھی ادا کر چکا ہے (اور عام علاقے میں شہرت یہ ہے کہ حج و عمرہ کے بعد دوبارہ یہ شخص قادیانی ہو گیا تھا) اس پر زید نے ورثاء سے پوچھا اگر یہ مسلمان ہو گیا تھا تو پھر قادیانی عبادت گاہ میں کیونکر موت واقع ہوئی ہے؟ (اس سے مراد 28.05.2010 کو ماڈل ٹاؤن لاہور میں ہونے والا واقعہ ہے) اس سوال پر میت کے ماموں زاد بھائی جو کہ مسلمان ہے نے اس بات کی تردید کی کہ شخص مذکور کی موت عبادت گاہ قادیانی میں ہوئی، بلکہ کہا کہ یہ بینک سے رقم نکلوانے گیا تھا اور راستہ میں فائرنگ سے ہلاک ہوا ہے، بعد ازیں زید نے اس شخص مذکور کا جنازہ پڑھا دیا، کچھ دیر بعد کچھ لوگ مزید آئے اور انہوں نے دوبارہ جنازہ پڑھا دیا مگر قادیانیوں کے طریقے کے مطابق؟ جب زید نے یہ ماجرا دیکھا تو ورثاء سے کہا کہ یہ جنازہ دوبارہ کیوں پڑھایا گیا اور وہ بھی قادیانیوں کے طریقے کے مطابق؟ جواب میں ورثاء نے کہا کہ چند رشتہ دار جنازے سے رہ گئے تھے اور وہ ہیں بھی قادیانی، بس رشتہ داری کی وجہ سے جنازے کی اجازت دی گئی ہے، اب آپ حضرات اہل علم کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

(۱) زید باوجودیکہ قادیانیوں کو قطعی طور پر کافر سمجھتا ہے محض مغالطہ میں آجانے کی وجہ سے قادیانی کا جنازہ پڑھا چکا ہے اس شخص کے ساتھ عام مسلمانوں کا رویہ کیسا ہونا چاہیے؟

(۲) زید کے نکاح اور اسلام پر کوئی اثر ہوا ہے یا نہیں؟

(۳) زید اپنے اس عمل پر نادم ہے، اللہ تعالیٰ کے حضور معافی کی کیا صورت ہے؟

(۴) وہ مسلمان جنہوں نے اس جنازہ میں شرکت کی ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۵) وہ مسلمان جو جنازے میں شریک تو نہ تھے مگر ویسے قادیانیوں کے ساتھ تعلقات رکھے ہوئے ہیں ان کے

بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۲۰۳، ۲۰۱) اگر واقعی زید قادیانیوں کو کافر سمجھتا ہے اور ان کی نماز جنازہ جائز نہیں سمجھتا صرف لوگوں کے مخالطے میں آکر یہ سمجھا کہ یہ شخص مسلمان ہو چکا ہے اس لیے اسے مسلمان سمجھتے ہوئے اس کی نماز جنازہ پڑھائی تو اس سے زید کے ایمان، اسلام اور نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، لوگوں کو اس کے ساتھ ایک عام مسلمان جیسا رویہ برتنا چاہیے، البتہ زید کو اپنی غلطی پر استغفار کرنا چاہیے۔

اور عام مسلمان جو جنازے میں شریک ہوئے وہ بھی اگر قادیانیوں کو کافر اور ان کی نماز جنازہ کو ناجائز سمجھتے ہیں تو ان کا ایمان تو ضائع نہیں ہوا بہر حال توبہ و استغفار ضروری ہے، اور اگر ان میں سے کوئی بھی قادیانیوں کو مسلمان سمجھ کر یا ان کی نماز جنازہ کو جائز سمجھ کر شریک ہوا تو ایسا شخص دائرہ ایمان سے خارج ہو جائے گا اور تجدید ایمان اور تجدید نکاح لازم ہوگا۔

(۵) قادیانیوں سے ایسے تعلقات رکھنا جس سے ان کی ایک عام مسلمان جیسی تعظیم و تکریم ظاہر ہو اور یہ تعلقات دلی طور پر ان کی طرف میلان اور دوستی کو ظاہر کریں، جس کو اصطلاح میں موالات کہا جاتا ہے بالکل ناجائز اور حرام ہیں، جو لوگ ایسا تعلق رکھے ہوئے ہیں وہ حرام کے مرتکب ہیں، ان کو فوراً توبہ کرنی چاہیے۔

”والاصل ان من اعتقد الحرام حلالا فان كان حراما لغيره كمال الغير لا يكفر

وان كان لعينه فان كان دليلا قطعا كفر“..... (البحر الرائق: ۲۰۶/۵)

”من استحل ما حرمه الله على وجه الظن لا يكفر وانما يكفر اذا اعتقد الحرام

حلالا“..... (رد المحتار: ۳/۱۶۸)

”ولا ينجو من الكفر الا من اكفر ذلك الملحد بلاتعلم وتردد لوجوه الاول ان

ذلك الملحد ادعاه النبوة بل الرسالة نعم وتشريعا اكثر من نباح العواء في

كلامه فانكاره مكابرة فاضحة لا يلتفت اليها ويكفر من لم يكفره“.....

(اكفار الملحدين من مجموعة رسائل الكشميري: ۳/۱۰)

”ولا تصل على احد منهم مات ابدا قال علماؤنا هذا نص في الامتناع من

الصلاة على الكفار“..... (تفسير قرطبي: ۸/۲۴۱)

”ما كان للنبي والذين امنوا ان يستغفروا للمشركين الخ اعلم انه تعالى لما بين

من اول هذه السورة الى هذه الموضع وجوب البراءة عن الكفار والمنافقين

من جميع الوجوه بين في هذه الآية انه تجب البراءة عن امواتهم وان كانوا
في غاية القرب من الانسان كالاب والام كما اوجبت البراءة عن احيائهم“
.....(تفسیر کبیر: ۲/۱۵۷)

”ان ما يكون كفر اتفاقا يبطل العمل والنكاح وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار
والتوبة وتجديد النكاح وظاهره انه امر احتياط“.....(فتاویٰ شامی: ۳/۳۱۶)
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کے چہرے کو دیکھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۱۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میت کا چہرہ دیکھنا اور دکھانا کیسا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

کفن ہٹا کر میت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
”ولا بأس بان يرفع ستر الميت ليرى وجهه وانما يكره ذلك بعد الدفن كذافي
القنية“.....(فتاویٰ الہندیۃ: ۵/۳۵۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا طہارت نماز جنازہ کے لیے شرط ہے؟

مسئلہ نمبر (۲۱۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں

نماز جنازہ کے لیے طہارت اسی طرح ضروری ہے جس طرح باقی نمازوں کے لیے (جس طرح باقی
نمازیں طہارت کے بغیر نہیں ہوتیں اسی طرح نماز جنازہ بھی طہارت کے بغیر نہیں ہوتی) یا اس طرح ضروری نہیں ہے
(نماز جنازہ طہارت کے بغیر ہو سکتی ہے) کیونکہ امام شعیب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نماز جنازہ بغیر طہارت کے جائز ہے
کیونکہ نماز جنازہ یہ نماز کاملہ نہیں ہے بلکہ نماز ناقصہ ہے کیونکہ اس میں رکوع اور سجود نہیں ہیں، اور نماز جنازہ دعا ہے
اور دعا بغیر وضو کے بھی درست ہے، نیز طہارت کا نماز جنازہ کے لیے شرط ہونا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے یا مجتہد فیہ ہے؟
دلائل کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک نماز جنازہ کے لیے طہارت اسی طرح ضروری ہے جیسے بقیہ نمازوں کے لئے ضروری ہے، وقت کی شرط کے علاوہ نماز جنازہ کے لیے تمام وہ شرائط ضروری ہیں جو بقیہ نمازوں کے لیے ضروری ہیں، عبدالرحمن بن محمد رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ”کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ“ میں لکھتے ہیں۔

”واما شروطها المتعلقة بالمصلى فهي شروط الصلوة من النية والطهارة واستقبال القبلة وستر العورة ونحو ذلك“..... (کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ: ۱/۳۵۶)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طہارت نماز جنازہ کے لیے ائمہ اربعہ کے نزدیک شرط ہے، ائمہ اربعہ میں سے اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اگر ائمہ اربعہ میں سے اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف ہوتا تو یہ اس کو ضرور نقل کرتے۔

فقہ حنفی کی تمام کتابوں میں بھی طہارت نماز جنازہ کے لیے شرط قرار دیا گیا ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے

ہیں۔

”واما الشروط التي ترجع الى المصلى فهي شروط بقیة الصلوات من الطهارة الحقيقية بدنا وثوبا ومكانا والحكمية وستر العورة والاستقبال والنية سوى الوقت“..... (رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنازة: ۱/۶۳۰، رشیدیہ)

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

”واما شرائطها بالنظر الى المصلى فشرائط الصلوة الكاملة من الطهارة الحقيقية والحكمية واستقبال القبلة وستر العورة والنية“..... (البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان احق بصلوته: ۲/۳۱۵)

علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

”واما ما تصح به فكل ما يعتبر شرطاً للصحة سائر الصلوات من الطهارة الحقيقية والحكمية واستقبال القبلة وستر العورة والنية يعتبر شرطاً لصحتها“..... (بدائع الصنائع، کتاب الجنائز، ۲/۵۴)

اور فتاویٰ عالمگیری (باب الحادی والعشرون کتاب الجنائز، الفصل الخامس فی الصلوة

علی المیت : ۱/۱۶۴) میں بھی یہی عبارت موجود ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ”الام“ میں لکھتے ہیں۔

”ولا یصلی علی الجنازة فی مصر الا طاهرا“..... (الام، کتاب الجنائز، باب

الصلوة علی المیت، ۱/۳۶۱)

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ”المغنی لابن قدامة“ میں ہے۔

”فصل والواجب فی صلاة الجنازة النية والتکبيرات والقیام..... ویشرط

لها شرائط المكتوبة الا الوقت الخ“..... (المغنی لابن قدامة، کتاب الجنائز :

۳۱۱/۲)

موظا امام مالک میں ہے۔

”مالک عن نافع ان عبد الله بن عمر كان یقول لا یصلی الرجل علی الجنازة

الا وهو طاهر، وفي حاشيته، الا وهو طاهر من الحدث الاکبر والاصغر ونقل ابن

عبد البر الاتفاق علی اشتراط الطهارة فیها الا عن الشعبي“..... (موظا امام

مالک، کتاب الجنائز، باب جامع الصلوة علی الجنائز، ۱/۴۱۲)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہو گیا کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک نماز جنازہ کے لیے طہارت شرط ہے

اور اس پر اتفاق ہے، امام شععی کا قول اس کے خلاف ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح البخاری میں باب قائم کیا ہے

”باب سنة الصلوة علی الجنازة“ اس میں حضرت ابن عمرؓ کا یہ عمل نقل کیا ہے

”وکان ابن عمر لا یصلی الا طاهرا“..... (صحیح البخاری : ۱/۱۷۶)

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے ”عمدة القاری“ میں اس کے تحت لکھا ہے کہ اس باب میں نماز جنازہ

کا سنت طریقہ اور اس کی شرائط اور ارکان کو بیان کرنا مقصود ہے اور شرائط میں پہلی شرط یہ لکھی کہ بغیر طہارت کے نماز

جنازہ درست نہیں، آگے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا عمل نقل کر کے امام بخاری رحمہ اللہ کی غرض امام شععی رحمہ اللہ پر

رد کرنا ہے، اور بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے سلف اور خلف تمام فقہاء کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ طہارت نماز جنازہ کے

لیے شرط ہے۔

عبارات ملاحظہ ہوں۔

”باب سنة الصلوة على الجنائزة، ای هذا باب فی بیان سنة الصلوة على الجنائزة والمراد من السنة ما شرعه النبي ﷺ فی صلاة الجنائزة من الشرائط والاركان ومن الشرائط انها لا تجوز بغير الطهارة“.....(عمدة القاری : ۱۷۶/۸)

”ان عبد الله بن عمرؓ كان لا يصلى على الجنائزة الا بطهارة وقال ابن بطال كان غرض البخارى بهذا الرد على الشعبي فانه اجاز الصلوة على الجنائزة بغير طهارة قال لانه دعاء ليس فيها ركوع ولا سجود، قال والفقهاء مجمعون من السلف والخلف على خلاف قوله انتهى وقال به ايضا محمد بن جرير الطبرى والشعبة“.....(عمدة القاری : ۱۷۹/۸)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ نے بھی ”الکنز المتوارى“ امام شععی رحمہ اللہ کے علاوہ طہارت کے شرط ہونے پر سب کا اتفاق نقل کیا ہے، اور امام شععی رحمہ اللہ اور جنہوں نے اس مسئلہ میں ان کی موافقت کی ہے ان کے مذہب کو مذہب شاذ کہا ہے، اور طہارت کے شرط ہونے پر اکثر کا اتفاق نقل کیا ہے، اور اس پر زبردست رد کیا ہے کہ نماز جنازہ صرف دعا کا نام نہیں ہے، بلکہ اس میں نماز کی دوسری تمام شرائط موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حکم وہی ہے جو نماز کا ہے، باقی رہی یہ بات کہ اس میں رکوع اور سجود نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے جبلاء کہیں یہ گمان نہ کر لیں کہ یہ میت کی عبادت کر رہے ہیں۔

الکنز المتوارى کی عبارت ملاحظہ ہو۔

”وكان ابن عمرؓ لا يصلى الا ظاهر اى من الحدث الاكبر والاصغر ونقل ابن عبد البر الاتفاق على اشتراط الطهارة فيها الا عن الشعبي لانه دعاء واستغفار فيجوز بلا طهارة ووافقہ ابراهيم ابن عليه وهو ممن يرغب عن كثير من قوله ونقل غيره ان ابن جرير وافقهما وهو مذهب شاذ قاله الزرقانى قال ابن رشد اتفق الاكثر على ان من شرطها الطهارة كما اتفق جميعهم على ان من شرطها القبلة وشذ قوم فقالوا يجوز ان يصلى على الجنائزة بغير طهارة وهو قول الشعبي وهؤلاء ظنوا ان اسم الصلوة لا يتناول صلوة الجنائزة وانما يتناولها اسم الدعاء اذ كان ليس فيها ركوع ولا سجود انتهى، وقد سمي رسول الله

صَلَّوْا عَلَیْهِ الصَّلَاةُ عَلَی الْجَنَازَةِ صَلَاةٌ فِی نَحْوِ قَوْلِهِ "صَلُّوا عَلَی صَاحِبِکُمْ" وَقَوْلِهِ فِی النَّجَاشِی "صَلُّوا عَلَیْهِ" قَالَ ابْنُ الْمَرَابِطِ قَدْ سَمَّاها رَسُولُ اللَّهِ ﷺ صَلَاةً وَلَوْ كَانَ الْغَرَضُ الدَّعَاءُ وَحَدَهُ مَا أَخْرَجَهُمْ إِلَى الْمَصْلِيِّ وَلَدَعَا فِي الْمَسْجِدِ وَأَمَرَهُمْ بِالْدَّعَاءِ مَعَهُ أَوْ التَّامِينَ عَلَی دَعَاءِهِ وَلَمَّا صَفَّهِمْ خَلْفَهُ كَمَا يَصْنَعُ فِي الصَّلَاةِ الْمَفْرُوضَةِ وَالْمَسْنُونَةِ وَكَذَا وَقُوفِهِ فِي الصَّلَاةِ وَتَكْبِيرِهِ فِي افْتِتَاحِهَا وَتَسْلِيمِهِ فِي التَّحْلِيلِ مِنْهَا كُلِّ ذَلِكَ دَالٌ عَلَی أَنَّهَا عَلَی الْإِبْدَانِ لِأَعْلَى اللِّسَانِ وَحَدَهُ وَكَذَا امْتِنَاعَ الْكَلَامِ فِيهَا وَأَنَّهَا لَمْ يَكُنْ فِيهَا رُكُوعٌ وَلَا سُجُودٌ وَلَسَلَايَتُهُمْ بِعَظْمِ الْجَهْلَةِ أَنَّهَا عِبَادَةٌ لِلْمَيِّتِ فَيُضِلُّ بِذَلِكَ أَنْتَهَى، قَالَ ابْنُ بَطَّالٍ كَانَ غَرَضُ الْبُخَارِيِّ بِهَذَا الرَّدِّ عَلَی الشَّعْبِيِّ وَالْفَقْهَاءِ مُجْمَعُونَ فِي السَّلَفِ وَالْخَلْفِ عَلَی خِلَافِ قَوْلِهِ "..... (الكنز المتوارى: ٤/٢١٢)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور سلف اور خلف کے درمیان متفق علیہ ہے مجتہد فیہ نہیں ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اگرچہ بڑے محدث اور امام ہیں لیکن جمہور امت نے ان کے قول کو شاذ قرار دے کر قبول نہیں کیا ہے لہذا ان کے اختلاف کا اعتبار نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا:

مسئلہ نمبر (۲۱۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی وفات ہوگئی اس کو عام قبرستان میں دفن کر دیا کچھ وارثین نے دفن کر دیا جب کہ بعض وارثین کا ارادہ یہ تھا کہ اسے آبائی گاؤں میں دفنایا جائے، کیا اب اس کو اپنی قبر سے اٹھا کر آبائی گاؤں میں لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ وارثین سب اس کو واپس لے جانے پر متفق ہیں، اب اس کا شرعی حل بتائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں میت کو عام قبرستان سے نکال کر آبائی قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ تمام

ورثاء راضی ہوں۔

”ولا بأس بتقلبه قبل دفنه الخ وقال الشامي تحته واما نقله بعد دفنه فلا مطلقا“

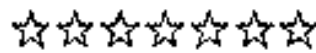
.....(فتاوى شامى: ١/٢٦٣)

”ولا ينبغي اخراج الميت من القبر بعدما دفن“.....(فتاوى الهندية: ١/١٦٤)

”وبعدما دفن لا يسع اخراجه بعدما دفن طويلا او قصيرة“.....(فتاوى قاضى خان على

الهندية: ١/١٩٥)

والله تعالى اعلم بالصواب



﴿الباب الثامن عشر فی متفرقات الصلوٰۃ﴾

عند الاحناف عبد اللہ بن مسعود والی قنوت افضل ہے:

مسئلہ نمبر (۲۱۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ معارف الحدیث کی جلد سوم ص ۳۳۱ سے لے کر ۳۳۲ تک کتاب الصلوٰۃ میں وتروں میں دعائے قنوت کا ذکر ہے، حضرت حسن بن علیؑ سے روایت ہے ”اللهم اهدنی فیمن ہدیت الخ“ آخر میں حضرت مولانا منظور صاحب رقم طراز ہے کہ اکثر ائمہ اور علماء نے وتر میں پڑھنے کے لیے اسی قنوت کو اختیار فرمایا ہے، حنفیہ میں جو رائج ہے ”اللهم انا نستعینک الخ“ اس کا امام ابن ابی شیبہؒ اور امام طحاویؒ اور مغیرہ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ نے بعض اکابر احناف سے روایت کیا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ ”اللهم انا نستعینک“ کے ساتھ حضرت حسن بن علیؑ والی قنوت بھی پڑھی جائے، سوال یہ ہے کہ اگر صرف حسن بن علیؑ والی قنوت کو وتروں میں پڑھا جائے تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ اس قنوت کو میں نے بہت جلد یاد کر لیا اور وتر میں پڑھنے کو بہت جی بھی کرتا ہے اگر وتر میں صرف اس قنوت کو پڑھ لوں تو کوئی حرج تو نہیں؟ کیا قنوت نازلہ اسی کو کہتے ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

دونوں قنوت احادیث سے ثابت ہیں جیسا کہ مولانا مرحوم نے تصریح فرمائی ہے کہ احناف کے نزدیک عبد اللہ بن مسعودؓ والی قنوت افضل ہے اور دوسرے حضرات کے نزدیک سیدنا علیؑ والی قنوت افضل ہے اور دونوں کو جمع کرنا اور بھی زیادہ فضیلت کا باعث ہے جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے لہذا دونوں کو جمع کر لیا کریں یا پھر حنفی ہونے کے حوالہ سے ابن مسعودؓ والی قنوت ہی پڑھ لیا کریں، قنوت نازلہ اسی کو کہتے ہیں جو سیدنا علیؑ سے مروی ہے۔

”ثنا علی بن حکیم اب اشریک عن مطر بن خلیفۃ عن حبیب بن ابی ثابت عن عبد الرحمن بن سوید الکاهلی قال کانی اسمع علیا رضی اللہ عنہ فی الفجر حین قنت وهو یقول اللهم انا نستعینک ونستغفرک“..... (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲/۲۰۵)

”باب ماجاء فی القنوت فی الوتر حدثنا قتیبہ ناہوا الاحوص عن ابی اسحاق عن برید بن ابی مریم عن ابی الحوراء قال قال الحسن بن علی علمنی رسول اللہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي الْوُتْرِ اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيْمَنْ عَافَيْتَ
وَتَوَلَّنِي فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيْمَا عَطَيْتَ وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَانَكَ تَقْضِي
وَلَا يَقْضِي عَلَيْكَ وَانْه لَا يَذُلُّ مِنْ وَالِيَّتِ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ..... (الترمذى:
١/٢١٤)

”وَالْقَنُوتُ قَبْلَ لَيْسَ فِيْهِ دَعَاءُ مَوْقِتٍ اَيِّ مَعِيْنٍ..... وَالصَّحِيْحُ اَنْ ذَلِكُ اَيِّ عَدَمِ
التَّوَقُّيْتِ اَنْ مَا هُوَ فِيْمَا عَدَا الْمَآثُورَ لِاَنَّ الصَّحَابَةَ اتَّفَقُوا عَلَيْهِ..... وَاحْسِنِهَا اللَّهُمَّ اَنَا
نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَهْدِيْكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ
الْخَيْرَ كُلَّهُ نَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرِكُ مِنْ يَفْجُرُكَ اللَّهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ
وَلكَ نَصَلِيْ وَنَسْجُدُ وَاليكَ نَسْعِيْ وَنَحْفَدُ وَنَرْجُو اَرْحَمَتَكَ وَنَخْشِيْ عَذَابَكَ
اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكَفَّارِ مَلْحَقٌ، وَفِي الْاِذْكَارِ عَنْ عَمْرِو اللَّهِ اَنَا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ
وَلا نَكْفُرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَخْلَعُ مِنْ يَفْجُرُكَ اللَّهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ الْخَ..... (حلي
كبرى: ٣٦١)

”ثُمَّ اِنَّ الدَّعَاءَ الْمَشْهُورَ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ اللَّهُمَّ اَنَا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ
بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ كُلَّهُ نَشْكُرُكَ وَلا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ
وَنتْرِكُ مِنْ يَفْجُرُكَ اللَّهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلكَ نَصَلِيْ وَنَسْجُدُ وَاليكَ نَسْعِيْ
وَنَحْفَدُ وَنَرْجُو اَرْحَمَتَكَ وَنَخْشِيْ عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكَفَّارِ مَلْحَقٌ“
..... (البحر الرائق: ٢/٤٣)

”وَلَيْسَ فِي الْقَنُوتِ دَعَاءُ مَوْقِتٍ كَذَا فِي التَّبْيِيْنِ وَالْاَوَّلِيْ اِنَّ يَقْرَأَ اللَّهُمَّ اَنَا نَسْتَعِيْنُكَ
وَيَقْرَأُ بَعْدَهُ اللَّهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ..... (فتاوى الهندية: ١/١١١)
”ثُمَّ ذَكَرَ اَخْتِلَافَ الْاَلْفَاظِ الْوَارِدَةِ فِي اللَّهُمَّ اَنَا نَسْتَعِيْنُكَ الْخَ ثُمَّ ذَكَرَ اَنَّ الْاَوَّلِيْ اِنَّ
يُضْمُ اِلَيْهِ اللَّهُمَّ اهْدِنِي الْخَ..... (فتاوى شامى: ١/٣٩٣)

وَاللَّهُ تَعَالَى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

مصلے کے سامنے گھڑی رکھنے سے نماز کا حکم:

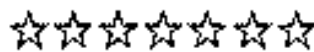
مسئلہ نمبر (۲۱۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے امام صاحب تراویح میں اپنی کلائی کی گھڑی مصلے کے سامنے رکھ لیتے ہیں یہ دیکھنے کے لیے کہ تراویح میں کتنا وقت خرچ ہوا ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

ایسا کرنا مکروہ ہے اس سے نماز میں وہیان نہیں ہوتا بلکہ گھڑی پر وہیان پڑتا ہے، البتہ اگر نماز کے اندر گھڑی نہ دیکھتے ہوں بلکہ نماز کے بعد دیکھتے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

”ولا یفسدھا نظره الی مکتوب وفہمہ و لو مستفہما وان کرہ قوله وان کرہ ای لاشتغاله بمالیس من اعمال الصلوٰۃ و اما لو وقع علیہ نظره بلا قصد وفہمہ فلا یکرہ“
..... (فتاویٰ شامی: ۱/۳۶۹)

”لو نظر المصلی الی مکتوب وفہمہ سواء کان قرانا او غیرہ قصد الاستفہام اولا اساء الادب ولم تفسد صلاتہ لعدم النطق بالكلام لان فیہ اشتغالا عن الصلاة وظاہرہ ان الکراہة تنزیہیة و هذا انما یكون بالقصد و اما لو وقع نظره علیہ من غیر قصد وفہمہ فلا یکرہ“ (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح: ۳۴۱)
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



مسجد کی سامنے والی دیوار میں شیشہ لگانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۱۵): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے مسجد کے اندر اور اس کے سامنے شیشہ لگا ہوا ہے جس میں ساری صورت نظر آتی ہے، آیا اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز ہو جاتی ہے البتہ اس طریقہ سے مسجد میں شیشہ لگانا مکروہ ہے کیونکہ یہ نخل بالخشوع ہے۔

”ولا بأس بنقشہ (ای بنقش المسجد) خلا محرابہ فانہ یکرہ لانه یلہی المصلی و یکرہ التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصا فی جدار القبلة قوله لانه یلہی

المصلی ای فیخل بخشوعه من النظر الی موضع سجوده ونحوه وقد صرح فی البدائع فی مستحبات الصلاة انه ینبغی الخشوع فیها ویكون منتهی بصره الی موضع سجوده الی اخره ، وكذا صرح فی الاشباه ان الخشوع فی الصلاة مستحب والظاهر من هذا ان الكراهة هنا تنزیهية “..... (الدرمع الرد: ۳۸۷/۱) ” قال فی مراقی الفلاح وتكره بحضرة كل ماشغل البال كزينة وبحضرة ما یخل بالخشوع مله وولعب ، ولذا ای الكراهة الصلاة مع ما یشغل البال ویخل بالخشوع “..... (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۶۵)

”ولانقشه بالجص وماء الذهب ای لا یكره نقش المسجد بهما وفيه اشارة الی انه لا یؤجر علیه ومنهم من كره ذلك لقوله علیه الصلاة والسلام من اشراط الساعة تزین المساجد الحدیث وقال عمر بن عبدالعزیز هذه الكمالات حین مر به رسول الولید بن عبدالملك باربعین الف دینار تزین مسجد النبی ﷺ المساكین احوج من الاساطین ومنهم من قال انه قریة لمافیہ من تعظیم المسجد واحلال الدین وقد حزفت الكعبة بماء الذهب والفضة وسترت بالوان الدیاج تعظیما لها وعندنا لا بأس به ولا یستحب وحرفه الی المساكین احب الا انه ینبغی له ان لا یتكلف بدقائق النقش فی المحراب فانه مكروه لانه یلهی المصلی وعلیه كمل النهی الوارد عن التزین او علی التزین مع الترك الصلاة “..... (تبیین الحقائق :

(۱/۱۶۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مبتدع شخص کو امام بنانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۱۶): کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ایسے شخص کے پیچھے نماز باجماعت پڑھنے کے بارے میں کہ جس کے عقائد و اخلاق و قرأت مندرجہ ذیل ہوں۔

(۱) جو علماء کرام ابوالاعلیٰ مودودی کو شریک اور فساد العقیدہ انسان اور دین اور ملت کو نقصان پہنچانے والا اور عالم اسلام کے مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے والا اپنے لٹریچر اور بیانات سے کرتا ہے، علاوہ ازیں علماء کرام کا فتویٰ ہے

کہ اس کے پیچھے اور اس کے عقیدت مندوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، یہ شخص ان علماء کرام کو بری نگاہ سے دیکھتا ہے، اور خود مودودی کی کتب دیکھنے والا ہے اور مودودی کو ایک اچھا عالم سمجھتا ہے اور جو علماء مودودی کے معتقد ہیں ان سے محبت کرنے والا ہے۔

(۲) یہ شخص ایک ایسے پیر کا مرید ہے جو کہ گزشتہ انتخابات کے دوران میں حضور اقدس ﷺ کے سیاہ و سفید دھاریوں والے جھنڈے کو یہود اور اندرا گاندھی کا جھنڈا بتاتے تھے اور وہ پیر جمعیت علماء اسلام کو مغرور کہتے تھے اور اپنی نشان کتاب کو لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے قرآن بتاتے تھے، اس شخص نے قومی اسمبلی میں اس پیر صاحب کو ووٹ دیا اور صوبائی اسمبلی میں اس پیر صاحب کے منہ پر ایک فاسق خان کو اور سرمایہ دار کو ایک عالم باعمل کے مقابلہ میں ووٹ دیا جب کہ یہ شخص خود عالم اور فقیری کا دعویٰ کرتا ہے۔

(۳) یہ شخص خود کہتا تھا کہ یہ سیاہ و سفید دھاریوں والے جھنڈے کے لوگ اور علماء بہت دروغ کہتے ہیں اور جب کہ جمعیت علماء اسلام اپنے نشان کھجور کو برؤئے قرآن و حدیث شریف تو یہ شخص لوگوں کو کہتے تھے کہ ابھی ان کی تانی نہ بن جائے۔

(۴) اور یہ شخص لوگوں کو کہتا ہے کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ گزشتہ انتخابات میں جن علماء کرام نے انتخابات لڑے ہیں اور جن لوگوں نے ان کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں وہ نمازیں نہیں ہوئیں، وہ اپنے اس خواب کی تشہیر کرتا ہے۔

(۵) یہ شخص اکثر اوقات دیکھا جاتا ہے کہ جب وہ حاجت انسانی کرتا ہے تو پشت قبلہ کی طرف کرتا ہے۔

(۶) قرآن مجید اس طرح تیز تیز پڑھتا ہے کہ نہ اس میں مد اور نہ شد وغیرہ کا خیال رکھتا ہے اور نہ ہی قرآن پاک کو تجوید سے پڑھتا ہے اور نہ اس شخص نے کسی سے تجوید پڑھی ہے۔

(۷) نماز بہت تیزی سے پڑھتا ہے اور قصداً کبھی آنکھیں نماز میں چھپاتا ہے اور کبھی کھولتا ہے اور اپنی فقیری کا مدعی اور تشہیر کرنے والا ہے۔

کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی، اور اگر مکروہ تحریمی ہو تو ان کا حکم دنیا اور عقبی کے لحاظ سے کیا ہے؟

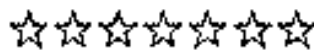
الجواب باسم الملك الوهاب

ایسے امام صوفی کو مسجد کی امامت سے فوراً علیحدہ کر دینا چاہیے اور یہ قابل امامت نہیں ہے، مذکورہ عقائد والا شخص مبتدع ہے لوگوں کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

”ویکرہ تقدیم المبتدع ایضاً لانه فاسق من حیث الاعتقاد وهو اشد من الفسق من حیث العمل الا ان الفاسق من حیث العمل یعترف بانه فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئاً علی خلاف ما یعتقدہ اهل السنة والجماعة“..... (حلی کبیری: ۳۴۳)

”ویکرہ امامة عبد و اعرابی و فاسق و اعمی و مبتدع ای صاحب بدعة و هی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول قوله و هی اعتقاد عز هذا التعریف فی هامش الخزان الی الحافظ ابن حجر فی شرح النخبة و لا یخفی ان الاعتقاد یشمل ما کان معه عمل اولاً فان من تدین بعمل لا یدان یعتقدہ کمسح الشیعة علی الرجلین و انکارهم المسح علی الخفین و نحو ذلك و حینئذ فیساوی تعریف الشمنی لها بانها ما حدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول الله ﷺ من علم او عمل او حال بتوابع شبهة و استحسان و جعل دینا قویماً و صراطاً مستقیماً اه فافهم“..... (فتاویٰ اشامی: ۱/۴۱۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



سجدہ سہو واجب تھا نہ کیا تو کیا حکم ہے؟

مسئلہ نمبر (۴۱۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک امام صاحب نے نماز پڑھائی اور مغرب کی نماز میں ایک رکعت کے بعد بیٹھ گئے اور سجدہ سہو بھی نہیں کیا، کیا یہ نماز ہوگئی یا دوبارہ دوہرائی جائے گی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر ایک رکعت کی بقدر ایک رکعت کے بعد امام صاحب بیٹھ گئے تھے تو ان پر سجدہ سہو واجب ہو گیا تھا سجدہ سہو نہ کرنے کی صورت میں نماز واجب الاعداء ہے اور اگر محض تھوڑا سا بیٹھے تھے تین مرتبہ ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کہنے کی مقدار نہ بیٹھے تھے تو پھر ان پر سجدہ سہو واجب نہیں ہے۔

”ولا یجب السجود الا بترك واجب او تاخیر او تاخیر رکن او تقدیمہ او تکرارہ“

..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۲۶)

”ان قعد فی موضع القيام فهو زائد فی صلاته قعدة لیست منها مؤخر للقيام عن وقته
 فیتمکن النقصان فی فعله فللهذا“..... (مبسوط السر خمسی: ۳۸۵، ۳۸۴/۱)
 ”انما المعتبر مقدار ما یؤدی فیہ رکنا“..... (المحیط البرهانی: ۳۱۴/۲)
 ”یؤخر القيام..... ان یجلس بعد السجدة الثانية من الركعة الاولى
 جلسة“..... (حلی کبیری: ۳۹۳)
 ”وتعاد وجوبا فی العمد والسهوان لم یسجد له ای للسهو“..... (درمع الرد:
 ۱/۳۳۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

رمضان کی تیئسویں شب میں سورۃ العنکبوت اور سورۃ الروم مٹھائی پر دم کرنا:

مسئلہ نمبر (۲۱۸): بخدمت جناب حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب عالی! درپیش مسئلہ کے بارے میں شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں، مسئلہ یہ ہے کہ یہاں کے بعض مقامات پر رسم ہے کہ رمضان شریف کے تیئسویں شب کو لوگ نماز عشاء کے بعد یعنی تراویح پڑھنے کے بعد مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں، اور امام مسجد سورۃ العنکبوت اور سورۃ الروم یا آواز بلند پڑھ کر مٹھائیوں پر دم کرتا ہے اور یہ مٹھائی لوگوں میں پرتپاک طریقے سے تقسیم کی جاتی ہیں، اور یہ مٹھائیوں کا تقسیم ہونا اور یہ مخصوص سورتیں پڑھنا بعض لوگ بہت ضروری سمجھتے ہیں، کیا از روئے شریعت یہ رسم ٹھیک ہے یا غلط؟ ضروری ہے یا مکروہ ہے؟ یا بدعت ہے؟ تفصیل کے ساتھ تحریر فرما کر مشکور فرمائیں، اس رسم کا کرنا اچھا ہے یا ترک کرنا بہتر ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ فی السؤال طریقہ کا قرآن و سنت سے ہمیں ثبوت نہیں ملا ہے، جو بعض مشہور روایات بعض ضعیف کتابوں سے اس کے بارہ میں ملتی ہیں وہ انتہائی ضعیف ہیں یا موضوع ہیں۔

”سورة العنكبوت قال البيضاوي قال عليه الصلوة والسلام من قرأ سورة العنكبوت
 كان له من الاجر عشر حسنات بعدد كل المؤمنين والمنافقين قال الجلبی حدیث
 موضوع قال الشهاب والحدیث المذكور من حدیث ابی الموضوع المشهور

سورة الروم قال البيضاوي عن رسول الله ﷺ من قرأ سورة الروم كان له من الاجر عشر حسنات بعدد كل ملك يسبح لله تعالى بين السماء والارض وادرك ماضيع في يومه وليلتنه قال الجلبى والشهاب هو حديث موضوع..... (قطب الارشاد: ۳۳۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

درمیان سورت سے کوئی لفظ چھوڑ دینے سے نماز کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۱۹): کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں کہ

- (۱) اگر کوئی آدمی نماز میں سورۃ تبت پڑھ رہا تھا کہ اس نے ایک لفظ چھوڑ دیا یعنی اس نے یوں پڑھا ”تبت ید الہی لہب و ما کسب“ کیا اس طرح چھوٹنے سے نماز ہوگی یا کہ نہیں؟ یا صرف کراہت لازم آئی؟
- (۲) اگر کسی آدمی سے ایک آیت چھوٹ جائے یعنی سورۃ الناس اس نے پڑھی اور ”ملک الناس“ والی آیت چھوڑ دی، کیا اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ یا صرف کراہت لازم آئی، اور اگر کسی امام نے اس ایک آیت کے چھوٹنے پر لازم لوٹائی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس دوسری نماز میں مسبوق اگر شریک ہوگا اس کے فرائض ادا ہو جائیں گے یا کہ نہیں؟ اگر امام کی نماز ہوگی اور اس نے لوٹائی تو یہ نماز نفل ہے اور مفترض خلف المستقل جائز نہیں۔
- (۳) اگر بچہ صف کے درمیان میں ہو تو کیا بچے سے اس طرف والوں کی نماز پر کوئی اثر پڑے گا یا کہ نہیں؟ کیا اس میں کوئی کراہت ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

- (۱) اس صورت میں نماز ہوگئی ہے۔
- (۲) اس صورت میں بھی نماز ہوگئی ہے لہذا نماز کا لوٹانا اس کے ذمہ لازم نہ تھا اگر لوٹائی تو نفل ہوئے اور اگر مقتدی نے فرائض کی نیت کی ہو تو وہ نوافل کے پیچھے اداء نہ ہوں گے۔
- (۳) نماز تو اس صف والوں کی ہو جائے گی البتہ بچوں کا بڑوں کی صف میں کھڑا ہونا بہتر نہیں ہے۔

”لو ذکر آية مكان آية ان وقف وقفانا ثم ابتداء آية اخرى او ببعض آية لا تفسد كما لو قرأ والعصر ان الانسان ثم قال ان الابرار لفي نعيم او قرأ والتين الى قوله

وهذا البلد الامين ووقف ثم قرأ لقد خلقنا الانسان في كبد او قرأ ان الذين آمنوا
وعملوا الصالحات ووقف ثم قال اولئك هم شر البرية لا تفسد..... (فتاویٰ
الہندیہ: ۱/۸۰)

”لا یصح اقتداء مصلى الظهر بمصلى العصر..... ولا اقتداء المفترض بالمتنفل“
..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۸۶)

”والسنة ان یصف الرجال ثم الصبيان ثم النساء لمامر من حدیث انس..... ثم
الترتيب بين الرجال والصبيان سنة لا فرض هو الصحيح اما بينهم وبين النساء
ففرض عندنا“..... (حلی کبیری: ۴۴۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

اگر وطن اصلی کو مستقل نہیں چھوڑا تو وہاں پوری نماز پڑھیں گے:

مسئلہ نمبر (۲۲۰): گرامی قدر حضرت مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اس سوال کا شرعی جواب لکھ دیں آپ کی کرم فوازی اور شفقت ہوگی۔

میرا وطن اصلی لاہور سے اڑھائی سو میل دور ضلع انک میں واقع ہے میں خود پچاس سال سے لاہور میں مقیم
ہوں وطن اصلی میں مکان اور زمین بھی موجود ہے مستقل رہائش لاہور میں رکھ لی ہے، کبھی کبھی اپنے وطن میں مقیم
اقارب کے ہاں غمی شادی میں جانا پڑتا ہے وہاں قیام پندرہ روز سے کم ہوتا ہے اندریں صورت میں وہاں جب چند یوم
کے لیے جاؤں تو نماز پوری ادا کروں یا قصر؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر انک کی رہائش کو مستقل طور پر ترک کرنے کی نیت نہیں کی تو انک ابھی تک آپ کا وطن اصلی ہے
جتنا عرصہ بھی قیام کریں گے پوری نماز پڑھیں گے اور اگر آپ نے انک کی رہائش کو مستقل طور پر چھوڑنے کا فیصلہ
کر لیا ہے تو صرف جائیداد کی موجودگی سے وطن اصلی نہیں رہے گا پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں قصر کرنا ہوگی۔

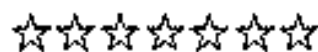
”وفی المجتبی نقل القولین فیما اذا نقل اہله و متاعه و بقی له دور و عقار ثم قال

وهذا جواب واقعة اہتلینا بها وكثیر من المسلمین المتوطنین فی البلاد ولہم دور وعقار فی القرى البعیدة منها یصیفون بہا باہلہم ومتاعہم فلا بد من حفظہا انہما وطنان لہ لا یبطل احدہما بالآخر..... (البحر الرائق: ۲/۲۳۹)

”قوله او توطنه ای عزم علی القرار فیہ وعدم الارتحال وان لم يتأهل بہ فلو كان لہ ابوان ببلد غیر مولدہ وهو بالغ ولم يتأهل بہ فلیس ذلک وطنالہ الا اذا عزم علی القرار فیہ وترک الوطن الذی كان لہ قبلہ شرح المنیة“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۵۸۲)

”المسافر اذا جاوز عمران مصرہ فلما سار بعض الطريق تذکر شینا فی وطنہ فعزم الرجوع الی الوطن لاجل ذلک ان كان ذلک وطنا اصلیا بان كان مولدہ وسکن فیہ اولم یکن مولدہ ولكنہ تاهل بہ وجعلہ دارا یصیر مقيما بمجرد العزم الی الوطن“..... (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیة: ۱/۱۶۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



فستق سے توبہ کے بعد امانت جائز ہے:

مسئلہ نمبر (۲۱۱): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مولوی صاحب جو کہ دوسرے گاؤں سے منتقل ہوا ہے ہمارے گاؤں میں جب سابقہ گاؤں والوں کو پتہ چلا کہ ہمارا مولوی صاحب فلاں گاؤں میں ہے سابقہ گاؤں کے کچھ لوگوں نے اس بات کی گواہی دی کہ یہ مولوی صاحب بد اخلاق ہے بد کردار ہے یعنی زانی ہے اور فراڈ کرنے والا انسان ہے، گاؤں میں آتے ہی یہ مسئلہ عام کیا کہ بریلوی اور دیوبندی آپس میں نکاح نہیں کر سکتے اگر کسی نے کیا ہوا ہے تو وہ باطل ہے، اب مولوی صاحب پر جو الزام ہیں ان کی پاداش کے لیے گاؤں والوں کے رو برو حاضر بھی نہیں ہوتے، اس وجہ سے کچھ لوگوں نے مولوی صاحب کی اقتداء میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنی ترک کر دی، ایسے مولوی صاحب کی اقتداء میں جماعت سے نماز نہ پڑھنا شرعی طور پر ٹھیک ہے کہ نہیں؟ اگر الزامات حقیقت ہیں تو پھر ایسے مولوی صاحب کو نام مسجد رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟ کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

شریعت مطہرہ نے کسی کے بارے میں بدگمانی کرنے سے منع فرمایا ہے، البتہ اگر واقعہ وہ تمام امور فسق جو کہ سوال بالا میں مذکور ہیں امام کے اندر پائے جاتے ہیں تو اس کو امام بنانا درست نہیں ہے، الا یہ کہ امام صاحب اپنے افعال سے توبہ کر لیں تو پھر جائز ہے، اور توبہ کے معنی ہیں کہ گناہ کو فی الفور ترک کر دیا جائے اور آئندہ نہ کرنے کا پکا عزم کیا جائے اور اپنے کیے ہوئے پر شرمندگی کا اظہار کیا جائے ”کما جاء في الحديث ، التائب من الذنب كمن لا ذنب له“ واضح رہے کہ جب تک شرعی ثبوت نہ ہو انہوں پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔

”عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال حسن الظن من العبادۃ وهو مرفوع فی حدیث نصر بن علی غیر مرفوع فی حدیث موسیٰ بن اسماعیل فحسن الظن باللہ فرض وسوء الظن بہ محظور منہی وکذلک سوء الظن بالمسلمین الذین ظاہرہم العدالۃ محظور مزجور عنہ وهو من الظن المحظور المنہی عنہ“..... (احکام القرآن للجصاص : ۳/۶۰۳)

”(ان بعض الظن اثم) منها ما يحرم اتباعه كسوء الظن بالمؤمنين والمؤمنات لا سيما بالصالحين منهم“..... (تفسیر المظہری : ۹/۲۱)

”ویکرہ تقدیم العبد والاعرابی والفساق لانہ لایہتم لامردینہ“..... (ہدایہ: ۱/۱۲۳)

”واما الفاسق فقد عللوا کراہۃ تقدیمہ بانہ لایہتم لامردینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعاً ولایخفی انہ اذا کان اعلم من غیرہ لاتزول العلة فانہ لایؤمن ان یصلی بہم بغير طہارۃ فهو کالمبتدع تکرہ امامۃ بكل حال بل مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراہۃ تقدیمہ کراہۃ تحريم“..... (در مختار مع الشامی: ۱/۳۱۳)

”ان کراہۃ تقدیم الفاسق والمبتدع کراہۃ التحريم“..... (منحۃ الخالق علی البحر: ۱/۶۱۱)

”ان کراہۃ تقدیمہ کراہۃ تحريم لعدم اعتنائه بامور دینہ وتساہلہ فی الاتیان

بلوازمه فلا یبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلوٰۃ وفعل ما ینافیها بل هو الغالب بالنظر الی فسقہ..... (حلی کبیری: ۴۴۴)
 ”قد نصوا علی ان اركان التوبة ثلاثة الندامة علی ان الماضي والاقلاع فی الحال والعزم علی عدم العود فی الاستقبال“..... (شرح فقه الاکبر: ۲۶۴)
 ”مطلب لا یصح عزل صاحب وظیفۃ بلاجنحة او عدم اهلیة) واستفید من عدم صحة عزل الناظر بلاجنحة عدمها لصاحب وظیفۃ فی وقف بغير جنحة“..... (در مع الرد: ۳/۲۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گناہ سے توبہ کے بعد امامت کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۴۲): محترم جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم

مسئلہ یہ ہے کہ ہماری بستی کی جامع مسجد کے امام و خطیب آج سے تقریباً دس سال قبل ایک برے عمل میں ایک بستی کے شخص کو نظر آئے لیکن اس دیکھنے والے شخص نے امام صاحب کے عمل بد کے بارے میں کسی کو مطلع نہیں کیا، لیکن چند ماہ قبل امام صاحب کو بستی کے ہی ایک دوسرے نوجوان نے اس عمل بد میں دوبارہ دیکھا یعنی وہ گاؤں کے کسی بچے سے مشیت زنی کروا رہا تھا بعد میں اس نوجوان نے بستی کے چھ سات آدمیوں کے سامنے امام کی بات کھول دی ان آدمیوں کے پوچھنے پر امام نے غلطی کا اعتراف بھی کر لیا، اور آئندہ ایسا نہ کرنے کی معافی بھی مانگ لی، اب مسئلہ یہ ہے کہ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے یا کہ نہیں؟ اور اس شخص کو امامت کا حق دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر مذکورہ فی السؤال شخص اپنے اس فعل بد سے توبہ کر لیتا ہے تو اس کی امامت بلا کراہت درست ہے۔
 ”وعن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ التائب من الذنب كمن لا ذنب له رواه ابن ماجه، وعن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ التائب من الذنب ای توبة صحيحة كمن لا ذنب له ای فی عدم المواخذة بل قد يزيد عليه بان ذنوب التائب تبدل حسنات“..... (مرقاۃ المفاتیح: ۵/۲۶۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جعل سازی اور دھوکہ دہی کرنے والے کی امامت کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۲۳): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام ان مسائل کے بارے میں
(۱) جو شخص اپنی قومیت دنیاوی مفادات کے حصول کے لیے بلا جبر و اکراہ خفیہ طریقے سے تبدیل کرتا ہے اور وہ
ایک مسجد کا امام بھی ہے۔

(۲) اسی امام کو ایک بیوہ نے مسجد کے لیے پلاٹ خریدنے اور بیوہ نے اپنے نام رجسٹری کروانے کا کہا مگر اس نے
خفیہ طریقہ سے جعل سازی اور دھوکہ دہی سے رجسٹری میں بیوہ کے ساتھ اپنا نام بھی درج کروا دیا، اور یہ ساری کارروائی
ہم سے پوشیدہ رکھی، اور مسجد کا سنگ بنیاد رکھوانے کے بعد یہ از انشاں ہوا، اور پھر ہمارے خاندان میں ایک ہنگامہ برپا
ہو گیا، پھر ہمارے شہر کے معزز بزرگ عالم دین نے مصالحت کے لیے جملہ رشتہ دار مردوں سے ایک تحریر پر دستخط لیے
کہ ہم یا ہمارے رشتہ داروں میں سے کوئی بھی مسجد کی انتظامیہ میں شامل نہیں ہوگا اور نہ ہی مسجد کے امور میں کسی قسم کی
دخل اندازی کرے گا، اس تحریر پر بزرگ عالم دین کے دستخط کرنے کے بعد بزرگ عالم دین نے فرمایا کہ تم بھی سب
دستخط کرو، یہ سن کر وہ جعل ساز امام اٹھ کر چلا گیا، مگر اس کے والد نے اس تحریر پر اپنے دستخط کر دیے، بعد میں اس دھوکہ
باز امام نے خود ساختہ کمیٹی بنا کر خود صدر اور والد کو تاحیات متولی اور با اختیار بنا دیا۔

(۳) بیوہ کی فوجیدگی کا اندراج غلط کروایا اپنے مفادات فاسدہ کی خاطر، اور اس کے ثبوت تحریری موجود ہیں
کیا ایسا شخص امام ہو سکتا ہے؟ اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ امام محکمہ کی طرف سے مقرر شدہ
ہو تو کیا ایسے امام کا تقرر درست ہے یا اس کی جگہ دوسرے امام کا تقرر ہونا چاہئے۔
برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں مفصل جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

سوال میں مذکورہ اعمال گناہ کبیرہ ہیں اور ان کا مرتکب فاسق ہیں، لہذا اگر امام واقعی طور پر ان امور کا مرتکب
ہے تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور با اختیار لوگوں پر اس امام کی جگہ نیک اور صالح امام کا تقرر
کرنا ضروری ہے۔

”و کفرہ امامۃ العبد والاعرابی والفساق والمبتدع“..... (البحر الرائق : ۲/۶۱)

”قوله وفساق من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب

الکبائر کشارب الخمر والزانی واکل الربا ونحو ذلک..... واما الفاسق فقد عللوا

کراهة تقدیمہ بانہ لایہتم لامردینہ وبان فی تقدیمہ للامامة تعظیمہ وقد وجب

عليهم اهانتہ شرعا..... بل مشیٰ فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمہ کراهة
تحريم“..... (الدرمع الرد : ۱/۳۱۳)

”ولذا کره امامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب اهانتہ شرعا فلا يعظم
بتقدیمہ للامامة واذ اعذر منعه ينتقل عنه الى غير مسجده للجمعة وغيرها وان
لم یقم الجمعة الا هو تصلى معه“..... (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح :
۳۰۳، ۳۰۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مجرے میں شریک ہونے والے کی امامت:

مسئلہ نمبر (۳۲۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ایسے آدمی کی امامت کے بارے میں کہ جو کنجریوں کے ساتھ مجرے
میں شریک ہو اور لوگوں کو بھی اس کے بارے میں اچھی طرح تحقیق ہو اور لوگوں نے اس امام صاحب کو ان کے ساتھ
دیکھا بھی ہو اور اس کے باوجود یہ امام امامت کرائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اب جب کہ امام اس پر معافی بھی مانگتے ہیں
اور کہتے ہیں کہ آئندہ یہ کام نہ کروں گا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر مذکورہ امام کی توبہ کے باوجود ذمہ دار لوگ ان کی امامت سے مطمئن نہیں ہیں اور ان کو امام برقرار رکھنے
سے فتنہ و فساد کا شدید خطرہ ہے جیسا کہ انداز تحریر سے سمجھ میں آرہا ہے تو اس صورت میں ان کی جگہ کسی صالح شخص کو امام
مقرر کیا جاسکتا ہے، توبہ کے بعد اس امام کو برقرار رکھنا بھی جائز ہے۔

”حدیث عن الحسن قال سمعت انس بن مالک قال لعن رسول الله ﷺ ثلاثة
رجل ام قوما وهم كارهون..... قال الاستاذ الشيخ محمد يوسف البنوري، حاصل
احادیث الباب فی مسئلة الامام كما قال الفقهاء رحمهم الله ان سبب الكراهة ان
كان فی الامام كان الائم عليه وان كان فی القوم فالائم عليهم لاعليه والمسئلة
كذلك فی البحر وشرح المنیة والدر المختار وغيرها وذكروا وينبغي ان تكون
الكراهة تحريمية فی حق الامام“..... (.....)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

لا علمی میں قرآن پاک کو جلانے والے کی امامت:

مسئلہ نمبر (۲۲۵): کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچھ کاغذات اور کیلنڈر جو کہ ایک لٹافہ میں کسی نے رکھ دیے تھے جلانے لیکن اس نے لفافے کو کھول کر نہیں دیکھا، اس لا علمی کی حالت میں اسی لفافے میں موجود قرآن کریم کا ایک نسخہ بھی نذر آتش ہو گیا جس پر شخص مذکور یہ معلوم ہونے کے بعد تائب و نادم بھی ہوا اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا رہا اب ایسا شخص امام مسجد مقرر کیا جاسکتا ہے؟ اور اس کی اقتداء درست ہے یا نہیں؟ نیز اس کے پیچھے پڑھی جانے والی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

سوال میں مذکور کردہ تحریر اگر واقعہ حقیقت کے مطابق ہے اور شخص مذکور نے ایسا جان بوجھ کر اور قصداً نہیں کیا بلکہ لا علمی اور نادانستہ طور پر ایسا ہوا اور اس کے ساتھ شخص مذکور نے توبہ بھی کی ہے لہذا اس صورت حال میں شخص مذکور کو امام مسجد مقرر کیا جاسکتا ہے اور اس کی اقتداء میں نماز درست ہے۔

”عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ التائب من الذنب ای توبۃ صحیحۃ کمن لا ذنب له ای فی عدم المؤاخذۃ بل قد یزید علیہ بان ذنوب التائب تبدل حسنات“..... (مرقاۃ المفاتیح: ۵/۲۶۹)

”الان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع“..... (حلی کبیری: ۲۲۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

خیانت اور حرام خوری کرنے والے کی امامت:

مسئلہ نمبر (۲۲۶): حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! شرعاً درج ذیل کردار کے حامل شخص کے بارے میں فتویٰ درکار ہے۔

(۱) عدم تعاون:

اگر ایک امام اکثر نماز پڑھانے میں دیر کرتا ہو اور اس سے درخواست کی جائے کہ نماز کے اوقات کی پابندی کی جائے مگر وہ مشتعل ہو کر مقتدیوں کو جواب دے کہ کوئی وقت وغیرہ کی پابندی نہیں ہوگی وگرنہ جس نے نماز پڑھنی

ہے وہ پڑھے اور جس نے نہیں پڑھنی ہے وہ نہ پڑھے، کیا اخلاقاً امام کا مقتدیوں کے ساتھ یہ رویہ رکھنا درست ہے؟ اور کیا یہ اچھے تعاون کے زمرے میں آتا ہے، کیا اخلاق کا درس دینے والا شخص اپنے اس مذکورہ رویے میں صحیح ہے؟

(۲) بد اخلاقی:

ایک شخص جو امامت و خطابت کا ذمہ دار ہوتے ہوئے عورتوں کے شعبے میں خواتین کے لیے جلسہ منعقد کرتا ہے اور طالبات سے اپنی والدہ اور بہنوں کو جلسے میں لانے کے لیے کہتا ہے، مگر چند ایک کسی مجبوری کے تحت نہیں آتیں تو مذکورہ شخص طالبات پر سختی کرتا ہے، اس پر ان کے والدین جب مذکورہ شخص سے رجوع کرتے ہیں تو صاحب بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں خواتین کو کوئی چٹکے کے لیے بلاتا ہوں، کیا ان کا یہ رویہ اور اخلاقی معیار قابل گرفت نہیں ہے اور ان کی امامت کو متاثر نہیں کرتا؟ قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلہ درکار ہے۔

(۳) بدویانہ اور قول و فعل میں تضاد:

ایک شخص جو مسجد و مدرسہ کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کے لیے اپنی مرضی سے خوبصورت رنگوں اور اچھے کاغذ پر رسیدیں چھپا لیتا ہے، ممبران کمیٹی نے چند سو میں ہونے والے کام کو ہزاروں میں کرانے پر اعتراض کیا تو شخص مذکور کہتا ہے کہ یہ کام تو کسی اللہ کے بندے نے مفت کروا دیا ہے، مگر جب مسجد و مدرسہ کا خرچ طلب کرتا ہے تو اس میں کم و بیش 3400 روپے کا بل وصول کر لیتا ہے، کیا ایسے شخص کو اس حرکت پر بدویانہ کہا جائے گا یا قول و فعل میں تضاد رکھنے والا؟ اور کیا ایسے شخص مذکور کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً جائز ہوگا۔

(۴) عہد شکنی:

ایک ایسا شخص جو ممبران کمیٹی مسجد و مدرسہ کے روبرو تمام نمازیوں کے مصلی امامت پر بیٹھ کر عہد کرتا ہے کہ میں اپنے خلاف لگائے گئے الزامات سے بری ہونے تک نماز نہیں پڑھاؤں گا، اور پھر اس کے بعد الزامات سے براءت لیے بغیر اس عہد کو توڑ دیتا ہے اور زبردستی نماز پڑھانا شروع کر دیتا ہے تو کیا ایسا شخص عہد شکنی کا مرتکب نہیں ہوتا اور کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہوگا، بمطابق شرع فیصلہ درکار ہے۔

(۵) تحریر ابد عہدی:

ایک شخص جو تحریر اہتمام لکھ کر دیتا ہے کہ اگر مسجد و مدرسہ کی کمیٹی نے مجھے کسی بھی الزام میں فارغ کیا تو میں اس کا فیصلہ ماننے کا پابند ہوں گا اور اسے کسی عدالت میں چیلنج نہیں کروں گا مگر جب کمیٹی مسجد و مدرسہ نے اس کے خلاف فیصلہ دے دیا تو وہ شخص مذکور اس فیصلہ پر عمل کرنے سے صاف انکار کر دیتا ہے، اور مختلف قسم کے اعتراض اور حیلے بہانے شروع کر دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ اگر میں نے لکھ کر دیا تھا تو کیا ہوا؟ میری لکھی ہوئی بات کوئی حدیث

تو نہیں ہے، کیا ایسا شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب نہیں ہوتا اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس شخص کا نماز پڑھنا شرعی طور پر درست ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال پہلی دو باتیں تو ایسی نہیں کہ ان کی بنیاد پر امام صاحب کو ہٹایا جائے البتہ آخری دو باتیں جو تین صورتوں میں پیش کی گئی ہیں ایک خیانت و حرام خوری اور دوسری عہد شکنی ایسی ہیں کہ جن کی بنیاد پر امام صاحب فاسق ہوتا ہے اور اس کا ہٹانا ضروری ہے اور کسی نیک اور دیندار کو امام رکھنا ضروری ہے۔

”قوله وفاسق من الفسق هو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزانی و آكل الربا ونحو ذلك واما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بانه لا يهتم لامر دينه وبان في تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانتة شرعا..... بل مشى في شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم“ (الدرمع الرد: ۱/۳۱۲)

”ولذا كره امامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب اهانتة شرعا فلا يعظم بقديمه للامامة واذا عذر منه ينتقل عنه الى غير مسجده للجمعة وغيرها وان لم يقم الجمعة الا هو صلى معه“..... (حاشية الطحطاوى على المراقى الفلاح: ۳۰۳، ۳۰۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز پڑھتے ہوئے سورج طلوع یا غروب ہو جائے تو نماز کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۱۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر صبح کی نماز پڑھتے پڑھتے آفتاب نکل آیا یا عصر کی نماز پڑھتے پڑھتے سورج غروب ہو جائے تو کیا فجر اور عصر کی نماز ادا ہو جائے گی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اگر صبح کی نماز پڑھتے پڑھتے سورج نکل آیا تو فجر کی نماز نہیں ہوگی اور اگر عصر کی نماز پڑھتے پڑھتے سورج غروب ہو گیا تو عصر کی نماز ہو جائے گی۔

”قال فی التنبیر و کره صلوٰۃ الی قوله الاعصر یومہ و فی الشرح فلا یکره فعله لادانہ
 کما وجب قوله بخلاف الفجر الخ ای فانه لا یؤدی فجر یومہ وقت الطلوع لان
 وقت الفجر کله کامل فوجبت کامله فتبطل بطر و الطلوع الذی هو وقت
 فساد“..... (درمع الرد : ۱/۲۷۳)

”ثلاثات ساعات لا تجوز فیها المكتوبة ولا صلاة الجنائز ولا سجدة التلاوة
 اذا طلعت الشمس حتی ترتفع وعند الانتصاف الی ان تزول وعند احمرارها الی ان
 تغیب الاعصر یومہ ذلك فانه یجوز اداؤه عند الغروب“..... (فتاویٰ الہندیہ:
 ۱/۵۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

پندرہ سال لڑکے کا تراویح پڑھانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۷۸): محترم جناب قبلہ مفتی صاحب

گزارش ہے کہ ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً پندرہ سال ہے بالغ نہیں ہے، کیا وہ نماز تراویح میں قرآن پاک

سنا سکتا ہے؟

قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

پندرہ سال کا بچہ شرعاً بالغ ہو جاتا ہے لہذا اگر کوئی اور مانع شرعی نہ ہو تو تراویح وغیرہ میں اس کی امامت

درست ہے۔

”فصل بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والاصل هو الانزال والجارية
 بالاحتلام والحیض والحبل ولم یذکر الانزال صریحاً لانه قلما یعلم منها فان لم
 یوجد فیہما شیء فحتی یتم لكل منهما خمس عشرة سنة به یفتی لقصر اعمار اهل
 زماننا وادنی مدته له اثنتا عشرة سنة ولہاتسع سنین هو المختار کما فی احکام
 الصغار“..... (الدر المختار علی رد المحتار : ۵/۱۰۷)

”قوله فان لم يوجد فيهما اى فى الغلام والجارية شيء مما ذكر الخ مفاده انه لا اعتبار لنبات العانة خلافاً للشافعى ورواية عن ابي يوسف ولا اللحية واما نهود الشدى فذكر الحموى انه لا يحكم به فى ظاهر الرواية وكذا نقل الصوت كما فى شرح النظم الهاملى ابو السعود وكذا شعر الساق والابط والشارب“
.....(رد المحتار: ٥/١٠٤)

”بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والافحتى يتم له ثمانية عشر سنة الحلم بالضم ما يراه النائم اما الاحتلام فلما روى عن على ابن ابي طالب قال حفظت من رسول الله ﷺ لا يتم بعد احتلام ولا قوم الى الليل رواه ابو داؤد والحبل والاحبال لا يكون الا مع الانزال واما السن فلما روى عن ابن عمر رضى الله عنهما قال عرضت على رسول الله ﷺ يوم احد وانا ابن اربع عشر سنة فلم يجزنى وعرضت عليه يوم الخندق وانا ابن خمس عشرة سنة فاجازنى فالظاهر ان عدم الاجازة لعدم البلوغ والاجازة للبلوغ وهذا قول ابي يوسف ومحمد وهو قول الامام الشافعى ورواية عن ابي حنيفة وعن الامام فى الغلام تسع عشرة سنة قيل المراد ان يطعن فى التاسع عشرة وقيل فيه اختلاف الروايتين حقيقة لانه ذكر فى بعض حتى تستكمل تسع عشرة سنة..... ويفتى بالبلوغ فيهما بخمسة عشر سنة عند ابي يوسف ومحمد وهذا ظاهر لا يحتاج الى الشرح“.....(البحر الرائق: ٨/١٥٣)

”وشروط صحة الامامة للرجال الاصحاء ستة الاسلام والبلوغ والعقل والذكورة والقراءة والسلامة من الاعذار“.....(نور الايضاح: ٤٥)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تسبیح پر شمار کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۲۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ذکر تسبیحات وغیرہ انگلیوں کے پوروں پر شمار کرنی چاہئیں یا تسبیح پر بھی کر سکتے ہیں بعض لوگوں سے سنا ہے کہ تسبیح پر شمار کرنا بدعت ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر ریاء نہ ہو تو تسبیح پر بھی شمار کرنا درست ہے خیر القرون میں گھنٹیوں پر شمار کرنا ثابت ہے۔

”لاباس باتخاذ المسبحة لغير رياء كما بسطه في البحر“..... (الدر على هامش الرد: ۳/۳۸۱)

”وقيد بالصلوة لان العد خارج الصلوة لا يكره على الصحيح كما ذكره المصنف في المستصفى لانه اسكن للقلب واجلب للنشاط ولما رواه ابو داؤد والترمذى والنسائى وابن حبان والحاكم قال صحيح الاسناد عن سعد ابن ابى وقاص انه دخل مع النبى ﷺ على امرأة وبين يديها نوى او حصى تسبح به فقال اخبرك بما هو ايسر عليك من هذا او افضل فقال سبحان الله عددا ما خلق في السماء وسبحان الله عددا ما خلق في الارض وسبحان الله عددا ما بين ذلك وسبحان الله عددا ما هو خالق والحمد لله مثل ذلك والله اكبر مثل ذلك ولا اله الا الله مثل ذلك ولا حول ولا قوة الا بالله مثل ذلك فلم ينهها عن ذلك وانما ارشدها الى ما هو ايسر وافضل ولو كان مكروها لبين لها ذلك ثم هذا الحديث ونحوه مما يشهد بانه لا باس باتخاذ المسبحة المعروفة لاحصاء عدد الاذكار اذ لا تزيد المسبحة على مضمون هذا الحديث الا بضم النوى ونحوه في خبط ومثل هذا لا يظهر تأثيره في المنع فلا جرم ان نقل اتخاذها والعمل بها عن جماعة من الصوفية الاخيار وغيرهم اللهم الا اذا ترتب عليها رياء وسمعة فلا كلام لنا فيه وفي منحة الخالق قال الرملى والظاهر انها ليست ببدعة فقد قال ابن حجر الهيتمى فى شرح الاربعين النواوية المسبحة ورد لها اصل اصيل عن بعض امهات المؤمنين واقرها النبى ﷺ على ذلك“..... (البحر مع منحة الخالق: ۲/۵۱)

والله تعالى اعلم بالصواب

فجر کی نماز کے بعد سونے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۳۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فجر کی نماز کے بعد سونا کیسا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

فجر کی نماز کے بعد طلوع شمس تک سونا مکروہ ہے۔

”ویکرہ النوم فی اول النهار“..... (ہندیہ: ۳۸۶/۵)

”ویکرہ النوم بعد صلوٰۃ الصبح اشد کراہۃ سیماللعالم ففی شرح السنة قال

علقمة بن قیس بلغنا ان الارض تمعج الی اللہ تعالیٰ من نومة العالم بعد صلوٰۃ

الصبح و فی روایة البیهقی ان الصبحة تمنع الرزق“..... (قطب

الارشاد: ۲۵۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

نماز نہ پڑھنے پر بیوی کو سزا دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۳۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بیوی نماز نہ پڑھتی ہو باوجود ترغیب

دینے کے تو اس کو خاوند نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت

فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر عورت ترغیب دینے کے باوجود نماز نہیں پڑھتی تو خاوند اس کو سزا دے سکتا ہے۔

”قولہ و لہ ضرب زوجته علی ترک الصلوٰۃ علی الاظهر و کذا علی ترکھا

الزینة و غسل الجنابة و علی خروجها من المنزل و ترک الاجابة الی فراشه

و مرتماہمہ فی التعزیر و ان الضابط ان کل معصية لاحد فیہا فللزوجة و المولی

التعزیر“..... (الدر مع الرد: ۳۰۳/۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

نمازی کے لیے مسجد کی ٹوپوں کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۳۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کی ٹوپیاں نماز کے لیے لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز کے لیے عمدہ لباس ہونا چاہیے، ”لقولہ تعالیٰ خذوا زینتکم عند کل مسجد“ اور ایسا لباس جو بڑی شخصیات کے پاس پہن کر جانا معیوب سمجھا جاتا ہو تو اس میں نماز مکروہ ہے، بنا بریں ان ٹوپوں کا استعمال بھی مکروہ ہوگا جو اکابر کے سامنے پہن کر جانا معیوب سمجھا جاتا ہو البتہ اگر عمدہ ہوں تو کراہت نہ ہوگی۔

”و كذلك يكره الصلاة في الثياب البذلة وروى ان عمر رضى الله نه راي رجلا فعل ذلك فقال ارايت لو كنت ارسلتك الى بعض الناس اكنت ثمة في ثيابك هذه فقال لا فقال عمر الله احق ان يتزين له، قوله وصالته في ثياب بذلة قال في البحر وفسرها في شرح الوقاية بما يلبسه في بيعته ولا يذهب به الى الاكابر والظاهر ان الكراهة تنزيهية“..... (رد المحتار ۱/۴۸۴)

والله تعالى اعلم بالصواب

**مرد اور عورت کی نماز میں فرق:**

مسئلہ نمبر (۲۳۳): خواتین کے لیے نماز کا مسنون طریقہ کیا ہے آیا طریقہ نماز مرد حضرات سے یکسر مختلف ہے یا وہ کون کون سی خاص باتیں ہیں جن کا خواتین کو نماز میں خیال رکھنا پڑتا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

خواتین ہاتھ کندھوں تک اٹھائیں اور ہاتھ سینہ پر رکھیں، رکوع میں صرف اتنا جھکیں کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں سجدہ میں بازو زمین پر رکھیں اور سرین پنڈلیوں سے ملا کر رکھیں، قعدہ میں دونوں پیر سرین کے دائیں طرف نکال کر بیٹھیں۔

فقہاء کرام نے مرد اور عورت کی نماز میں بیس سے زائد فرق بیان کیے ہیں۔

(۱) عورت اپنے ہاتھوں کو کندھے تک اٹھائے۔

- (۲) اپنے ہاتھوں کو آستینوں سے باہر نہ نکالے۔
- (۳) اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر پستانوں کے نیچے رکھے۔
- (۴) رکوع میں معمولی جھکے۔
- (۵) انگلیوں کو نہ موڑے۔
- (۶) انگلیوں کو ملا کر رکھے۔
- (۷) رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے۔
- (۸) گھٹنوں کو نہ جھکائے۔
- (۹) سمٹ کر رکوع اور سجدہ کریں۔
- (۱۰) سجدے میں اپنے بازو بچھائے۔
- (۱۱) تشہد میں دونوں پاؤں دائیں طرف نکالے۔
- (۱۲) تشہد میں ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے گھٹنے تک پہنچائے۔
- (۱۳) تشہد میں انگلیاں ملا کر رکھے۔
- (۱۴) نماز پڑھنے کے دوران آگے سے گزرنے والے کوتالی بجا کر خبردار کرے گی، تسبیح نہ کہے۔
- (۱۵) مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی۔
- (۱۶) عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔
- (۱۷) عورتوں کی امام درمیان میں کھڑی ہو۔
- (۱۸) عورتوں کا جماعت کے لیے مسجد میں آنا مکروہ ہے۔
- (۱۹) مردوں کے ساتھ نماز پڑھتے وقت عورتیں سب سے پچھلی صف میں ہوں گی۔
- (۲۰) عورت کے ذمہ جہر نہیں۔
- (۲۱) عورت کے ذمہ جمعہ نہیں۔
- (۲۲) اور نہ عید کی نماز عورتوں کے ذمہ ہے۔
- (۲۳) تکبیرات تشریح عورتوں پر واجب نہیں۔
- (۲۴) فجر کی نماز روشنی میں پڑھنا عورت کے لیے مستحب نہیں۔

تحت ثديها وتحنى في الركوع قليلا ولا تعقد ولا تفرج فيه أصابعها بل
تضمها وتضع يديها على ركبتيها ولا تحنى ركبتيها وتنظم في ركوعها
وسجودها وتفتش ذراعيها، وتورك في التشهد وتضع فيه يديها تبلغ رؤس
أصابعها ركبتيها وتضم في أصابعها وإذ انابها شي في صلاتها تصفق ولا تسبح
ولا تؤم الرجل وتكره جماعتهم ويقف الإمام وسطهم ويكره حضورها
الجماعة وتؤخر مع الرجال ولا جمعة عليها لكن
تتعقد بها ولا عید ولا تكبير تشریق ولا يستحب أن تسفر بالفجر ولا تجهر في
الجهرية الخ..... (رد المحتار: ۱/۳۷۳)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز کا لفظی معنی و مقصد:

مسئلہ نمبر (۲۲۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز کا لفظی معنی و مقصد اور فضیلت اور التیحات کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کریں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صلوة کے لغوی معنی دعا کرنا ہے اور شرعاً افعال مخصوصہ مع الیہ قیام و قرأت رکوع اور سجودے کا نام صلاۃ

ہے۔

”هی لغة الدعاء وشرعاً الأفعال المنصوصة من القيام والقراءة والركوع

والسجود“..... (البحر الرائق: ۱/۴۲۳)

۲۔ نماز کے فضائل بہت ہیں بخاری شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ جس شخص کے گھر کے ساتھ ایک نہر ہو جس میں وہ روزانہ پانچ دفعہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل رہے گی صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح پانچ نمازیں ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

”عن أبي هريرة أنه سمع رسول الله ﷺ يقول أرأيتم لو أن نهرا

الخ..... (بخاری: ۱/۷۶)

تشہد سے مراد التیحات ہے ”عبده ورسوله“ تک اور احناف کے نزدیک تشہد ابن مسعودؓ سے افضل

ہے۔

” (ویقرأ تشہدا بن مسعودؓ) وجوبا کما بحثہ فی البحر لکن کلام غیرہ یقید ندبہ.... (ویقصد بالفاظ التشہد) معانیہا مرادۃ لہ علی وجہ (الإنشاء) کأنہ یحیی اللہ تعالیٰ ویسلم علی نبیہ وعلی نفسه وأولیائہ“..... (الدرمع الرد: ۱/۳۷۶، ۳۷۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

والدین کے پکارنے پر نماز توڑنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۳۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) زید نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کے والد عامر نے پکار کر بلایا تو زید نے نماز توڑ کر والد صاحب کی خدمت میں حاضری دی اور پھر آ کر نماز شروع کی تو بکرنے زید کو ڈانٹا کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں، آپ نے نماز توڑ کر گناہ کیا، زید کہتا ہے کہ میں اکیلا نماز پڑھ رہا تھا نماز میں صرف تاخیر کی، بالکل چھوڑی نہیں، والد کی بات ماننا واجب ہے کس کی بات صحیح ہے؟

(۲) اکرم کا باپ اسلم اس لیے ناراض ہے کہ اکرم کی بیوی اس کی عزت نہیں کرتی تو اسلم نے اپنے بیٹے کو کہا کہ اپنی بیوی کو طلاق دو، اکرم طلاق نہیں دینا چاہتا، خود باپ کی عزت کرتا ہے تو اسلم نے اپنے بیٹے کو عاق کر دیا تو آیا اب بیٹا اکرم عاق ہو گیا یا بعد موت اسلم کا وارث ہوگا۔

(۳) اکبر کا باپ گوادر غیر مسلم ہے بتوں کی پوجا کرتا ہے صبح کو مندر خود جاتا ہے لیکن شام کو اکبر اس کو لاتا ہے آیا یہ درست ہے یا نہیں؟ لے جانا اور لانا دونوں کا حکم بتادیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں زید کے لیے نماز توڑنا جائز نہیں تھا البتہ اگر والدین کسی چیز کے لیے بلائیں اور کوئی اور شخص دینے والا نہ ہو تو توڑنا جائز ہے۔

”المصلی إذا دعاه أحد أبویہ لایجیب ما لم یفرغ من صلاتہ إلا أن یتستغیث بہ

لشیء لأن قطع الصلاة لایجوز إلا للضرورة“..... (الہندیۃ: ۱/۱۰۹)

(۲) اس صورت میں والد کا ناراض ہونا بلا وجہ ہے شوہر کے ذمہ لازم ہے کہ بیوی کو والدین سے علیحدہ مکان میں رکھے اور اس وجہ سے بیٹا کو عاق کرنا درست نہیں اور شرعاً بھی معتبر نہیں بلکہ دونوں شرعاً ایک دوسرے کے وارث ہونگے، باپ کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینا واجب نہیں۔

(۳) کسی شخص کا اپنے والد کو مندر لے جانا تو گناہ ہے مگر وہاں سے واپس لانا گناہ نہیں۔

”رجل له اب ذمی أو امرأة ذمیة لیس له أن یقوده إلى البیعة وله أن یقوده من البیعة إلى منزله لأن الذهاب إلى البیعة معصية وإلى المنزل لا“..... (خلاصة الفتاوی: ۳۴۷/۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز کے لیے شلوار کٹنوں سے اوپر رکھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۳۶): کیا فرماتے علمائے کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شلوار کٹنوں سے اوپر رکھنا صرف نماز میں ضروری ہے یا غیر نماز میں بھی؟ بحوالہ جواب ارشاد فرمائیں۔ بیٹو اتوجروا

الجواب باسم الملك الوهاب

مرد کے لیے ہر حال میں شلوار کٹنوں سے اوپر رکھنا ضروری ہے چاہے آدمی نماز کی حالت میں ہو یا غیر نماز کی حالت میں ہو۔

”عن ابی ہریرۃ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما أسفل من الکعبین من الإزار فی النار“..... مشکوٰۃ: ۳۸۶/۱

”وعنه قال قال رسول اللہ ما أسفل من الکعبین من الإزار فی النار ویکرہ سدله تکبراً أو تهاوناً وبالعدن لا یکرہ“..... (الطحطاوی: ۳۵۰)

”ویکرہ سدله أى سدله المصلی ثوبه. ایضاً ویکرہ للرجال السروایل التي تقع علی ظهر القدمین عنابیة“..... (رد المحتار: ۲۴۷/۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز میں آستین کہنیوں تک چڑھانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۳۷): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نماز میں اپنی آستین کہنیوں تک چڑھا کر رکھتا ہے آیا اس کی نماز درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر آستین کہنی اور ہاتھ کے درمیان تک چڑھائی ہوئی ہو تو حکم کیا ہوگا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

کہنیوں تک آستینیں چڑھا کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے، لہذا ایسی کیفیت سے احتراز کرنا چاہیے۔
 ”وقيد الكراهة في الخلاصة والمنية بأن يكون رافعا كميته إلى المرفقين وظاهره أنه لا يكره إلى مادونهما قال في البحر والظاهر الإطلاق لصدق كف الثوب على الكل الخ ونحوه في الحلية وكذا قال في شرح المنية الكبير أن التقييد بالمرفقين اتفاقي“..... (رد المحتار: ۱/۴۷۳)
 ”ويدخل أيضا في كف الثوب تشمير كميته كما في فتح القدير وظاهره الإطلاق وفي الخلاصة ومنية المصلي قيد الكراهة بأن يكون رافعا كميته إلى المرفقين وظاهره أنه لا يكره إذا كان يرفعهما إلى مادونهما والظاهر الإطلاق لصدق كف الثوب على الكل وذكر في المجتبى في كراهة تشمير الكمين قولين وذكر في القنية أن القول بإمساك الكمين أحوط ولا يخفى ما فيه. قال الشامي في منحة الخالق ”والظاهر الإطلاق“ فيه نظرا إن يكن سنده ما ذكره عن فتح القدير لأن الكمال وإن أطلق هنا قيد كلامه“..... (۲/۴۴)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نماز کے لیے جگہ مخصوص کرنے سے وہ مسجد شرعی نہیں بنتی:

مسئلہ نمبر (۲۳۸): کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام دریں مسئلہ کہ ایک چھ مرلے عمارت ہے اس کے تہہ خانہ میں ایک بڑے کمرے کو مسجد بنا کر باجماعت نماز ادا کی جاتی ہے، بیسمنٹ میں مسجد کے علاوہ چند دفاتر، راہداری، کینٹین، لفٹ اور ہاتھروم وغیرہ ہیں۔

نمازیوں کی تعداد مسجد کی گنجائش سے بڑھ جاتی ہے اس لیے نماز ظہر دو اوقات میں ادا کی جاتی ہے، ایک 01:15 بجے اور دوسری 02:15 بجے، نمازیوں کی کثرت کے باعث مسجد میں داخلہ کے راستہ کے باہر لفٹ کے پاس اور کینٹین کے ہال میں بھی صفیں بچھا کر باجماعت نماز ادا کی جاتی ہے۔

کچھ دنوں سے امام صاحب نے مسجد کے کمرے کے باہر نماز ادا کرنے سے منع کر دیا ہے کہ یہ راہداری ہے، کینٹین ہے، لفٹ ہے، ہاتھ رومز کو بھی راستہ جاتا ہے اس لیے یہ جگہ پاک نہیں ہے، لہذا اس جگہ نماز ادا کرنا درست نہ ہے، ان کے خیال میں مسجد کے باہر لوگ جو توں سمیت چلتے ہیں لہذا فرش پاک نہ ہے، صفیں بچھانے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجہ بالا مسئلہ پر راہنمائی فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں جو جگہ نماز کے لیے مخصوص ہے، مسجد شرعی نہیں ہے تو اس میں دوسری جماعت بھی بلا کراہت کرائی جاسکتی ہے، اور فرش اگرچہ ناپاک بھی ہو تو اس پر صفیں بچھا کر نماز پڑھی جاسکتی ہے، البتہ راستے میں نماز پڑھنے سے اجتناب کریں، جب کہ گزرنے والوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہو۔

”ولو اتخذ فی بیتہ موضعا للصلوة فلیس له حکم المسجد اصلا“..... (حلیہ

کبیری: ۵۳۰)

”ولا بأس بان یفعل ذالک فوق بیت فیہ مسجد یعنی لکل مسلم مندوب ان یتخذ

مسجد فی بیتہ یصلی فیہ السنن والنوافل لکن لیس له حکم المسجد“

..... (خلاصۃ الفتاوی: ۲/۲۲۷)

”لا یکرہ ما ذکر فوق بیت جعل فیہ مسجد بل ولا فیہ لانه لیس بمسجد شرعا واما

المتخذ للصلوة جنازة او عید فهو مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف

رفقا بالناس لافی حق غیرہ بہ یفتی نہایة فعل دخوله لجنب وحائض کفناء مسجد

ورباط ومدرسة ومساجد حیاض واسواق لا یکرہ ما ذکر ای من الوطء والبول

والتغوط قوله فوق بیت ای فوق مسجد البیت ای موضع اعد للسنن والنوافل بان

یتخذ له محراب وینظف ویطیب كما امر ﷺ فهذا مندوب لکل مسلم كما فی

الکرمانی وغیرہ، قوله مدرسة ما ینبئ لسکنی طلبیة العلم ویجعل لها مدرس ومکان

للمدرس لكن اذا كان فيها مسجد فحكمه كغيره من المساجد ففي وقف القبية
المساجد التي في المدارس مساجد لانهم لا يمتنعون الناس من الصلوة فيها
واذا اغلقت يكون فيها جماعة من اهلها، وفي الخانية دار فيها مسجد لا يمتنعون الناس
من الصلوة فيه ان كانت الدار لو اغلقت كان له جماعة ممن فيها فهو مسجد جماعة
ثبت له احكام المسجد من حرمة البيع والدخول والافلا وان كانوا لا يمتنعون الناس
من الصلوة فيه قوله مساجد حياض مسجد الحوض مصطبة يجعلونها بجانب الحوض
حتى اذا توضع احد من الحوض صلى فيها قوله اسواق اي غير نافذة يجعلون مصطبة
للصلوة فيها وذلك كالتى تجعل في خان التجار “..... (در مع الرد: ١/٣٨٦)

”لوسط الثوب الطاهر على الثوب النجس او على ارض نجسة مبتلة واثرت
تلك النجاسة في الثوب لكن لم يصر رطبا بحال لو عصر يسيل منه شيء ولكن
يعرف موضع الندوة فالاصح لا يصير نجسا“..... (فتاوى الهندية: ١/٣٤٤)

”الثوب اذا فرش على النجاسة اليابسة فان كان رقيقا يشف ماتحته او توجد منه
رائحة النجاسة على تقدير ان لها رائحة لا تجوز الصلوة عليه وان كان غليظا بحيث
لا يكون كذلك جازت“..... (فتاوى شامى: ١/٣٦٣)

”لان الصلوة في نفس الطريق اي طريق العامة مكروهة وبدونها لانه اعد
للمرور فيه فلا يجوز شغله بما ليس له حق الشغل كما في المحيط“..... (فتاوى
شامى: ١/٣٤٢)

”ولم يصل في الطريق لان الصلوة في الطريق مكروهة وهذا اظهر“..... (تقريرات
رافعى: ١/٨٣)

”تكره الصلوة في طريق العامة لما روى الترمذى وابن ماجه عن ابن عمر ان رسول
الله ﷺ نهى ان يصلى في سبعة مواطن في المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة
الطريق وفي الحمام وفي معادن الابل وفوق ظهر بيت الله“..... (حلبى
كبرى: ٣١٥)

والله تعالى اعلم بالصواب

ایک رکعت وتر پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۳۹): محترم و مکرم جناب حضرت مفتی صاحب میں درج ذیل سوالات کے جوابات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

بندہ درج ذیل مسائل کے بارے میں کافی پریشان ہے، لہذا بندہ کا تعاون فرمائیں۔

- (۱) اہل حدیث مسلک کے مسلمان نماز عشاء میں صرف ایک وتر پڑھتے ہیں، کیا یہ عمل ٹھیک ہے؟
- (۲) کیا نماز حاجت کے لیے کوئی خاص وقت مقرر ہے؟ یعنی ایسا وقت کہ جس میں صلوة حاجت بندہ پڑھ سکتا ہو یا کہ ہر وقت پڑھ سکتے ہیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) وتر کی تین رکعات ہیں نہ کہ ایک، یہی مسلک حق ہے۔

(۲) مکروہ وقت نہیں ہونا چاہئے باقی جس وقت چاہیں صلوة الحاجت پڑھ سکتے ہیں۔

”الوتر واجب وهو ثلاث ركعات بتسليمة قوله وهو ثلاث ركعات بتسليمة اى الوتر لما رواه الحاكم وصححه وقال على شرطها عن عائشة رضى الله عنها قالت كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث لا يسلم الا فى آخرهن قيل للحسن ان ابن عمر كان يسلم فى الركعتين من الوتر فقال كان عمر افقه منى وكان ينهض فى الثانية بالتكبير اه ونقله الطحاوى عن اصحاب رسول الله ﷺ واما قوله ﷺ صلوة الليل مثنى مثنى واذا حشى الصبح صلى واحدا فوترت له ما صلى فليس فيه دلالة على ان الوتر واحدا بتحريمه مستأنفة ليجتاج الى الاشتغال بجوابه اذ احتمال كلامن ذلك ومن كونه اذا حشى الصبح صلى واحدا متصلة ومع الاحتمال لا يقادم الصرائح الواردة وقد روى الامام ابو حنيفة بسنده انه عليه السلام كان يقرأ فى الاولى بسبح اسم ربك الاعلى وفى الثانية قل يا ايها الكافرون وفى الثالثة قل هو الله احد“..... (البحر الرائق: ۲/۶۸)

”وقنت فى ثالثة قبل الركوع أبدا وقرأ فى كل ركعة منه فاتحة الكتاب وسورة قوله وقرأ فى كل ركعة منه فاتحة الكتاب وسورة بيان لمخالفته للقرائن فيقرأ فى كل

رکعة منه حتما ونقل في الهداية انه بالاجماع وفي التجنيس لو ترك القراءة في
الركعة الثالثة منه لم يجز في قولهم جميعا.....(البحر الرائق: ٢/٤٦)

”عن سعيد بن عبد الرحمن بن ابي عن ابيه عن ابي بن كعب ان رسول الله ﷺ
كان يوتر بثلاث ركعات كان يقرأ في الاولى بسبح اسم ربك الاعلى وفي الثانية
بقل يا ايها الكفرون وفي الثالثة بقل هو الله احد ويقنت قبل الركوع“.....(سنن
النسائي: ١/٢٣٨، قديمي كتب خانة)

”عن ابن عباس قال كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث يقرأ في الاولى بسبح اسم
ربك الاعلى وفي الثانية بقل هو الله احد“.....(سنن النسائي: ١/٢٣٩، مكتبه
قديمي)

”عن سعيد بن جبير عن ابن عباس انه كان يوتر بثلاث بسبح اسم ربك الاعلى وقل
يا ايها الكفرون وقل هو الله احد“.....(سنن النسائي: ١/٢٣٩، قديمي كتب خانة)
”عن علي قال كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث يقرأ فيهن بتسع سور من المفصل
يقرأ في كل ركعة بثلاث سور آخرهن قل هو الله احد“.....(جامع الترمذي:
١/٢١٢، مكتبه رحمانيه)

”ثنا ابن وهب قال اخبرني ابن ابي الزناد عن ابيه قال اثبت عمر بن عبدالعزيز الوتر
بالمدينة بقول الفقهاء ثلاثا لا يسلم الا في آخرهن“.....(شرح معاني
الآثار: ١/١٨٤، مكتبه رحمانيه)

”ثنا عبد الرحمن بن ابي الزناد عن ابيه عن السبعة سعيد بن المسيب وعروة بن
الزبير والقاسم بن محمد وابي بكر بن عبد الرحمن وخارجة بن زيد وعبيد الله بن
عبد الله وسليمان بن يسار في مشيخة سواهم اهل فقه وصلاح وفضل
وربما اختلفوا في الشيء فأخذ بقول اكثرهم وافضلهم رأيا فكان مما وعيت عنهم
على هذه الصفة ان الوتر ثلاث لا يسلم الا في آخرهن فهذا من ذكرنا من فقهاء
المدينة وعلمائهم قد اجمعوا ان الوتر ثلاث لا يسلم الا في آخرهن وتابعهم على
ذلك عمر بن عبدالعزيز فهذا عندنا مما لا ينبغي خلافه لما قد شهد له من حديث

رسول الله ﷺ ثم فعل اصحابه واقوال اكثرهم من بعده ثم اتفق عليه تابعوهم“
.....(شرح معانى الآثار: 1/184)

”ثنا ابوخلدة قال سألت اباالعالبة عن الوتر فقال علمنا اصحاب محمد ﷺ
او علمونا ان الوتر مثل صلوة المغرب غير انانقرأ فى الثالثة فهذا وتر الليل وهذا
وتر النهار“.....(شرح معانى الآثار: 1/185)

”ومن المندوبات صلوة الحاجة وفى شرح المنية فذكر انها ركعتان واخرج
الترمذى عن عبد الله ابن ابى اوفى قال قال رسول الله ﷺ من كانت له الى الله
حاجة او الى احد من بنى آدم فليتوضأ وليحسن الوضوء ثم ليصل ركعتين ثم ليثن
على الله وليصل على النبى ﷺ ثم ليقل لا اله الا الله الحليم الكريم سبحان الله
رب العرش العظيم الحمد لله رب العلمين اسألك من موجبات رحمتك
وعزائم مغفرتك والغنيمه من كل بر والسلام من كل اثم لاتدع لى ذنبا الاغفرته
ولاهما الا فرجتة ولا حاجة هى لك رضا الا قضيتها يا ارحم الراحمين“.....(فتاوى
شامى: 1/508، 509)

”ومنع عن الصلوة وسجدة التلاوة وصالوة الجنابة عند الطلوع والاستواء والغروب
الاعصريومه اطلق الصلوة فشمّل فرضها ونقلها لان الكل ممنوع فان المكروه من
قبيل الممنوع لانها تحريمية“.....(البحر الرائق: 1/332، 333)

”وعن التنفل بعد صلاة الفجر والعصر لاعن قضاء فائنة وسجدة تلاوة وصالوة
جنازه وبعد طلوع الفجر باكثر من سنة الفجر وقبل المغرب ووقت الخطبة وعن
الجمع بين الصلاتين فى وقت بعد قوله وعن التنفل بعد صلاة الفجر والعصر اى
منع عن التنفل فى هذين الوقتين قصدا لاعن غيره لرواية الصحيحين لاصلوة
بعد صلوة العصر حتى تغرب الشمس ولاصلوة بعد صلوة الفجر حتى تطلع
الشمس“.....(البحر الرائق: 1/334)

والله تعالى اعلم بالصواب

نماز کے چند متفرق مسائل:

مسئلہ نمبر (۲۴۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ان مسائل کے بارے میں،

(۱) جناب میں نے سنا ہے کہ فرض اور وتر نماز میں ایک رکعت کو لمبا کرنے کے لیے دوسورتیں نہیں پڑھ سکتے، کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر پڑھ سکتے ہیں تو وہ سورتیں لگاتار ہوں یا وقفہ والی بھی دوسورتیں ایک رکعت میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) کیا نماز میں قرآن ترتیب سے پڑھنا واجب ہے؟ اگر امام ترتیب سے نہ پڑھے اسی طرح اگر دوران نماز سجدہ سہو کے لیے لقمہ بھی نہیں دیا اور بعد میں کوئی مقتدی یاد کر ادا کرے کہ ترتیب نہیں تھی اور سجدہ سہو بھی نہیں ہوا تو وہ نماز ہوگئی یا نہیں؟ ایک آدمی نے بتایا کہ یاد کرانے والے کی نہیں ہوئی باقی سب کی ہوگئی ہے۔

(۳) اگر صبح یا شام کی اذان ۲ منٹ وقت سے پہلے ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

(۴) میں ایک رکعت کے دوسرے سجدہ میں جماعت کے ساتھ شامل ہوا نماز مکمل کرنے کے بعد ایک آدمی نے بتایا کہ سجدہ شکر اور سجدہ تلاوت کے علاوہ ایک سجدہ مکروہ ہے؟

(۵) ایک دفتر کے کسی کمرہ میں ظہر کی نماز جماعت سے ادا کرنے کے لیے مختص کر دیا جائے تو کیا مسجد کا ثواب ملے گا؟

(۶) کار میں بیٹھ کر شہر کے اندر نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) فرض نماز کی ایک رکعت میں دوسورتیں لگاتار (متصل) پڑھی جاسکتی ہیں وقفہ والی دوسورتیں ایک رکعت میں پڑھنا مکروہ ہے۔

(۲) نماز میں قرآن پاک ترتیب سے پڑھنا واجب نہیں ہے، اس لیے اگر امام نے خلاف ترتیب پڑھا تو نماز ہو جائے گی سجدہ سہو کی ضرورت نہیں اور نہ ہی بعد میں یاد کرانے والے کی نماز فاسد ہوئی ہے۔

(۳) اذان کا اعادہ ضروری ہے۔

(۴) اکیلا سجدہ مکروہ نہیں ہے امام کے ساتھ جلد شامل ہونا بہتر ہے کیونکہ اس میں زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔

(۵) دفتر کے کمرے میں نماز جماعت پڑھنے سے صرف جماعت کا ثواب ملے گا مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، جب تک کوئی جگہ مسجد کے لیے وقف نہ کی جائے وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوتی۔

(۱) "والجمع بين سورتين الخ اى ركعة واحدة عافيه من شبهة التفصيل ولجهر
وفى الحاشية والجمع بين سورتين بينهما سور او سورة"..... (طحاوى على
المراقى: ۱/۱۹۳)

"واذا جمع بين سورتين بينهما سور او سورة واحدة فى ركعة واحدة يكره"
..... (فتاوى الهندية: ۱/۷۸)

(۲) "اذ قرأ فى الركعة الاولى سورة وقرأ فى الركعة الثانية سورة قبلها فلا سهو
عليه"..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۲۶)

"انهم قالوا يجب الترتيب فى سور القرآن فلو قرأ منكوما اثم لكن لا يلزمه السجود
السهو"..... (۱/۳۳۷)

(۳) "فيعاد اذان وقع بعضه قبله كالاقامة"..... (در مختار: ۱/۶۲)

(۴) "وكذلك اذا دركه بعدما رفع رأسه من السجدة الاولى يكبر تكبيرة الافتتاح
قائما ويأتى بالثناء ان كان اكبر رأيه انه يدركه الامام فى السجدة الثانية ثم يسجد"
..... (المحيط البرهاني: ۲/۱۳۵)

"واستدل بهذا الحديث على حصول فضيلة الجماعة باذراك جزء من
الصلوة..... لقوله عليه السلام فما ادر كنتم فصلوا ولم يفصل بين القليل والكثير
..... واستدل به ايضا على استحباب الدخول مع الامام على اى حالة
وجد عليها"..... (فتح البارى: ۲/۱۵۱)

(۵) "قوله عليه السلام صلوة الرجل فى الجماعة تفضل على صلواته فى بيته
او سوقه سبعا وعشرين ضعفا"..... (حلبى كبيرى: ۳۳۹)

"قوم تخلفوا عن المسجد وصلوا فى البيت بجماعة فانهم ينالون فضل الجماعة
ولكن دون ما..... ينالون فى المسجد"..... (فتاوى السراجية: ۹۷)

"قال فى الدر..... يزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله جعلته مسجدا
عند الثانى وشرط محمدا والامام الصلوة فيه بجماعة"..... (در مختار: ۱/۳۷۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

امام کی غیر موجودگی میں دوسرے شخص کی امامت کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۴): کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا تعلق علماء کے گھرانے سے ہے، اس کا گھر جامع مسجد کے ساتھ ہے، اور خود دینی و دنیاوی علم سے آگاہ ہے، مسجد کے امام و خطیب کے موجود نہ ہونے کی صورت میں مسجد کا مؤذن ہوتا ہے، اور نمازی اس شخص کو گھر جا کر کہتے ہیں کہ مسجد میں آکر نماز جماعت کے ساتھ پڑھادیں، تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے، استغفر اللہ ہم تنخواہ دار یا ٹھیکیدار نہیں ہیں، اور نہ ہی نماز پڑھانا ہماری ڈیوٹی میں شامل ہے، ایک عاقل بالغ سمجھدار شخص اس طرح کی باتیں کرے تو شریعت میں اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

چونکہ وقت نماز پر کوئی امامت کے لائق شخص موجود نہیں ہے، لہذا اس شخص کو اخلاقی طور پر نماز پڑھادینی چاہیے، اگر بغیر تنخواہ اور بغیر ڈیوٹی جماعت کرا دے گا تو متقدمین کی صف میں شمار ہوگا، اور جماعت کی فضیلت اور ترک جماعت کا گناہ آپ کے سامنے ہے، اس شخص کی یہ تعبیر شرعاً درست نہیں ہے۔

”الجماعة سنة مؤكدة وقيل واجبة وعليه العامة“..... (الدر المختار: ۱/۸۲، کتاب

الصلوة، باب الامامة، طبع رشیدیہ)

”الاولیٰ بالامامة اعلمهم باحكام الصلوة كذا في المضمرة“..... (فتاویٰ

الہندیہ: ۱/۸۳، کتاب الصلوة باب من هو احق بالامامة، طبع رشیدیہ)

”فان كان متبحرا في علم الصلوة لكن لم يكن له حظ في من العلوم

فهو اولیٰ“..... (خلاصة الفتاویٰ: ۱/۱۳۳)

”عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما ان رسول الله ﷺ قال صلوة الجماعة

تفضل صلوة الفرد بسبع وعشرين درجة..... وعن ابي هريرة رضي الله عنه ان

رسول الله ﷺ قال والذي نفسي بيده لقد هممت ان امر بحطب ليحطب ثم امر

بالصلوة فيؤذن لهائم امر رجلا فيؤم الناس ثم اخالف الى رجال فاحرق عليهم

بيوتهم والذي نفسي بيده لو يعلم احدكم انه يجد عرفا سمينا او مائة حسنتين

لشهد العشاء“..... (صحيح البخاري: ۱/۸۹)

”عن ابی الہمدانی قال سمعت عقبہ بن عامر سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من ام
الناس فاصاب الوقت فله ولہم ومن انتقص من ذلك شیئا فعلیہ ولا علیہم“
..... (سنن ابی داؤد: ۱/۹۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نکاح پر نکاح پڑھانے والے کی امامت کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۴۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا گاؤں جس کا نام ثبہ کمہاراں ہے ضلع جھنگ میں واقع ہے یہاں کا پیش امام حافظ منظور احمد ہے اور اس میں چند خامیاں ہیں۔

(۱) مذکور مولانا منظور احمد صاحب ولد جیون قوم موچی ساکن ثبہ کمہاراں نے نکاح پر نکاح پڑھایا ہے، اور اس عورت کو پہلے حمل بھی تھا۔

(۲) اور بھی ایسے دو نکاح علاقے میں پڑھائے گئے ہیں، جن کے شریعت کے مطابق گواہ بھی نہ ہیں۔

(۳) کیا پیش امام کسی کی جگہ قسم دے سکتا ہے؟ اس کے بارے میں وضاحت کریں کہ اگر جھوٹی قسم دے تو کیا اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) یہ امام مسجد کی آمدنی اکٹھی کر کے خود کھا گیا ہے اور مسجد کی حالت خستہ ہے۔

مذکورہ صفات کے حامل امام کی امامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر یہ مذکورہ باتیں عدالت میں ثابت ہو جائیں تو یہ شخص فاسق ہے اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اور اگر ثبوت نہ ہو سکے تو الزام لگانے والے گناہ گار ہوں گے، واضح رہے کہ اگر امام مذکور کے مذکورہ الزامات پر دو دیندار گواہ گواہی دیتے ہوں تب بھی اس کے امامت مکروہ تحریمی ہے۔

”واما الفاسق فقد علوا کراہۃ تقدیمہ بانہ لایہتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ

تعظیمالہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا..... تقدیمہ کراہۃ تحریم لما ذکرنا“

..... (فتاویٰ شامی: ۱/۴۱۴)

”وکرہ امامۃ العبد والاعرابی والفساق والمبتدع والاعمی وولد الزنا..... بیان

للشئین الصحۃ، والکراہۃ..... واما الکراہۃ فمبنیۃ علی قلة رغبۃ الناس فی

الافتداء بهؤلاء فيؤدى الى تقليل الجماعة المطلوب تكثيرها تكثيرا للاجر ولان العبد الخ..... والفاسق لا يهتم لامر دينه..... اخرج الحاكم في مستدرکه مرفوعا ان سرکم ان يقبل الله صلاتکم فليؤمکم خيارکم فانهم وفد فيما بينکم وبين ربکم..... وذكر الشارح وغيره ان الفاسق اذا عذر منه صلى الجمعة خلفه وفي غيرها ينتقل الى مسجد اخر..... (البحر الرائق: ٢١٠، ١/٦١١)

”قوله فالحاصل انه يكره، قال الرملى ذكر الحلبي في شرح منية المصلى ان كراهة تقديم الفاسق والمبتدع كراهة التحريم“..... (منحة الخالق على البحر الرائق: ١/٦١١)

”وتجوز امامة الاعرابى والاعمى والعبد وولد الزنا والفاسق الا انه يكره..... والمكروه فى هذا الباب نوعان احدهما ما كره تحريما وهو المحمل عند اطلاقهم الكراهة“..... (فتاوى الهندية: ١/٨٥)

”ونصابها غيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كالنكاح وطلاق الخ..... رجلان اورجل وامرأتان“..... (الدر المختار: ١/١٩)

”ولا يجوز اقل من شاهدين فى الحقوق فيما بين الناس ولا فى الجراحات ولا فى غير ذلك لقول الله سبحانه فى كتابه..... واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان“..... (كتاب الاصل: ١١/٥٠٥)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بيت اللہ اور مسجد نبوی کے ماڈل کے سامنے نماز پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۳۳): محترم وکرم جناب حضرت مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرض یہ ہے کہ آج کل مساجد میں بیت اللہ اور مسجد نبوی کی ٹائلوں پر بنے ہوئے ماڈل جن پر انسانی تصویر

نہیں ہوتی لگائے جاتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ان کے سامنے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر ان میں جاندار کی تصاویر نہ ہوں تو لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ نمازی کے خشوع و خضوع میں خلل نہ آئے اور اونچے ہوں۔

”اولغير ذى روح لا يكره لانها لاتعبد(قوله اولغير ذى روح)لقول ابن عباس للسائل فان كنت لابد فاعلا فاصنع الشجر وما لانفس له رواه الشيخان ولا فرق فى الشجر بين المثمر وغيره“.....(الدر على الرد : ۱/۳۸۰)

”قوله ولا بأس بتحلية المصحف ونقش المسجد والزخرفة بماء الذهب لان المقصود بذلك التعظيم والتشريف ويكره فعل ذلك على طريق الرياء وزينة الدنيا“.....(جوهرة التيرة: ۱/۶۱۸)

”ولا بأس بنقشه خلامحرابه فانه يكره لانه يلهى المصلى ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصا فى جدار القبلة قاله الحلبي وفى حظر المجتبى وقيل يكره فى المحراب دون السقف والمؤخر انتهى وظاهره المراد بالمحراب جدار القبلة فليحفظ (قوله ولا بأس الخ) فى هذا التعبير كما قال شمس الائمة اشارة الى انه لا يوجر ويكفيه ان ينحورأسا برأسه قال فى النهاية لان لفظ لا بأس دليل على ان المحتبس غيره لان البأس الشديدة اه ولهذا قال فى حظر الهندية عن المضمورات والصرف الى الفقراء افضل وعليه الفتوى اه وقيل يكره لقوله عليه السلام ان من اشراط الساعة ان تزين المساجد الحديد وقيل يستحب لمافيه من تعظيم المسجد (قوله لانه يلهى المصلى) اى فيخل بخشوعه من النظر الى موضع سجوده ونحوه وقد صرح فى البدائع فى مستحبات الصلاة انه ينبغى الخشوع فيها ويكون منتهى بصره الى موضع سجوده الخ وكذا صرح فى الاشباه ان الخشوع فى الصلاة مستحب والظاهر من هذا ان الكراهة هنا تنزيهية فافهم (قوله ويكره التكلف) الخ تخصيص لمافى المتن من نفي البأس بالنقش ولهذا قال فى الفتح وعندنا لا بأس به ومحمل الكراهة التكلف بدقائق النقوش ونحوه خصوصا فى المحراب (قوله وظاهره الخ اى ظاهر التعليل بانه يلهى وكذا اخراج السقف

والمؤخر فان سببه عدم الالهاء فيفيد ان المكروه جدار القبلة بتمامه لان علة الالهاء لاتخص الامام بل بقية اهل الصف الاول كذلك ولذا قال في الفتاوى الهندية وكره بعض مشائخنا النقش على المحراب وحائط القبلة لانه يشغل قلب المصلي اه ومثله يقال في حائط الميمنة او الميسرة لانه يلهي القريب منه“
.....(الدر على الرد: ٤٨٤، ٤٨٦/١)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

صرف رمضان المبارک میں ڈاڑھی رکھنے والے کی امامت کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۳۳): (۱) کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں چند حفاظ کرام ایسے ہیں جو رمضان کی آمد سے ایک دو ماہ قبل ڈاڑھی رکھ لیتے ہیں اور رمضان المبارک میں تراویح پڑھاتے ہیں، رمضان گزرنے کے بعد وہ حفاظ ڈاڑھی کٹوا دیتے ہیں، آیا ان حضرات کے پیچھے رمضان میں تراویح پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) ہمارے ساتھ والے گاؤں میں چند حفاظ موجود ہیں وہ ڈاڑھی بالکل نہیں رکھتے وہ لوگ پریشان ہیں کہ آیا ہم ان حفاظ کی نماز میں اقتداء کریں یا نہیں؟ اور بعض دفعہ ان حفاظ کے علاوہ کوئی اور حافظ نہیں ملتا جو باشرع ہو اور رمضان میں ہمیں تراویح بھی پڑھائے۔

برائے مہربانی ہمیں مطلع فرمائیں کہ ڈاڑھی والے حضرات جو علاقے میں رہتے ہیں ان کی نماز ڈاڑھی منڈوانے والے حفاظ کے پیچھے ہو جائے گی یا نہیں؟

اور رمضان المبارک میں اگر باشرع حافظ نہیں ملتا تو کیا قرآن مجید کا سننا لازم ہے یا کوئی عام آدمی صرف آخری س پارے کی سورتیں پڑھ کر تراویح پڑھا دے۔

برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل سے آگاہ فرمائیں، تاکہ ہم اس مسئلہ پر عمل کر سکیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، فرض نماز ہو یا تراویح کیونکہ یہ فاسق ہیں جیسا کہ ان کے عمل سے ظاہر ہے۔

(۲) ڈاڑھی کو ایک مٹھ سے کم کرنے والا یا بالکل منڈوانے والا دونوں حکم کے اعتبار سے یکساں ہیں ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، جس کو آخری سورتیں یاد ہوں اور باشرع ہو تو اسی کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔

”وللتوبة فلها ثلاثة شروط احدها ان يقلع عن المعصية والثاني ان يندم على فعلها والثالث ان يعزم ان لا يعود اليها ابدا فان فقد احد الثلاثة لم يصح توبته“..... (قطب الارشاد: ۱۳۹)

”قال الحصكفي واما الاخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومحنة الرجال فلم يبحد احد واخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الاعاجم“..... (در مختار: ۱/۱۲۳)

”امامة الفاسق الاعلم فلا يقدم لان في تقديمه تعظيمة وقد وجب عليهم اهانتة شرعا ومفادها الكراهة التحريم في تقديمه“..... (الطحطاوي على الدر: ۱/۲۲۲)

”وكره امامة العبد والاعرابي والفاسق والمبتدع“..... (البحر الرائق: ۱/۱۲۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

غیر محرم کے ساتھ خلوت کرنے والے کی امامت:

مسئلہ نمبر (۳۳۵): کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عالم دین آدمی ایک غیر محرم نوجوان بالغ لڑکی کو اکیلے کمرے میں اپنے ساتھ بٹھاتا ہے اور اس کے ہر حصہ کو ہاتھ بھی لگاتا ہے، چومتا ہے، اور اپنے جسم کو اس کے جسم کے ساتھ ملاتا ہے، اور کہتا ہے کہ میرا دل صاف ہے، تو شریعت کی رو سے اس عالم دین کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور مذکورہ عالم دین کی امامت درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں ”وما ابرئ نفسي الخ“ انبیاء کے نفس سے ہمارا نفس زیادہ صاف ہے؟ شریعت میں غیر محرم کی طرف دیکھنے سے بھی منع کیا گیا ہے، ادھر اعضاء اعضاء سے مل رہے ہیں، خدا کا خوف کریں، ہاتھ لگانے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اب دل کے صاف ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یہ آدمی مجسمہ شیطان ہے امامت کے قابل نہیں ہے، غیر محرم سے کلی پردہ ہے، لہذا اس امام کو فوراً معزول کرو یا جائے۔

”قوله تعالى ان النفس لامارة بالسوء، یعنی ان النفس كثيرة النزاع الى السوء فلا يبرئ نفسه وان كان لا يظا وعها“..... (احكام القرآن للجصاص: ۳/۲۵۵)

”وما حل نظره معامر من ذكر او انثى حل لمسها اذا امن الشهوة على نفسه وعليها (الامن اجنبية) فلا يحل مس وجهها وكفها وان امن الشهوة لانه اغلظ ولذا ثبت به حرمة المصاهرة“..... (در على الرد: ۵/۲۵۹)

”وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال لالانه عورة بل لخوف الفتنة كمنه، وان امن الشهوة لانه اغلظ ولذا ثبت به حرمة المصاهرة“..... (در على الرد: ۱/۲۹۹)

”قوله وفاسق من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب كشارب الخمر والزاني واكل الربا ونحو ذلك“..... (فتاوى شامى: ۱/۳۱۳)

”واما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بانه لا يهتم لامر دينه وبان فى تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانتة شرعا..... بل مشى فى شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم“..... (فتاوى شامى: ۱/۳۱۳)

”ويكره تقليد الفاسق ويعزل به الالفتنة قوله ويعزل به اى بالفسق لو طرء عليه والمراد انه يستحق العزل“..... (در على الرد: ۱/۳۰۵)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نائیلون یا کھجور کی ٹوپوں میں نماز پڑھنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۳۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عموماً بیشتر نمازی حضرات نماز ادا کرتے وقت نائیلون یا کھجور کے خشک پٹھے سے بنی ہوئی ٹوپوں کو سر پر پہن لیتے ہیں تاکہ ننگے سر نماز ادا کرنے سے بے ادبی نہ ہو، یہ ٹوپیاں عموماً نہایت میلی کچی اور خستہ حالت میں ہوتی ہیں جن کو عام حالات میں گلی، بازار یا کسی پبلک مقام پر سر پر پہننا کوئی شخص گوارا نہیں کرتا، تو کیا یہ بات نمازی کو زیب دیتی ہے کہ وہ ایسی میلی کچی اور شکستہ و ریختہ ٹوپوں کو اپنے سر پر رکھ کر خداوند عزوجل کے حضور نماز کے لیے کھڑا ہو، برائے مہربانی حدیث اور شرعی حوالہ سے اس بظاہر معمولی لیکن

اہم مسئلہ کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں، امید ہے کہ آپ اپنی مصروفیت میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر اپنی پہلی فرصت میں واپسی جواب سے نوازیں گے، جو ابی لفاقہ ساتھ ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

نماز پڑھنے کے دوران عام حالات میں نمازی کے جسم پر زیب تن کیا ہوا لباس ایسا ہونا چاہیے جو صاف ستھرا ہو اور اللہ تعالیٰ کے عظمت والے دربار کے شایان شان ہو اور میلے کھیلے کپڑے پہننا یا بلاوجہ پھٹے پرانے کپڑے یا ٹوپی استعمال کرنا آداب نماز کے منافی چیز ہے، لہذا یہ بات نامناسب ہے کہ میلی کچیلی اور شکستہ و ریختہ ٹوپی اپنے سر پر رکھ کر خداوند عزوجل کے حضور نماز کے لیے کھڑا ہو جائے۔

”قوله وفي ثياب البذلة اي تكره صلاحه في ثياب البذلة والكراهة تنزيهية كما في البحر ووجه الكراهة ان فيه ترك الاهتمام بالصلوة التي هي افضل العبادات وهذا اذا كان له غيرها والافلا قوله ولا يذهب بهالي الكبراء اي لا يذهب بصلك الثياب الامراء والرؤساء واکابرہ قرابة وسنا اي يستنكف عنه ويستكره ذلك“..... (عمدة الرعايه على هامش شرح الوقاية: ۱/۱۹۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

ٹرانسپورٹ کمپنی کے ڈرائیور کے لیے نماز قصر کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۴۷): محترمی و مکرمی حضرت مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ایک فتویٰ لینے کی غرض سے جناب کو خط لکھ رہا ہوں، گزارش کچھ اس طرح ہے کہ میں ڈائریو پاکستان بس سروس میں بطور ڈرائیور ملازمت کرتا ہوں، مستقل رہائشی کلرک بہار ضلع چکوال کا ہوں اور ڈیرہ اسماعیل خان پوسٹڈ ہوں، ڈیوٹی یہاں پر ہے، ایک رہائش کے لیے بنیادی طور پر جو سہولیات ہوتی ہیں وہ تمام تر یہاں میسر ہیں، رہائش، کھانا، میڈیکل تمام تر موجود ہے، گھر پر واپسی کبھی ایک ماہ اور کبھی دس دن کے بعد ہوتی ہے، اور گھر میں قیام زیادہ سے زیادہ چار دن ہوتا ہے، ڈیرہ اسماعیل خان سے کبھی پشاور کبھی لاہور اور کبھی راولپنڈی ڈیوٹی کرتا ہوں، کسی شہر سے واپسی چوبیس گھنٹے کے اندر ہوتی ہے اور کسی سے اڑتالیس گھنٹے کے اندر واپسی ہوتی ہے، اور یہ آمد و رفت کا سلسلہ

چلتا رہتا ہے یعنی کسی بھی مقام پر پندرہ دن لگا تا قیام نہیں ہوتا، کوئی کہتا ہے کہ کیونکہ یہ ہمارا روزانہ کا کاروبار ہے اس لیے نماز کی ادائیگی پوری ہوگی اور قصر نماز نہیں ہوگی، اور کوئی کہتا ہے کہ قصر نماز ہوگی، برائے مہربانی رہنمائی فرمائی جائے؟

مزید یہ کہ دوران سفر فجر کی دو سنتیں پڑھنا بھی لازمی ہیں یا نہیں؟

اور دوسرا یہ کہ فرائض پڑھتے ہوئے دانستہ طور پر یا غیر دانستہ طور پر تیسری اور چوتھی رکعت میں قرأت کے بعد اگر کوئی سورت پڑھی جائے تو یہ صحیح ہے؟ یا سجدہ سہو کرنا پڑے گا؟

ایک گزارش یہ ہے کہ دوران سفر وتر جو کہ واجب ہیں وہ بھی پڑھنے ضروری ہیں یا نہیں؟
برائے مہربانی فتویٰ ارسال کیا جائے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

کلر کہا تو آپ کا وطن اصلی ہے اس میں جب بھی آئیں گے خواہ تھوڑی دیر کے لیے ہی ہو تو نماز پوری ادا کرنا ہوگی، باقی دوسرے مقامات پر چونکہ پندرہ دن قیام کی نیت کسی بھی جگہ نہیں ہوتی، لہذا نماز قصر پڑھیں گے، اور اگر مقامی امام کے پیچھے پڑھیں گے تو پھر پوری نماز ہوگی۔

فجر کی سنتیں نبی کریم ﷺ نے سفر و حضر میں کبھی ترک نہیں فرمائیں، اس لیے یہ بھی ادا کرنا ہوں گی۔ اور فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ ملانے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ اور وتر بھی ہر حالت میں پڑھنے ہوں گے۔

”قال علماءنا القصر ثابت في حق كل مسافر سفر الطاعة وسفر المعصية في ذلك سواء“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۳۹)

”والقصر في كل مسافر يصلی وحده او كان اماما او مقتديا بالمسافر اما اذا اقتدى المسافر بمقيم اتمها متابعة له“..... (فتاویٰ التاتارخانیۃ: ۲/۳۹۳)

”وكذا اذا دخل وطنه الاصلی او مصر اصاب وطنه له بان كان اتخذ فيه اهلا صار مقیما وان لم ينو الاقامة“..... (فتاویٰ التاتارخانیۃ: ۲/۵۱۰)

”والقصر في السفر في الظهر والعصر والعشاء لان القصر عبارة عن سقوط شطر الصلوة وفي هذه الصلوة بعد سقوط الشطر تبقى صلاته كاملة بخلاف الفجر“

..... (المبسوط للسرخسی: ۱/۲۲۸)

”قلت ارأیت المسافر ای صلاة یقصر قال یصلی الفجر رکعتین مثل صلاة المقیم ویقصر الظهر فی صلی رکعتین ویقصر العصر فی صلی رکعتین ویصلی المغرب صلاة المقیم ویقصر العشاء فی صلی رکعتین ویصلی الوتر ثلاث رکعات صلاة المقیم الا انه یقصر القراءة فی کل ما ذكرت ولا یشبه الحضر السفر فی القراءة قلت وكذلك صلاة التطوع فی السفر رکعتین وکما فی الحضر والسفر سواء قال نعم“.....(الاصول المعروف بالمبسوط للشیبانی: ۱/۲۸۹)

”عن رسول الله ﷺ انه کان لا یدع ذلك فی سفر ولا حضر، وقال النبی ﷺ الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا، فمن لم یوتر فلیس منا“.....(سنن ابی داؤد: ۱/۲۱۰)

”نوع آخر من هذا الفصل فیمن نسی القراءة فی الاولین.....وفی الخانیة.....فان قرأ فی الاولین بفاتحة الكتاب ولم یقرأ بالسورة قرأ فی الاخرین بفاتحة الكتاب والسورة“.....(فتاوی التانارخانیة: ۲/۸۶)

واللہ تعالی اعلم بالصواب



ناجائز قبضہ کرنے والے کی امامت کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۳۸): کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غیر وقف شدہ مکان کو مسجد میں غنڈہ گردی سے شامل کرنے کے لیے مسجد اور مکان کی دیواریں گرا کر مکان کو مسجد میں شامل کرنا کیا شرعاً جائز عمل ہے، مسجد کا خطیب اور اس کے چند ساتھی اس تمام کام میں شامل ہیں، کیا اس سے مسجد کا احترام و تقدس پامال ہوتا ہے؟ اور کیا ایسے خطیب کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے جو مسجد کا احترام و تقدس پامال کرے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال غیر کے مکان کو اس کی اجازت کے بغیر مسجد میں شامل کرنا یا اس پر قبضہ کرنا شرعاً ناجائز ہے اور اس کا مرتکب فاسق ہے اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

”عن سعید بن زید قال قال رسول الله ﷺ من اخذ شبرا من الارض ظلما فانه يطوفه يوم القيامة من سبع ارضين متفق عليه“.....(مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۳۶۰)

”ولا يجوز التصرف في مال غيره بلا اذنه“..... (رد المحتار علی در المختار: ۱/۱۴۰)

”وحکم الملک ولایة التصرف للمالک فی المملوک باختیاره لیس لاحد ولایة الجبر علیہ الا للضرورة ولا لاحد ولایة المنع عنه وان کان یتضرر به الا اذا تعلق به حق الغیر فیمنع عن التصرف من غیر رضا صاحب الحق وغیر المالک لایکون له التصرف فی ملک من غیر اذنه ورضاه الا للضرورة“..... (بدائع الصنائع: ۵/۳۹۳)

”وقوله فاسق من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر ویکره امامة عبد واعرابی وفاسق“..... (فتاویٰ شامی: ۱/۴۱۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

فرض نماز کے بعد دعا اور مصافحہ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۴۹): (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حنفی المسلمک کے نزدیک فرض نماز کے بعد امام دعا پڑھتا ہے اور مقتدی بھی پڑھتے ہیں، کیا فرض نماز کے بعد اس طرح دعا پڑھنا سنت عمل ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

(۲) بریلوی مسلک کے لوگ جب نماز پڑھ کر فارغ ہوتے ہیں تو امام صاحب سے تقریباً ہر شخص ہاتھ ملاتا ہے یعنی سلام کرتا ہے، کیا یہ سنت عمل ہے؟ جب کہ میں نے امام کے پیچھے جماعت سے نماز پڑھی تو ایک دوسرے شخص نے نماز کے بعد مجھ سے ہاتھ ملایا (یعنی سلام کیا) اور یہ ہاتھ ملانا اس شخص کا معمول ہے، کیا یہ عمل بدعت ہے؟ مہربانی فرما کر وضاحت فرمادیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) فرض نماز کے بعد دعا کی قبولیت کے پیش نظر امام اور مقتدیوں کا اپنے اپنے طور پر دعا کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) نماز کے بعد تحریر میں ذکر کردہ طریقہ کے مطابق سلام کرنے کا عمل سنت سے ثابت نہیں ہے، البتہ اگر کسی نے اتفاقاً ملاقات کی نیت سے ہنگامی طور پر مصافحہ کر لیا تو درست ہے۔

”وعن ابی امامة قال قيل يا رسول الله اى الدعاء اسمع قال جوف الليل الاخير
ودبر الصلوات المكتوبات“..... (مرقاة المفاتيح : ۳/۳۳)

”ثم يدعون لانفسهم وللمسلمين بالادعية الماثورة الجامعة لقول ابی امامة قيل
يا رسول الله اى الدعاء اسمع قال جوف الليل الاخير ودبر الصلوات المكتوبات
ولقوله ﷺ والله انى لاحبك اوصيك يا معاذ لاتدعن دبر كل صلوٰۃ ان تقول
اللهم اعنى على ذكرک وشکرک وحسن عبادتک“..... (نور الايضاح مع
شرحه مراقى الفلاح: ۷۲)

”اعلم ان المصافحة مستحبة عند كل لقاء اماما اعتاده الناس من المصافحة
بعد صلاة الصبح والعصر فلا اصل له فى الشرع على هذا الوجه لكن لا بأس به فان
اصل المصافحة سنة..... لكن قد ان المواظبة عليها بعد الصلوات خاصة قديوى
الجهلة الى اعتقاد سنيها فى خصوص هذا الموضع انه تكره المصافحة بعد اداء
الصلاة بكل حال لان الصحابة رضى الله تعالى عنهم ما صافحوا بعد اداء الصلاة
ولانها من سنن الروافض اه وموضع المصافحة فى الشرع انما هو عند لقاء المسلم
لاخيه لافى ادبار الصلوات فحيث وضع الشرع يضعها فينهى عن ذلك
ويجز فاعله لماتى به من خلاف السنة اه“..... (فتاوى شامى : ۵/۲۷۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

سہوا پانچویں رکعت میں کھڑے ہونے والے کی نماز کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۵۰): کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے ظہر کی
چار رکعت سنتوں کی نماز شروع کی بعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد سہوا پانچویں رکعت کے لیے اٹھ گیا حتیٰ کہ دو رکعتیں
مزید ادا کیں، مذکورہ صورت میں چند امور دریافت طلب ہیں۔

- (۱) مذکورہ بالا صورت میں نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟
 - (۲) کیا ظہر کی سنتیں اداء متصور کی جائیں گی یا تمام رکعتیں نفل شمار کی جائیں گی؟
- یا اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہوگی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مسئولہ صورت میں نماز صحیح ہوئی ہے اور ان میں سے چار سنت ظہر اور دو رکعت نفل شمار ہوں گی اور واجب کی تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہوہ کرے گا اور اگر سجدہ سہوہ نہ کیا ہو تو پھر چار رکعت کا اعادہ واجب ہے۔

”والاربع قبل ظهر حکمها حکم التطوع عند محمدؐ واما عند ابی حنیفة ففیہ قیاس واستحسان فی الاستحسان لا تقصد وهو الماخوذ کذافی المصمرات“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۱۳)

”وان قعد علی رأس الرابعة وقام الی الخامسة وتذکر بعد ما قید الخامسة بالسجدة یضیف الیہا رکعة اخرى ویسجد لیسہواستحسانا“..... (خلاصة الفتاویٰ: ۱/۱۲۹)

”ومن المتأخرین من مشائخنا اختار قول ابی یوسف فیما یؤدی من الاربع منها بتسلیمة واحدة وهو الاربع قبل الظهر“..... (بدائع الصنائع: ۲/۸)

”وعلی هذا سنة الظهر لانها نافلة وقیل یقضى اربعا احتیاطا لانها بمنزلة صلاة واحدة کذافی الہدایة والكافی وهو الاصح کذافی المصمرات“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۱۴)

”من وجب علیہ رکعتان بالشروع ففرغ منهما وقعد علی رأس الركعتین وقام الی الثالثة علی قصد الاداء یلزم اتمام الركعتین اخر اوبین و بینہما علی التحریمة الاولی لان قدر المودی صار عبادة فیجب علیہ اتمام الركعتین صیانة له عن البطلان والقیام الی الثالثة علی قصد الاداء بناء منه الشفع الثانی علی التحریمة الاولی وامکن البناء علیہا لان التحریمة شرط الصلاة عندنا والشرط الواحد ینکفی لافعال كثيرة کالتطهارة الواحدة انها تکفی لصلوات كثيرة“..... (بدائع الصنائع: ۲/۸)

”سلم وهو لا یرید ان یسجد لسہوہ لم یکن تسلیمة ذالک قطعاً حتی لو بدالہ ان یسجد وهو فی مجلسہ ذلک قبل ان یقوم وقیل ان یتکلم فانه یسجد سجدة

السهو فان تكلم او خرج من المسجد لاتاتى بهما ويسجد بعد السلام عندنا..... (حلی کبیری: ۱۷۳)

”ومنها ان القعدة على رأس الركعتين في ذوات الاربع في الفرائض ليست بفرض بلاخلاف حتى لا يفسد بتركها وفي التطوع اختلاف على مامر ولو قام الى الثالثة قبل ان يقعد ساهيا في الفرض فان استتم قائما لم يعد وان لم يستتم قائما عاد وقعد وسجد سجدة السهو واما في التطوع فقد ذكر محمد انه اذا نوى ان يتطوع اربع ركعات وقال ولم يستتم قائما انه يعود ولم يذكر انه اذا استتم قائما هل يعود ام لا؟ قال بعض مشايخنا لا يعود استحسانا لانه لمانوى الاربع التحق بالظهر وبعضهم قال يعود لان كل شفع صلاة على حدة والاول اوجه ولو كان نوى ان يتطوع بركعتين فقام من الثانية الى الثالثة قبل ان يقعد فيعود ههنا بلاخلاف بين مشايخنا لان كل شفع بمنزلة صلاة الفجر..... (بدائع الصنائع: ۲/۳۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

دو صفوں کے درمیان اگر 40 فٹ کا فاصلہ ہو تو اقتداء کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۵۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام اور مقتدی کے درمیان کمرہ، مسجد اور صحن کے بعد جو دوسری صفیں شروع ہوتی ہیں اس کا فاصلہ 40 فٹ ہے، اس میں چیلوں والی جگہ 10 فٹ ہے اور راستہ کی جگہ 13 فٹ ہے اور اس کے پیچھے شیڈ ہے جس کی جگہ 17 فٹ ہے اور ٹوٹل ملا کر 40 فٹ بنتا ہے، اور اس کے بعد پھر مقتدی پارک میں کھڑے ہوتے ہیں اتنے فاصلے کے بعد، یعنی 40 فٹ کے بعد دوسری صفیں شروع ہوتی ہیں، کیا اس طرح مقتدیوں کی اقتداء درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے اقتداء درست نہیں ہے۔

”طریق تجری فیہ عجلة ای تمرو بہ عبر فی بعض النسخ والعجلة بفتحین وفي الدر هو الذی تجری فیہ العجلة والاقاراه وهو جمع وقر بالقاف قال فی المغرب

واكثر استعماله في حمل البعير او البغل كالوسق في حمل البعير قوله او نهر تجرى فيه السفن اى يمكن ذلك ومثله يقال في قوله تجرى فيه العجلة“
.....(رد المحتار: ۲/۳۰۰)

”عند اتصال الصفوف اى فى الطريق او على حسر النهر فانه مع وجود النهر او الطريق يختلف المكان وحاصل كلام الدران اختلاف المكان مانع مطلقاً“
.....(رد المحتار: ۲/۳۰۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

”لهم مغفرة“ کی جگہ ”لهم عذاب شدید“ پڑھنے والے کی نماز کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۵۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے نماز کے اندر اس طرح آیت پڑھی ”ان اللذین کفروا لم مغفرة واجر عظیم“ اور بعد میں صحیح پڑھ لیا ”ان اللذین کفروا لهم عذاب شدید“

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس شخص کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر نماز صحیح نہیں ہوئی تو کیا اس شخص پر دوبارہ نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟
فقہ حنفی کی روشنی میں تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں امام نے غلطی اگر خود صحیح کر لی یا مقتدی کے لقمہ دینے سے صحیح کر لی تو نماز درست ہو جائے گی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

”ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحيحاً قال عندی صلاحه جائزة“.....(فتاویٰ الہندیة: ۱/۸۴)

”ولو قرأ واحل لكم صيد البر مع انه قرأها بعد ما حرم عليكم صيد البر لا تفسد“.....(خلاصة الفتاوى: ۱/۱۱۶)

”المصلی اذا فتح علی من لیس فی الصلوة ان اراد به قراءة القرآن لا تفسد صلواته

عند الكل وان اراد به تعليم ذلك الرجل تفسد صلوته عند الكل وان اراد به تعليم ذلك الرجل تفسد صلوته وهل يشترط تكرار الفتح لفساد صلوته الاصح انه ليس بشرط ولو فتح على المصلى رجل ليس فى الصلوة فاخذ المصلى بفتحه تفسد صلوته ولو فتح على امامه ان كان ذلك قبل ان يقرأ قدر ما تجوز به الصلوة ولم ينتقل الى اية اخرى لا تفسد صلوته اخذ الامام بفتحه او لم ياخذ وان كان بعدما قرأ قدر ما تجوز به الصلوة ان انتقل الامام من اية الى اية اخرى لا ينبغى له ان يفتح فان فتح و اراد به التعليم فسدت صلوته وان اخذ الامام بفتحه تفسد صلوة الكل وان قرأ الامام قدر ما تجوز به الصلوة الا انه توقف ولم ينتقل الى اية اخرى حتى فتح المقتدى اختلفوا فيه والاصح انه لا تفسد صلوة المقتدى وان اخذ الامام بفتحه لا تفسد صلوتهم ولا ينبغى للمقتدى ان يفتح قبل الاستفتاح ولا ينبغى للامام ان يلجى المقتدى ويركع ان قرأ قدر ما تجوز به الصلوة او ينتقل الى اية اخرى وفى الجامع الصغير للصدر الشهيد لو قرأ قدر ما تجوز به الصلوة قالوا ينبغى ان تفسد صلوته وصلوتهم ان اخذ الامام والفتوى على انه لا تفسد بكل حال“

.....(خلاصة الفتاوى: ۱۲۰، ۱۲۱/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گالم گلوچ کرنے والے کی امامت کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۵۳): حضرات مفتیان عظام کیا حکم صادر فرماتے ہیں اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مولوی صاحب کے گھر میں دو سال قبل ان کی غیر موجودگی میں دو آدمی آئے اور ان کے گھر والوں سے زیادتی کی، جس کی درخواست انہوں نے تھانہ میں درج کروادی، ملزمان اثر و رسوخ والے ہونے کی وجہ سے گرفتار نہ ہو سکے، انہوں نے عبوری ضمانتیں کروانے کے بعد پکی ضمانتیں کروالیں، یعنی گواہ نہ ہونے کی وجہ سے کیس خارج ہو گیا، پھر مدعی نے انسداد و ہشت گردی کی عدالت میں درخواست دی، اس پر ملزمان نے مختلف لوگوں کے ذریعے دباؤ اور منہا سماجت کر کے سارے حربے اختیار کر لیے تاکہ وہ مولوی صاحب صلح کر لیں، پھر مختلف علماء جن میں قاری نور محمد طارق فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور، قاری محمد اصغر فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور، قاری محمد ثناء اللہ صاحب، چوہدری محمد طاہر صاحب نے

ملزمان سے قسم لی کہ کیا تم نے جرم کیا ہے یا نہیں؟ ملزمان نے حلف اٹھایا کہ ہم نے جرم نہیں کیا، چنانچہ ان علماء نے مولوی صاحب کو مجبور کر کے پرچہ واپس دلویا، اور ملزمان سے خرچ وغیرہ لے کر مدعی کو دلویا، اس کے کچھ عرصہ بعد مولوی صاحب منڈی بہاؤ الدین شہر میں خطیب مقرر ہوئے، اور منڈی بہاؤ الدین کے ایک خطیب جن کا نام مولوی محبوب الرحمن شاہر ہے وہ مولوی صاحب کے واقف تھے، اور ان کو اس سارے واقعے کا علم تھا، لیکن وہ خاموش رہے، مدعی مولوی صاحب کو ملتے رہے بلکہ ایک دو دفعہ مدعی مولوی صاحب کی امامت میں نماز بھی پڑھی، اور بعد میں منڈی بہاؤ الدین کی ایک مرکزی مسجد نور میں جگہ خالی ہوئی، مولوی محبوب الرحمن وہاں درس قرآن دیتے رہے، ان کی خواہش تھی مسجد میں خطیب مقرر ہونے کی، لیکن انتظامیہ نے مدعی مولوی صاحب کو خطیب مقرر کر لیا، اس عرصہ میں حسد کی وجہ سے مولوی محبوب الرحمن شاہر مدعی مولوی صاحب کے مخالف ہو گئے اور قتل کی دھمکیاں دیتے رہے، اور مختلف مجالس میں گالی گلوچ اور الزام تراشی کرتے رہے، اس کے ایک سال بعد مدعی مولوی صاحب کو انہی کے محلہ میں ایک مسجد امامت کے لیے مل گئی، جس سے مولوی شاہر کا حسد اور بڑھ گیا، انہوں نے دو سال پرانی ایف، آئی، آر حاصل کی اور مدعی مولوی صاحب کو منڈی بہاؤ الدین میں بدنام کیا کہ ان کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، کیونکہ ان پر حد لگتی ہے کہ انہوں نے کیس واپس کیوں لیا۔

کیا مولوی شاہر کی یہ بات درست ہے؟ اگر یہ درست نہیں ہے تو اس کا یہ فعل شرعی طور پر کس زمرے میں آتا ہے؟ قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال مولوی صاحب موصوف کو سزا دینے کا اختیار نہیں تھا کیونکہ سزا دینا حکومت وقت کا کام ہے جب حکومت نے کیس خارج کر دیا اور بعد میں بھی دوسرے علماء نے ملزمان سے حلف لے کر مصالحت کرائی تو ان کی امامت میں تو شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، البتہ مولوی شاہر صاحب نے اگر گالم گلوچ کیا اور قتل وغیرہ کی دھمکیاں دیتے ہیں تو ان کی امامت مکروہ ہے، یعنی جن لوگوں کو امام کے رکھنے ہٹانے کا اختیار ہے ان کی نماز اس کے پیچھے مکروہ تحریمی ہوگی، البتہ گناہ میں مبتلا ہونے کے وقت کوئی بھی تادیبی کارروائی کر سکتا ہے کیونکہ یہ نبی عن المنکر کے تحت آتا ہے۔

”واما شرائط جواز اقامتها فمنها ما يعم الحدود وكلها ومنها ما يخص البعض دون

البعض اما الذي يعم الحدود كلها فهو الامامة وهو ان يكون المقيم للحد هو الامام

او من ولاه الامام.....(بدائع الصنائع: ۵/۵۲۳)

”ولم يذكر المصنف من يقرمه قالوا لكل مسلم اقامته حال مباشرة المعصية
واما بعد الفراغ منها فليس ذلك لغير الحاكم“..... (البحر الرائق: ٥٠/٥)

”عن عبد الله بن محيريز قال الجمعة والحدود والزكوة والقيء الى
السلطان“..... (نصب الراية: ٥٠٠/٣)

”وشروط صحة الامامة للرجال الاصحاء ستة اشياء الاسلام والبلوغ والعقل
والذكورة والقراءة والسلام من الاعذار كالرعاف والفاقة والتمتمة واللثغ
وقد شرط كطهارة وستر عورة“..... (نور الايضاح: ٦٤)

”عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ سباب المسلم بكسر اوله اي
شتمه وهو من باب اضافة المصدر الى مفعوله فسوق لان شتمه بغير حق حرام قال
الاكمل فسوق لغة الخروج زنة ومعنى وشرعا هو الخروج عن الطاعة“
..... (مرقاة المفاتيح: ٩/٥٣)

”عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ سباب المسلم فسوق وقتاله كفر
السب في اللغة الشتم والتكلم في عرض الانسان بما يعيبه والفسق في اللغة
الخروج والمراد به في الشرع الخروج عن الطاعة واما معنى الحديث فسب
المسلم بغير حق حرام باجماع الامة وفاعله فاسق كما اخبر به النبي ﷺ“
..... (شرح نووي مع المسلم: ١/٥٨)

”اما الكبائر اسأل الله العفو عنها والعافية منها فقالوا هي بعد الكفر الزنا واللواط
وشرب الخمر..... وضرر المسلم ظلما وسب واحدمن الصحابة والوقية في
العلماء او حملة القرآن“..... (رسائل ابن نجيم: ٢٣٨، ٢٣٩)

”ولان كفر مسلما بذنب من الذنوب وان كانت كبيرة اذالم يستحلها ولانزله عنه
اسم الايمان ونسبته مؤمنا حقيقة ويجوز ان يكون فاسقا غير كافر“..... (فقه
الاکبر: ١١٤)

”عن ابن ابي ليلى قال حدثنا اصحاب محمد ﷺ انهم كانوا يسيرون من السير
وفي نسخة يسيرون من السرى وهو سير الليل مع رسول الله ﷺ فنام رجل منهم

فانطلق بعضهم اى شرع وذهب الى حبل معه اى مع الرجل او مع المنطلق فاخذه اى ربط او اراد اخذه ففزع بكسر الزاء اى خاف الرجل وارتاع وكان النبي ﷺ رآه او سمعه فقال رسول الله ﷺ لا يحل لمسلم ان يروع بتشديد الواو اى يخوف مسلماً..... (مرقاة المفاتيح: ١٠٣/٤)

”عن عبدالرحمن بن ابي ليلى قال حدثنا اصحاب محمد ﷺ انهم كانوا يسرون مع النبي ﷺ فنام رجل منهم فانطلق بعضهم الى حبل معه فاخذه اى الحبل فلما انتبه من النوم ولم ير الحبل ففزع اى الرجل فقال النبي ﷺ لا يحل لمسلم ان يروع مسلماً والمراد بالفزع الذعر فلا يحل لمسلم ان يفزع مسلماً ولو هازلاً..... (بذل المجهود: ٢٤٩/٥)

”ويكره تقديم العبد لانه لا يتفرغ للتعلم والاعرابى لان الغالب فيهم الجهل والفاسق لانه لا يهتم لامر دينه والاعمى لانه لا يتوقى النجاسة وولد الزناء لانه ليس له اب يشفقه فيغلب عليه الجهل ولان فى تقديم هؤلاء تنفير الجماعة فيكره..... (هداياه: ١٢٣/١)

”وتجوز امامة الاعرابى والاعمى والعبد وولد الزناء والفاسق الا ابتكره هكذا فى المتون..... (فتاوى الهندية: ٨٥/١)

”واما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بانه لا يهتم لامر دينه وبان فى تقديمه للامامة تعظيمه وقد وجب عليهم اهانتة شرعاً ولا يخفى انه اذا كان اعلم من غيره لا تزول العلة فانه لا يؤمن ان يصلى بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره امامته بكل حال بل مشى فى شرح المنية على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم..... (فتاوى شامى: ٢١٣/١)

”ولو استويا فى العلم والصلاح واحدهما اقرأ فقدموا الآخر اساؤا ولا يأتون فالاساءة لترك السنة وعدم الائتم لعدم ترك الواجب لانهم قدموا رجلاً صالحاً كذا فى فتاوى الحجية وفيه اشارة الى انهم لو قدموا فاسقاً يأتون بناء على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بامور دينه وتساهله فى الاتيان بلوازمه

فلا یبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلوة وفعل ما ینافیها بل هو الغالب بالنظر الی
فسقه..... (حلی کبیری: ۳۴۲)

والله تعالی اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

**تمت کتاب الصلوة بحمد الله تعالی و عونہ
وتلحق مسائل کتاب الزکوة**

﴿ کتاب الزکوٰۃ ﴾

الباب الاول فیمن تجب علیہ ومن لاتجب وفیما تجب وفیما لاتجب

مدارس کے مال پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۵۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مدارس کے اکاؤنٹ میں جو روپے ہوتے ہیں، کیا سال گزرنے پر ان پر زکوٰۃ آئے گی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مدارس کا روپیہ وقف ہوتا ہے وقف کے روپے پر سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

”اوسبہ ای سبب افتراضها ملک نصاب قوله ملک نصاب فلازکوٰۃ فی

سوائم الوقف والنخیل المسبلہ لعدم الملك ولا فیما احرزہ العدو بدراهم

لانہم ملکوه بالا حراز عندنا“..... (رد المحتار: ۴/۳)

”فمنها الملك فلا تجب الزکاۃ فی سوائم الوقف والنخیل المسبلہ لعدم

الملك وهذا لان فی الزکاۃ تملیکا والتملیک فی غیر الملك لا یصور“

..... (بدائع الصنائع: ۸۸/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

مسئلہ زکوٰۃ کی ایک صورت کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۵۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم دو دوستوں نے دکان میں مل کر کام

شروع کیا ہم نے ایک ایک لاکھ رقم لگائی، کرایہ اور بجلی کا بل دینے کے بعد اتنا بھی منافع نہیں کہ گھر کا خرچہ نکل جائے،

اس پر زکوٰۃ بنتی ہے یا کہ نہیں؟ اگر بنتی ہے تو کتنی؟ گھر کی اخراجات ہم اپنی تنخواہوں سے چلاتے ہیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

جو رقم دکان کے اندر لگائی ہے وہ مال تجارت ہے اور مال تجارت اگر دو حصوں پر تقسیم کر کے ہر ایک کا حصہ نصاب تک پہنچتا ہو تو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے چاہے منافع کم ہو یا زیادہ، اگر ہر ایک کا حصہ نصاب تک نہیں پہنچتا تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

”قولہ وفي عروض تجارة بلغت نصاب ورق او ذهب) فی مائتی درہم ای

يجب ربع العشر فی عروض التجارة اذا بلغت نصابا من احدهما“.....

(البحر الرائق: ۳/۳۹۸)

”قال رسول الله ﷺ: هاتوا ربع عشر اموالکم“..... (بدائع الصنائع:

۱۰۹/۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

مہر کی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

مسئلہ نمبر (۲۵۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مہر میں جو زیور دیا گیا ہو اس کی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جو زیور عورت کو بطور مہر کے دیا گیا عورت اس کی مالکہ ہے لہذا سال مکمل ہونے کے بعد زکوٰۃ عورت کے ذمہ واجب ہوگی۔

” (ومبیه) ای سبب الفراضها (ملك نصاب حولی) نسبة للحول لحولانہ

عليه تام بالرفع صفة ملك خرج مال المكاتب قال الشامي قوله ملك

نصاب فلا زكوة في سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملك“.....

(الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

جو مہر ابھی وصول نہ کیا ہو اس کی زکوٰۃ عورت کے ذمہ نہیں ہے:

مسئلہ نمبر (۲۵۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مہر کا روپیہ جو شوہر کے ذمہ ہو عورت پر اس کی زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جب تک مہر شوہر سے وصول نہ کیا ہو اس وقت تک عورت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

”وعند قبض مائتین مع حولان الحول بعده اى بعد القبض من دين ضعيف

وهو بديل غير مال كمهر ودية وبديل كتابة وخلع الا اذا كان عنده ما يضم الى

الدين الضعيف كما مر“..... (الدر المختار: ۱/۱۳۶)

والله تعالى اعلم بالصواب



بیوی صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

مسئلہ نمبر (۲۵۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیوی اگر صاحب نصاب ہو تو اس کی وجہ سے شوہر بھی صاحب نصاب سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اور زکوٰۃ و قربانی کس کے ذمہ ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بیوی کے صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے شوہر صاحب نصاب نہیں بنتا، زکوٰۃ اور قربانی اس کے ذمہ ہے جو صاحب نصاب ہے۔

”الزکوٰۃ واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصابا ملكا تاما

وحال عليه الحول اما الوجوب فلقوله تعالى و آتوا الزکوٰۃ ولقوله ﷺ ادوا

زکوٰۃ اموالکم وعليه اجماع الامة والمراد بالواجب الفرض لانه لا شبهة فيه

واشتراط الحرية لان كمال الملك بها ولا بد من ملك مقدار النصاب

لانه ﷺ قدر السبب به“..... (الهداية: ۱/۴۰۰)

”و شرط وجوبها العقل والبلوغ والاسلام والحرية وملك نصاب حولى

فارغ عن الدين وحواله الاصلية تام ولو تقديرا“.....(البحر الرائق :

۳۵۳/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زیورات پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۵۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوی کے پاس زیورات ہیں وہ زیور مقدار نصاب سے زیادہ ہیں زیور کبھی پہنے جاتے ہیں اور کبھی نہیں پہنے جاتے تو کیا ان پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

زیور چاہے استعمال کیا جائے یا استعمال نہ کیا جائے اگر وہ بقدر نصاب ہے تو اس زیور کی زکوٰۃ سال گزرنے کے بعد ادا کرنا فرض ہے۔

”واللازم مبتدء فی مضروب کل منهما ومعموله ولو تبرا او حلیا مطلقا مباح الاستعمال اولا ولو للتجمل والنفقة لانهما خلقا امانا فیزکیہما کیف كانا“.....(الدر المختار: ۱/۱۳۵)

”واما صفة هذا النصاب فنقول لا يعتبر فی هذا النصاب صفة زائدة علی كونه فضة فتجب الزکوة فیها سواء كانت دراهم مضروبة او نقرة او تبرا او حلیا مصوغا او حلیة سیف او منطقة او لجام او سرج او الكواكب فی المصاحف او الاواني وغيرها اذا كانت تخلص عند الاذابة اذا بلغت مائتي درهم وسواء كان یمسكها للتجارة او للنفقة او للتجمل اولم ینوشینا“.....(بدائع الصنائع: ۲/۱۰۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مال مخلوط میں زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۶۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے پاس حلال حرام مخلوط ہے کیا اس پر زکوٰۃ ہے؟ اگر ہے تو زکوٰۃ ادا کرنے کی کیا صورت ہوگی وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ صورت میں اگر حلال اور حرام مال میں تمیز ممکن ہو تو صرف حلال میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور حرام مال بلا نیت ثواب واجب التصدق ہے اور اگر تمیز ممکن نہ ہو تو کل مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

”لو خلط السلطان مال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكوة فيه ويورث عنه

لان الخلط استهلاك اذا لم يكن تميزه عند ابي حنيفة“..... (شامی: ۲/۴۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

سورپے پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۶۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کے پاس ایک سو روپے ایک سال سے گھر میں رکھے ہوئے ہیں کیا ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اس آدمی پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے صاحب نصاب ہونا لازمی ہے جب کہ یہ آدمی نصاب کا مالک نہیں، زکوٰۃ کے واجب ہونے کا نصاب ساڑھے پاؤں تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونا یا اس کی قیمت کے برابر مال تجارت یا اس کی قیمت ہے چونکہ سو روپے نصاب کو نہیں پہنچتا اس لئے اس آدمی پر زکوٰۃ نہیں۔

”منها كون المال نصابا فلا تجب في اقل منه هكذا في العيني شرح

کنز“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۷۳)

”اما الاول فكمال النصاب شرط وجوب الزكوة فلا تجب دون النصاب لانها

لا تجب الاعلى الغنى والغناء لا يحصل الا بالمال الفاضل عن الحاجة

الاصلية“..... (بدائع الصنائع: ۲/۹۹)

”و شرط وجوبها العقل والبلوغ والاسلام والحرية وملك نصاب حولي

فارغ عن الدين وحاجته الاصلية نام ولو تقديرا“..... (کنز علی

البحر الرائق: ۲/۳۵۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

قرض پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۶۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمر کو تقریباً سات سال پہلے فروخت کرنے کے لیے سونا دیا تھا جس کی مالیت ایک لاکھ روپے تھی سات سال گزرنے کے باوجود عمر نے زید کو اس سونے کی رقم واپس نہیں کی عمرو سے جب بھی بات کی جائے وہ کوئی نہ کوئی عذر کر کے بات کو ٹال دیتا ہے اب صورت یہ ہے کہ

- (۱) زید مال کا مالک تو ہے لیکن سات سال سے مال اس کے قبضے میں نہیں ہے۔
- (۲) عمرو مال کی واپسی کا انکار تو نہیں کرتا لیکن اس کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فی الحال اس سے مال واپس نہیں مل سکتا، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زید پر اس مال کی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہوگی تو سابقہ تمام سالوں کی ادا کرنا ہوگی یا اس وقت شروع کرنی ہوگی جب مال اس کے قبضے میں آئے گا؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورۃ مسئلہ میں زید پر زکوٰۃ تب ہوگی جب اس کا سونا نصاب کو پہنچتا ہو یا سونے کے ساتھ چاندی یا کچھ رقم ہو جو نصاب کو پہنچ جائے اور زید پر گذشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے لیکن ادا اس وقت کرے گا جب وہ سونے پر قبضہ کرے گا۔

”اعلم ان الديون عند الامام ثلاثة قوى ومتوسط وضعيف فتجب زكوتها اذا تم نصابها وحال الحول لكن لا فور ابل عند قبض اربعين درهما من الدين القوي كقرض وبدل مال تجارة فكلما قبض اربعين درهما يلزمه درهم“..... (الدر المختار: ۳۸/۲)

”وزكوة الدين على اقسام فانه قوى ووسط وضعيف فالقوى وهو بدل القرض ومال التجارة اذا قبضه وكان على مقر ولو مفلسا وعلى جاحد عليه بينة زكاة لما مضى ويتراخى وجوب الاداء الى ان يقبض اربعين درهما ففيها درهم“..... (حاشية الطحطاوى على المراقي: ۱۵۷)

”فتجب زكاتها اذا تم نصابها وحال الحول لكن لا فور ابل عند قبض اربعين درهما من الدين القوي كقرض وبدل مال تجارة فكلما قبض اربعين درهما يلزم درهم اه“..... (الدرمع الرد: ۳۸/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

وراثت میں ملنے والے مکان پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۶۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ والدہ نے اپنی حیات میں مکان کی تقسیم کر کے جو حصہ بیٹے کا تھا اس کو دے دیا اور جو حصہ بیٹیوں کا بنا تھا ان کو دے دیا لیکن قبضہ پورے مکان پر بیٹے کا تھا والدہ کی حیات میں اور والدہ کی وفات کے بعد بہنوں نے اپنا حصہ لینے کی کوشش شروع کر دی کافی جدوجہد اور بھاگ دوڑ کے بعد چند لوگوں میں اس مسئلے کو حل کیا گیا بھائی نے مکان اپنی ملکیت میں رکھا، بہنوں کی رضامندی پر اور مارکیٹ کے ریٹ پر جو قیمت بنتی تھی وہ بہنوں کو ادا کر دی بہنوں کو جو رقم ملی ہے کیا اس پر زکوٰۃ بنتی ہے کہ نہیں؟ نقدی پر سال نہیں گزرا، لیکن مکان ان کے حصے میں آنے کے بعد تقریباً دو تین سال کا عرصہ گزرا ہے۔

دوسری صورت بہنوں کا دعویٰ یہ ہے کہ مکان ہم نے والدہ سے قیمت میں خریدا تھا ان دونوں صورتوں میں جب مکان کی ملکیت کی پوری رقم مل گئی اب زکوٰۃ دینی ہے کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جو مکان انسان کو وراثت میں ملتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، البتہ جب اس کو فروخت کر دے تو اب اس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، اگر وارث پہلے صاحب نصاب ہے تو جب باقی زکوٰۃ ادا کرے گا تو اس رقم کی بھی ساتھ ہی زکوٰۃ ادا کرے گا اور اگر پہلے سے صاحب نصاب نہیں تو اس رقم پر جب سال گزرے گا تب زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ دوسری صورت میں اگر بہنوں نے وہ مکان فروخت کی نیت سے خریدا ہو تو اس مکان کی موجودہ قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر فروخت کی نیت سے نہ خریدا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

”ولازكوة على مكاتب الخ واثاث المنزل ودور السكنى ونحوها (قولہ ونحوها) كنياب البدن الغير المحتاج اليها وكالحوانيت والعقارات“..... (الدرمع الرد: ۱۱۹/۲)

”وما اشتراه لهاى للتجارة كان لها بمقارنة النية لعقد التجارة لا ما ورثه ونواه لها“..... (الدرمع الرد: ۱۲/۲)

”لا اختلاف فى ان اصل النصاب وهو النصاب الموجود فى اول الحول يشترط له الحول لقوله عليه السلام لازكوة فى مال حتى يحول عليه الحول“..... (بدائع الصنائع: ۹۶/۲)

”ومن كان له نصاب فاستفاد في اثناء الحول من جنسه ضمه

اليه“.....(الهندية: ۱/ ۲۰۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

لمز یونیورسٹی پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۶۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لمز یونیورسٹی کا شمار پاکستان ہی نہیں بلکہ ایشیا کی بہترین یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے یہاں طلباء اور طالبات کو مختلف مضامین میں اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے جس میں ریاضی کمپیوٹر سائنس، بزنس، منجمنٹ، اور دوسرے بہت سے مضامین شامل ہیں، اس ادارے کے فارغ التحصیل طلباء و طالبات کو اندرون ملک اور بیرون ملک ذریعہ معاش کے بہترین مواقع میسر آتے ہیں جن سے نہ صرف ان بچوں کو حلال رزق کمانے کا آسان موقع ملتا ہے بلکہ ان بچوں کے خاندان بھی مستفید ہوتے ہیں، اس تعلیمی ادارے کا ایک سال کا خرچہ کم سے کم Rs, 255,000 سے لے کر زیادہ سے زیادہ Rs, 375,000 تک ہے، اس کے علاوہ ہاسٹل کا خرچہ کتابوں کا خرچہ علیحدہ ہے، 2001ء میں لمز یونیورسٹی نے ایسے غریب طلباء و طالبات کے لیے سکالرشپ کا آغاز کیا جن کے پاس ذہانت اور قابلیت تو ہے لیکن ان کے ہاں وسائل ان کو ایسے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں پڑھائی کی اجازت نہیں دیتے، اب تک سو سے زیادہ بچوں کو اس سکالرشپ کا اعزاز مل چکا ہے، ان بچوں میں سے زیادہ تر بچوں کے والد یا تو چھوٹے کسان ہیں، مستری ہیں یا چوکیدار ہیں اور ان بچوں میں سے جتنے بچے بھی فارغ التحصیل ہوئے ہیں وہ اس وقت اندرون ملک اور بیرون ملک اعلیٰ اداروں میں نوکری کر کے اپنے خاندان والوں کے لیے بہترین سہارا بنے ہوئے ہیں، ان بچوں کے لیے لمز میں تعلیمی خرچے کو برداشت کرنے کے لیے بہت سے محترم حضرات بھی امداد دیتے ہیں، اس مالی امداد میں لوگ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں کیا ہم یہ زکوٰۃ ان بچوں کی تعلیم پر خرچ کر سکتے ہیں؟ اور کیا ہم اور لوگوں کو بھی زکوٰۃ کے ذریعے ان غریب بچوں کی تعلیم کے خرچے کو پورا کرنے کے لیے کہہ سکتے ہیں۔

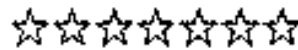
الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ غریب مسلمان کا حق ہے کہ براہ راست ان کو دی جائے جبکہ لمز یونیورسٹی ایک کاروباری ادارہ ہے اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی لہذا براہ راست غریب مسلمان کو جو کہ سید بھی نہ ہو زکوٰۃ دی جائے، اور اس کی مثل دیگر کاروباری اداروں کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

”مصرف الزکاة والعشر هو فقير وهو من له ادنى شىء ومسكين من لاشىء له وعامل فيعطى ولو غنيا بقدر عمله ومكاتب لغيرها شمی ومدیون لا یملک نصابا فاضلا عن دينه وفي سبيل الله وهو منقطع الغزاة وابن السبيل وهو من له مال لامعه“..... (تنوير الابصار مع در المختار: ۱/۱۳۰)

”منها الفقير وهو من له ادنى شىء وهو مادون النصاب او قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة..... ومنها المسكين وهو من لاشىء له فيحتاج الى المسئلة لقوته..... ومنها العامل وهو من نصبه الامام لاستيفاء الصدقات والعشور كذافي الكافي..... ومنها الرقاب هم المكاتبون ويعاونون في فك رقابهم..... ومنها الغارم وهو من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه او كان له مال على الناس لا يمكنه اخذه..... ومنها في سبيل الله وهم منقطعو الغزاة..... ومنها ابن السبيل وهو الغريب المنقطع عن ماله“..... (الهنديّة: ۱/۱۸۸، ۱۸۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



زکوٰۃ کی شرعی حیثیت:

مسئلہ نمبر (۲۶۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ اسلام کارکن ہے یا انگریزی قانون کا فارمولا ہے؟ (نعوذ باللہ) اگر روپے بینک میں ہوں یا اپنے پاس ہوں تو کتنے عرصہ تک زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی؟ اور کتنی مالیت پر فرض ہے؟ چھ ماہ یا ایک سال سے کم مدت میں جو مال ہوگا اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ کیونکہ دو ماہ چار ماہ تک جو روپے بینک میں رکھے ہوں تو اس سے زکوٰۃ کاٹ لیتے ہیں کیا یہ جائز ہے اور کیا عیسائیوں پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؟

اور غیر مسلم جو اپنے روپے بینک میں رکھے اس کی زکوٰۃ از روئے شریعت بینک کاٹ سکتا ہے یا نہیں؟ وضاحت سے بیان فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ زکوٰۃ اسلام کارکن ہے، ایک قمری سال کی مدت گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے

اور ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور جس دن سال مکمل ہوگا اس دن پہلے کا سال شامل کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور زکوٰۃ از خود نکالی جائے جس کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے بینک والوں کو زکوٰۃ کا موقع نہ ملے اور جو کٹ چکی ہے وہ ذمہ سے ساقط ہے، نیز آپ کا سیونگ اکاؤنٹ یا پی ایل ایس PLS اکاؤنٹ میں مال رکھوانا بھی ناجائز ہے، اور غیر مسلم کے مال سے بینک والوں کا زکوٰۃ کا ثناء درست نہیں ہے۔

”ومنها حولان الحول علی المال العبرة فی الزکوٰۃ للحول القمري کذا فی

القنیه“..... (الہندیہ: ۱/۱۷۵)

”من کان له نصاب فاستفاد فی أثناء الحول ما لامن جنسه ضمه إلی ماله وزکاه

سواء کان المستفاد من نمائه أولا وبأی وجه استفاد سواء کان بمیراث أو هبة

أو غیر ذلک اه“..... (الہندیہ: ۱/۱۷۵)

”ومنها الإسلام) حتی لا تجب علی الکافر کذا فی البدائع

اه“..... (الہندیہ: ۱/۱۷۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



صاحب نصاب کس کو کہتے ہیں؟

مسئلہ نمبر (۲۶۶): محترمی و کرمی جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرض یہ ہے کہ ایک صاحب میرے دفتر میں نائب صدر ہیں اپنی مالی مشکلات کی وجہ سے اپنے بچوں کو دینی یا دنیاوی تعلیم نہیں دے سکتے لہذا یہ بتائیں کہ یہ صاحب نصاب ہیں یا نہیں؟ نیز صاحب نصاب کے بارے میں لکھ کر دیں اپنی مہر شیت فرما کر شکر یہ کاموقع دیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں جس شخص کے پاس اس کی ضرورت اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال نہ ہو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور ضروریات اصلیہ میں رہنے کا مکان، سواری، استعمال کے برتن، کپڑے اور ضروری فرنیچر وغیرہ سب داخل ہیں اور صاحب نصاب وہ ہوتا ہے جس کے پاس ادائیگی قرض کے بعد (بصورت مقروض ہونے کے) ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہو اسی طرح وہ شخص جس کے پاس کچھ چاندی اور نقد پیسے

یا کچھ سونا اور اسکے ساتھ نقدی یا چاندی ہو تو سونے کی قیمت لگا کر دیکھیں اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو وہ بھی صاحب نصاب ہے۔

” (هو الفقير وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام
مستغرق في الحاجة (ومسكين من لا شيء له)..... (الدر على الرد: ۲/۶۳)
”نصاب الذهب عشرون مثقالا والفضة مائتا درهم كل عشرة دراهم وزن
سبعة مثاقيل“..... (در على رد المحتار: ۲/۳۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

صاحب نصاب کا ذاتی مکان نہیں تو زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۶۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی جس کے پاس تین ساڑھے تین لاکھ سرمایہ ہو کاروبار مثلاً تجارت کر رہا ہو اور کرایہ کے مکان میں رہتا ہو ذاتی گھر نہ ہو اور جائیداد وغیرہ نہ ہو اب اگر پیسے کاروبار سے نکال کر مکان بنانا چاہتا ہو تو پھر کاروبار نہیں چل سکتا ہے پوچھنا یہ ہے کہ جس آدمی کا ذاتی گھر نہ ہو تو زکوٰۃ اس پر واجب ہے کہ نہیں؟

الجواب باسم المک الوہاب

زکوٰۃ کا وجوب گھر کے ہونے یا نہ ہونے پر نہیں ہے بلکہ اتنی نقدی ہو جس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے یا پھر مال تجارت اتنی رقم میں ہو کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کے مساوی ہو، لہذا شخص مذکور پر زکوٰۃ واجب ہوگی جب تک یہ رقم گھر کی تعمیر پر خرچ نہ کر چکا ہو۔

”مال التجارة نوعان أحدهما ما خلق ثمنًا وهو الذهب والفضة وزكاة الذهب
والفضة ونصابهما ما قال في الكتاب في كل مائتي درهم خمسة دراهم وفي
كل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال الخ“..... (قاضی خان: ۱/۲۳۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

رہائشی اور کرایہ کے مکان پر زکوٰۃ نہیں:

مسئلہ نمبر (۲۶۸): جناب مفتی صاحب کیا مکانات پر زکوٰۃ واجب ہے اگر واجب ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی مثلاً کل تین مکان ہیں ایک رہائشی دو کرایہ پر چل رہے ہیں ساڑھے تین کنال رقبہ میں تین سیٹ ہیں ان کاسات ہزار کرایہ ہے پھر بھی مکان رہن رکھ کر بینک سے قرضہ لیا ہے ڈیڑھ کنال زمین ہے؟ مکان نمبر ۲ ایک بڑے کمرے پر مشتمل ہے، اس میں مال مویشی رہتے ہیں یہ مکان مشرن پھوٹی گاؤں میں واقع ہے؟ مکان نمبر ۳ دو کمروں پر مشتمل ہے لیکن دو نفر میں مشترک ہیں، ایک کمرہ میں مزارعین مقیم ہیں وہ دونوں جگہ میں فری رہتے ہیں، صاحب خود کرایہ کے مکان میں رہائش پذیر ہے اس کا کرایہ ایک ہزار روپے ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

رہائشی مکانوں پر اور کرائے کے مکانوں پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

”ومنها الفراع عن حاجته الأصلية فليس في دور السكنى وثياب البدن واثاث المنازل ودواب الركوب وعبء الخدمة وسلاح الاستعمال زكوة“.....
(فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۷۲)

”ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها أو يؤجرها لا تجب فيها الزكوة كما لا تجب في بيوت الغلة“..... (قاضی خان: ۱/۲۵۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

سامان اور سواری والی گاڑی پر زکوٰۃ نہیں ہے:

مسئلہ نمبر (۲۶۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کے پاس کاروبار کے لیے دو گاڑیاں ہیں، ایک گاڑی سواری کے لیے ہے اور ایک موٹر سائیکل ہے، کیا ان گاڑیوں پر زکوٰۃ ہے اور یہ دو گاڑیاں سامان کاروباری کے لیے ہیں جن پر سامان ادھر ادھر لے جاتے ہیں جو استعمال ہو رہی ہیں ایک چار ہزار دوسری دس ہزار کی خریدی ہیں تعمیراتی ٹھیکہ داری کاروبار کے لیے مکان رہائش کی 1/2 زمین رکھ کر رقم کی معیاد مقرر کر لی جاتی ہے جب ضرورت پڑتی ہے تو لے لیتے ہیں اور جب ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو رقم جمع کر دی جاتی ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

کاروباری سامان کو ادھر ادھر لے جانے کے لیے جو گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

”ولافی عوامل وعلوفا مالم تکن العلوفا للتجارة) أى التى أعدت للعمل

كإثارة الأرض بالحرارة وكالسقى ونحوه زادفى الدرر الحوامل وهى التى

أعدت لحمل الاثقال“.....(الدرمع الرد: ۲۱/۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

وجوب زکوٰۃ کے لئے مال نامی بقدر نصاب پر سال گزرنا شرط ہے:

مسئلہ نمبر (۲۷۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کا کاروبار ۱۹۹۴ میں شروع

ہوا اور تقریباً سترہ لاکھ روپے کا کاروبار سے نکال کر ایک کاروباری سکیم لگائی ہے جس میں سالانہ ڈیڑھ لاکھ روپے کا منافع

ہوتا ہے اور اس کو آگے پھرتیسرے کاروبار میں خرچ کر دیتے ہیں کیا اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور اگر ہوتی

ہے تو کس رقم پر ہوتی ہے جب کہ رقم پر سال نہیں گزرتا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

کسی خاص کاروبار میں اس رقم پر پورا سال گزرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ بندہ کا پورے سال یا سال کے

شروع اور آخر میں صاحب نصاب رہنا ضروری ہے، سوال میں موجود صورت سے یہی سمجھ آ رہا ہے کہ شخص مذکور پورا

سال صاحب نصاب رہتا ہے لیکن اس کا کوئی مخصوص کاروبار پورا سال نہیں رہتا، بلکہ وہ کاروبار بدلتا رہتا ہے، تو اس

صورت میں بھی شخص مذکور پر زکوٰۃ فرض ہے۔

”ومنها كون النصاب ناميا) حقيقة بالتو الدوالتناسل والتجارة أو تقديره بان

يتمكن من الاستنماء بكون المال فى يده أو فى يدنايه... (ومنها حولان

الحول على المال) العبرة فى الزكوة للحول القمري كذافى القنية وإذا كان

النصاب كاملا فى طرفى الحول فنقصانه فيما بين ذلك لا يسقط الزكوة

كذافى الهداية. ولو استبدل مال التجارة أو النقدين بجنسهما أو بغير جنسهما

لا ينقطع حكم الحول“.....(الهدية: ۱/۱۷۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

حلال و حرام مخلوط مال میں زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۱۷۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک شخص نے مال و دولت کمائی ہے وہ تمام کی تمام حرام ہے کیا شرعی مسئلہ کے اعتبار سے اس رقم پر زکوٰۃ ادا کرنی ہے یا نہیں؟ اور اگر ایک شخص کے پاس حلال مال موجود ہے اور اس کے پاس حرام حلال اکٹھا ہو گیا اس صورت میں زکوٰۃ ادا کرنے کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ حرام کمائی اور مال خبیث کا اگر اصل مالک (یا اس کی فوتگی کی صورت میں اس کے ورثاء) معلوم ہوں تو ان کو اپنا مال واپس لوٹانا واجب ہے اور اگر اصل مالک یا اس کے ورثاء معلوم نہ ہوں تو حرام مال واجب التصدق ہے، یعنی بغیر نیت ثواب کے صدقہ کرنا واجب ہے، لہذا حرام مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، بلکہ تمام مال بیت براءۃ ذمہ واجب التصدق ہے، اور اگر بعض کمائی حلال اور بعض حرام کی ہو اور دونوں مخلوط ہوں تو اس صورت میں اگر حلال مال نصاب تک پہنچے اور اس پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔

”قوله (کمالو کان الكل خبیثا) فی القنیۃ لو کان الخبیث نصابا لایلزمہ الزکاة لأن الكل واجب التصدق علیہ فلا یفید إيجاب التصدق ببعضه وفی الفصل العاشر من التاتر خانیه عن فتاوی الحجة من ملک أموال غیر طیبۃ أو غصب أموال أو خلطها ملکها بالخلط ویصیر ضامنا وإن لم یکن له سواها نصاب فلا زکوة علیہ فیها وإن بلغت نصابا لأنه مدیون ومال المدیون لا ینعقد سببا لوجوب الزکاة عندنا اه فأفاد بقوله وإن لم یکن له سواها نصاب الخ إن وجوب الزکاة مقید بما إذا کان له نصاب سواها وبه یندفع ما استشکلہ فی البحر من أنه وإن ملکہ بالخلط فهو مشغول بالمدین فینبغی أن لا تجب الزکاة اه لکن لا یخفی أن الزکاة حینئذ إنما تجب فیما زاد علیها لافیهما“.....

(رد المحتار: ۲/۲۸)

”قال فی الدر المختار ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملکہ فتجب الزکوة فیہ ویورث عنه لأن الخلط استهلاك إذ لم یمكن تمييزه عندأبی حنیف وقوله أرفق إذ قلما یخلو مال عن غصب وهذا إذا کان له مال

غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفى دينه وإلا فلا زكوة كما لو كان الكل خبيثا قوله كما في النهر. أي أول كتاب الزكوة عند قول الكنز وملك نصاب حولي ومثله في الشرنبلالية وذكر في شرح الوهبانية بحثا في الفصل العاشر من التتارخانية عن الفتاوى الحجة من ملك اموال غير طيبة او غصب اموال اخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامنا وإن لم يكن له سواها نصاب فلا زكوة عليه فيها اه..... (الدرمع الرد: ٢٤٠/٢)

” وفي القنية لو كان الخبيث نصابا يلزمه الزكوة لان الكل واجب التصديق عليه فلا يفيد إيجاب التصديق ببعضه اه ومثله في الميزانية..... (الدرمع الرد: ٢٤٠/٢)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کتابوں پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۷۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے گھر میں دو الماریاں ہیں جن میں وکالت کی کتابیں پڑی ہوئی ہیں ممکن ہے کہ ۲۰ یا ۲۵ ہزار کی ہوگی وہ آج کل بالکل فارغ ہیں کیونکہ وہ ۱۹۹۴ء سے پہلے وکالت کے لیے کام آتی تھیں، اب میں نے چھوڑ کر کاروبار شروع کر دیا ہے کیا اب ان پر زکوٰۃ ہے؟ اور کیا گھر کے سامان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ کیا ان کے علاوہ گھر کے کسی سامان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ کتابوں پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ ضرورت سے زائد ہونے کی وجہ سے صدقہ فطر و قربانی واجب ہے، نیز گھر کے سامان پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔

” (ولافي ثياب البدن واثاث المنزل ودور السكنى ونحوها وكذا الكتب وإن لم تكن لأهلها إذالم تنوللتجارة غير أن الأهل له أخذ الزكوة الخ) استدراك على التعميم المأخوذ من قوله وإن لم تكن لأهلها أي ان الكتب لازكاة فيها على الأهل وغيرهم من أي علم كانت لكونها غير نامية وإنما الفرق بين

الأهل وغيرهم في جواز أخذ الزكاة والمنع عنه.... وأن الأهل إذا كان غير محتاج إليها فهو كغير الأهل. (الدرمع الرد: ۲/۹)

”صدقة الفطر هي واجبة على الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه الاصلية كذافي الاختيار شرح المختار ولا يعتبر فيه وصف النماء ويتعلق بهذا النصاب وجوب الاضحية ووجوب نفقة الاقارب هكذا في فتاوى قاضي خان“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۹۱)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نیت:

مسئلہ نمبر (۲۷۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کافی سالوں سے صاحب نصاب ہے مگر اس نے کبھی زکوٰۃ ادا نہیں کی، مگر اب وہ زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے لیکن وہ اس دوران وہ ضرورت مندوں کی مدد کرتا رہا ہے، مگر زکوٰۃ کی نیت یا اس کے حساب سے نہیں، اب کیا وہ پچھلے سارے عرصہ کی زکوٰۃ ادا کرے گا یا اب سے ہی شروع کرے گا؟

(۲) اگر پچھلے سالوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا پڑے تو پچھلے سالوں کا حساب کیسے معلوم کیا جائے؟ اس کا ریکارڈ تو معلوم نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

ہر عاقل بالغ مرد و عورت جب صاحب نصاب ہو اور اس مال پر سال بھی گزر جائے تو اس مال پر زکوٰۃ دینا فرض ہے اگر غفلت کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہ کی ہو تو بعد میں اس کی ادائیگی بہر حال لازم ہوگی بغیر اس کے ادا کیے فرضیت اس سے ساقط نہیں ہوگی، زکوٰۃ ادا کرتے وقت نیت کرنا بھی ضروری ہے اگر نیت نہیں کی یوں ہی مال غریب مسکینوں کو دیتا رہا تو اس کو صدقہ خیرات کا ثواب تو مل جائے گا لیکن فرضیت زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اس کی ادائیگی لازم ہے۔

”وہكذا صرح به في كتب الفقه والفتاوى وفي الهداية لا يجوز أداء الزكاة إلا بنية مقارنة للأداء أو مقارنة تعزل مقدار الواجب الخ“..... (الهداية: ۱/۱۷۱)

(۲) اگر آپ کے پاس پچھلے سالوں کا حساب لکھا ہوا نہ ہو تو اپنے تخمینہ اور اندازہ سے طے کر کے اس کا حساب کر لیا جائے پھر ان سالوں کی زکوٰۃ ادا کی جائے صرف ریکارڈ نہ ہونے کی صورت میں زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

فرنیچر، کپڑوں، دکان کے کرایہ اور گاڑی کی آمدنی پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟:

مسئلہ نمبر (۲۷۴): محترمی مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کچھ مسائل درپیش ہیں براہ کرم رہنمائی فرمائیں۔

(۱) میری بیوی کے پاس ساڑھے چار تولے سونا ہے اور چاندی بالکل نہیں ہے، باقی ضروریات کے برتن ضرورت کا فرنیچر جو چیز میں ملے تھے باقی اکثر جوڑے کپڑوں کے جو کہ ہدیہ میں ملے ہوئے ہیں دس یا پندرہ جوڑے ہیں، کیا ان چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہے یا کہ نہیں؟ اگر فرض ہے تو کون سی شرح ہے جس سے زکوٰۃ نہ لگے، اس میں کون سا سامان نہ ہو تو زکوٰۃ نہ لگے گی، باقی اگر قربانی فرض ہے کون سی چیز کم کر دیں تو قربانی نہ ہو؟

(۲) میرے پاس کوئی سونا نہیں ہے اور مکان کرایہ پر لیا ہوا ہے اور دو گاڑی آدھا حصہ میں ہیں زمین تقریباً دو ایکڑ ہے جس کا شکرانہ رہتا ہے کیا زکوٰۃ فرض ہے؟

(۳) میری گاڑی حاجی نے لی اور رقم ادا کر دی بعد میں دوسرے دن اس کے دل میں آیا کہ گاڑی نہ لوں اس نے کہا کہ میری رقم واپس کر دو جو میں نے ادا کر دی ہے وہ کہتا ہے براہ کرم وہ رقم ۵۰۰۰۰ ہزار واپس کرو، اگرچہ میں لینے کا حق دار نہیں مہربانی فرمادیں؟

کیا یہ رقم واپس کرنی ہے یا کہ نہیں جبکہ اس نے اس وقت خوشی سے دی تھی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۲۱) صورت مسئلہ میں اگر آپ کی بیوی کے پاس ساڑھے چار تولے سونے کے علاوہ کچھ نقدی بھی ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، البتہ فرنیچر اور کپڑوں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی لیکن قربانی ضرورت سے زائد مال کے ہوتے ہوئے نقدی سے ملا کر اگر وہ نصاب کو پہنچ جائے تو قربانی واجب ہوگی، اگر گاڑی کی آمدنی ہوتی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

”قیمۃ العروض تضم الی الثمنین عند الإمام کما مر عن الزاہدی وصرح بہ فی

المحیط ایضاً“..... (رد المحتار: ۱ / ۱۷۹)

صورت مرقومہ میں (مشرقی) خریدار اپنی چیز واپس کر کے رقم لینا چاہتا ہے جسے اقالہ کہتے ہیں اور اقالہ فریقین کی رضامندی سے جائز ہے، بلکہ حدیث میں اس پر فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔

”قال فی الهدایة الإقالة جائزة فی البیع بمثل الثمن الأول لقوله علیه السلام
من أقال نادما بیعته أقال الله عشراته يوم القيامة“..... (الهدایة: ۷۳/۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کسی گاڑی کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی:

مسئلہ نمبر (۲۷۵): مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم دو بھائی ہیں جن کے دو مشترکہ رکشے ہیں جن کی قیمت ۲۵۳۰۰۰ تھی جب ہم نے ان خریدتے تھے، جن میں سے ستر ہزار ادھار لیے تھے، تو یہ رکشے ڈرائیور چلاتے ہیں، کیا ان پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ ان کا منافع متعین نہیں ہے کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتا ہے، مہربانی فرما کر جواب سے عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں دونوں رکشوں کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں البتہ اگر ان کی آمدنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو ان کی آمدنی سے قرض کو نکال کر باقی رقم اگر نصاب کو پہنچتی ہو تو زکوٰۃ واجب ہے۔

”وعن حاجته الاصلية) كتابه المحتاج اليها لدفع الحروالبردو كالنفقة
ودور السكنى وآلات الحرب والحرفة واساس المنزل ودواب الركوب
وكتب العلم لأهلها“..... (الطحطاوى: ص ۳۸۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

غلطی سے زکوٰۃ غیر مستحق کو دے دی تو ادا ہوئی یا نہیں؟:

مسئلہ نمبر (۲۷۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ بہادر پور کار ہائش ہے، اور بندہ کی

کتابوں کی دکان ہے سکول و کالج کی کتابوں کا کاروبار کرتا ہے کچھ مسائل دریافت کرنے کے لئے خط لکھ رہا ہوں؟ زکوٰۃ اگر غلطی سے غیر مستحق کو دی گئی اور زکوٰۃ دینے کے بعد اس کا علم ہو جائے تو اب اس کے لیے کیا کرے؟ آیا زکوٰۃ دوبارہ دی جائے یا آئندہ خیال کیا جائے؟ زکوٰۃ ادا کرنے والا اگر دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے کا متحمل نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اگر زکوٰۃ دینے والے نے غالب گمان سے مصرف زکوٰۃ سمجھ کے زکوٰۃ ادا کی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی دوبارہ زکوٰۃ ادا نہ کرے۔

”لو دفع بتحر فبان انه غنى او هاشمی او كافر او ابوہ او ابنہ صح) لحديث البخاری ”لك مانويت يا زيد و لك ما اخذت يا معن“ حين دفعها زيدا لى و لده معن ليس المراد بالتحرى الاجتهاد بل غلبة الظن بانه مصرف بعد الشك فى كونه مصرفا“..... (البحر الرائق: ۲/۴۳۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ صرف پانچ چیزوں پر ہے:

مسئلہ نمبر (۲۷۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مستورات اپنی بچیوں کے لئے ساری عمر کچھ نہ کچھ بازار سے سامان خریدتی رہتی ہیں کہ وقت آنے پر بچیوں کی شادی پر دیا جائے گا چونکہ آخری وقت پر مشکل پڑ جاتی ہے کہ کیسے خریدیں؟ رقم کہاں سے مہیا کریں؟ وغیرہ وغیرہ، خرید اہو سامان کافی عرصہ تک پڑا رہتا ہے کیا اس پر بھی زکوٰۃ ہوگی یا معاف ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

شرعا صرف پانچ چیزوں پر زکوٰۃ ہے:

۱۔ سونا۔ ۲۔ چاندی۔ ۳۔ نقد روپیہ۔ ۴۔ مال تجارت۔ ۵۔ سوانم (جانور)

مذکورہ فی السؤال چیزیں ان پانچ چیزوں میں سے نہیں ہیں، لہذا اس سامان پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

”فلا زکوٰۃ علی مکاتب و لافی ثياب البدن و اثاث المنزل و دار السكنی

و نحوھا“..... (الدر المختار: ۱/۱۲۹)

”ونحوها ای کتیب البدن الغير المحتاج إليها كالحوانیت والعقارات اه“

..... (ردالمحتار: ۹/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تملیک کا معنی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ:

مسئلہ نمبر (۲۷۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض کتابوں میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں تحریر ہے کہ جب تک زکوٰۃ کی رقم کی تملیک نہ ہو اس وقت تک ادا نہ سمجھی جائے اس سلسلہ میں بہت تشویش ہے، یہ اصطلاح میری سمجھ میں نہیں آتی، بعض بزرگوں سے تو اس شرط ادائیگی زکوٰۃ کے بارے میں یہاں تک سنا ہے کہ جس رقم (نصاب) پر زکوٰۃ واجب ہو جائے اس میں ڈھائی فیصد زکوٰۃ نکالی جائے یعنی انہیں میں سے کرنسی، سکے، نوٹ وغیرہ لیے جائیں، دوسری مدیا ضرورت کی اگر کوئی رقم پاس ہے تو ان میں سے زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے، برائے مہربانی تحریر فرمائیں کہ شرعی طور پر ادائیگی زکوٰۃ وصدقہ ناقلہ کا کیا طریقہ کار ہے؟ اصطلاح تملیک یا ملکیت سے کیا مراد ہے؟

نوٹ: عام طور پر کسی کو جب کوئی رقم بطور نذرانہ، ہدیہ، تحفہ و بخشش ہبہ یا انعام کے طور پر دیتے ہیں تو دل میں تو صرف یہ نیت کر لیتے ہیں کہ زکوٰۃ کے پیسے ہیں، اب یہ رقم واپس نہیں لینی ہے، نیز صاحب موصوف جس کی خدمت میں یہ رقم پیش کرتا ہے ان کو مطلع کر دیتے ہیں کہ ہدیہ ہے یا نذرانہ وغیرہ، کیا یہ مروجہ طریقہ درست ہے؟ یا اس میں ترمیم کی ضرورت ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) تملیک کا لغوی معنی کسی کو مالک بنانا ہے زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کو کوئی چیز بطور زکوٰۃ دی جائے تو اسے اس کا مالک بنا دیا جائے تاکہ وہ اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکے یہ نہیں کہ اسے عارضی طور پر دی جائے، اور تملیک کا مذکورہ طریقہ درست ہے۔

”وهی تملیک جزء مال) خرج الاباحۃ فلو اطعم یتیمان او بالزکوٰۃ لایجزیہ

الا اذا دفع الیہ المظوم“..... (ردالمحتار: ۳/۲)

”اماتفسیر ہافھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاہ بشرط

قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى هذا في الشرع الخ
واما شرط ادائها فنية مقارنة للاداء اولعزل ماوجب
اه..... (الهندية: ۱/۱۰۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کسی مدرسہ کو بطور قرض دی گئی رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہے:

مسئلہ نمبر (۲۷۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمر کو چند سال پہلے ۷۵ ہزار روپے رہائشی زمین کی خریداری کے لئے دیئے تو بعد میں حالات کے تغیر کی وجہ سے عمر کو رقم واپس دینا پڑی صورت یہ ہوئی کہ زید ایک دینی مدرسے میں خدمت کرتا ہے اور عمر نے اس مدرسے سے رقم لینی تھی عمر نے زید کی رقم مدرسے میں منتقل کر دی کہ اسی طرح جو رقم عمر نے لینی تھی وہ مدرسہ زید کو ادا کر دے یہ معاملہ فریقین کی رضامندی سے ہوا اس طرح عمر کی جگہ مدرسہ زید کا مقروض ہو گیا، اب صورت یہ ہے کہ زید کی رقم کچھ عرصہ عمر کے پاس رہی، کئی سالوں سے مدرسہ کی انتظامیہ فی الحال واپس کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے، یا در ہے کہ وہ رقم زید نے مدرسہ کو قرض دی تھی بہت ثواب، تو کیا زید پر اس رقم کی زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو سارے سالوں کی یا جب یہ رقم اس کے پاس آئے گی یا جس وقت نصاب شروع ہوا؟ کیا یہ صورت ممکن ہے کہ جب تک یہ رقم زید کے قبضہ میں نہیں آتی اس وقت تک اس پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں، براہ کرم اس مسئلہ کا اطمینان بخش جواب دیکر مشکور فرمائیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں بشرط صحت سوال مدرسہ کی انتظامیہ کے ذمہ لازم ہے کہ زید کا روپیہ ادا کریں اور زید کے ذمہ سابقہ تمام سالوں کی زکوٰۃ لازم ہے۔

”لو كان المديون مقرامفلسا فعلى صاحب الدين زكوة مامضى
اذا قبضه“..... (فتح القدير: ۳/۳۹۳)

”فتجب زكاتها اذا تم نصابا و حال الحول لكن لا فور ابل عند قبض اربعين
درهما من الدين القوي كقرض وبدل مال تجارة فكلما قبض اربعين
درهما يلزمه درهم اه“..... (الدرمع الرد: ۲/۳۸)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مقرض کا قرض اگر پاس موجودہ رقم سے زیادہ ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی:

مسئلہ نمبر (۲۸۰): محترم و کرم جناب مفتی صاحب السلام علیکم!

ازراہ کرم زکوٰۃ سے متعلق مجھے اس سوال کا جواب عنایت فرمائیں جزاکم اللہ! میرے جس پلاٹ پر سینما گھر تھا اسی پر رہائشی فلیٹس بنا رہا ہوں یہ میری ملکیت ہے اور اسکی قیمت دس کروڑ روپیہ ہے ابھی تک زیر تعمیر فلیٹس پر ڈیڑھ کروڑ روپیہ لگ چکا ہے مزید تین کروڑ لگے گا، جب یہ منصوبہ مکمل ہوگا، بعد از فروخت میرا لگا ہوا سرمایہ مجھے واپس مل سکے گا، اس وقت میرے پاس دو لاکھ روپیہ موجود ہے تقریباً پانچ لاکھ روپے میرے اوپر قرض ہے اور وہ ادا کرنا ہے، اس سے پہلے ہر سال زکوٰۃ ادا کرتا تھا تبدیل شدہ صورت حال میں مجھ پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا فرض عائد ہوتا ہے یا قرض کی وجہ سے یہ فرض ساقط ہو گیا ہے؟ مطلع فرما کر شکر یہ کاموقع بخشیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر واقعی قرض زیادہ ہے موجودہ رقم قرض سے کم ہے تو زکوٰۃ نہیں ہے۔

” (ومنها الفراع عن الدين) قال اصحابنا كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكاة سواء كان الدين للعباد كالقرض وضمن البيع وضمن المتلفات وارش الجراحه و سواء كان الدين من النقود او المكيل او الموزون او الثياب او الحيوان وحب بنخلع او صلح عن دم عمد و هو حال او مؤجل او لله تعالى كدين الزكاة فان كان زكاة سائمة يمنع وجوب الزكاة بلا خلاف بين اصحابنا سواء كان ذلك في العين بان كان العين قائما وفي الذمة باستهلاك النصاب وان كان زكاة الاثمان و زكاة عروض التجارة ففيها خلاف بين اصحابنا فعند ابي حنيفة ومحمد بن حمهما الله تعالى الجواب فيه كالجواب في السوائم“..... (الهندية: ۱/۱۷۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قرض کی ادائیگی کے بعد مال بقدر نصاب نہ ہو:

مسئلہ نمبر (۲۸۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جس کے پاس ذاتی ملکیتی

ایک فیکٹری ہے جس کا کرایہ مبلغ پچاس ہزار روپے ماہانہ ہے، ایک دوسری فیکٹری جس کا مالک مذکورہ شخص ہے، قرضہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے اس فیکٹری کو حکومت نے کئی لاکھ قرض کے عوض میں اپنی تحویل میں لیکر بند کر دیا ہے، شخص مذکورہ پر تقریباً ۶ لاکھ روپے قرضہ ہے اور شخص مذکورہ کی تقریباً عادت ہے، بلکہ مختلف صورتوں میں بلا کسی اشد ضرورت مجبوری کے قرض لیتا ہے اور اس کو کسی معقول کاروبار میں صرف نہیں کرتا بظاہر کچھ معلوم نہیں یہ شخص مذکور اتنا قرض لے کر کہاں خرچ کرتا ہے؟ ان حالات میں شخص مذکور زکوٰۃ کا مستحق نہ ہونے کی صورت میں اس کو دی گئی زکوٰۃ کا اعادہ ضروری ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کا کیا حل ہے؟ مزید یہ جو کہ مبلغ پچاس ہزار روپے کرایہ لیا جا رہا ہے وہ قرض کی ادائیگی میں منہا کیا جا رہا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں شخص مذکورہ کا قرضہ ادا کرنے کے بعد جو مال اس کے پاس بچے نقد یا سونا چاندی اور مال تجارت اور حاجت اصلیہ سے زیادہ سامان اگر وہ سب نصاب کو پہنچ جائے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے، اور اگر نصاب تک نہ پہنچے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

”ای مصرف الزکاة والعشر الخ هو فقیر وهو من له ادنی شیء ای دون نصاب او قدر نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة و مسکین من لاشیء له“..... (الدر مع الرد: ۲/۶۴)

” (منہا الفقیر) وهو من له ادنی شیء وهو ما دون النصاب او قدر نصاب غیر نام وهو مستغرق فی الحاجة فلا یخرجہ عن الفقر ملک نصب کثیرة غیر نامیة اذا كانت مستغرقة بالحاجة کذا فی فتح القدیراہ“..... (الہندیۃ: ۱/۱۸۷)

” (ومنہا المسکین) وهو من لاشیء له فیحتاج الی المسئلة لقوته او ما یوازی بدنہ اہ“..... (الہندیۃ: ۱/۱۸۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

میاں بیوی میں سے زیورات جس کی ملکیت صحیحی جائے زکوٰۃ اسی پر واجب ہے:

مسئلہ نمبر (۲۸۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری منکوہہ ناراض ہو کر اپنے میکے

چلی گئی اور ساتھ اپنے تمام زیورات لے گئی، اب میں (خاوند) نے کہا کہ تم اپنے گھر واپس آ جاؤ، لیکن بیوی نے کہا کہ میں تمہارے گھر نہیں آؤں گی بلکہ آپ مجھے طلاق دے دیں، اب سوال یہ ہے کہ طلاق دینے کے بعد خاوند اس سے زیورات کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ جو کہ خاوند کے والدین نے بوقت نکاح چڑھائے ہیں جب کہ بیوی یہ کہتی ہے کہ میں زیورات کو واپس نہیں دوں گی اور وہ کہتی ہے کہ آپ اس زیور کے بدلے میں مجھ سے سامان لے لیں جس کی قیمت تقریباً زیورات کی قیمت کے برابر ہے کیا یہ صورت اختیار کرنی شرعی لحاظ سے صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) مذکورہ صورت میں زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟ یعنی زیور بیوی کے زیر استعمال ہے بیوی پر یا خاوند پر؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں اور صحیح جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ سوال میں سسرال والوں نے جو زیور لڑکی کو دیا ہے اگر تصریح کر دی تھی کہ لڑکی کی ملکیت ہے یا تصریح تو نہیں کی، لیکن اس علاقہ کے عرف میں اس کو ہبہ سمجھا جاتا ہے تو یہ زیور لڑکی کی ملکیت سمجھا جائے گا اس صورت میں خاوند مطالبہ نہیں کر سکتا اور زکوٰۃ لڑکی کے ذمہ ہوگی، اگر عرف میں ہبہ شمار نہ کیا جائے تو جیسا کہ آج کل معروف ہے تو اس صورت میں خاوند مطالبہ کر سکتا ہے تو زکوٰۃ خاوند کے ذمہ ہوگی، نیز باہمی رضامندی سے مذکورہ صورت اختیار کرنا درست ہے۔

”وفی فتاویٰ الخیریہ سئل فیما یرسلہ الشخص الی غیرہ فی الأعراس ونحوہا هل یكون حکمہ حکم القرض فیلزمہ الوفاء بہ ام لا اجاب ان کان العرف بانہم یدفعونہ علی وجہ البدل یلزم الوفاء بہ ان مثلیا فی مثلہ وان قیما فی قیمتہ وان کان العرف خلاف ذلک بان کانوا یدفعونہ علی وجہ الہبۃ ولا یبظرون فی ذلک الی اعطاء البدل فحکمہ حکم الہبۃ فی سائر احکامہ فلارجوع فیہ بعد الہلاک او الاستہلاک والاصل فیہ ان المعروف عرفاً کالمشروط شرطاً“..... (الدر المختار: ۵۷۳/۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ مقرض کے ذمہ ہے یا قرض خواہ کے ذمہ؟

مسئلہ نمبر (۲۸۳): السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! مندرجہ ذیل سوالات کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں ارشاد فرمائیں۔

(۱) ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ کی ذاتی ملکیت اور گھر کے اخراجات سے زائد رقم ہے اس نے کسی کو تیس چالیس ہزار دیا ہے وہ واپس نہیں کر رہا ہے اس کی استطاعت نہیں ہے قرض دینے والے شخص پر زکوٰۃ دینا ضروری ہے یا کہ نہیں؟

(۲) ایک شخص نے کسی کو امانت دی دیکر چلا گیا عرصہ دراز تک تقریباً آٹھ سال تک کا عرصہ گزر چکا ہے اسکے گھر کی تلاش کی گئی جہاں اس نے بتایا ہے لیکن وہ نہیں ملا نہ ہی اس نے کسی طرح رابطہ کیا، براہ کرم ارشاد فرمیں کہ اس کی امانت کو کس جگہ لگایا جائے مکمل کوشش کے باوجود وہ شخص نہیں ملا، کیا ذاتی استعمال میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر مقروض اقرار کرتا ہے لیکن فی الحال ملنے کی امید نہیں ہے تو مال ملنے کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہے۔

”فلا زکوٰۃ علی مکاتب (الی ان قال) دین کان جحدہ المدیون سنین ولا بیئہ لہ علیہ“..... (الدر الرد: ۲ / ۹، ۱۰)

”ولو کان الدین علی مقر ملئی او معسر او مفلس او جاحد علیہ بیتہ او علم بہ قاض فوصل الی ملکہ لزم زکوٰۃ ماضی“..... (در مختار مع رد المحتار: ۲ / ۱۰)

صورت مذکورہ میں جس شخص نے نمانت رکھوائی تھی جب تک اس کی موت و حیات کا علم نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے اگر آپ نے اسکو صدقہ کر دیا یا خود استعمال کر لیا تو آپ کا ایسا کرنا صحیح نہیں ہے اور اس کی ضمانت آپ پر لازم ہوگی۔

”غاب المودع ولا یندری حیاتہ ولا مماتہ بحفظہا ابداً حتی یعلم بموتہ وورثتہ“..... (الہندیۃ: ۳ / ۳۵۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ:

مسئلہ نمبر (۲۸۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی کے ذمے پچھلے چار سال کی

زکوٰۃ لازم ہے، تو کیا وہ ہر ماہ تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ یہ بھی بتائیں کہ ایک تولہ کی زکوٰۃ کتنی بنتی ہے تاکہ حساب لگا کر یہ ادا کر سکیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ دینا فرض ہے اگر اکٹھی دیدیں تو زیادہ بہتر ہے اگر تھوڑی تھوڑی کر کے دیں تو یہ بھی صحیح ہے، جو مال بھی آپ کے پاس ہے چاہے سونا ہو یا چاندی ہو یا نقدی یا مال تجارت اگر وہ نصاب کو پہنچتا ہے تو اس کا آپ چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کریں گے۔

” (وافتراضها عمری) قال فی البدائع وعليه عامة المشايخ ففی انی وقت ادى

یکون مؤدیا للواجب ویتعین ذلك الوقت للواجب واذالم یؤد الی آخر عمره

یتضیق علیه الواجب حتی لو لم یؤد حتی مات یاثم..... (رد المحتار: ۲/۱۴)

” (ومنها کون المال نصابا) فلا تجب فی اقل منه..... (الہندیۃ: ۱/۱۷۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قرض دینے کے بعد قرض خواہ صاحب نصاب ہو جائے تو زکوٰۃ ادا کرے گا:

مسئلہ نمبر (۲۸۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں ایک شخص نے کسی کو قرضہ دیا اور قرضہ دینے کے بعد وہ صاحب نصاب ہو گیا آیا یہ شخص زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟ اگر وہ قرضہ دینے کے بعد صاحب نصاب نہیں ہے اور اگر قرضہ اس کو واپس مل جائے یا قرضے کی رقم کو ملا کر وہ صاحب نصاب بنتا ہے تو آیا اس قرض دینے والے پر زکوٰۃ کا ادا کرنا لازم ہے یا کہ نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں جب یہ شخص صاحب نصاب ہو گیا اور نصاب پر سال بھی گزر گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگئی، البتہ صاحب نصاب ہونے کے بعد (سال گزرنے سے پہلے) بھی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے، لیکن سال گزرنے کے بعد واجب ہوگی، اور دوسری صورت میں جب قرضہ کی رقم ملا کر صاحب نصاب ہو جاتا ہے، تو سال پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہو جائیگی، لیکن ادا کرنا قرض کی وصولی کے بعد ہوگا اگر وصولی سے پہلے ادا کر دی تو بھی ادا ہو جائے گی۔

”الزکاة واجبة علی الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملک نصابا ملکا تاما وحال

علیه الحول..... (الہدیۃ: ۱/۲۰۰)

”فتجب زكوتها اذا تم نصابا وحال الحول لكن لا فور ابل عند قبض أربعين
درهما من الدين القوي كقرض وبدل مال التجارة“..... (رد المحتار علی
در مختار: ۱/۱۳۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

نصاب سے کم زیورات اور اس کے ساتھ نقدی پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۸۶): بخدمت جناب حضرت مفتی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مفتی صاحب مسئلہ یہ ہے
کہ زید کے پاس کچھ سونا موجود ہے اور کچھ رقم موجود ہے لیکن دونوں کا الگ الگ نصاب پورا نہیں، کیا زید پر اس
صورت میں زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ شکریہ!

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں زید کے پاس موجود سونے کی قیمت اور موجودہ رقم ملا کر اگر نصاب یعنی ساڑھے باون
تولے چاندی کی قیمت پوری ہو جائے تو زید پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

”وقیمة العروض تضم إلى الثمنین عند الإمام كما مر عن الزاهدی وصرح به
فی المحيط أيضا“..... (رد المحتار: ۲/۳۷۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کے نصاب کا بیان:

مسئلہ نمبر (۲۸۷): بندہ کو ایک مسئلہ درپیش ہے برائے مہربانی بندہ کی رہنمائی فرمائیں، مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ اس
صاحب حیثیت پر واجب ہے جو ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا اتنی مالیت کا مالک ہو، بندہ نے
ایک عالم سے سنا ہے اس پر اس وقت سے زکوٰۃ فرض ہے جب سے وہ ایک تولے سونا یا ساڑھے ۵۲ تولے چاندی کا مالک
ہوا ہو، اس کی دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ جب زکوٰۃ واجب ہوئی تھی اس زمانہ میں ساڑھے ۵۲ تولے چاندی کی قیمت
ساڑھے سات تولے سونے کے برابر ہوتی تھی لیکن آج کل سونے کی قیمت اتنی بڑھ چکی ہے کہ ایک تولے سونے کی قیمت
ساڑھے باون تولے چاندی سے زیادہ ہو گئی ہے۔

آپ بندہ کی رہنمائی کریں کہ زکوٰۃ کا معیار کیا ہے اگر ساڑھے سات تولہ سے کم زیور ہو تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے؟ اور معیار کس چیز کو بنایا جائے ساڑھے ۵۲ تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر کسی کی ملکیت میں فقط سونا ہے تو ساڑھے سات تولہ سونا ہی نصاب ہوگا، اگر صرف چاندی ہے تو نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے، اور اگر صرف نقدی ہے یا نقدی اور چاندی دونوں ہوں یا سونا اور نقدی ہوں تو نصاب ساڑھے ۵۲ تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہوگی۔

”وقیمة العروض تضم الى الثمنين عند الإمام كما مر عن الزاهدی وصرح به

فی المحيط أيضا“..... (رد المحتار: ۲/۳۷)

”وتضم قيمة العروض الى ثمنين والذهب الى الفضة قيمة كذا فی

الکنز“..... (الہندیة: ۱/۱۷۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مال تجارت میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی کیسے ہوگی؟

مسئلہ نمبر (۲۸۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دکاندار زکوٰۃ اپنی قیمت خرید پر دے گا یا تھوک کے حساب سے یا پرچون کے حساب سے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں سال گزرنے پر اگر زکوٰۃ نقد رقم سے ادا کرنا چاہے تو ادائیگی کے وقت جو قیمت ہوگی اسی کا اعتبار ہوگا اسی اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی جائیگی۔

”وتعتبر القيمة عند حلول الحول..... إذا كان له مائتا قفيز حنطة للتجارة

تساوی مائتی درہم فتم الحول ثم زاد السعر أو انتقص فان أدى من عينها أدى

خمسة أقفرة وإن أدى القيمة تعتبر قيمتها يوم الوجوب“..... (الہندیة:

۱/۱۷۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نصاب کے بقدر رکھی گئی رقم پر ایک دفعہ زکوٰۃ ہے یا اگلے سال بھی ہے؟

مسئلہ نمبر (۱۳۸۹): محترم و مکرم حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خدا کا شکر ہے کہ میں زکوٰۃ ہر سال ادا کرتا ہوں ایک صاحب نے یہ وہم ڈال دیا کہ زکوٰۃ ایک دفعہ ادا کرنی ہوتی ہے مثلاً ایک شخص کے پاس دس ہزار روپے ہیں اس نے ایک دفعہ زکوٰۃ ادا کر دی اور اس کے بعد اس کے پاس یہی دس ہزار روپے رہے اگر اس پر اضافہ نہیں ہوا تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، جب کہ میرا کہنا ہے کہ اس پر زکوٰۃ ہوگی اس بارے میں ارشاد فرمائیں کہ کیا اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ ہر وہ شخص جو صاحب نصاب ہو (یعنی جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا ان کی مالیت کے برابر مال موجود ہو جو اس کی حاجات اصلیہ سے زائد ہو) تو ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض ہے، بشرطیکہ اس مال پر ایک سال گزر جائے، لہذا صورت مسئولہ میں جب تک یہ شخص صاحب نصاب ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

”و شرط وجوبها العقل والبلوغ والإسلام والحرية وملك نصاب حولي فارغ

عن الدين وحاجته الأصلية تام ولو تقديرا“..... (البحر الرائق: ۴/۳۵۳)

”الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما وحال

عليه الحول“..... (فتح القدير: ۲/۱۱۲)

”الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة) تجب في كل مائتي درهم خمسة

دراهم وفي كل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال مضروباً كان أولم

يكن“..... (الهندية: ۱/۱۷۸)

”وتجب على الفور عند تمام الحول حتى يأتى بتأخيره من

غير عذر“..... (الهندية: ۱/۱۷۰)

”وسببه سبب افتراضها ملك نصاب حولي نسبة للحول لحولانه

عليه“..... (رد المحتار: ۴/۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کئی سالوں سے رکھے ہوئے سونے پر واجب زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ:

مسئلہ نمبر (۲۹۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تین سال سے ۲۱ تولے سونا اکرم کے پاس ہے اور اس کی ملکیت میں ہے اس پر زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی اس سونے پر سال میں کتنی زکوٰۃ لگتی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں سونے کی مذکورہ مقدار چونکہ ساڑھے سات تولے سے زائد ہے اس لئے اس پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ دینا ضروری ہے پہلے سال پورے ۲۱ تولے کی پھر دوسرے سال پہلے سال کی مقدار واجب ساقط کر کے باقی مال کی زکوٰۃ واجب ہوگی، پھر تیسرے سال پہلے دونوں سالوں کی مقدار واجب ساقط کر کے باقی مال کی زکوٰۃ واجب ہوگی مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق۔

”ہی تملیک جزء مال عینہ الشارح) و هو ربع عشر نصاب حولی (من مسلم

فقیر)..... (الدرمع الرد: ۲/۴)

”رجل له مائتادرم فحال عليه ثلاثة احوال ایاومائهم أفادخمسة یزکی

للحول الأول خمسة لا غیر لأنه انتقص النصاب فی الحول الثانی والثالث

بدين الزكاة كذا فی محیط السرخسی“..... (الهندية: ۱/۱۷۶)

والله تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قرض کی رقم اگر قسطوں میں وصول ہو تو زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے:

مسئلہ نمبر (۲۹۱): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں ہم قسطوں پر کاروبار کرتے ہیں ہم نے ۱۰ لاکھ روپیہ لوگوں سے قرض وصول کرنا ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ ساری رقم جو ہم نے لوگوں سے یعنی ہے اس پر زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی یا جو کہ ہمیں قسط وصول ہو چکی ہے اس پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں جو قسط وصول ہوگی اسی کی زکوٰۃ دینا لازم ہوگا، یعنی جیسے جیسے قسطیں وصول ہوتی رہیں گی ویسے ہی ان کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

”فتجب زكاتها إذا تم نصابها وحال الحول لكن لا فوراً بل عند قبض أربعين

درهما من الدين القوي كقرض وبدل مال التجارة فكلما قبض أربعين
 درهما يلزمه درهم..... (رد المحتار: ۲/۳۸)
 ”وقوي وهو ما يجب بدلا عن سلع التجارة إذا قبض أربعين زكي لما مضى
 كذا في الزاھدی اه..... (الھندیة: ۱/۱۷۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کمرشل بلڈنگ کی قیمت پر زکوٰۃ ہے یا کرایہ پر ہے؟

مسئلہ نمبر (۲۹۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کمرشل بلڈنگ بنالی ہے
 ان کو اس بلڈنگ کا ماہوار کرایہ ملتا ہے، کیا صاحب اس بلڈنگ کی ہر سال کی مجموعی قیمت پر زکوٰۃ ادا کریں گے یا صرف
 سالانہ وصول کردہ کرایہ پر زکوٰۃ دینا ہوگی؟ نیز دونوں صورتوں میں زکوٰۃ کی شرح کیا ہوگی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں صاحب بلڈنگ سالانہ وصول کردہ کرایہ پر زکوٰۃ دے گا اور مال کا چالیسواں حصہ (اڑھائی
 فیصد) زکوٰۃ میں دیا جائے گا۔

”ولو اشترى الرجل دارا أو عبدًا للتجارة ثم آجره يخرج من أن يكون للتجارة
 لأنه لما آجره فقد قصد المنفعة ولو اشترى قدورا من
 صفر يمسكها أو يوجرها لا تجب فيها زكوة“..... (قاضی خان: ۱/۲۵۱)
 ”(عمہ الشارح) أى الجزء أو المال وقول الشارح وهو ربع عشر نصاب صالح
 لهما فإن ربع عشر معين والنصاب معين أيضا فافهم“..... (رد المحتار: ۲/۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مدارس میں زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۹۳): جناب مفتی صاحب السلام علیکم!

ایک مدرسہ کے لیے جو لوگ عشر یا زکوٰۃ یا فطرانہ دیتے ہیں وہ زکوٰۃ یا عشر مدرسہ کے مدرسین وغیرہ کی

تنخواہوں یا مدرسہ کی تعمیر پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یہاں کے بعض علماء کہتے ہیں کہ بلا واسطہ نہیں دے سکتے البتہ زکوٰۃ کے پیسوں کو کسی مسکین کو دے کر اور وہ مسکین مدرسہ کے لیے بہہ کر دے تو اس طرح تنخواہ مدرسہ کی تعمیر وغیرہ پر خرچ کر سکتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ اور بعض لوگ کہتے ہیں مہتمم بحکم عامل ہے اور وہ خود قبول کر سکتے ہیں اگرچہ وہ غنی بھی کیوں نہ ہوں کیا یہ صحیح ہے کہ نہیں؟

(۲) ایک حافظ قرآن مستقل طور پر لڑکیوں کو پڑھاتا ہے اور ان لڑکیوں کے والدین ان کو ایک ہزار روپیہ تنخواہ کے طور پر دیتے ہیں ان لڑکیوں کے والدین اس قاری کو زکوٰۃ کے پیسے اکٹھے کر کے تنخواہ دے سکتے ہیں یا کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

آج کل بیت المال نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی مشکلات درپیش ہیں کیونکہ زکوٰۃ، عشر، صدقات واجبہ بغیر تملیک کے مدارس میں خرچ کرنا یا بطور تنخواہ کے دینا جائز نہیں ہے، ایسا کرنے سے کسی مسلمان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کے ادا ہونے میں کسی مستحق کو بلا عوض مال کا مالک بنانا شرط ہے، ان مدارس کی تعمیر اور مساجد کی تعمیرات یا کسی کو بطور تنخواہ کے دینے کے کاموں میں مذکورہ شرط نہیں پائی جا رہی، اس لیے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، باقی اگر بہت ہی مجبوری کی حالت میں ہو تو یہی طریقہ استعمال ہو سکتا ہے کہ یہ شخص اپنی طرف سے کسی مدرسہ یا مسجد میں ہدیہ دے یا چندہ سمجھ کر دے دے اور اس کو ادارہ کسی بھی استعمال میں خرچ کر سکتا ہے اور دونوں کو ثواب ہوگا۔

”وأما ركن الزكوة فركن الزكوة هو إخراج جزء من النصاب إلى الله تعالى

وتسليم ذلك إليه يقطع المالك يده عنه بتمليكه من الفقير وتسليمه

إليه“..... (بدائع الصنائع: ۲/۲۹۸)

”(و لا إلى (ممن ما) أيقن (يعتق) لعدم التملك وهو الركن وقد منا أن الحيلة

أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء (قوله ثم يأمره الخ) ويكون

له ثواب الزكوة وللفقير ثواب هذه القرب بحر“..... (الدرمع الرد: ۲/۲۹)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کراپہ پردی ہوئی گاڑیوں سے حاصل ہونے والی آمدن پر زکوٰۃ ہے:

مسئلہ نمبر (۲۹۴): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس

چند گاڑیاں ہیں جو کہ آگے ڈرائیور چلاتے ہیں ان سے نفع بھی ہوتا ہے مجھے ایک آدمی نے کہا ہے کہ تم اس کی زکوٰۃ دیتے ہو یا نہیں؟ میں نے کہا کہ نہیں، براہ کرم مجھے بتائیں کہ میرے اوپر ان گاڑیوں کی زکوٰۃ فرض ہے کہ نہیں؟ مہربانی فرما کر جلد جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں گاڑیوں پر زکوٰۃ واجب نہیں البتہ ان کی آمدن جب مقدار نصاب کو پہنچے تو سال گزرنے کے بعد اس آمدن زکوٰۃ واجب ہوگی۔

”و كذا لو اشترى جوالق بعشرة آلاف درهم ليواجرهما من الناس فحال عليها الحول لازكوة فيها لأنه اشتراهما للغلة وعزمه أنه لو وجد ربحا يبيعها لايعتبر وكذا الجمال إذا اشترى إبلًا للكرء أو المكارى إذا اشترى حمرًا للكرء اه“..... (قاضی خان علی الہندیہ: ۱/۲۵۰)

”و كذلك آلات المحترفين) أى سواء كانت مما لا تستهلك عينه فى الانتفاع كالقدوم المبرد أو تستهلك لكن هذا منه ما لا يبقى أثر عينه كصابون وجرص الغسال ومنه ما يبقى كعصفرو زعفران لصباغ ودهن وعفص لدباغ فلا زكوة فى الأولين لانما يأخذ بمقابلة العمل وفى الأخير الزكوة إذا حال عليه الحول لأن بمقابلة العين كما فى الفتح اه“..... (رد المحتار: ۲/۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

رہائشی پلاٹس پر زکوٰۃ نہیں ہے:

مسئلہ نمبر (۲۹۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب تربیلہ کے متاثرین میں سے ہیں اور حکومت نے ہری پور کے قریب متبادل مکان کی جگہ دی تھی جو کہ دس مرلہ تھی والد صاحب نے دس مرلے کے دو پلاٹ اور خرید لئے کہ بچوں کے کام آئیں گے یہ دونوں پلاٹ دونوں بیٹوں کے نام ہیں، جو متبادل پلاٹ ملا تھا اس پر مکان تعمیر کر کے کرائے پر دے دیا ہے اور والد صاحب امامت کے سلسلے میں جڑانوالہ آگئے، یہاں ہم نے اپنا ذاتی مکان بنالیا جو کہ تیسرے بیٹے کے نام ہے، ہری پور والے مکان کا کرایہ ہم وصول کرتے

ہیں جس کی مالیت اب پانچ لاکھ ہے دو پلاٹوں کی قیمت اب چھ لاکھ ہے، دریافت یہ کرنا کسی پلاٹ یا مکان کی زکوٰۃ ہم پر عائد ہوتی ہے یا کہ نہیں؟ ان میں کوئی بھی پلاٹ کمرشل بنیادوں پر نہیں لیا گیا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

چونکہ یہ پلاٹ آپ کے والد صاحب نے اس لئے خریدے تھے کہ بچوں کے کام آئیں گے آپ نے خود بھی لکھا ہے کہ یہ پلاٹ کوئی کمرشل بنیادوں پر نہیں لیا گیا اس لئے ان پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ صرف مال تجارت اور سونا چاندی اور نقدی پر ہے۔

”أن يكون المملوك به للتجارة بأن اشترى سلعة“..... (بدائع الصنائع:

۹۲/۲)

”ثم نية التجارة والإسامة لا تعتبر ما لم تتصل بفعل التجارة والإسامة“.....

(ابضاً)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

مشینری اور اس کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے:

مسئلہ نمبر (۲۹۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کے پاس اس المال ایک لاکھ روپے ہیں، ایک لاکھ روپے سے اس نے ایک مشینری خریدی، اس مشینری سے کاروبار کرتا رہا اس نے ایک سال بعد حساب کیا تو کیا مشینری پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی یا کہ نہیں؟ مشینری کے علاوہ جو مال اور زیور موجود ہے اس پر زکوٰۃ دینا ہوگی کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں مشینوں کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، اس کے علاوہ جو مال اور زیور ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی۔

”فليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنزل..... وكذا طعام أهله وما يتجمل به

من الأواني إذا لم يكن من الذهب والفضة وكذا الجوهر..... والزمرد ونحوها إذا لم

يكن للتجارة..... وكذا كتب العلم إن كان من أهله وآلات المحترفين كذا في

السراج الوهاج اه..... (فتاوى الهندية: ۱۷۲/۱)

”و كذلك آلات المحترفين) أى سواء كانت ممالا تستهلك عينه فى الانتفاع كالقدوم والمبرد أو تستهلك لكن هذامنه ما لا يبقى أثر عينه كصابون وجرص الغسال ومنه ما يبقى كعصفر و زعفران..... فلا زكاة فى الأولين لان ما يأخذه من الأجرة بمقابلة العمل وفى الأخير الزكاة إذا حال عليه الحول لأن المأخوذ بمقابلة العين كما فى الفتح قال وقوارير العطارين ولحم الخيل والحمير المشتراة للتجارة ومقادها و جلالها إن كان من غرض المشتري بيعها بها ففيها الزكاة وإلا فلاه“..... (رد المحتار: ۲/۹)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ صرف راکس المال پر ہے یا اس سے حاصل شدہ نفع پر بھی ہے؟

مسئلہ نمبر (۲۹۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان شرح تین اس مسئلہ میں اگر کسی شخص نے دس ہزار کا سامان تجارت خریدا بعد میں اس کا نفع مال سمیت تیس ہزار کو بیچ گیا تو اب یہ شخص جب زکوٰۃ ادا کرے گا تو دس ہزار کی ادا کرے گا جو اصل رقم ہے یا تیس ہزار کی؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت کریں عین نوازش ہوگی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں مذکورہ شخص تیس ہزار روپے کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

”ولو كان الزيادة والنقصان فى العين قبل الحول ثم حال الحول وهى كذلك فى الزيادة تجب الزكاة زائدة لأن تلك الزيادة مستفادى خلال الحول فيضم إلى الأصل“..... (التارخانية: ۲/۱۸۳)

”من كان له نصاب فاستفادى أثناء حول مالا من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه سواء كان المستفاد من نمائه أو لا وبأى وجه استفاد ضمه سواء كان بميراث أو هبة أو غير ذلك..... ثم إن ما يضم المستفاد عندنا إلى أصل المال إذا كان الأصل نصابا فاما إذا كان أقل فإنه لا يضم إليه وان كان يتكامل به النصاب وينعقد الحول عليهما حال وجود النصاب كذا فى البدائع“..... (فتاوى

الهندية: ۱/۱۷۵)

”لو هلك بعض النصاب في أثناء الحول فاستفاد ما يكمله فإنه يضم عندنا وأشار إلى أنه لا بد من بقاء الأصل حتى لو ضاع استأنف للمستفاد حولاً منذ ملكه فإن وجد منه شيئاً قبل الحول ولو بيوم ضمه وركى الكل“..... (رد المحتار: ۲/۵۲)

”المستفاد في الحول..... وإن كان من جنسه..... فإما إن كان متفرعاً من الأصل أو حاصلًا بسببه كالولد والربح..... وإما لم يكن متفرعاً من الأصل ولا حاصلًا بسببه كالمشترى والموروث والموهوب والموصى به فإن كان متفرعاً من الأصل أو حاصلًا بسببه يضم إلى الأصل ويزكى بحول الأصل بالإجماع وإن لم يكن متفرعاً من الأصل ولا حاصلًا بسببه فإنه يضم إلى الأصل عندنا..... ثم إن ما يضم المستفاد عندنا إلى أصل المال إذا كان الأصل نصاباً“..... (بدائع الصنائع: ۲/۹۶)

”ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به“..... (الهداية: ۱/۲۰۹)

”والمستفاد ولو بهبة أو وارث وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه فيزكاه بحول الأصل“..... (الدر المختار: ۱/۱۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قرض خواہ کو اپنا قرض ملنے پر اس کی زکوٰۃ دینا ضروری ہے:

مسئلہ نمبر (۲۹۸): محترم و مکرم جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزارش ہے کہ ایک مسئلہ درپیش ہے، مسئلہ یہ ہے کہ میرے کسی ملنے والے کو رقم کی ضرورت تھی اس وقت میرے پاس رقم نہیں تھی میرے پاس سونا تھا وہ بیچ کر میں نے اس کو دیدی اور طے یہ ہوا تھا کہ جب بھی آپ مجھے واپس کریں گے تو سونا ہی کریں گے چہ جائے کہ اس وقت سونے کی قیمت کم ہو یا زیادہ؟ آیا قرآن و حدیث کی روشنی میں اس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس رقم پر مجھے زکوٰۃ دینا فرض ہوگی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مرقومہ میں قرض خواہ کا قرض دیتے وقت شرط لگانا شرط فاسد ہے اور شرط فاسد کے ساتھ معاملہ کرنا درست نہیں ہے البتہ اگر قرض خواہ شرط فاسد کو ختم کر دے تو پھر صحیح ہے اگر قرض خواہ شرط فاسد کو ختم نہیں کرتا پھر بھی مقروض صرف وہ رقم ہی لوٹائے جو قرض خواہ سے لی ہے، قرض خواہ نے سونا بیچ کر رقم دی ہے تو مقروض بھی اتنی رقم ہی واپس کرے گا جتنی رقم قرض خواہ سے لی ہے رقم کے بدلے میں سونا واپس کرنا مقروض پر لازم نہیں ہے، اور قرض خواہ کو اپنے قرض کے واپس ملنے کے بعد اس کی زکوٰۃ دینا ضروری ہے ساقط نہیں ہوگی۔

”القرض لا يتعلق بالجائز من الشروط الفاسد منها لا يبطله ولكنه يلغو شرط رد شيء آخر فلو استقرض الدراهم المكسورة على أن يؤدي صحيحا كان باطلا..... وفي الخلاصة القرض بالشرط حرام والشرط لغو..... وفي الأشباه كل قرض جرنفعا حرام فقط“..... (رد المحتار: ۴/۱۹۴)

”وعندهم الديون كلها سواء تجب زكوتها أو يؤدي متى قبض شيئا قليلا أو كثيرا“..... (أيضا: ۲/۳۸)

”فتجب زكوتها إذا تم نصابا وحال الحول لكن لا فوراً بل عند قبض أربعين درهما من الدين“..... (أيضا: ۲/۳۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

میت کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۹۹): کسی کے ذمے زکوٰۃ و کفارات تھے وہ ان کی وصیت کیے بغیر مر گیا، تو ورثاء میں سے کوئی اگر اپنے مال میں سے تبرعاً ادا کر دے تو میت کی طرف سے ذمے سے زکوٰۃ و کفارات ساقط ہو جائیں گے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

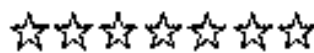
میت کے ذمے موت سے پہلے زکوٰۃ و کفارات کی وصیت کرنا واجب ہے، اگر نہ کرے تو گنہگار ہوگا، پھر اگر وصیت نہ کی تو ورثاء کے ذمے ادا کرنا لازم نہیں، البتہ اگر کوئی وارث اپنے مال سے تبرعاً ادا کر دے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ زکوٰۃ میت کے ذمے سے ساقط ہو جائیگی، اگرچہ تاخیر کا گناہ باقی رہے گا۔

”الوصیة (واجبة بالزكاة) والكفارة (و) فدية (الصيام والصلوة التي فرط فيها)..... (الدرمع الرد: ۵/۳۵۸)

”وأما دين الله فإن أوصى به وجب تنفيذه من ثلث الباقي وإلا لاقوله أمة دين الله تعالى الخ محترز قوله من جهة العباد وذلك كالزكاة والكفارات ونحوها قال الزيلعي فإنها تسقط بالموت فلا يلزم الورثة أدائها إلا إذا أوصى بها أو تبرعوا بها هم من عندهم لأن الركن في العبادات نية المكلف وفعله، وقد فات بموته فلا يتصور بقاء الواجب الخ..... (أيضا: ۵/۵۳۶)

”بل الظاهر أن أصل دينه تعالى يسقط بالمشية وإن بقي أثم التأخير وقد حكى السندی قولین بالسقوط وعدمه فيما لو تبرع الوارث حيث قال إن لم يوص وتبرع بها الورثة قيل لا تسقط الصلوات عن الميت لأن الاختيار معدوم وقيل تسقط لأن دليل الجواز الرجاء في سعة رحمته وكمال كرمه وهو يشمل التبرع أيضا..... (تقريرات الرافي على الشامية: ۵/۳۵۸)

والله تعالى أعلم بالصواب



زیورات میں زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۰۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زیورات میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ استعمال میں بھی نہیں ہیں، بلکہ خاص مواقع میں کبھی کبھی استعمال ہوتے ہیں، اصل میں ضرورت اور سخت مجبوری کے لیے رکھے ہیں، اس کو بیچ کر کسی سے سوال پر مجبور ہونا نہ پڑے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

زیورات پر بھی زکوٰۃ ہے، جب وہ حد نصاب کو پہنچ جائیں اور اس پر سال گزر جائے، چاہے وہ استعمال میں

ہو یا نہ ہو۔

”(الفصل الاول في زكاة الذهب والفضة) تجب في كل مائتي درهم خمسة

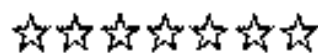
دراهم وفي كل عشرين مثقال ذهب مثقال مضر و باكان أولم يكن

مصوغاً وغير مصوغ حلیا كان للرجال وللنساء تبراً كان أو سبيكة كذا في
الخلاصة اه..... (الهندية: ۱/۱۷۸)

”وفي تبر الذهب والفضة وحليهما أو انيهما الزكوة“..... (الهداية: ۱/۲۱۱)
”نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا درهم الخ (واللازم في مضروب
كل منهما ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً وفي عرض تجارة قيمته نصاب) الخ
من ذهب أو ورق الخ ربع عشر“..... (الدر المختار على هامش
رد المحتار: ۲/۳۱)

”واللازم في مضروب كل منهما ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً مباح الاستعمال
أولاً ولو لئلا تجمل والنفقة لأنهما خلقا لئلا يفرز كيهما كيف كان
اه..... (الدر المختار: ۲/۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



یتیم ونا بالغ کے مال میں زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۰۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ یتیم ونا بالغ کے مال میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

نا بالغ کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ ان کی زمینوں سے حاصل شدہ غلہ میں عشر ہے، یہی حکم یتیم (نا بالغ) کا ہے، واضح رہے کہ یتیم اس وقت تک یتیم رہتا ہے جب تک بالغ نہ ہو، بلوغت کے بعد یتیمی ختم ہو جاتی ہے، اور اگر کسی نے یتیم اور نا بالغ کے مال سے زکوٰۃ ادا کر دی تو وہ ضامن ہوگا۔

”وأما شرائط الفريضة فأنواع..... ومنها البلوغ عندنا فلا تجب على الصبي
وهو قول علي وابن عباس[ؓ] فإنهما قالا لا تجب الزكوة على الصبي حتى تجب
عليه الصلاة..... وكان ابن مسعود يقول يحصى الولي أعوام اليتيم فإذا بلغ
أخبره وهذا إشارة إلى أنه تجب الزكوة لكن للولي ولاية الأداء وهو قول

ابن ابی لیلیٰ حتی قال لو اداها الولی من ماله ضمن ومن اصحابنا من بنی المسألة علی أصل وهو أن الزکوة عبادة عندنا وصبی لیس من أهل وجوب العبادة فلا تجب علیه کما لا یجب علیه الصوم والصلاة اه..... (بدائع الصنائع: ۷۹/۲)

”ولنا أنه لا سبیل الی الايجاب علی الصبی لأنه مرفوع القلم بالحديث ولأن إيجاب الزکوة إيجاب الفعل وإيجاب الفعل علی العاجز عن الفعل تکلیف ما لیس فی الوسع ولا سبیل الی الإيجاب علی الولی لیؤدی من مال الصبی لأن الولی منهی عن قربان مال الیتیم إلا علی وجه الأحسن بنص الكتاب وأداء الزکوة من ماله قربان ماله لا علی وجه الأحسن اه..... (بدائع الصنائع: ۸۱/۲)

”کتاب الزکاة وشرائطها (ومنها العقل والبلوغ) فلیس الزکاة علی الصبی الخ الصبی اذا بلغ یعتبر ابتداء الحول من وقت بلوغه هكذا فی التبیین اه..... (الهندیة: ۱/۱۷۲)

”وشرط افتراضها عقل وبلوغ وإسلام“..... (الدر المحتار: ۲/۲)

”فلا تجب علی مجنون وصبی لأنها عبادة محضة ولیسا مخاطبین بها“..... (رد المحتار: ۲/۲، الہدیة: ۱/۲۰۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نصاب سے زائد سونے کی گزشتہ سالوں کی زکوة کیسے ادا کی جائے؟

مسئلہ نمبر (۳۰۲): ایک عورت کے پاس دو سال سے نو تولہ سونے کا زیور ہے اور اس نے اس کی زکوة ادا نہیں کی، اب وہ اس کی زکوة ادا کرنا چاہتی ہے تو کس طرح ادا کرے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اس عورت کو چاہیے کہ ۹ تولہ سونے کی موجودہ مالیت معلوم کرے اور پھر اس میں سے اڑھائی فیصد بطور زکوة

نکالے، یہ پہلے سال کی زکوٰۃ ہوگی، باقی بچنے والی مالیت میں سے پھر اڑھائی فیصد بطور زکوٰۃ نکالے یہ دوسرے سال کی زکوٰۃ ہوگی۔

”وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء وفي السوائم يوم الأداء إجماعاً وهو الأصح“..... (الدرمع الرد: ۲/۲۴)

”وبیان ذلك أنه إذا كان لرجل مائتادرم أو عشرون مثقال ذهب فلم يؤد زكاته سنين يزكى السنة الأولى وليس عليه للسنة الثانية شيء عند أصحابنا الثلاثة“..... (بدائع الصنائع: ۲/۸۶)

”وكذا في السوائم إذا كان له خمس من الإبل السائمة مضى عليها ستان ولم يؤد زكاتها أنه يؤدى زكاة السنة الأولى وذلك إشارة ولا شيء عليه للسنة الثانية ولو كانت عشرا وحوال عليها حو لان يجب للسنة الأولى شاتان وللثانية شاة ولو كانت الأبل خمسا وعشرين يجب للسنة الأولى بنت مخاض وللسنة الثانية أربع شياه“..... (بدائع الصنائع: ۲/۸۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

والد کی دولت سے بالغ اولاد غنی نہیں ہوتی:

مسئلہ نمبر (۳۰۴): ہمارے ہاں ایک مدرسہ ہے جس میں صرف مسافر طلباء کرام پڑھتے ہیں آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسے مسافر طلباء کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے؟ جو مسافر ہیں اور دین کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جبکہ ان کے والدین مالدار اور امیر لوگ ہوں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں طلباء کرام کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ خود مالدار نہ ہوں اور نہ سید ہوں والد صاحب کی دولت سے بالغ اولاد غنی نہیں ہوتی۔

” (مصرف الزکوٰۃ)..... (هو فقير وهو من له ادنى شيء) أى دون نصاب“.....

(رد المحتار: ۲/۶۴)

”ولالی (غنی) یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أى مال كان الخ (و) لالی (طفله) بخلاف ولده الكبير الخ (و) لالی (بنی هاشم) اه“
(الدر المختار: ۲/۷۱، ۷۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گروی میں رکھی ہوئی چیز پر زکوٰۃ واجب نہیں:

مسئلہ نمبر (۳۰۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک شخص سے چند سالوں کے لیے قرض مانگا اس نے مجھے اس شرط پر دینے کی آمادگی ظاہر کی کہ میں اس کے پاس زیور بطور رہن رکھواؤں اور زیور کی مالیت بھی تقریباً قرض کے بقدر تھی، میں نے زیور اس کے پاس بطور رہن رکھوا کر قرض لے لیا ہے، اب میں نے اس کا قرض ادا کر دیا ہے اور اپنا زیور واپس لے لیا ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ اس زیور کی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی لازم ہے جن میں یہ بطور رہن رکھوایا ہوا تھا یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جتنے سالوں تک زیور بطور رہن اس شخص کے پاس رہا ہے ان تمام سالوں کی زکوٰۃ (نہ راہن اور نہ ہی مرہن) کسی پر لازم نہیں ہے۔

”ولافی مرہون بعد قبضه (قوله و لافی مرہون أى لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة ولا على الراهن لعدم اليد وإذا استرده الراهن لا يزكى عن السنين الماضية وهو معنى قول الشارح بعد قبضه وبدل عليه قول البحر ومن موانع الوجوب الرهن ح وظاهره ولو كان الرهن أزيد من الدين ط“
..... (رد المختار: ۷۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

فوٹو سٹیٹ مشین پر زکوٰۃ نہیں اس کی آمدنی پر ہے:

مسئلہ نمبر (۳۰۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری فوٹو سٹیٹ کی دکان ہے، جس

میں فوٹوکاپی کی تین مشینیں ہیں اور ۸ ہزار مالیت کے موبائل فون اور ان کے مختلف قسم کے پارٹس جن کی مالیت تقریباً ساٹھ ہزار روپے ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں نے زکوٰۃ ادا کرنی ہے آیا فوٹوکاپی کی مشینوں کی مالیت بھی نصاب میں شامل ہوگی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

فوٹوکاپی کی مشینوں کے علاوہ اگر دوسری اشیاء کی مالیت زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جائے تو سال گزرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہے، البتہ مشینوں سے حاصل شدہ آمدنی کو نصاب میں شامل کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

”قال في الدر: وكذلك آلات المحترفين إلا ما يبقى أثر عينه كالعصفر لدبغ الجلد ففيه الزكاة. قوله (كذلك آلات المحترفين) أي سواء كانت مما لا تستهلك عينه في الانتفاع كالقدوم والمبرد أو تستهلك لكن هذا منه ما لا يبقى أثر عينه كصابون وجرى الغسال ومنه ما يبقى كعصفور وعفرا ن لصابغ ودهن وعفص لدباغ فلا زكاة في الأولين لأن ما يأخذ من الأجرة بمقابلة العمل وفي الأخير الزكاة إذا حال عليه الحول لأن المأخوذ بمقابلة العين كما في الفتح قال وقوارير العطارين ولحم الخيل والحمير المشتراة للتجارة مقاو دها وجلالهما إن كان من غرض المشتري بيعها بها ففيها الزكاة وإلا فلا“..... (رد المحتار: ۹/۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مدرسے کا چندہ نصاب سے زائد ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ نمبر (۳۰۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مدرسہ کا چندہ جو نصاب کے بقدر ہو اور سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مدرسہ کے چندہ پر زکوٰۃ واجب نہیں، اگر چندہ نصاب کے بقدر ہو اور سال بھی گزر جائے۔

”(وسببہ) أي سبب إفتراضها (ملك نصاب حولى) قوله ملك نصاب

فلازکوة فی سوانم الوقف والنخيل المسبلة لعدم الملك..... (الدرمع

الرد: ۲/۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

ادائیگی قرض کے بعد گھر میں موجود مال کی زکوٰۃ نکالنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۰۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مقروض ہو گیا ہے جو کچھ اخراجات سے بچتا ہے وہ قرض میں ادا کر دیتا ہے، مگر جو کچھ گھر میں مال ہوتا ہے اس مال سے وہ زکوٰۃ ادا کر دیتا ہے، شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں زکوٰۃ اس شخص پر اس وقت واجب ہوگی جب تمام مال سے قرضہ ادا کر کے باقی جو مال بچتا ہے اگر وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو پھر زکوٰۃ فرض ہوگی وگرنہ اس شخص پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

”فبان كان له فضة مفردة فلازکوة فیها حتی تبلغ مائتی درهم وزنا وزن سبعة

اه..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۰۰)

”(و اما شرائط الوجوب) منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب الصدقة الفطر دون

ما يتعلق به وجوب الزكاة..... (الهنديّة: ۵/۲۹۲)

”ليس فيما دون مائتي درهم صدقة..... (الهداية: ۲/۲۱۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ مال تجارت پر واجب ہوتی ہے آلات تجارت پر نہیں:

مسئلہ نمبر (۳۰۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں گیس کا کاروبار کرتا ہوں میرے پاس ڈیڑھ سو گھریلو سلنڈر اور پچاس بڑے سلنڈر ہیں، ان میں کمپنی سے گیس بھرا کر رکھی جاتی ہے، پھر لوگ اپنا ذاتی سلنڈر لا کر گیس سے بھرا ہوا لے جاتے ہیں، گویا گیس کی تجارت ہے سلنڈروں کی تجارت نہیں، آیا سلنڈروں پر زکوٰۃ کا وجوب ہوگا یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں سلنڈروں پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، کیونکہ یہ مال تجارت نہیں ہیں۔

”أما آلات الصناع وظروف امتعة التجارة لا تكون مال التجارة لأنها لا تباع مع

الأمثلة عادة“..... (بدائع الصنائع: ۲/۹۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی ادائیگی اصل مال پر ہے یا اس سے حاصل ہونے والے نفع پر؟

مسئلہ نمبر (۳۰۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے پچاس ہزار روپے کا سامان تجارت خریدا، بعد میں وہ مال نفع سمیت تراسی ہزار سات سو روپے کا (83700) ہو گیا، اب یہ شخص اصل مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا یا نفع کو بھی شامل کر کے اکٹھی سارے مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا؟

الجواب باسم الملك الوهاب

شخص مذکور اصل مال اور منافع دونوں کو ملا کر سب کی اکٹھی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

”جملة الكلام في المستفاد..... فأما إن كان متفرعاً عن الأصل أو حاصلًا بسببه

كالولد والربح..... فإن كان متفرعاً عن الأصل أو حاصلًا بسببه يضم إلى

الأصل ويزكى بحول الأصل بالإجماع“..... (بدائع الصنائع: ۲/۹۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

صاحب نصاب آدمی پر بیوی کا مہر ادا کرنا باقی ہے تو کیا زکوٰۃ ادا کریگا یا نہیں؟

مسئلہ نمبر (۳۱۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مہر والا قرض شوہر کے حق میں مانع و وجوب زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مہر والا قرض مانع و وجوب زکوٰۃ ہے لہذا شوہر اپنی قابل زکوٰۃ مالیت میں سے مہر کی مالیت کے بقدر مالیت نکال

کر بقیہ مالیت پر زکوٰۃ ادا کرے گا۔

”فہا نہ یمنع وجوب الزکاة عندنا مع جلاکان أو مؤجلا“..... (بدائع الصنائع:

۸۳/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

اگر قرض مکمل مال پر محیط ہو تو آدمی صاحب نصاب نہیں رہتا:

مسئلہ نمبر (۳۱۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر صاحب نصاب شخص زکوٰۃ والے سال کے دوران مقروض ہو جائے اور اس کا قرض اس کے تمام قابل زکوٰۃ اموال کے بقدر ہو جائے تو یہ شخص صاحب نصاب رہے گا یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں شخص مذکور صاحب نصاب نہیں رہا۔

”وعروض الدين كالهلاك عند محمد ورجحه في البحر (قوله: وعروض الدين) أي المستغرق في انشاء الحول ومثله المنقص للصاب ولم يتم آخر الحول وأما الحادث بعد الحول فلا يعتبر اتفاقاً (قوله ورجحه في البحر) وعبارته وعند أبي يوسف لا يمنع بمنزلة نقصانه وتقديم قول محمد يشعربترجيحه وهو كذلك كما لا يخفى“..... (الدر مع الرد: ۸/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مال سے الگ کی گئی واجب الاداء زکوٰۃ چوری ہو جائے تو کیا حکم ہے؟:

مسئلہ نمبر (۳۱۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی زکوٰۃ کی رقم اپنے مال سے الگ کر کے رکھتا ہے اور چور زکوٰۃ کی رقم اور کچھ اس کا ذاتی مال چرا لیتے ہیں کیا زکوٰۃ دوبارہ ادا کرنا پڑے گی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوئی اور اب ادائیگی کی یہ صورت ہوگی کہ بقیہ مال اگر نصاب کو پہنچ جائے تو اس کے حساب سے زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی ورنہ نہیں۔

”قوله ولا يخرج عن العهدة بالعزل) فلوضاعت لا تسقط عنه الزكوة ولو مات
 كان ميراثا عنه بخلاف ما إذا ضاعت في يد الساعي لأن يده كيد الفقراء
 البحر عن المحيط اه“..... (رد المحتار: ۱۳/۲)
 ”وإن هلك المال بعد وجوب الزكوة سقطت الزكوة وفي هلاك البعض
 يسقط بقدره هكذا في الهداية“..... (الهندية: ۱/۱۸۰)
 ”(أو مقارنة بعزل ماوجب) كله أو بعضه ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل
 بالأداء للفقراء“..... (الدر المختار مع الرد: ۱۳/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گمشدہ رقم کو زکوٰۃ میں سے علیحدہ نہیں کر سکتے:

مسئلہ نمبر (۳۶۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ حال ہی میں میرے پچیس ہزار روپے
 گم ہو گئے ہیں، کیا اس رقم کو زکوٰۃ تصور کر سکتا ہوں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ بنیت زکوٰۃ اپنے مال
 کا چالیسواں حصہ فقیر مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا کر دیدے اور یہ شرط یہاں پر نہیں پائی جا رہی۔

”أما تفسير هافهي تملك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاہ بشرط
 قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى كذا في
 التبيين“..... (الهندية: ۱/۱۷۰ والبحر الرائق: ۲/۳۵۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

رہن وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے:

مسئلہ نمبر (۳۶۴): ایک عورت نے ۱۹۶۵ء میں کچھ زیورات بنائے جس میں پچاس تولہ چاندی اور ساڑھے سات
 تولے سونا تھا، پھر اس زیورات کو دس سال تک بینک میں بطور رہن رکھ کر قرضہ لیا دس سال گزرنے کے بعد اس کو چھڑا لیا۔

- ۱۔ اب وہ عورت ان کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتی ہے تو مذکورہ بالا مسئلہ میں وہ ۱۹۶۵ء سے زکوٰۃ ادا کرے گی؟
- ۲۔ ہر سال کی علیحدہ علیحدہ ادا کرے گی یا اگر کوئی اور صورت ہو تو اس کی بھی وضاحت فرمائیں۔
- ۳۔ دس سال تک جو رقم قرض لی گئی تھی ان کی بھی زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟
- ۴۔ اگر چاندی کو صدقہ کرنا چاہے تو اسکی زکوٰۃ ادا کرے گی یا اس کو بھی ساتھ ہی ادا کرے اور کتنی ہوگی؟ تمام مذکورہ مسئلہ کی وضاحت قرآن و حدیث کے مطابق فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ بالا صورتوں میں کسی بھی صورت میں اس عورت پر زکوٰۃ نہیں ہے، بلکہ زکوٰۃ ان زیورات کو رہن سے چھڑانے کے بعد سے شمار ہوگی اور مذکورہ چاندی کو صدقہ کی صورت میں اس کی زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔

”ومن موانع الوجوب (وجوب الزكاة) الرهن إذا كان في يد المرتهن لعدم ملك اليد بخلاف العشر حيث يجب فيه كذا في العناية“..... (البحر الرائق: ۲/۳۵۵)

”قولہ ولا فی مرہون) ای لاعلی المرتهن لعدم ملك الرقبة ولا علی الراهن لعدم اليد اذا استرده الراهن لا یزکی عن السنین الماضیة وهو معنی قول الشارح ”بعد قبضہ“..... ولیس فیہا (فی عبارة البحر) ما یدل علی أنه لا یزکیه بعد الاسترداد لکن قال فی الخانیة..... وکذا لورہنہا بالف ولہ مائۃ ألف فحال الحول علی الرهن فی يد المرتهن یزکی الراهن ما عنده من المال إلا ألف الدين ولا زکوة فی غنم الراهن لأنها كانت مضمونة بالدين“..... (رد المحتار: ۲/۷۷)

”ومنها الملك التام)..... ولا علی الراهن إذا كان الرهن فی يد المرتهن حکذا فی البحر“..... (الہندیة: ۱/۱۷۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

دیوانے پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

مسئلہ نمبر (۳۱۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک سید صاحب دیوانہ ہے، کیا ان کے اوپر زکوٰۃ ہے کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جو شخص دیوانہ ہو اور دیوانہ پن مکمل سال اس پر ہے تو اس کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

” (ومنها العقل والبلوغ) فليس الزكوة على صبي ومجنون إذا وجد منه الجنون

في السنة كلها هكذا في الجوهرة النيرة“..... (الهنديّة: ۱/۲۷۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

حوائج اصلیہ سے زائد سامان اور سونے کی مالیت پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۱۶): ایک آدمی کہتا ہے کہ میرے پاس سوا دو تولے سونا موجود ہے اور اس کے علاوہ گھر میں سامان بھی موجود ہے اور چار ہزار روپے نقد بھی ہیں اور مجھ پر مبلغ چار ہزار روپے قرضہ بھی ہے، اب اس آدمی پر قربانی اور زکوٰۃ واجب ہے کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں مذکورہ شخص کے پاس سوا دو تولے سونے اور ضرورت سے زائد سامان کی مالیت نصاب کی مالیت کے بقدر ہے (یعنی ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت کے برابر) قرض کو علیحدہ کرے تو اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن اس کی ادائیگی کے لیے سونے اور نقدی پر سال کا گزرنا ضروری ہے، لیکن قربانی اور فطرانہ واجب ہے، ان کے لیے سال کا گزرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ نصاب کی بقدر مالیت کا ہونا ضروری ہے۔

” (تجب موسعافی العمر وقيل مضيقافی يوم الفطر عینا علی کل مسلم ذی

نصاب فاضل عن حاجته الأصلية) کدینہ وحوایج عیالہ (وإن لم ینم)

کما مر (وبہ) ای بهذا النصاب (تحرم الصدقة) کما مر وتجب

الأضحیة“..... (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۷۸، ۷۹)

” (قوله والیسار الخ) بأن ملک مائتی درهم أو عرضا یساویها غیر مسکنہ و ثیاب

اللبس أو متاع يحتاجه إلى أن يذبح الأضحية ولوله
عقار يستغله“..... (ردالمحتار: ۲۱۹/۵)

”ذبح حيوان مخصوص بنية القرية في وقت مخصوص وشرائطها الإسلام
والاقامة واليسار الذي يتعلق به) وجوب (صدقة الفطر)
كمامر“..... (درمختار على ردالمحتار: ۲۱۹/۵)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بقدر نصاب یا اس سے زائد سونے پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا ایک مسئلہ:

مسئلہ نمبر (۳۶۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کے پاس ساڑھے سات
تولے سے زیادہ سونا ہے جو اس نے اپنی بیٹی کی شادی کے لیے رکھا ہوا ہے اور اس پر کئی سال گزر گئے ہیں، اس کے
علاوہ اس کی آمدنی صرف اتنی ہے جس سے بمشکل اخراجات پورے ہو جاتے ہیں، کیا مذکورہ صورت میں زکوٰۃ واجب
ہوگی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اس آدمی پر زکوٰۃ واجب ہے جس طریقے سے بھی ہو ادا کرے اور اسے تمام سالوں کی
زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی پہلے سال ادا کرنے کے بعد بچی ہوئی رقم سے دوسرے سال کی، اس طرح پھر باقی رقم سے،
اور بقایا سالوں کی بھی اس طرح ادا کرے۔

”الزکوٰۃ واجبة في الذهب والفضة مضروبة كانت او غير مضروبة اذا بلغت

الفضة مائتي درهم والذهب عشرين مثقالا“..... (التارخانية: ۱۷۳/۲)

”وزكاة الذهب والفضة ونصابهما ما قال في الكتاب في كل مائتي درهم

خمسة دراهم وفي كل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال مضروبا كان أولم

يكن ، مصوغا كان أو غير مصوغ ، كان للرجال أول للنساء“..... (فتاوى قاضی

خان علی الہندیة: ۲۳۹/۱)

”تجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم وفي كل عشرين مثقال ذهب

نصف مثقال مضروبا كان أولم يكن مصوغا أو غير مصوغ حليا كان للرجال
 أول للنساء تبرا كان أو مسيكة..... (الهندية: ١/٤٨٨)
 ”وإذا كان لرجل مائتا درهم أو عشرون مثقال ذهب فلم يؤدز كانه سنين يزكى
 السنة الأولى وليس عليه للسنة الثانية شيء عند اصحابنا الثلاثة وعند زفر يودی
 زكوة سنين“..... (بدائع الصنائع: ٢/٨٦)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

عورت کو چیز میں ملنے والے سونے پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۱۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوی کو چیز میں اتنا سونا ملا ہے کہ وہ زکوٰۃ کے نصاب پر پورا اترتا ہے کیا اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی جبکہ میں بے روزگار ہوں کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے اس کے علاوہ باقی چیز میں گھریلو سامان شامل ہے کیا اس پر بھی زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو اس کا تعین کس طرح ہوگا؟ ساتھ یہ بھی بتادیں جو شخص صاحب نصاب ہوتا ہے کیا اس پر قربانی بھی واجب ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں اگر سونے کا نصاب پورا ہے تو سال گزرنے پر اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور دیگر گھریلو سامان پر زکوٰۃ نہیں ہے اور صاحب نصاب شخص پر قربانی بھی واجب ہے اور اس میں سال گزرنے کی شرط نہیں ہے۔

”الزکوٰۃ واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكا تاما و حال عليه الحول“..... (التتارخانية: ٢/١٦٣)

” (أو حليا) وهو ما يتحلى به من الذهب والفضة سواء كان مباح الاستعمال أولا ولو خاتم الفضة للرجل وسوار اليد للمرأة أفاد صاحب الدرر وفي الدر أفاد وجوب الزکوٰۃ في النقدين ولو كانا للتحمل قال لأنهما خلقا أثمانا فيزكيهما كيف كان“..... (طحطاوی: ٤١٣)

”الزکوٰۃ واجبة في الذهب والفضة.... وفي الخانية مصوغا كان أو غير مصوغ

حلیا كان للرجال أول النساء عندنا نوى التجارة أم لا“..... (التتار
خانية: ۱۷۳/۲)

”ولیس فی دور السکنی و ثیاب البدن و أثاث المنزل و دواب الרכوب
و عبید الخدمه و سلاح الاستعمال زکوٰۃ“..... (التتار خانية: ۱۸۳/۲)

”لانزاع لأحدان علة وجوب الأضحیة علی الموسر هی القدرة علی
النصاب“..... (فتح القدير: ۲۲۶/۸)

” (قوله والیسار الخ) بأن ملک مائتی درهم أو عرضا یساویها غیر مسکنه و ثیاب
اللبس أو متاع یحتاجه إلی أن یذبح الأضحیة ولوله عقار یستغله فقیل تلزم
لوقیمته نصابا..... فإن وجب له فی أيامه نصاب تلزم
اه“..... (رد المحتار: ۲۱۹/۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کسی کو بطور قرض حسہ دی گئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۱۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کے پاس روپے موجود تھے
مگر کوئی ضرورت مند آیا اس نے یہ پیسے اس ضرورت مند کو بطور قرضہ حسہ کے دیدیئے، قربانی اور زکوٰۃ آیا اس
پر واجب ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ضرورت سے زائد روپے نہیں ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں مذکورہ شخص کے پاس موجودہ رقم اور قرض ملا کر اگر نصاب تک پہنچتے ہیں تو اس پر زکوٰۃ
اور قربانی واجب ہے ورنہ نہیں، البتہ وجوب اداء زکوٰۃ اس وقت ہوگا جب وہ قرض وصول کر لے۔

”وهی واجبة علی الحر المسلم المالك لمقدار النصاب فاضلا عن حوائجه
الأصلية“..... (الاختیار شرح المختار: ۱۹۱/۲)

”قوله (عند الإمام) وعندهم الديون كلها سواء تجب زكوتها ويؤدى متى قبض
شيئا قليلا أو كثيرا“..... (رد المحتار: ۳۸/۲)

”قسم أبو حنیفة الدین علی ثلاثة أقسام: قوی وهو بدل القرض ومال التجارة..... ففي القوی تجب الزکوة إذا حال الحول ویتراخی القضاء إلى أن یقبض أربعین درهما ففيها درهم“..... (البحر الرائق: ۲/۳۶۳)

”قال أبو حنیفة رواية الأصل الدیون ثلاثة دین قوی، وهو بدل التجارة والقرض..... ففي الدین القوی تجب الزکوة إذا حال الحول ویتراخی الأداء إلى أن یقبض أربعین درهما وكما قبض أربعین درهما یلزمه درهم“..... (قاضی خان: ۱/۳۵۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ سونا چاندی اور سامان پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۲۰): محترم و مکرم جناب مفتیان کرام السلام علیکم!

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں ایک عورت ہے اسکے پاس سونا ہے اور کچھ چاندی ہے اور کچھ نقدی ہے، ان میں سے کسی کا نصاب پورا نہیں ہوتا نہ سونے کا نہ چاندی کا، آیا اس کے اوپر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اس کی وضاحت فرمائیں، لیکن اس کے پاس سامان موجود ہے اگر اس کا حساب لگایا جائے تو باقی نصابوں کے ساتھ یہ پورا ہو جاتا ہے تو اس بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

۱۔ اگر سونا چاندی کی قیمت کو ملانے سے ایک نصاب ساڑھے ہاون تولہ چاندی کی قیمت حاصل ہو جائے تو اس پر سال گزرنے پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ واجب ہے۔

۲۔ سونا چاندی کی قیمت اور نقدی تینوں کو ملا کر ایک نصاب پورا ہو جائے تو پھر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

۳۔ اگر سونا چاندی کی قیمت اور نقدی تینوں کو ملانے سے ایک نصاب پورا نہیں ہوتا لیکن گھر کا سامان موجود ہے تو اس سامان کا حساب نہیں کیا جائیگا، کیونکہ یہ سامان مال نامی بھی نہیں ہے اور مال تجارت بھی نہیں ہے لہذا زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہے۔

کتب فقہ سے حوالے اور دلائل درج ذیل ہیں۔

”وتضم قيمة العروض إلى الثمنين والذهب إلى الفضة
قيمة“.....(البحر الرائق: ۲/۴۰۰)

”ويكمل نصاب الفضة بنصاب الذهب ونصاب الذهب بالفضة“.....(قاضی
خان علی الہندیہ: ۱/۲۵۰)

”ویضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنين قيمة“.....(الدرمع
الرد: ۱/۱۳۵)

”وغير الذهب والفضة إنما يكون مال الزكوة إذا كان
معدا للتجارة“.....(خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۷)

”ومنها فراغ المال عن حاجته الأصلية فليس في دور السكنى وثياب البدن
وأثاث المنزل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال
زكوة“.....(الہندیہ: ۱/۱۷۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تجارتی پلاٹ پر زکوٰۃ واجب ہے:

مسئلہ نمبر (۳۲۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمود لندن میں رہتا ہے اور اس کا خرچہ
بڑی مشکل سے پورا ہو رہا ہے؟

(۱) اس کا ذاتی مکان بھی نہیں ہے لندن میں اس نے رہائش رکھی ہوئی ہے؟

(۲) دوسرا مکان (یعنی فلائٹ) کرایہ پر دیا ہوا ہے؟

(۳) لاہور ڈیفنس میں ایک پلاٹ ہے جو کہ محمود کے نام ہے اسکے حصے میں آیا ہے، پانچ سال قبل کاروبار علیحدہ
ہوا تھا لیکن والدین پلاٹ کو بیچنے نہیں دیتے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے پلاٹ اپنے داماد کے نام کروانا ہے اگر میں زبردستی
چاہوں تو بیچ سکتا ہوں آیا پلاٹ کی زکوٰۃ والدین کے ذمہ ہوگی یا میرے ذمہ، جبکہ پلاٹ بیچنے کے لیے رکھا ہوا ہے؟

(۴) جو مکان لندن میں کرایہ پر ہے اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ جبکہ گھر کا خرچہ بڑی مشکل سے چلتا ہے؟

(۵) لاہور میں جو پلاٹ ہے اگر میں اس کو فروخت کر دوں تو میرے اوپر زکوٰۃ اس سال سے لاگو ہوگی یا سابقہ

پانچ سالوں سے؟ جبکہ والدین فروخت نہیں کرنے دیتے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

لاہور میں جو پلاٹ ہے اگر وہ تجارتی پلاٹ ہے یعنی خریدتے وقت نیت فروخت کرنے کی تھی اور فروخت کرنے کے لیے ہی رکھا رہا، تو اس پر اس سال کی بھی اور گزشتہ پانچ سالوں کی بھی زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر تجارتی پلاٹ نہیں یعنی خریدتے وقت نیت فروخت کرنے کی نہیں کی تھی، چاہے مال تجارت سے ہی خریدا ہو تب بھی زکوٰۃ واجب نہیں اور بعد میں بیچنے کی صرف نیت سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، البتہ اگر اس پلاٹ کو فروخت کر دے اور اس کی قیمت پر سال گزر جائے تو اس پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور جو مکان کرایہ پر دیا ہوا ہے اس پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

”أن يكون المملوك به للتجارة بأن اشترى سلعة ونوى أن تكون للتجارة عند الشراء فتصير للتجارة سواء كان الثمن الذي اشتراه به من الألمان المطلقة أو من عروض التجارة أو مال البذلة..... أما الشراء فلا شك أنه تجارة..... ولو اشترى عينا من الأعيان ونوى أن تكون للبذلة المحنة دون التجارة لا تكون للتجارة سواء كان الثمن من مال التجارة أو من غير مال التجارة لأن الشراء بمال التجارة إن دلالة التجارة فقد وجد صريح نية الابتدال ولا تعتبر الدلالة مع الصريح بخلافها“..... (بدائع الصنائع: ۲/۹۲)

”ولافى ثياب البدن وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها أى كثياب البدن الغير المحتاج إليه وكالحوانيت والعقارات“..... (رد المحتار: ۲/۹۴)

”ثم نية التجارة والإسامة لا تعتبر مالم تتصل بفعل التجارة والإسامة لأن مجرد النية لا عبرة به فى الأحكام لقول النبى ﷺ إن الله عاقب أمى ما تحدثت به أنفسهم مالم يتكلموا به أو يفعلوا“..... (بدائع الصنائع: ۲/۹۴)

”ولو اشترى قدورا من صفر يمسكها أو يؤجرها لا تجب فيها الزكوة كما لا تجب فى بيوت الغلة“..... (قاضى خان على هامش الهندية: ۱/۲۵۱)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مکان کی خریداری کے لیے جمع کردہ رقم پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۲۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بھائی مزدوری کر کے بیوی

بچوں کا پیٹ پالتا ہے، صاحب نصاب نہیں ہے، مکان کرایہ پر لے رکھا ہے، بیوی کے کچھ رشتہ داروں نے مل کر زکوٰۃ کے حساب سے مکان خریدنے کے لیے کچھ رقم دی ہے، جس کی مالیت تین لاکھ روپے ہے، اس رقم سے کوئی مناسب مکان نہ مل سکا، رقم تقریباً ایک سال سے ان کے پاس ہے، کیا اس رقم پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟ جب کہ رقم خاوند نے ایک بینک اکاؤنٹ میں جمع کی ہوئی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں مذکورہ رقم پر زکوٰۃ فرض ہے۔

”وفی الہندیہ تجب (أی الزکوٰۃ) فی کل مائتی درہم خمسۃ درہم وفی کل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال مضروباً کان أولم یکن“..... (الہندیہ: ۱/۱۷۸)

”تجب فی مائتی درہم وعشرين دیناراً ربع العشر).... فید بالنصاب لأن مادونہ لازکوٰۃ فیہ ولو کان نقصاناً یسیراً“..... (البحر الرائق: ۲/۳۹۳)

”نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا درہم کل عشرة درہم) فمادون ذلك لازکوٰۃ فیہ ولو کان نقصاناً یسیراً الخ“..... (رد المحتار: ۲/۳۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ سونے کی قیمت خرید پر ہے یا قیمت فروخت پر؟

مسئلہ نمبر (۳۲۳): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کے پاس سونے کا زیور ہے جو کہ اس نے بازار سے دس ہزار روپے کا خریدا تھا، اب وہ اسے بازار میں فروخت کرنا چاہتا ہے تو اس کی قیمت آٹھ ہزار روپے بنتی ہے، مہربانی کر کے رہنمائی فرمائیں کہ زکوٰۃ آٹھ ہزار روپے پر ہوگی یا قیمت خرید دس ہزار روپے پر؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں زکوٰۃ قیمت فروخت پر واجب ہوگی جو کہ آٹھ ہزار روپے ہیں۔

”وجاز دفع القيمة فی زکوٰۃ وعشرو خراج وفطرۃ ونذرو کفارة غیر الاعتاق

وفی الشرح وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقال يوم الاداء وفي السوائم يوم
الاداء إجماعاً..... الخ..... (الدرمع الرد: ۲/۲۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا مسئلہ:

مسئلہ نمبر (۳۲۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پراویڈنٹ فنڈ (provident fund) کی رقم جس سال ملتی ہے تو اس سال پوری رقم پر زکوٰۃ دینی چاہیے یا اگلے سال خرچ ہونے کے بعد باقی رقم پر زکوٰۃ دینی چاہیے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

پراویڈنٹ فنڈ کی رقم وہ ہے جو مستأجر تنخواہ سے کاٹ لیتا ہے اور یہ اجیر (ملازم) کی اجرت ہے جو مستأجر کے قبضہ میں رہتی ہے اس لیے یہ مستأجر پر دین ہے اور آزاد کی اجرت دین ضعیف ہے جس پر ملازمین کو ملکیت تو حاصل ہے لیکن قبضہ حاصل نہیں، لہذا اس پر گزشتہ زمانہ کی زکوٰۃ نہیں، وصول ہونے کے بعد اخراجات سے زائد جمع شدہ رقم پر پورا سال گزرنے کی صورت میں زکوٰۃ فرض ہوگی۔

”أما الأجرة ففي ظاهر الرواية عن أبي حنيفةً هو نصاب قبل القبض لكن

لا يلزمه الأداء ما لم يقبض منه مائتي درهم اه“..... (التتارخانية: ۲/۲۴۷)

”وزكوة الدين على أقسام فإنه قوي، ووسط وضعيف.. والضعيف وهو بدل

ماليس بمال كالمهر..... لا تجب فيه الزكوة ما لم يقبض نصاباً ويحول عليه

الحول بعد القبض وهذا عند الإمام اه“..... (مراقى الفلاح: ۱۵/۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کا ایک مسئلہ:

مسئلہ نمبر (۳۲۵): کیا فرماتے ہیں علمائے عظام و مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ایک بیوہ عورت کے لیے لوگوں سے کچھ پیسے جمع کرتا ہے تاکہ اس بیوہ کو مکان بنا کر دیا جائے اور زکوٰۃ وغیرہ کی رقم ساٹھ ہزار جمع

ہوئی، لیکن اس میں مکان نہیں بن سکتا، اس میں کسی کو تیس ہزار روپے تجارت کے لیے دیئے ہیں تاکہ نفع ہو اور رقم بڑھ جائے اب اس میں زکوٰۃ آئے گی یا نہیں؟ یعنی اس تیس ہزار روپے کی زکوٰۃ آئے گی یا نہیں؟ کیونکہ عورت صاحب نصاب بن گئی ہے اور باقی تیس ہزار روپے کی اس بیوہ کے بچوں کو دکان ڈال دی ہے تاکہ کمائی کریں اور رقم بڑھ جائے آیا اس میں ہزار پر بھی زکوٰۃ آئے گی یا نہیں؟ کیونکہ یہ بھی نصاب کی رقم ہو گئی ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اس شخص نے اگر بیوہ اور اس کے بچوں کو نصاب کے بقدر مال کا مالک بنا دیا ہے تو اب سال گزرنے کے بعد اس بیوہ عورت کے مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

”الزکوٰۃ واجبة على الحر العاقل المسلم إذا ملك نصاباً مملکاً تاماً و حال عليه

الحوال“..... (الهدایة: ۱/۲۰۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مقروض کے مالک بننے پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۲۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس دو تولہ سونا ہے اور میں مقروض بھی ہوں تو زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ میں زکوٰۃ ادا کروں یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ مجھ پر واجب ہے تو کتنی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں اگر شخص مذکور کے پاس صرف دو تولہ سونا ہے اور اس کے علاوہ نقدی یا دیگر اموال نامیہ میں سے اس قدر موجود نہ ہو کہ اس کی مالیت مقدار سمیت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے، کیونکہ وہ صاحب نصاب نہیں ہے اور مشغول بالدرین بھی ہے، وراگر نقدی یا دیگر اموال نامیہ میں سے اس قدر موجود ہے کہ جس کی مالیت سمیت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ واجب ہے۔

”هذا إذا كان له فضة مفردة، فأما إذا كان له ذهب مفرد فلا شيء فيه حتى يبلغ

عشرين مثقالاً“..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۰۵)

”وعلى هذا إذا كان مع عروض التجارة ذهب وفضة فإنه يضمها إلى العروض

ويقومه جملة لأن معنى التجارة يشمل الكل اه“..... (بدائع الصنائع:

۲/۱۱۰)

”قوله ومدیون للعبد) الأولى ومدیون بدين يطالب به العبد يشمل دين الزكوة والخراج لأنه لله تعالى مع أنه يمنع لأنه مطالب من جهة العباد كما مر (قوله بقدر دينه) متعلق بقوله فلا زكوة اه..... (رد المحتار: ۸/۲)

”(وفارغ عن حاجته الأصلية) لأن المشغول بها كالمعدوم..... أو تقدير اكلين فإن المديون محتاج إلى قضائه لمافي يده من النصاب دفعاً عن نفسه الحبس الذي هو كالهلاك اه..... (در مع رد المحتار: ۶/۲)

” (ومنها كون المال نصاباً) فلا تجب في أقل منه هكذا في العيني شرح الكنز اه..... (الهنديّة: ۱/۲۷۱)

”فإن كان المال فاضلاً عن الدين كان عليه زكوة الفاضل إذ بلغ النصاب اه“ (قاضی خان علی الہندیہ: ۲۵۵/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گزرے ہوئے سالوں کی زکوٰۃ اور حوائج اصلیہ پر زکوٰۃ کا حکم:

- مسئلہ نمبر (۳۲۷): (۱) اگر کسی صاحب جائیداد شخص پر زکوٰۃ فرض ہو اور غفلت کی وجہ سے اس نے ماضی میں زکوٰۃ ادا نہ کی ہو اور اب ادا کرنا چاہے تو اس کا کیا طریقہ کار ہوگا؟ اور ماضی کے مال کا حساب کیسے کیا جائے گا؟ جبکہ صاحب مال کو ٹھیک طرح سے معلوم نہ ہو کہ ماضی میں اس کے پاس قابل زکوٰۃ مال یا جائیداد کتنی تھی؟
- (۲) ایسی کار جو ضرورت کے تحت گھر میں رکھی گئی ہو کیا اس کی مالیت پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟
- (الف) کار قیمتی ہو جبکہ سستی کار سے بھی گھریلو ضرورت پوری کی جاسکتی ہے۔
- (ب) وقتی طور پر کار فروخت ہو چکی ہو اور اس کی قیمت زر نقد کی صورت میں موجود ہو تو زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟
- (ج) کار و بار کے نقطہ سے کار یا کاریں کبھی خریدی اور کبھی بیچ دی جائیں جبکہ ذریعہ آمدن کوئی اور بھی ہو؟
- (۳) ایسا پلاٹ جو کسی ضرورت کے تحت خرید کر رکھا ہو لیکن وقتی طور پر اس کی ضرورت نہ ہو، کیا ان سب صورتوں میں زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

ماضی کی زکوٰۃ جب بھی ادا کرے گا اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔

”وقال عامة مشائخنا إنها على سبيل التراخي ومعنى التراخي عندهم إنها تجب مطلقاً عن الوقت غير عين خفي أي وقت أدى يكون مؤدياً للواجب وليتعين ذلك الوقت للواجب“..... (بدائع الصنائع: ۲/۷۷)

ایسی کار جو اپنی ضرورت کے لیے گھر میں رکھی ہو اور استعمال میں ہے تو اس میں زکوٰۃ نہیں۔

”ولنا أن معنى النماء والفضل عن الحاجة الأصلية لا بد منه لوجوب الزكوة“..... (۲/۹۲)

(الف) چاہے کار قیمتی ہو یا سستی ہو دونوں کا حکم یکساں ہے۔

(ب) اگر وہ زر نقد پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(ج) اس صورت میں زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی کیونکہ یہ اموال تجارت میں سے ہیں۔

(۳) ایسے پلاٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

”أمافي ماسوى الأثمان من العروض فإنما يكون الأعداد فيها للتجارة

بالنية“..... (بدائع الصنائع: ۲/۹۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

صرف سات تولہ سونا اور پچیوں کے لیے بنائے گئے زیور پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۲۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس سات تولہ سونا بیوی کے زیور کی شکل میں موجود ہے اور یہ میری ملک ہے، اور میرا ذریعہ آمدنی ماہانہ تنخواہ اور مکان کا کرایہ ہے جو سب خرچ ہو جاتا ہے اور میں قرضدار بھی ہوں، غیر ملکی دورے کے وقت زرمبادلہ ملتا ہے جس کی بچت عمرہ کے لیے جمع کر رہا ہوں اور یہ بچت بیوی کی ملکیت ہے، گھر میں استعمال کی اشیاء کے علاوہ فالتو چیزیں یعنی ٹیلیویژن، وی سی آر وغیرہ نہیں ہے کیا سات تولہ زیور پر زکوٰۃ ہوگی؟

(۲) میں نے کچھ زیور پچیوں کے بالغ ہونے سے پہلے ان کے لیے لے کر رکھ دیا تھا جو ساڑھے سات تولہ سے کم

ہے اسے ان کی ملک تو کر دیا مگر قبضہ میں نہیں دیا، اب وہ بالغ ہیں کیا اس کی زکوٰۃ والدین کے ذمہ باقی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں شوہر کے ذمہ اس کی ملکیتی سات تولہ سونا پر زکوٰۃ نہیں ہے، بشرطیکہ اس کے پاس نقدی یا چاندی نہیں ہے جو سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہو، اگر ہے تو زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

(۲) اس زیور کی زکوٰۃ والدین کے ذمہ نہیں، نابالغ بچیوں کے لیے خریدنے کی نیت کافی ہے، نابالغ اولاد کے لیے والد کا قبضہ انہی کا قبضہ ہے۔

”قولہ وھبۃ الأب لطفلہ تتم بالعقد لأن قبض الأب بسوب

عنه“..... (البحر الرائق: ۷/۲۸۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

مختلف اموال پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۲۹): اگر کسی شخص کے پاس سونا، چاندی اور نقدی موجود ہو یا صرف سونا اور نقدی یا صرف سونا یا صرف نقدی موجود ہو تو کس نصاب کے مطابق زکوٰۃ ادا کرے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں اگر ہر مال بقدر نصاب ہے تو علیحدہ علیحدہ زکوٰۃ ایک کی ادا کرے اور اگر ہر مال بقدر نصاب نہیں بلکہ ملا کر (سونا یا چاندی میں سے) کسی ایک جنس کے نصاب کو پہنچے تو اس جنس سے ادا کر دے جس میں نفع فقراء کا ہو تو یہ بھی درست ہے۔

”فی البدائع ما ذکر من وجوب الضم إذ الم یکن کل واحد منہما نصاباً بان کان

أقل فلو کان کل منہما نصاباً تاماً بدون زیادة لا یجب الضم بل یتبغی أن یؤدی

من کل واحد کونہ فلو ضم حتی یؤدی کلہ من الذهب أو الفضة فلا بأس بہ

عندنا ولکن یجب أن یکن التقویم بما هو أنفع للفقراء“..... (الدرمع

الر: ۲/۳۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۳۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس ایک تولہ سونا ہے اور ساتھ ایک تولہ چاندی ہے، یا ایک تولہ سے کم چاندی ہے، یا ایک تولہ سونا کے ساتھ ایک ہزار روپے ہیں، یا ایک ہزار سے کچھ کم روپے ہیں تو اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ہوگی؟

اور اگر زکوٰۃ واجب ہے تو گزشتہ کئی سال سے اس کے پاس یہ چیزیں تھیں تو کیا گزشتہ زکوٰۃ کا حساب لگا کر اس کو بھی ادا کرے گا یا صرف اسی سال کی زکوٰۃ ادا کرے گا؟ جب کہ اس شخص کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ یہ گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرے، اس صورت میں اس کو کیا کرنا چاہیے؟ تفصیل سے جواب دیں، اور اگر زکوٰۃ واجب نہیں تو پھر سونے کے ساتھ کتنی رقم ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ اگر سونے کے ساتھ تھوڑی سی چاندی، نقدی، مال تجارت مل جائے تو ان سب کی قیمت یا ان میں سے بعض کی قیمت (اگر بعض موجود ہوں) چاندی کے نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی) تک سال کے آخر میں پہنچی ہو تو زکوٰۃ واجب ہے، ورنہ نہیں، گزشتہ سالوں کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر مذکورہ اشیاء سال کی ابتداء اور آخر میں چاندی کے نصاب تک پہنچی ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں، اور زکوٰۃ واجب ہونے کی صورت میں اگر سونا وغیرہ بیچ کر بھی ادائیگی کرنی پڑے تو کرنا واجب ہے، ورنہ گناہ اس کے سر باقی رہے گا۔

”وتضم قيمة العروض الى الثمنين والذهب الى الفضة قيمة كذا في الكنز

حتى لو ملك مائة درهم تجب الزكوة عنده خلافا لهما ولو ملك مائة درهم

وعشرة دنانير او مائة وخمسين درهما وخمسة دنانير او خمسة عشر دينارا

وخمسين درهما تضم اجماعا“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۷۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مختوٰہ اگر ناکافی ہو تو مال زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگی:

مسئلہ نمبر (۳۳۱): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کے لیے سونا، چاندی اور نقد رقم جن کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے؟

پوچھنا نقد رقم کے متعلق ہے کہ وہ رقم جو زکوٰۃ کی ادائیگی (فرضیت) کے دن آپ کے پاس ہو چاہے وہ آپ کا ایک مہینہ کا خرچہ ہو جیسے کہ میری تنخواہ پچیس تاریخ کو ختم ہو جاتی ہے اور اگر یکم تاریخ کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا دن ہے اور اسی دن تنخواہ ملی ہے جو کہ پچیس تاریخ تک ختم ہو جاتی ہے تو کیا اس رقم پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں بشرط صحت بیان اگر آپ کو ہر ماہ کے شروع میں ملنے والی تنخواہ آپ کے تمام گھریلو ضروری اخراجات کے لیے ناکافی ہوتی ہے تو زکوٰۃ کی ادائیگی والے دن ملنے والی تنخواہ مال زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگی، جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔

”ومنہا فراغ المال عن حاجتہ الاصلیة فلیس فی دور السکنی وثیاب البدن
والثالث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰۃ
و کذا طعام اہلہ وما یتجمل بہ من الاوانی اذالم یکن من الذهب والفضة
وکذا الجواهر واللؤلؤ والیاقوت والبلخش والزمرد ونحوها اذالم یکن
للتجارة وکذا الواشتری فلوساللفنقة کذا فی العینی شرح الهدایة“
..... (۱/۱۷۲)

نیز علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”فاذا کان له دراهم مستحقة بصر فہا الی تلك الحوائج صارت کالمعدومة
کمان الماء المستحق بصر فیه الی العطش کان کالمعدوم و جاز عنده
التیمم“..... (فتاویٰ شامی: ۲/۲۶۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کے متفرق مسائل:

مسئلہ نمبر (۳۳۲): حضرات علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے متعلق از روئے شریعت کیا فرماتے ہیں۔

(۱) ایک مسلمان کے پاس پانچ لاکھ روپے تھے اس نے اس رقم کی زکوٰۃ ادا کر دی پھر وہ پانچ لاکھ روپے (جس کی

زکوٰۃ ادا ہو چکی تھی) کاروبار میں لگایا دو تین ماہ کے اندر مال بک گیا اور دو لاکھ کا منافع ہوا گویا کہ اس شخص کے پاس سات لاکھ روپیہ آ گیا، اب یہ شخص دو لاکھ کی زکوٰۃ دے گا یا سات لاکھ کی زکوٰۃ دے گا، جب کہ پانچ لاکھ کی زکوٰۃ وہ پہلے دے چکا ہے؟

(۲) کتنی مدت مال پاس رہے تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

(۳) اگر پانچ لاکھ روپے کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس شخص نے ایک لاکھ روپے کا پلاٹ خریدا اور چار لاکھ کاروبار میں لگا دیے اب اس پلاٹ کی پوزیشن کیا ہوگی؟ کیا اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟ اگر پلاٹ پانچ سال تعمیر نہیں ہوتا یا فروخت نہیں ہوتا تو کیا ہر سال زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟

(۴) کاروبار میں لین دین چلتا رہتا ہے اگر کسی جگہ سے لاکھ دو لاکھ ملنے کی قوی امید ہو اور وہ روپیہ اپنا ہو تو کیا اس کے ملنے سے پہلے اس کی زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا ملنے پر ادا ہوگی اور کب ہوگی؟ اور اگر زکوٰۃ پہلے ادا کر دی اور رقم نہ ملی لیٹ ہوگئی تو اس ادا شدہ رقم کی کیا پوزیشن ہوگی؟

(۵) زکوٰۃ کن لوگوں کو دی جائے، بعض گھرانے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا ذاتی مکان ساٹھ ستر ہزار روپے کا ہوتا ہے ان کے پاس ٹیلی ویژن، فرنیچر، واشنگ مشین وغیرہ سامان ہوتا ہے، گویا کہ ان کے پاس ستر، اسی ہزار کے اسباب ہوتے ہیں، مگر کاروبار نہیں ہوتا اور کثیر العیال ہوتے ہیں گزر بسر بہت تنگی سے ہوتا ہے، حتیٰ کہ ایک وقت کا کھانا بھی صحیح طور پر میسر نہیں ہوتا تو کیا اس گھرانے کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) جب سال پورا ہوگا تو مجموعہ یعنی سات لاکھ کی زکوٰۃ ادا کرے گا، اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ لازم ہے۔

(۲) سال پورا ہونے پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

(۳) اگر پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے خریدا تھا تو اس پر ہر سال زکوٰۃ ہوگی، کیونکہ یہ مال تجارت ہے اور مال تجارت پر زکوٰۃ لازم ہے اور اگر تعمیر کے لیے خریدا تھا تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۴) جب روپیہ اپنا ہے اور اس کے ملنے کی قوی امید بھی ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی یعنی جب اس شخص کے مال پر سال پورا ہو گیا تو اس ملنے والی رقم کو بھی اپنے مال میں شامل کر کے مجموعہ پر زکوٰۃ ادا کرے گا، اور اگر رقم ملنے میں تاخیر بھی ہوگئی تو یہ ادا شدہ زکوٰۃ میں ہی ہوگی۔

(۵) اگر ان کا گزر بسر نہیں ہوتا اور ضرورت سے زائد کوئی سامان بقدر ساڑھے ہاون تولہ چاندی کی قیمت کے

نہیں ہے اور وہ سید بھی نہیں ہیں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، ٹی وی وغیرہ تو خرافات میں داخل ہیں نہ کہ ضروریات میں البتہ مکان ضرورت میں داخل ہے۔

”ومنها حولان الحول على المال العبرة في الزكوة للحول القمري كذافي القنية“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۷۵)

”قالوا وتشرط نية التجارة في العروض ولا بد ان تكون مقارنة للتجارة“..... (الاشباه والنظائر: ۲۶)

”منها الفقير وهو من له ادنى شيء وهو مادون النصاب او قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرج عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية اذا كانت مستغرقة بالحاجة كذافي فتح القدير“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۸۷)

”رجل له دار يسكنها يحل له الصدقه وان لم يسكن الكل هو الصحيح كذافي الزاهدي ولا يدفع الي بنى هاشم وهم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبدالمطلب كذافي الهداية“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۸۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

قرضہ کو الگ کر کے باقی رقم پر زکوٰۃ واجب ہے:

مسئلہ نمبر (۳۳۳): کیا فرماتے ہیں علماء کرام بیچ اس مسئلہ کے کہ

- (۱) میں بندہ ایک سرکاری دفتر سے ریٹائر ہوں ریٹائرمنٹ پر مجھے دفتر سے تقریباً 35 لاکھ روپے وصول ہوئے۔
- (۲) میں نے اپنا ذاتی مکان جو کہ پرانا تھا مبلغ 16 لاکھ روپے میں فروخت کیا ہے۔
- (۳) بندہ نے تمام جمع شدہ پونجی سے ایک خالی پلاٹ خریدا اور اس پر ذاتی استعمال کے لیے دوکان اور اپروالی دو منزل اپنی رہائش کے لیے تعمیر کی ہیں۔
- (۴) دوکان میں کاروبار کے لیے کچھ مال خرید کر ڈالا ہے، 04.10.2013 سے دوکانداری شروع کی ہے

دوکان میں اس وقت دو لاکھ روپے کا مال موجود ہے، اور 03.10.2014 کو کاروبار شروع کیے ایک سال ختم ہو جائے گا۔

(۵) آج سے کوئی پانچ چھ سال پہلے ایک دوست الف سے دو لاکھ قرضہ لیا تھا، جو آج تک ادا نہیں ہو سکا، مزید برآں اسی دوست الف سے رواں مالی سال میں ایک لاکھ روپیہ مزید قرض لیا ہے، یعنی اس دوست الف کے مبلغ ۳ لاکھ روپے واجب الادا ہیں اسی دوست الف کی مہربانی اور باقی رضا مندی سے یہ طے پایا ہے کہ میں آئندہ ہر مہینے ۵ ہزار روپے اس کو ادا کروں گا۔

(۶) اسی دوران مالی سال میں ایک اور قریبی دوست سے ایک لاکھ اسی ہزار روپے قرض لیا ہے یہ رقم مجھے مکان اور دوکان کی تعمیر کے سلسلہ میں درکار تھی اس دوست نے بھی یہ سہولت دی ہے کہ جب بھی ہو سکے آسانی سے قرضہ واپس کر دیتا۔

(۷) میرے پاس مختلف کمپنیوں کے کچھ شیئرز (حصص) بھی ہیں جن کی مالیت تقریباً ایک لاکھ پچاس ہزار ہے۔
 (۸) میرے پاس تقریباً ۴۰ ہزار روپے کیش موجود ہے، جو کہ روزمرہ کی گھریلو ضروریات کے لیے رکھا ہے۔
 (۹) بندہ کو دس ہزار دو صد روپے ماہانہ پنشن ملتی ہے جو کہ قرض کی ادائیگی اور گھریلو اخراجات میں صرف ہو جاتی ہے۔

براہ کرم مسائل کی رہنمائی فرمائیں کہ بندہ پر کتنی رقم زکوٰۃ واجب الادا ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

دوکان میں موجود مال تجارت اور نقد روپیہ جو موجود ہو اسی طرح سونا چاندی اگر ہو تو جو روپیہ لوگوں سے لینا ہو حصص وغیرہ سب جمع کر کے پھر جو قرضہ دینا ہے اس کو الگ کر کے باقی پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، بشرطے کہ نصاب کے بقدر باقی رہے۔

”ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكاة عليه وقال الشافعي يجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب نام ولنا انه مشغول بحاجته الاصلية فاعتبر معدوما كالماء المستحق بالعطش وثياب البذلة والمهنة وان كان ماله اكثر من دينه زكى الفاضل اذا بلغ نصابا بالفراغة عن الحاجة والمراد به دين له مطالب من جهة العباد حتى لا يمنع دين النذر والكفارة ودين الزكاة مانع حال بقاء النصاب لانه ينتقص به النصاب وكذا بعد الاستهلاك“..... (هدايه: ۲۰۲/۱)

”فنقول ما يمنع وجوب الزکوة انواع منها الدين قال اصحابنا كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزکوة سواء كان الدين للعباد اوله تعالى كدين الزکوة اما الخلاف في دين العباد فنقول انما يمنع وجوب الزکوة لان ملك المديون في القدر المشغول بالدين ناقص الا ترى انه يستحق اخذه من غير قضاء ولا رضاء كانه في يده غصب او ودیعة ولهذا حلت له الصدقه ولا يجب عليه الحج والملك الناقص لا يصلح سببا لوجوب الزکوة“
..... (المحيط البرهانی : ۳/۲۲۸)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قومی رفاہی فنڈ پر زکوة واجب نہیں ہے:

مسئلہ نمبر (۳۳۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری قوم (جو تقریباً دو ہزار آبادی پر مشتمل ہے) کا اجتماعی فنڈ ہے، فنڈ کی رقم مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے جمع ہوئی ہے۔

- (۱) قومی زمین بیچ کر ان کے عوض میں جو پیسے ہوتے ہیں وہ اجتماعی قومی فنڈ میں جمع ہوتے ہیں۔
- (۲) ہماری قوم کا ایک اڈہ ہے جس کو سواری کی گاڑی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اڈہ زید کی ملکیت ہے لیکن انہوں نے اس اڈے پر قوم کو مجاز تصرف بنایا ہے، یہی اڈہ قوم سے ایک آدمی خریدتا ہے دو لاکھ پریاتین لاکھ پر تو وہ آدمی اس اڈے پر سواریوں کو فلائنگ کوچ وغیرہ میں بٹھا کر گاڑی کے ڈرائیور سے پیسے لیتے ہیں یعنی کمیشن لیتے ہیں، وہ دو لاکھ یا تین لاکھ قومی فنڈ میں جمع ہوتے ہیں۔
- (۳) کبھی حکومت رفاہی کام کے لیے قوم کو پیسے دیتے ہیں حکومت کے یہ روپے بھی قومی فنڈ میں جمع ہوتے ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ فنڈ لاکھوں تک پہنچ گیا ہے، مضاربت پر بھی بعض پیسے دیے ہیں اور قومی فنڈ اس سے بڑھاتے ہیں، کیا اس قومی فنڈ پر زکوة ہے یا نہیں ہے؟ اس فنڈ کا مصرف اجتماعی امور ہیں مثلاً حکومت کی طرف سے جرم کی پاداش میں جو جرمانہ لاگو ہوتے ہیں وہ اس فنڈ سے دیے جاتے ہیں قومی بجلی ٹرانسفارمر وغیرہ کی مرمت بھی اسی فنڈ سے ہوتی ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئولہ میں قومی فنڈ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے، اور زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لیے ملک تام کا ہونا شرط ہے۔

”الزکوٰۃ واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول المضمرات الملك التام ان يكون ملكه ثابتا من جميع الوجوه ولا يتمكن النقصان فيه بوجه كما في المديون والمكاتب“..... (فتاویٰ التاتارخانية: ۲/۱۶۳)

”وشرط وجوبها العقل والبلوغ والاسلام والحرية وملك النصاب حولي فارغ عن الدين وحاجته الاصلية ولو تقديرا“..... (كنز الدقائق على البحر الرائق: ۲/۳۵۳)

”ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد واما اذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض او وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لا تجب فيه الزکوٰۃ كذا في السراج الوهاج“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۷۲)

”فمنها الملك فلا تجب الزکوٰۃ في سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملك وهذا لان في الزکوٰۃ تمليكا والتملك في غير الملك لا يتصور“..... (بدائع الصنائع: ۲/۸۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تعمیر دوکان کا ایک طریقہ اور اس پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۳۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں یہ طریقہ رائج ہے کہ ایک آدمی (زید) مالک زمین کو کچھ رقم مثلاً پانچ لاکھ روپے دیتا ہے کہ مالک زمین اسی رقم سے اپنی زمین میں دوکان بنائے، یا وہ آدمی جس کے پیسے ہیں (زید) دوکان تعمیر کر کے اس کا سارا خرچہ جمع کر کے اس کا مل مالک زمین

کو دکھاتا ہے، پھر زید اور مالک زمین عام رواج کے مطابق دکان کا کرایہ مقرر کرتے ہیں، اب زید دکان چلاتا ہے اور جو کرایہ ہوتا ہے وہ اس اصل رقم جو دکان کی تعمیر پر خرچ ہوئی ہے اس میں سے کٹوتی ہوتی ہے جب وہ رقم ختم ہو جائے تو اب مقرر کردہ کرایہ مالک زمین کو ادا کرے گا اور دکان بھی اس کی ہوگی، اب سوال یہ ہے کہ دکان کی تعمیر کا یہ طریقہ اور کرایہ کے ذریعے تعمیر کے خرچہ کا ادا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

نیز جو رقم زید نے دکان کی تعمیر پر خرچ کی ہے سال کے آخر میں اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مذکورہ میں تعمیر دکان کا یہ طریقہ بھی درست ہے، اور کرائے کے ذریعہ سے تعمیر کا خرچہ ادا کرنا بھی صحیح ہے اور زید پر سال گزرنے کے بعد اس رقم کی زکوٰۃ بھی واجب ہے۔

”اذا استاجر الرجل من آخر دارا بدين كان للمستاجر على الاجر

يجوز وكذلك لو استاجر عبد بدين كان للمستاجر على الاجر يجوز“

..... (فتاویٰ الہندیہ: ۳/۳۱۵)

”قوله كقرض قلت الظاهر ان منه مال المرصد المشهور في ديارنا لانه

اذا انفق المستاجر لدار الوقف على عمارتها الضرورية بامر القاضي للضرورة

الداعية اليه يكون بمنزلة استقراض المتولى من المستاجر فاذا قبض ذلك

كله او اربعين درهما منه ولو باقتطاع ذلك من اجرة الدار تجب زكاته

لماضى من السنين والناس عنه غافلون“..... (رد المحتار: ۲/۳۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا سودی کاروبار والی آدمی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے؟

مسئلہ نمبر (۳۳۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کا کاروبار سودی ہے مثلاً اس نے بینک سے قرضہ لیا ہے یا بینک سے رقم کے ساتھ سود بھی وصول کرتا ہے تو ایسا آدمی اپنے پیسوں سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے یا مجاہدین کو جہاد کے لیے چندہ دیتا ہے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں مخلوط مال کے اندر سے اگر کسی نے صدقات واجبہ ادا کر دیے تو وہ حلال مال ہی سے سمجھے جائیں گے، اگر کسی نے سارے مخلوط مال کی زکوٰۃ دی تو وہ بھی حلال مال ہی سے تصور ہوگی اور باقی اس کی طرف سے برأت کی نیت سے صدقہ سمجھا جائے گا۔

”لو اخرج زکوٰۃ المال الحلال من مال حرام ذكر في الوهبانية انه يجزئ عند البعض ونقل القولين في القنية وقال في البرازية ولونوى في المال الخبيث الذي وجبت صدقته ان يقع عن الزکوٰۃ وقع عنها“..... (رد المحتار: ۲/۲۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

ایک تولہ سونا اور کچھ رقم، ہوتو زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۳۷): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کے پاس ایک تولہ سونا ہے (بصورت زیور) آیا وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے گی یا نہیں؟ جب کہ اس کے پاس کچھ رقم بھی ہے، اور اگر اس کے پاس کچھ رقم نہ ہو تو پھر کیا حکم ہے؟

قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اگر اس ایک تولہ سونا کے ساتھ کچھ نقدی بھی ہے اور ان دونوں کی قیمت ساڑھے ہاون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جاتی ہے اور اس پر سال بھی گزر چکا ہے تو تب زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر صرف ایک تولہ سونا ہے اور کچھ نقدی وغیرہ نہیں ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

”واللازم مبتدأ فی مضروب کل منهما ومعمولہ ولو تبرأ او حلها مطلقا مباح الاستعمال اولا ولو لتجمل والنفقة لانهما خلقا ائمانا فیزکیها کیف کان“..... (در علی الشامی: ۲/۳۳)

”وفارغ عن حاجة الاصلية لان المشغول بها كالمعدوم وفسره ابن ملك

بما يدفع عنه الهلاك تحقيقا ككتابة او تقدير ا كدينه“..... (در علی الشامی:
۲/۶)

”ويضم الذهب الى الفضة وعكسه يجمع الثمنية قيمة قوله ويضم اى
عند الاجتماع اما عند افراد احدهما فلا تعتبر القيمة اجماعا بدائع لان المعتبر
وزنه اداء ووجوباً كما مر وفي البدائع ايضاً ان ما ذكر من وجوب الضم اذالم
يكن كل واحد منهما نصاباً بان كان اقل فلو كان كل منهما نصاباً تاماً بدون
زيادة لا يجب الضم بل ينبغي ان يؤدى من كل واحد زكاته فلو ضم حتى يؤدى
كله من الذهب او الفضة فلا باس به عندنا ولكن يجب ان يكون التقديم
بما هو انفع للفقراء رواجاً والا يؤدى من كل منهما ربع عشرة“..... (در مع
الرد: ۲/۳۷)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

پلاٹ اگر بیچنے کی نیت سے خریدتو اس پر زکوٰۃ لازم ہے:

مسئلہ نمبر (۳۲۸): جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرض ہے کہ ہمارے والد صاحب نے اپنی مشترکہ خاندانی حیثیت میں ایک پلاٹ ڈیرہ غازی خان میں
خریدا تھا (1980ء کی دہائی میں) جو کہ برب روڈ ہے، خاندانی تقسیم کے بعد مذکورہ پلاٹ والد صاحب کے حصہ میں
ہی آیا، والد صاحب نے اس پر آرا مشین لگا کر ایک غریب ہمدرد جاننے والے کو بغیر کرایہ کے دیا کہ پلاٹ بھی محفوظ
رہے گا، اور تمہارے بال بچوں کی آمدنی کا ذریعہ بھی ہوگا۔

اب والد صاحب نے ہم سب بہن بھائیوں کو حصہ دے دیا ہے اور کچھ جائیداد مشترکہ رکھی ہے جس میں
یہ پلاٹ بھی ہے، ہمارے والد صاحب کو کسی نے کہا کہ آپ کے ذمہ زکوٰۃ ہے اس وقت سے جو کہ ادا کرنی
ہے، والد صاحب اب یہ پلاٹ زکوٰۃ کی وجہ سے فروخت کرنا چاہتے ہیں تاکہ زکوٰۃ کی رقم نکال کر باقی پھر سے اولاد میں
تقسیم کروں، اس پلاٹ کے علاوہ والد صاحب کے کچھ اور مکانات بھی تھے جو بوقت ضرورت فروخت کرتے تھے، لہذا
آپ سے گزارش ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں تحریری فتویٰ دے دیں کہ اس مسئلہ کا کیا شرعی حل ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر مذکورہ پلاٹ خریدتے وقت نیت اس کو بیچنے کی تھی تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔

”والاصل ان ماعدا الحجین والسوائم انما یزکی بنية التجارة بشرط عدم المانع المؤدی الی الثیء وشرط مقارنتها لعقد التجارة وهو کسب المال بالمال بعقد او اجارة او استقراری قوله ماعدا الحجین هذا علم بالغلبة علی الذهب والفضة وقوله والسوائم بالنصب عطفًا علی الحجین وماعدا ما ذکر كالجواهر والعقارات والمواشی العلوقة والعبید والثیاب والامتعة ونحو ذلك من العروض“..... (الدرمع الرد: ۲/۱۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

پلاٹ خریدتے وقت اگر تجارت کی نیت نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے:

مسئلہ نمبر (۳۳۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے ایک پلاٹ خریدا بچوں کے لیے، چھ ماہ گزرنے کے بعد اس نے اس پلاٹ کو فروخت کر کے اس پلاٹ کے پیسوں سے ایک دوسرا اعلیٰ پلاٹ خریدا اور اس پلاٹ کے خریدنے کے وقت بھی اس کی نیت بچوں کے لیے تھی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اور اگر زکوٰۃ ہے تو پہلے پلاٹ کے خریدنے کے وقت سے سال گزرنے کا اعتبار ہوگا یا دوسرے پلاٹ کے خریدنے کے وقت سے سال کا اعتبار ہوگا؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

تنقیح: سوال مذکور میں اس آدمی نے جو پہلا پلاٹ خریدا تھا وہ تجارت کی غرض سے نہیں خریدا تھا بلکہ اپنی اولاد کی پرپرٹی کے لیے خریدا تھا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اگر پلاٹ خریدتے وقت آپ کی نیت فروخت کی نہیں تھی تو اس پلاٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں

”و نية التجارة في العروض اما صريحا ولا بد من مقارنتها لعقد التجارة كما سيجيء، او دلالة بان يشتري عينا بعرض التجارة او يؤجر داره التي للتجارة بعرض فتصير للتجارة بلانية صريحا واستثنوا من اشتراط النية ما يشتريه المضارب فانه يكون للتجارة مطلقا لانه لا يملك بمالها غيرها ولا تصح نية التجارة فيما خرج من ارضه العشرية او الخراجية او المستاجرة او المستعارة لتلاي جمع الحقان (قوله ولا بد من مقارنتها لعقد التجارة) بان ينوى عند العقد ان يكون المملوك به للتجارة سواء كان ذلك العقد شراء او اجارة وسواء كان ذلك الثمن من النقود او من العروض فلو نوى ان يكون للبذلة لا يكون للتجارة وان كان الثمن من النقود وخرج ماملکه بغير عقد كالميراث فلا تصح فيه نية التجارة اذا كان من غير النقود او ملكه بعقد هو مبادلة مال بغير مال كالمهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد وبدل العتق فانه لا تصح فيه نية التجارة ولو اشترى عروضاً للبذلة والمهنة ثم نوى ان تكون للتجارة بعد ذلك لا تصير للتجارة ما لم يبيعها فيكون بدلها للتجارة لان التجارة عمل فلا تتم بمجرد النية بخلاف ما اذا كان للتجارة فنوى ان يكون للبذلة خرج عن التجارة بالنية وان لم يستعمله لانها ترك العمل فتتم بها“

..... (درمع حاشية الطحطاوى : ۱/۳۹۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مکان کا کرایہ اگر ضروریات میں خرچ ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے:

مسئلہ نمبر (۳۴۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنا ذاتی مکان کرایہ پر دیا ہوا ہے اور خود کسی دوسری جگہ پر کرایہ کے مکان میں رہتا ہے اور اپنے ذاتی مکان کے کرایہ سے یہ آدمی جس مکان میں کرایہ پر رہتا ہے اس کا کرایہ ادا کرتا ہے آیا سال کے بعد اس آدمی پر جو یہ اپنے مکان کا کرایہ لیتا ہے اس کرایہ کے پیسوں پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں ہوگی؟ حالانکہ یہ آدمی اپنے ذاتی مکان کے کرائے سے جس مکان میں رہتا ہے اس کا کرایہ ادا کرتا ہے، مہربانی فرما کر قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں اس آدمی پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے کیونکہ ضروریات میں خرچ شدہ رقم پر زکوٰۃ

نہیں ہے۔

”وفارغ عن حاجته الاصلية لان المشغول بها كالمعدوم وفسره ابن ملك بما يدفع عند الهلاك تحقيقا ككتاباه او تقديرا كدينه قوله وفارغ عن حاجته الاصلية اشار الى انه معطوف على قوله عن دين قوله وفسره ابن ملك اى فسر المشغول بالحاجة الاصلية والاولى فسرهما وذلك حيث قال وهى ما يدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب والثياب المحتاج اليها لدفع الحر والسرد او تقدير كالدين فان المديون محتاج الى قضائه بما فى يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذى هو كالهلاك وكآلات الحرفة واثاث المنزل ودواب الركوب وكتب العلم لاهلها فان الجهل عندهم كالهلاك فاذا كان له دراهم مستحقة بصرفها الى تلك الحوائج صارت كالمعدومة كما ان الماء المستحق بصرفه الى العطش كان كالمعدوم وجاز عنده التيمم وظاهر قوله وفارغ عن حاجته الاصلية ما كان نصابا من النقدين او احدهما فارغا عن الصرف الى تلك الحوائج لكن كلام الهداية مشعر بان المراد نفس الحوائج فانه قال وليس فى دور السكنى وثياب البدن واثاث المنزل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة لانها مشغولة بحاجته الاصلية وليست بنامية ايضا“..... (فتاوى شامى: ۲/۲۶۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

پلاٹوں پر ہر سال زکوٰۃ ہوگی یا بوقت فروخت؟

مسئلہ نمبر (۲۴۱): محترم جناب مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

مندرجہ ذیل زکوٰۃ سے متعلقہ مسائل کے لیے مجھے اور میرے ایک دوست کو فتویٰ درکار ہے امید ہے کہ آپ جواب سے مستفید فرمائیں گے۔

(۱) ہمارے پاس رہائشی مکان کے علاوہ ایک ایک پلاٹ ہے مسئلہ زیر غور یہ ہے کہ ان پلاٹوں پر زکوٰۃ ہر سال دی جانی چاہیے یا بوقت فروخت ایک ہی دفعہ دینی چاہیے؟

(۲) ہم نے کچھ قوم سے ڈیفنس سیونگ شوقلیٹ خریدے ہوئے ہیں یا گورنمنٹ کی سیونگ سکیم میں پیسے لگائے ہوئے ہیں، ان دونوں طریقوں کے سیونگ شوقلیٹ پر گورنمنٹ کا مقررہ منافع ملتا ہے ان میں نقصان کا پہلو موجود نہیں ہے، کیا اس طرح کی سکیموں میں پیسہ لگانا جائز ہے؟ اس طرح کے لگائے ہوئے پیسے پر جب منافع لیا جاتا ہے تو زکوٰۃ کاٹ لی جاتی ہے، اس طرح زکوٰۃ کی کٹوتی ہر چھ ماہ بعد کی جاتی ہے، کیا زکوٰۃ دینے کا یہ طریقہ شرعی طور پر جائز ہے؟

مہربانی فرما کر مذکورہ بالا دونوں امور پر شرعی فتویٰ صادر فرمائیں، ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) اگر یہ پلاٹ فروخت کی نیت سے خرید تھا تو ہر سال زکوٰۃ دینا لازم ہے اور اگر اس کے خریدنے کے وقت فروخت کی نیت نہیں تھی بلکہ اپنا مکان وغیرہ بنانے کی نیت تھی تو زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۲) زکوٰۃ تو سال کے بعد فرض ہوتی ہے نیز یہ سکیمیں بھی سودی ہیں ان میں روپیہ لگانا درست نہیں ہے اور اپنے روپے کی زکوٰۃ بھی از خود ادا کریں۔

”والاصل ان ماعد الحجرین والسوائم انما یزکی بنیۃ التجارۃ بشرط عدم المانع المؤدی الی الشنی وشرط مقارنتھا للعقد التجارۃ وهو کسب المال بالمال بعقد شراء او اجارۃ او استقراض..... ولونوی التجارۃ بعد العقد او اشتری شیئا للقنیۃ ناویا انه ان وجد ربحا لاکوۃ علیہ“..... (الدر علی الر: ۱۶، ۱۵/۲)

”ومنہا فراغ المال عن حاجتہ الاصلیۃ فلیس بدور السكنی وثیاب البدن واثاث المنزل ودواب الרכوب وعبید الخدمۃ وسلاح الاستعمال زکوٰۃ“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۷۲)

”عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ ﷺ اكل الربا وموكله وکاتبه وشاهديه وقال هم سواء، رواه مسلم (وکاتبه وشاهديه) قال النووي فيه تصريح بتحريم كتابه المترابین والشهادة عليهما بتحريم الاعانة على الباطل“..... (مرقاة المفاتيح: ۶/۳۳)

”قوله لحواله عليه اي ان حوالة الحول على النصاب شرط لكونه سببا“..... (فتاوى شامی: ۲/۵)

”قوله كل فرض جرنفعا حرام اي اذا كان مشروطا كما علم مما نقله عن البحر“..... (فتاوى شامی: ۲/۱۹۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بیٹی کے جہیز کے لیے خریدے گئے سونے پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۳۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت اپنی بیٹی کے لیے بچپن ہی سے جہیز کے واسطے سونا چاندی خرید لے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اور عام سامان وغیرہ خرید مثلاً واشنگ مشین اور سلائی مشین وغیرہ تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اگر اس عورت نے اپنی بیٹی کو اس مال کی مالکہ بنایا ہے اور یہ بیٹی اب نابالغ ہے تو اس بچی پر زکوٰۃ دینا واجب نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کے لیے بالغ ہونا شرط ہے، اور اگر اس بچی کو زیور کی مالکہ نہیں بنایا ہے اور اس پر سال بھی گزر گیا ہے تو والدہ کو زکوٰۃ دینا واجب ہے بشرطے کہ سونا چاندی ملا کر وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تک پہنچ جائے۔

”فليس الزكوة على صبي ومجنون اذا وجد منه المجنون في السنة كلها هكذا في الجوهرة النيرة“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۷۲)

”وهو ان الزكاة عبادة عندنا والصبي ليس من اهل وجوب العبادة فلا يجب عليه كما لا يجب عليه الصوم والصلوة“..... (بدائع الصنائع: ۲/۸۹)

”وتضم قيمة العروض الى الثمين والذهب الى الفضة قيمة كذا في الكنز حتى لو ملك مائة درهم وخمسة دنانير قيمتها مائة درهم تجب الزكوة عنده خلافا لهما ولو ملك مائة درهم وعشرة دنانير او مائة وخمسين درهما تضم اجماعا كذا في الكافي“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۸۹)

گھریلو سامان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

”ولیس فی دور السكنی وثياب البدن واثاث المنازل ودواب الركوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوة“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۲۵۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مال تجارت نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ لازم ہے:

مسئلہ نمبر (۳۲۳): کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زاہد نے مختلف جگہ پر کچھ پیسے نفع و نقصان کی بنیاد پر لگائے ہیں، ۲۵۰۰۰۰ ہزار روپے ایک ماہ میں نفع آتا ہے تو دوسرے ماہ ۹۰۰ یا ۱۵۰۰ نفع آتا ہے نیز ایک لاکھ کی رقم جو کہ کاروبار میں لگی ہوئی ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ یہ رقم قرض نہیں دی ہوئی بلکہ کاروبار میں شامل ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں مال تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے جب کہ اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے۔

”الزکوة واجبة فی عروض التجارة کائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۷۹)

”الزکوة واجبة فی عروض التجارة وفي المضمرة يرید بالعروض ما خل الذهب والفضة والسوائم“..... (فتاویٰ التاتارخانیة: ۲/۱۷۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

وجوب زکوٰۃ میں سونے کا اعتبار ہوگا یا چاندی کا؟

مسئلہ نمبر (۳۳۴): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مخلوط مال کی صورت میں معیار سونا ہے یا چاندی؟ جب کہ چاندی آج کل مروج نہیں ہے اور سونے اور چاندی کی قیمت میں دور نبوی ﷺ کے مقابلہ میں بہت تفاوت ہے، اور آج کل روپے پیسہ کا معیار سونے کے اعتبار سے ہے یا چاندی کی قیمت کے اعتبار سے؟

شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ زکوٰۃ، قربانی، صدقہ الفطر وغیرہ کے واجب ہونے میں کس کس چیز کا اعتبار ہوگا۔

وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں وجوب زکوٰۃ اور صدقہ الفطر کے لیے سونا چاندی میں سے اس کو معیار بنایا جائے گا جس کو معیار بنانے سے فقراء اور مساکین کا فائدہ ہو اور آج کل کے دور میں چاندی کو معیار نصاب ٹھہرانے میں فقراء کو فائدہ ہے۔

”الزکوٰۃ واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قيمتها نصابا من الورق او الذهب یقومها بما هو ارفع للفقراء والمساکین منهما“.....
(المختصر القدوری: ۶۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ میں قیمت خرید کا اعتبار ہوگا یا قیمت فروخت کا؟

مسئلہ نمبر (۳۳۵): (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ان مسائل کے بارے میں کہ ہم غیر ضروری اشیاء (مثلاً الیکٹرانک) وغیرہ کی تجارت کرتے ہیں اب پوچھنا یہ ہے کہ ہم کس اعتبار سے زکوٰۃ ادا کریں گے؟ قیمت خرید کے اعتبار سے یا کہ قیمت فروخت کے اعتبار سے، کیونکہ بعض اشیاء کو کئی سال سے خریدا گیا جب کہ اس وقت وہ کم قیمت کے تھے اور اب زیادہ قیمت کے ہیں۔

(۲) بعض اشیاء ایسی ہوتی ہیں کہ مارکیٹ میں ان چیزوں کی کوئی مقرر قیمت نہیں ہوتی یا کوئی قیمت نہیں ہوتی تو اس سے زکوٰۃ کس طرح ادا کریں گے؟

(۳) اگر چیز زیادہ قیمت کی ہو یعنی قیمت خرید اور ہم اس چیز کو کم قیمت پر فروخت کرنا چاہیں تو اس میں کس اعتبار سے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟

(۴) اگر قیمت فروخت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے تو جو قیمت خرید کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی گئی اس کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر مثلاً ایک چیز ہم نے 1000 کی خریدی تھی اور اب اس کی قیمت 1500 روپے ہے تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(۵) اگر ایسی اشیاء جن کا مارکیٹ میں ریٹ مقرر نہ ہو بلکہ ہر دوکاندار الگ الگ ریٹ سے فروخت کر رہا ہو تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(۶) اگر ہم نے ایک چیز ایسی لی ہے جو کہ مکس ہے یعنی کوئی چیز اس میں زیادہ قیمت میں بک جاتی ہے اور کوئی کم قیمت میں اور اکثر چیز اس میں خراب بھی نکل آتی ہے تو اس میں زکوٰۃ کس اعتبار سے نکالی جائے گی، اور یہ مکس مال لاث کی صورت میں ہوتا ہے، معلوم نہیں ہوتا کہ کم قیمت والی چیز خراب نکلے گی یا زیادہ قیمت والی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لیے تجارتی مال کی قیمت کم سے کم چاندی کے نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ ہو یا دوسرے اموال زکوٰۃ کے ساتھ مل کر چاندی کے نصاب کے برابر ہو جائے تو اس مال پر سالانہ اڑھائی فیصد زکوٰۃ واجب ہوگی اور تجارتی مال کی وہ قیمت لگائی جائے گی جو اس شہر میں رائج ہو اور مال تجارت میں قیمت فروخت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی نہ کہ قیمت خرید کے اعتبار سے۔

”وجاز دفع القيمة في زكاة وعشروخراج وفطرة ونذر وكفارة غير الاعتاق

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الاداء وفي السوائيم يوم الاداء اجماعا

وهو الاصح ويقوم في البلد الذي المال فيه“..... (در علی الشامی: ۲/۲۴)

جس قیمت پر آپ نے اس مال کو فروخت کرنا ہے اس قیمت فروخت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کریں۔

”وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الاداء وفي السوائيم يوم الاداء اجماعا

وهو الاصح ويقوم في البلد الذي المال فيه“..... (در علی الشامی: ۲/۲۴)

(۲) زکوٰۃ قیمت فروخت کے اعتبار سے ادا کی جاتی ہے اگر زکوٰۃ قیمت خرید کے اعتبار سے ادا کی ہے تو اب قیمت فروخت کے حساب سے جو باقی زکوٰۃ رہ گئی وہ ابھی ادا کریں۔

”اعطی الفضة مكان الفضة فان كان وزن الفضة فيمادفع اقل لم يجز حتى
يؤدى قدر النقصان نحو ان يؤدى النهرجة عن الجياد“..... (فتاویٰ
التاتارخانية: ۲/۱۷۸)

(۶) خراب مال نکالنے کے بعد جو باقی صحیح مال ہے اس کی قیمت فروخت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔
”وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة غير الاعناق“
..... (در علی الشامی: ۲/۲۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

نقدی اور مال تجارت پر سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہے:

مسئلہ نمبر (۳۳۶): محترم و مکرم جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ان مسائل کے بارے میں کہ

- (۱) اگر ایک شخص کمانے کے قابل نہیں مگر اس کے پاس کچھ جمع اثاثہ اپنے گزارے کے لیے جمع ہے کیا اگر وہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا رقم 5500 روپے یا اس سے زائد اس ایک سال میں رکھتا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟
- (۲) اگر کسی کو کچھ رقم جو کہ نصاب زکوٰۃ یا اس سے زائد ہو کچھ ہی دن یا مہینے پہلے ملی ہو تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

(۳) اگر اسی طرح کوئی رقم کسی شخص کے پاس رکھی ہو اور رمضان کے بعد یا اس سے دو ماہ بعد کسی کو ادا کرنی ہو یا کسی خاص مد میں خرچ کرنے کے لیے مختص کی گئی ہو تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ مثلاً رمضان سے مہینہ دو مہینہ پہلے کسی مکان کا سودا چھ لاکھ روپے میں ہوتا ہے اور یہ رقم رمضان کے مہینہ یا دو چار ماہ بعد ادا کرنے کا معاہدہ ہو تو کیا اس رقم پر بھی زکوٰۃ واجب الادا ہوگی، مہربانی کر کے تفصیل بتائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

- (۱) اس صورت میں نقد اور مال تجارت پر ایک سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔
- (۲) اگر یہ شخص پہلے سے صاحب نصاب ہے تو مذکورہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر نہ ہو تو ایک قمری سال گزرنے پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگی۔

(۳) جو چیز خریدی جا چکی ہے اس کی ادائیگی کے لیے رکھی ہوئی رقم پر زکوٰۃ نہ ہوگی اور جو چیز ابھی نہیں خریدی اس کے لیے مخصوص رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

”ومنها حولان الحول علی المال“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۷۵)

”قولہ وشرط وجوب ادائها ای افتراضها قولہ حولان الحول وهو فی ملکہ“

..... (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۷۱۵)

”والمراد بہ کونہ حولیا ان یتم الحول علیہ وهو فی ملکہ لقولہ علیہ الصلوٰۃ

والسلام لازکاة فی المال حتی یحول علیہ الحول“..... (البحر الرائق:

۲/۳۵۶)

”ثم انما یضم المستفاد عندنا الی اصل المال اذا کان الاصل نصابا فاما اذا کان

اقل من النصاب فانه لا یضم الیہ“..... (بدائع الصنائع: ۲/۹۷)

”واما المستفاد فی الناء الحول فیضم الی مجانسه ویزکی بتمام الحول

الاصلی سواء استفید بتجارۃ او میراث او غیرہ“..... (مراقی الفلاح علی

الطحطاوی: ۷۱۵)

”والمستفاد لو بھبۃ او ارث وسط الحول یضم الی نصاب من جنسہ فیزکیہ

بحول الاصل“..... (الدر المختار: ۱/۱۳۳)

”وفی القنیۃ العبرۃ فی الزکوٰۃ للحول القمری“..... (البحر الرائق: ۲/۳۵۶)

”قولہ نسبۃ للحول ای الحول القمری لا الشمسی کما سیأتی متنا قبیل زکاة

المال“..... (الدر المختار علی رد المحتار: ۲/۵)

”ومنها ان لا یكون علیہ دین مطالب بہ من جهة العباد عندنا فان کان فانہ یمنع

وجوب الزکوٰۃ بقدرہ حالا کان او مؤجلا“..... (بدائع الصنائع: ۲/۸۳)

”کل دین لہ مطالب من جهة العباد یمنع وجوب الزکوٰۃ سواء کان الدین للہ

تعالیٰ کالزکوٰۃ والعشر والخراج او الدین للعباد کالثمن“..... (خلاصۃ

الفتاویٰ: ۱/۲۳۰)

”فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد سواء كان لله كزكوة وخراج
او للعبد“..... (الدر المختار: ۱/۱۲۸)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

پلاٹ پر زکوٰۃ میں نیت کا اعتبار ہوگا:

مسئلہ نمبر (۳۳۷): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے پلاٹ
خریدا کہ دوکان کی تعمیر کر کے کاروبار کرے گا درمیان سال میں وہ پلاٹ بک گیا اب پھر سال کے اندر ہی
خریدنا چاہتا ہے تو کیا اس پلاٹ پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟
اور تجارت کا سامان جس بھاؤ میں خریدا جائے اس پر زکوٰۃ ہوگی یا جس بھاؤ میں بیچا جائے اس پر زکوٰۃ ہوگی؟
قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر پلاٹ بیچنے کی نیت سے خریدا جائے تو اس صورت میں یہ سامان تجارت میں شامل ہو کر قابل زکوٰۃ اموال
میں شامل ہوگا اور اگر بیچنے کی نیت سے نہ خریدا جائے تو اس صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے، باقی تجارت کے
سامان کی قیمت لگانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس دن سال مکمل ہو اس دن موجود سامان تجارت کی مارکیٹ ریٹ کے
اعتبار سے سے قیمت فروخت لگائی جائے۔

”قوله وفي عروض التجارة بلغت نصاب ورق او ذهب معطوف على قوله

اول الباب في مائة درهم اي يجب ربع العشر في عروض التجارة اذا بلغت

نصابا من احدهما“..... (البحر الرائق: ۲/۳۹۸)

”قوله وتشرط فيه النية اي نية التجارة عند الشراء الى اخره“..... (حاشية

الطحطاوي على الدر: ۱/۳۰۸)

”الا ان تكون للتجارة والاصل ان ماعدا الحجرين والسوائم انما يركب بنية

التجارة بشرط عدم المانع المودى الى الثنى وشرط مقارنتها لعقد التجارة

وهو كسب المال بالمال بعقد شراء او اجارة او استقراض “.....
(الدر المختار: ۱/۱۳۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

پلاٹ خریدتے وقت بیچنے کی نیت تھی تو زکوٰۃ لازم ہے:

مسئلہ نمبر (۳۳۸): بخدمت جناب مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ شارع فیروز پور روڈ لاہور
گزارش ہے کہ میں نے چند پلاٹ خرید رکھے ہیں کیا اس کی مالیت پر زکوٰۃ لگتی ہے؟ براہ مہربانی تفصیلاً
بتائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر مذکورہ پلاٹ خریدتے وقت نیت ان کو بیچنے کی تھی تو زکوٰۃ لازم ہوگی ورنہ نہیں۔

”والاصل ان ماعدا الحجرين والسوائم انما يزكى بنية التجارة بشرط عدم
المانع المؤدى الى الشئى وشرط مقارنتها لعقد التجارة وهو كسب المال
بالمال بعقد شراء او اجارة او استقراض“..... (در على الرد: ۲/۱۵)
”قوله ماعدا الحجرين هذا علم بالغلبة على الذهب والفضة وقوله والسوائم
بالنصب عطفًا على الحجريين وما عدا ما ذكر كالجواهر والعقارات والمواشى
العلوفة والعييد والياب والامتعة ونحو ذلك من العروض“..... (فتاوى
شامى: ۲/۱۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کراپ کے گھر اور گاڑی پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۳۹): محترم جناب مفتی صاحب
میں اپنی پراپرٹی کی تفصیلات تحریر کر رہا ہوں براہ کرم مجھے ان کی زکوٰۃ کا حساب بنا کر میری راہنمائی
فرمائیں۔

- (۱) ایک عدد پلاٹ جو کہ تعمیر شدہ ہے اس کے نچلے پورشن میں رہائش پذیر ہوں اور والا پورشن 7000 ہزار روپے کرایہ پر دیا ہوا ہے جس کی آمدن سے گھر کا گزارہ چلاتا ہوں بمعہ تنخواہ کے۔
- (۲) ایک کوٹھی ملتان میں ۸ مرلہ پر ہے اس کو کرایہ بحساب 2500 روپے ماہانہ پر دیا ہے اور اس کا کل کرایہ میں نے اپنی والدہ کی خدمت کے لیے وقف کیا ہوا ہے۔
- (۳) ایک کارمہران پر اپنی 1992 ماڈل قیمت تقریباً 1000000 روپے ہے وہ میری فیملی کے زیر استعمال ہے۔
- (۴) ایک کار آٹو 100cc ماڈل 2000ء یہ کار میں نے پراویڈنٹ فنڈ لون عیساک سے تقریباً 335000 میں خریدی، لون عیساک ابھی تک 140000 اتارا ہے بقایا ابھی عیساک کو دینا ہے۔
- (۵) بینک میں کوئی قابل ذکر نقدی جمع نہیں ہے، لیکن اس مہینے کل 40000 کچھ تنخواہ وغیرہ کے اکٹھے ہو گئے ہیں، جو کہ گھر کے خرچ، بچوں کی فیس، بل وغیرہ میں ایڈجسٹ ہو سکتے ہیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

آپ کے تمام غیر منقولہ اور منقولہ اموال میں سے صرف ان پر زکوٰۃ ہوگی جو آپ نے تجارت کی نیت سے خریدے ہیں البتہ سونا اور چاندی میں نیت تجارت ضروری نہیں، اب آپ ایسا کریں کہ سونا چاندی اور تمام نقدی کو جمع کریں اور اس میں سے قرض منہا کر کے بقیہ کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کریں۔

”ومنها ای من شروط وجوبها كون النصاب ناميا حقيقة بالتوالد والتناسل والتجارة او تقديرا بان يتمكن من الاستمناء بكون المال في يده اوفى يد نائبه وينقسم كل واحد منهما الى قسمين خلقي وفعلي هكذا في التبيين فالخلقي الذهب والفضة لانهما لا يصلحان للانتفاع باعيانهما في دفع الحوائج الاصلية فتجب الزكاة فيهما نوى التجارة اولم ينو اصلا ونوى النفقة والفعلي ماسواهما ويكون الاستمناء فيه بنية التجارة او الاسامة“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۷۴)

”وشرط وجوبها العقل والبلوغ والاسلام والحرية وملك النصاب حولي فارغ عن الدين وحاجته الاصلية نام ولو تقديرا“..... (كنز الدقائق: ۷۰)

”ومنها الفراغ عن الدين قال اصحابنا رحمهم الله تعالى كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكوة سواء كان الدين للعباد كالقرض وضمن البيع وضمن المتلفات وارش الجراحة“.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۷۲)

”تجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم وفي كل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال مضروبا كان او لم يكن مصوغا او غير مصوغ حليا كان للرجال وللنساء تبرأ كان او سبيكة كذا في الخلاصة“.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۷۸)

”ليس فيما دون مائتي درهم صدقة لقوله عليه السلام ليس فيما دون خمس اواق صدقة والاوقية اربعون درهما فاذا كانت مائتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم لانه عليه السلام كتب الى معاذ ان خذ من كل مائتي درهم خمسة دراهم ومن كل عشرين مثقالا من ذهب نصف مثقال“.....(هدايه: ۱/۲۱۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جو زیورات عورت پہنتی ہو اس پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۵۰): (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام علماء عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کے پاس ساڑھے سات تولہ سونے کے زیورات ہیں اور وہ سارا سال انہیں پہنتی ہے اپنے زیر استعمال رکھتی ہے کیا سال گزرنے پر اسے زکوٰۃ اداء کرنا پڑے گی؟

(۲) خاوند کے پاس چار تولہ اور بیوی کی ملکیت میں چھ تولہ سونا ہے اس طرح میاں بیوی کے پاس کل دس تولہ سونا ہو گیا، کیا سال گزرنے پر انہیں زکوٰۃ اداء کرنا پڑے گی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) اگر کسی بھی مرد یا عورت کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا ہو چاہے وہ زیور کی شکل میں ہو یا عام ڈلی کی شکل میں ہو اس کو پگھلایا گیا ہو یا نہ پگھلایا ہو یعنی جس صورت میں بھی ہو اگر اس پر سال گزر گیا ہو تو زکوٰۃ اداء کرنا واجب ہے اگر نہیں اداء کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

(۲) اگر کسی بھی مرد یا عورت کے پاس ساڑھے سات تولہ سے کم سونا ہے اگر اس کے ساتھ کچھ مقدار چاندی ہو یا نقدی ہو تو ان پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ ادا کرنا دونوں پر واجب ہے۔

”تجب فی کل مائتی درہم خمسة درہم وفی کل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال مضروبا کان اولم یکن مصوغا او غیر مصوغ حلیا کان للرجال اول للنساء تبراکان اوسبیکة کذافی الخلاصة“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۷۸)

”فصل فی الذهب لیس فیما دون عشرين مثقالا من ذهب صدقہ فاذا كانت عشرين مثقالا ففيہا نصف مثقال..... ثم فی کل اربعة مثاقیل فیراطان و لیس فیما دون اربعة مثاقیل صدقہ عندابی حنیفة قال وفی تبرالذهب والفضة وحلیہما و اوانیہما الزکوٰۃ“..... (الہدایہ: ۱/۲۱۱)

”وتضم قيمة العروض الی الثمنین والذهب الی الفضة قيمة کذافی الكنز“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۷۹)

”وتضم قيمة العروض الی الثمنین والذهب الی الفضة قيمة“..... (کنز الدقائق: ۷۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جو پلاٹ فروخت کی نیت سے خریدا ہوا اس پر زکوٰۃ ہے:

مسئلہ نمبر (۳۵۱): جناب مفتی صاحب دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزارش ہے کہ سائل نے سن عیسوی فروری 1998ء میں ایک قطعہ اراضی تعدادی ایک کینال تقریباً ساٹھ لاکھ روپے میں اس نیت سے خریدا تھا کہ کچھ عرصہ بعد جب اس کی قیمت بڑھ جائے گی تو اسے بیچ کر بیٹی یا کسی بیٹے کی شادی کر دوں گا، مگر کافی عرصہ تک زمینوں کی قیمتیں نہ بڑھیں، اور 1998ء کے بعد 2003ء میں اچھی خاصی قیمتیں بڑھ گئیں، اب میں نے یہ قطعہ اراضی اپنے ایک بیٹے کو کاروبار کروانے کے لیے اسے بیچنے کے لیے ایک شخص کے ساتھ پندرہ لاکھ پچیس ہزار روپے میں بیچنے کا سودا کر لیا ہے، امید ہے کہ یہ بیچ جلد مکمل ہو جائے گی۔

براہ کرم رہنمائی فرمائیں کیا مجھے اس پر زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی؟

کیا زکوٰۃ 1998ء سے اب تک یعنی 2003ء تک چھ سال کی ادا کرنی پڑے گی؟
کیا ہر سال کے اوسط رقم کے حساب سے ادا کرنی پڑے گی یا صرف ایک سال کے لیے قیمت فروخت یعنی
1525000 پر ادا کرنی پڑے گی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

یہ پلاٹ چونکہ فروخت کی نیت سے خریدا تھا اس لیے مال تجارت ہونے کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ لازم ہے
اور سب سالوں کی زکوٰۃ دینا ہوگی اور جو مارکیٹ ویلیو ہوگی اس حساب سے زکوٰۃ دیں گے، اور جب فروخت ہو گیا تو اس
کی قیمت پر زکوٰۃ لازم ہوگی۔

”الزکوٰۃ واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصابا من
الورق والذهب كذافي الهداية ويقوم بالمضروبة كذافي التبيين وتعتبر القيمة
عند حلول الحول بعد ان تكون قيمتها في ابتداء الحول مائتي درهم من
الدراهم الغالب عليها الفضة كذافي المصمرات“..... (فتاویٰ
الہندیة: ۱/۱۷۹)

”الزکوٰۃ واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصابا من
الورق او الذهب يقوهما بما هو انفع للفقراء والمساكين منهما وقال
ابو يوسف يقوهما مما اشتراه به فان اشترى بغير الثمن يقوم بالنقد الغالب في
المصر وقال محمد بغالب النقد في المصر على كل حال“
..... (المختصر للقدوري: ۶۳)

”قوله وتشرط فيه النية الى نية التجارة عند الشراء الى اخره“..... (حاشیة
الطحطاوی علی الدر: ۱/۳۰۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مال تجارت پر زکوٰۃ قیمت فروخت پر ہوگی:

مسئلہ نمبر (۳۵۲): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری پینٹ کی دوکان ہے، پینٹ کے کام

میں مال تجارت کی حالت یہ ہوتی ہے کہ کچھ مال تو کمپنیوں کی طرف سے ادھار ہوتا ہے، ایک دو ماہ یا زیادہ پر، اور کچھ مال کی سیمنٹ ہو چکی ہوتی ہے جو دوکاندار کی ملکیت میں ہوتا ہے ان دونوں قسم کے مالوں کی خرید و فروخت چلتی رہتی ہے اس میں کچھ مال ایسا ہوتا ہے جو دوکاندار کی ملکیت ہوتا ہے مگر دو، دو، تین، تین سال تک فروخت نہیں ہوتا، اب اس قسم کے دوکاندار کے مال تجارت پر زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟

(۱) کیا دوکاندار کے مال تجارت پر زکوٰۃ ہوگی یا اس کی آمدنی پر؟

(۲) آمدنی میں سے خرچ نکال کر صرف منافع پر ہوگی یا تمام رقم پر خرچے ڈال کر ادا کریں گے۔

ساری صورت حال کی وضاحت فرما کر اصلاح فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ پانچ چیزوں پر سال گزرنے کے بعد فرض ہوتی ہے (۱) سونا (۲) چاندی (۳) سواکھ (۴) نقدی (۵) مال تجارت، جب کہ یہ نصاب تک پہنچ چکے ہوں، مال تجارت پر زکوٰۃ اس کے صرف منافع پر نہیں بلکہ اس کی کل قیمت فروخت پر ہوتی ہے، لہذا سال گزرنے کے بعد پینٹ وغیرہ مال تجارت جو آپ کی ملکیت میں ہو، اس کی قیمت فروخت کا حساب لگا کر قرض الگ کرنے کے بعد آپ کے ذمہ زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہوگی، اور اگر مال تجارت کے ساتھ سونا چاندی اور نقدی بھی موجود ہو تو ان سب کا حساب لگا کر زکوٰۃ کی ادائیگی کی جائے گی، فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

”الزکوٰۃ واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصاباً“

..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۷۹)

”واذا كان تقدير النصاب من اموال التجارة بقيمتها من الذهب والفضة

وهو ان تبلغ قيمتها مقدار نصاب من الذهب والفضة فلا بد من التقويم حتى

يعرف مقدار النصاب“..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۱۰)

”وكذلك زکوٰۃ مال التجارة يجب بالقيمة والكلام فيه في فصول احدها ان

الزکوٰۃ تجب في عروض التجارة اذا حال الحول عندنا“..... (المبسوط:

۲/۲۵۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مستقبل کی ضروریات کے لیے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۵۳): محترم جناب مفتی صاحب

کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے مستقبل کی ضروریات (مثلاً مکان بنانا، بچیوں کی شادی کرنا، گاڑی خریدنا اور حج پر جانے کے اخراجات کے لیے رقم جمع کی ہوئی ہے، کیا اس جمع شدہ رقم کی وجہ سے اس شخص کے ذمہ زکوٰۃ، فطرانہ اور قربانی واجب ہوگی؟

کیا مستقبل کی ضروریات اصلہ کو فی الحال ضروریات اصلہ میں شامل کر سکتے ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اگر مذکورہ شخص کے پاس جمع شدہ مال نصاب شرعی کو پہنچ رہا ہے تو سال گزر جانے کے بعد اس پر زکوٰۃ فرض ہے قربانی اور فطرانہ کے ایام میں نصاب شرعی کا پایا جانا کافی ہے، سال گزرنا ضروری نہیں ہے۔

”وسبب ای سبب افتراض منها ملک نصاب حولی نسبة للحول لحولانہ

علیہ“..... (در علی الرد: ۲/۵)

”و شرطه ای شرط افتراض ادائها حولان الحول وهو فی ملکہ و ثمنه المال

کدراهم و الدنانیر لتعینهما للتجارة باصل الخلقه فتلزم الزکوٰۃ کیفما

امسکها ولول للنفقة“..... (در علی الرد: ۲/۱۱)

”الزکوٰۃ واجبة علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملک نصابا ملکا تاما

و حال علیہ الحول“..... (هدایہ: ۱/۲۰۰)

”تجب علی حر مسلم مکلف مالک لنصاب اوقیمة وان لم یحل علیہ الحول

..... قوله مالک النصاب..... و نصاب تجب به احکام اربعة حرمة الصدقة

و وجوب الاضحیة و صدقة الفطر و نفقة الاقارب و لا یشرط فیہ النمو

بالتجارة و لا حولان الحول“..... (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱/۷۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

زکوٰۃ کے حساب میں اعتبار قیمت فروخت کا ہوگا:

مسئلہ نمبر (۳۵۴): حضرات مفتیان کرام مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزارش ہے کہ درج ذیل مسائل کے جوابات عنایت فرمائیں، پرائیویٹ کلینک پر جو دوائیں مریضوں کو دی جاتی ہیں ان پر زکوٰۃ کب فرض ہوگی؟ کیونکہ دوائیں تقریباً دو تین ماہ میں ختم ہو جاتی ہیں، زکوٰۃ کا حساب کرنے میں دواؤں کی قیمت خرید کا اعتبار ہوگا یا قیمت فروخت کا؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں جب سال پورا ہو جائے تو جو دوائیں دکان میں موجود ہوں ان کی قیمت اور دکان کے جملہ منافع خواہ وہ بینک بیلنس کی صورت میں ہوں یا لوگوں پر قرض کی صورت میں ہوں سب جمع کر کے ان میں زکوٰۃ ادا کی جائے، زکوٰۃ کا حساب کرنے میں دوائیوں کی قیمت فروخت کا اعتبار ہوگا۔

”وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقال يوم الاداء وفي السوائم يوم الاداء

اجماعا وهو الاصح (قوله وهو الاصح) اى كون المعتبر فى السوائم يوم الاداء

اجماعا وهو الاصح فانه ذكر فى البدائع انه قيل ان المعتبر عنده فيها يوم

الوجوب وقيل يوم الاداء وفى المحيط يعتبر يوم الاداء بالاجماع وهو الاصح

فهو تصحيح للقول الثانى الموافق لقولهما وعليه فاعتبار يوم الاداء يكون

متفقا عليه عنده وعندهما“..... (فتاوى شامى: ۲/۲۴)

”وفى المحيط فالحاصل ان ابا حنيفة يعتبر القيمة يوم الوجوب فى جنس هذه

المسائل وهما يعتبران القيمة يوم الاداء“..... (المحيط البرهاني: ۳/۱۶۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

خام مال کی مارکیٹ قیمت پر زکوٰۃ لازم ہے:

مسئلہ نمبر (۳۵۵): حضرات مفتیان کرام مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزارش ہے کہ درج ذیل مسائل کے جوابات عنایت فرمائیں۔

دواؤں کی کمپنی دوائیں بنانے کے لیے خام مال خریدتی ہے اس کی قیمت خرید معلوم ہے جب کہ اس خام مال پر محنت کر کے دواؤں کی شکل میں لاکر پھر فروخت کیا جائے گا اس دوران مختلف قسم کے اخراجات ہوتے ہیں، جو سامان ابھی خام مال ہی کی شکل میں پڑا ہوا ہے اس کی قیمت فروخت ابھی معلوم نہیں تو اس کی زکوٰۃ کا حساب کیسے ہوگا؟ تیار شدہ دواؤں کی قیمت فروخت کا اندازہ تو ہو جاتا ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں جو خام مال موجود ہے سال پورا ہونے پر اس کی قیمت مارکیٹ سے معلوم کر لی جائے اور اسی موجودہ خام مال کی مارکیٹ کی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ دی جائے۔

”وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقال يوم الاداء وفي السوائم يوم الاداء
اجماعا وهو الاصح قال الشامي (قوله وهو الاصح) اى كون المعتبر فى السوائم
يوم الاداء اجماعا هو الاصح فانه ذكر فى البدائع انه قيل ان المعتبر عنده فيها
يوم الوجوب وقيل يوم الاداء وفى المحيط يعتبر يوم الاداء بالاجماع
وهو الاصح فهو تصحيح للقول الثانى الموافق لقولهما وعليه فاعتبار يوم الاداء
يكون متفقا عليه عنده وعندهما“..... (فتاوى شامى: ۲/۲۴)

”وفى المحيط فالحاصل ان ابا حنيفة يعتبر القيمة يوم الوجوب فى جنس هذه
المسائل وهما يعتبران القيمة يوم الاداء“..... (المحيط البرهاني: ۳/۱۶۷)
”الزكوٰۃ واجبة فى عروض التجارة..... وفى الولوالجية يقوم يوم حال
عليها الحول بالغلة ما بلغت بعد ان كان قيمتها فى اول الحول مائتين ويزكى
مائتى درهم خمسة دراهم“..... (فتاوى التاتارخانية: ۲/۱۷۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

ڈپٹہ سہری کی دواؤں پر مارکیٹ ریٹ کے اعتبار سے زکوٰۃ ہوگی:

مسئلہ نمبر (۳۵۶): حضرات مقتیان کرام مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزارش ہے کہ درج ذیل مسائل کے جوابات عنایت فرمائیں۔

کلینک کی ڈپنٹری پر موجود دواؤں کی زکوٰۃ کا حساب کس طرح کیا جائے جب کہ ان کی قیمت خرید معلوم ہوتی ہے اور قیمت فروخت متعین نہیں ہوتی مریض کا جب معائنہ کیا جاتا ہے تو معائنہ فیس، مشورہ فیس، کلینک کے اخراجات، دوائی وغیرہ سب ملا کر مریض سے اندازے سے رقم لے لی جاتی ہے، ایسی صورت میں سال کے بعد دواؤں پر زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے گی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ بالا صورت میں جب ڈپنٹری میں موجود دواؤں پر سال گزر جائے تو مارکیٹ سے اس کی قیمت معلوم کر لی جائے اور اس کے مطابق زکوٰۃ ادا کریں اور زکوٰۃ میں قیمت فروخت کا اعتبار ہوگا۔

”وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقال يوم الاداء وفي السوائيم يوم الاداء
اجماعا وهو الاصح قال الشامي (قوله وهو الاصح) اي كون المعتبر في
السوائيم يوم الاداء اجماعا هو الاصح فانه ذكر في البدائع انه قيل ان
المعتبر عنده فيها يوم الوجوب وقيل يوم الاداء وفي المحيط يعتبر يوم الاداء
بالاجماع وهو الاصح فهو تصحيح للقول الثاني الموافق لقوليهما وعليه
فاعتبار يوم الاداء يكون متفقا عليه عنده وعندهما“..... (فتاوى شامی:
۲/۲۴)

”وجه رواية الكتاب ان وجوب الزكوة في عروض التجارة باعتبار ماليتها دون
اعيانها والتفوييم لمعرفة مقدار المالية“..... (كتاب المبسوط: ۲/۲۵۶)
والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کا نصاب مکمل ہو تو قربانی بھی واجب ہے:

مسئلہ نمبر (۳۵۷): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان شرع متین ان مسائل کے بارے میں

- (۱) ایک آدمی کے پاس صرف دو تولہ سونا ہے، اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟
- (۲) ایک آدمی کے پاس دو تولہ سونا اور کچھ نقد روپے ہیں تقریباً ایک ہزار روپیہ آیا اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟
- (۳) ایک آدمی کے پاس دو تولہ سونا اور چاندی پانچ تولہ ہے آیا اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

- (۱) جب اس کے پاس صرف یہی دو تولہ سونا ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں۔
 (۲) چونکہ دو تولہ سونے کی قیمت ایک ہزار نقد روپے کے ساتھ ملا کر چاندی کا نصاب پورا ہوتا ہے لہذا قربانی واجب ہے۔

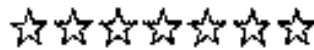
(۳) اس صورت میں بھی چونکہ چاندی کا نصاب پورا ہوتا ہے لہذا قربانی واجب ہے۔

”ولو بلغ باحدهما نصابا دون الآخر تعين ما يبلغ به (قوله تعين التقويم به) اي

اذا كان يبلغ به نصابا لمافي النهر عن الفتح يتعين ما يبلغ نصابا دون ما يبلغ اه“

..... (در علی الرد: ۲/۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



کیا دو ہزار اور دو تولہ سونے کے مالک پر زکوٰۃ ہے؟

مسئلہ نمبر (۲۵۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ان مسائل کے بارے میں

- (۱) میرے پاس دو ہزار روپے اور دو تولہ سونا ہے اور سال نہیں گزرا کیا میرے اوپر قربانی واجب ہے؟
 (۲) عمر مقروض ہے اور اس کے پاس سونا چاندی نہیں ہے، کیا عمر زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟
 (۳) میرا بھائی فوت ہو گیا ہے اور جائیداد میرے پاس ہے اور ان کے بچے نا سمجھ اور بالغ ہیں، کیا ان پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

(۴) زید کے پاس کچھ سونا اور کچھ رقم ہے دونوں کا الگ الگ نصاب مکمل نہیں ہیں، کیا زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

- (۱) اگر دو ہزار روپے اور دو تولہ سونے کی قیمت کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کو پہنچے تو یہ آدمی صاحب نصاب ہے اور اس پر قربانی واجب ہے۔

”قال الاضحية واجبة على كل حرم مسلم مقيم موسر في يوم الاضحى عن

نفسه وعن ولده الصغار واليسار لما روينا من اشتراط السعة ومقداره

ما يجب به صدقة الفطر“..... (الهداية: ۴۳۳، ۴۳۴/۴)

(۲) مذکورہ صورت میں شخص مذکور کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد سامان وغیرہ کی مالیت اگر اس قدر ہے کہ قرض کی ادائیگی کے بعد مقدارِ نصاب کو نہ پہنچے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ لے سکتا ہے، بصورت دیگر اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔

”ومدیون للعبد الاولی ومدیون بدين يطالب به العبد يشمل دين الزكوة والخراج لانه لله تعالى مع انه يمنع لانه مطالب من جهة العباد كما مر قوله بقدر دينه متعلق لقوله فلا زكوة“..... (فتاویٰ شامی: ۲/۸)

”وفارغ عن حاجته الاصلية لان المشغول بها كالمعدوم اه قال الشامي او تقديره ا كان الدين فان الدين محتاج الى قضائه بما في يده من النصاب دفعاعن نفسه الحبس الذي هو كالهلاك“..... (در المختار مع رد المحتار: ۲/۶)

”ومنها كون المال نصابا فلا تجب في اقل منه هكذا في العيني شرح الكنز“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۷۳)

”فان كان المال فاضلا عن الدين كان عليه زكوة الفاضل اذا بلغ النصاب“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۲۵۵)

(۳) چونکہ بچے بالغ ہیں لہذا جب تک وہ صاحبِ نصاب رہیں گے ان پر سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہے۔

”الزكوة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول“..... (الہدایہ: ۱/۲۰۰)

(۴) یاد رہے کہ اگر رقم اور سونے کی قیمت کا مجموعہ ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی میں سے کسی ایک نصاب کو پہنچے تو سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہے بصورت دیگر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

”فاما اذا كان له الصنفان جميعا فان لم يكن كل واحد منهما نصابا بان كان له عشرة مثاقيل ومائة درهم فانه يضم احدهما الى الآخر في حق تكميل النصاب عندنا“..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۰۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ادا نیگی زکوٰۃ میں تاخیر کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۵۹): مکرمی و محترمی جناب مفتی صاحب

السلام علیکم ورتہ اللہ وبرکاتہ!

عرض ہے کہ ہم بھائی کافی عرصہ سے دوکان پر کام کرتے ہیں، اور سالانہ زکوٰۃ نکال کر زیادہ تو رمضان شریف میں ادا کر دیتے ہیں اور کچھ بقایا دوکان میں ہی جمع کر دیتے ہیں، جو کہ تمام سال جہاں ضرورت ہو عند الطلب ادا کرتے رہتے ہیں، اب جواب طلب مسئلہ یہ ہے کہ وہ رقم دوکان میں استعمال ہوتی رہتی ہے مگر جہاں ضرورت ہو بغیر رکاوٹ کے ادا کر دی جاتی ہے، یہ مناسب ہے یا نہیں؟ شرع محمدی، فقہ حنفی کے مطابق جواب سے سرفراز فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) صورت مذکورہ میں سائل نے ادا نیگی زکوٰۃ کا جو طریقہ لکھا وہ جائز ہے لیکن زکوٰۃ فوری ادا کرنا واجب ہے بلا وجہ دیر کرنے سے گناہ ہوگا۔

(۲) زکوٰۃ جب تک اپنی ملک سے خارج کر کے فقیر کی ملک نہ دی جائے تو وہ زکوٰۃ دینے والے کی ملک میں ہی رہتی ہے اور وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے، لہذا آپ کا زکوٰۃ کی رقم کو دوکان میں لگانا جائز ہے۔

”تجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتاخیرہ من غیر عذر وفي رواية الرازی علی التراخی حتی یأثم عند الموت والاول اصح کذا فی التہذیب“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۷۰)

”لا يجوز اداء الزکوٰۃ الابنیۃ مقارنة للاداء او مقارنة لعزل مقدار الواجب لان الزکوٰۃ عبادة فكان من شرطها النیۃ والاصل فیها الاقتران الا ان الدفع یتفرق فاكتفى بوجودها حالة العزل تیسیرا کتقدیم النیۃ فی الصوم“..... (الہدیۃ: ۱/۲۰۳)

”ان التصرف فی مال الزکوٰۃ بعد وجوبها جائز عندنا حتی لو باع نصاب الزکوٰۃ جاز البیع فی الكل عندنا واما عند الشافعی فلا يجوز فی قدر الزکوٰۃ قولاً واحداً“..... (بدائع الصنائع: ۱/۱۱۶، ۱/۱۱۵)

”لا خلاف لاحد ان تصرف الرجل في ماله قبل الحول جائز بعبارة كان او غيره واما تصرفه بعد الحول جائز عندنا فالاصل عندنا ان وجوب حق الله تعالى في المال نحو الزكوة وما شبه لا يمنع النقل من ملك الى ملك، وهذا لان الحق في الحقيقة في الذمة والمال محل اقامة الحق، فقبل الاقامة كان المال خاليا عن حق الله تعالى فانعدم المانع من النقل من ملك الى ملك وهذا لان الحق في الحقيقة في الذمة والمال محل اقامة الحق ثابتا في الحق الا ترى ان مال الزكوة لو كانت جارية فحال عليها الحول حل لصاحب المال وطؤها ولو كان الحق ثابتا في العين كانت الجارية مشتركة ولا يحل وطء الجارية المشتركة“..... (المحيط البرهاني: ۳/۱۸۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

مريض کی طرف سے زکوٰۃ کی رقم ادا کرنا:

مسئلہ نمبر (۳۶۰): حضرات مفتیان کرام مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزارش ہے کہ درج ذیل مسائل کے جوابات عنایت فرمائیں۔

ایک پرائیویٹ ہسپتال والے مریض کے ٹیسٹ اپنی لیبارٹری سے کرواتے ہیں ان میں سے جو مریض مستحق زکوٰۃ ہوتے ہیں اس سے آدھی رقم لیبارٹری کی فیس کے طور پر لیتے ہیں اور باقی آدھی رقم اپنی زکوٰۃ کی مد میں سے لیبارٹری کو ادا کر دیتے ہیں بعض مریضوں کے لیے پوری رقم ہی زکوٰۃ سے ادا کر دی جاتی ہے، ایسا کرنا کیسا ہے؟ اس کی صحیح صورت کیا ہوگی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں ایسا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط ہے یعنی فقیر کو ان پیسوں وغیرہ کا مالک بنا دیا جائے، اور یہاں پر یہ صورت نہیں پائی جا رہی ہے، لہذا ہسپتال والوں کو چاہیے کہ وہ اتنے پیسے فقیر کو دے دیں وہ خود لیبارٹری والوں کو دے یا لیبارٹری والے ان سے وصول کریں تو پھر زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور مریض کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔

”قال في كشف الكبير في بحث القدرة الميسرة الزكاة لا تتأدى الا بتملك عين متقومة حتى لو اسكن الفقير داره سنة بنية الزكاة لا يجوز له لان المنفعة ليست بعين متقومة“..... (البحر الرائق: ۳/۳۵۳)

”قال القدوري رحمه الله تعالى في كتابه لا يجوز الزكاة الا اذا قبضها الفقير او قبضها من يجوز القبض له لولايته عليه كالا ب والوصى يقبضان للمجتون والوصى“..... (المحيط البرهاني: ۳/۲۱۳)

”امانفسير هافهي تملك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى هذا في الشرع كذا في التبيين“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۷۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کے فرض ہونے کی شرائط:

مسئلہ نمبر (۳۶۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لیے کیا شرائط ہیں؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ہیں، عقل، بلوغ، اسلام، آزاد ہونا، نصاب کا مالک ہونا، اور اس پر سال کا گزر جانا، جب کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے شرط یہ ہے کہ بوقت ادائیگی زکوٰۃ کی نیت کرے یا جس وقت اپنے مال سے زکوٰۃ کا مال علیحدہ کر رہا ہو اس وقت زکوٰۃ کی نیت کرے۔

”و شرط وجوبها العقل والبلوغ والاسلام والحرية وملك نصاب حولي فارغ

عن الدين وحاجته الاصلية تام ولو تقديرا و شرط ادائها نية مقارنة للاداء

اولعزل ماوجب“..... (كنز على البحر: ۳/۳۵۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قمری سال پورا ہونے پر زکوٰۃ لازم ہے:

مسئلہ نمبر (۳۶۲): محترم و مکرم جناب مفتی صاحب

السلام علیکم ورتہ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ بندہ ناچیز کو معاف فرمادیں گے کیونکہ کچھ مسائل جاننا چاہتا ہوں، تعلیم کی کمی کی وجہ سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو بندہ پھر معافی کا طلب گار ہے۔

(۱) معلوم ہوا ہے کہ ساڑھے سات تولہ سونے پر زکوٰۃ معاف ہے، میرے پاس ساڑھے گیارہ تولہ سونا ہے

کیا مجھے پورے کی زکوٰۃ نکالنی چاہیے یا پھر ساڑھے سات تولہ نکال کر باقی چار تولہ کی زکوٰۃ نکالنی چاہیے؟

(۲) میں نے ایک مکان 1999 میں خرید کیا اور 2001 میں رمضان المبارک میں اس کو فردخت کا بیع نامہ

کر دیا یعنی آخر رمضان میں مجھے دو لاکھ روپے ملے یہ دو لاکھ روپے مختلف کاموں میں خرچ ہو گئے، باقی رقم سولہ لاکھ

ذی الحج 2002 میں ملی، اب جن جن کا دینا تھا دے کر کل رقم گیارہ لاکھ باقی ہے، مکان کی رقم لیے ہوئے ذوالحجہ سے

رمضان تک ابھی نو ماہ ہوئے ہیں، کیا مجھ پر زکوٰۃ واجب ہے؟ کیا اٹھارہ لاکھ پر یعنی جب بیع نامہ کیا یا پھر جب سولہ لاکھ

وصول کیے، ذوالحجہ میں یا خرچ کرنے کے بعد اس وقت گیارہ لاکھ روپے باقی ہیں، مفصل جواب سے آگاہ فرمادیں

کہ زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

(۳) میرے بیٹے کی دو عدد ویگن روٹ پر چل رہی ہیں دونوں کی قیمت آٹھ لاکھ کے قریب ہے، چار لاکھ کا قرضہ

بھی ہے، جو روزانہ آمدن ہوتی ہے وہ خرچ ہو جاتی ہے جو بچتا ہے وہ مرمت وغیرہ پر خرچ ہوتا ہے، اب اس پر زکوٰۃ

کا کیا حکم ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزا دے، آمین۔

الجواب باسم الملك الوهاب

سب سے پہلے یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ زکوٰۃ چار چیزوں پر لاگو ہوتی ہے، سونا، چاندی، نقدی اور مال

تجارت، اگر ان میں سے سونا ہو اور باقی تین چیزوں میں سے کچھ بھی آپ کے پاس نہ ہو تو پھر ساڑھے سات تولہ وزن

ہونا ضروری ہے، اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، اور اگر صرف چاندی ہو اور مذکورہ تین چیزوں میں سے کوئی چیز بھی آپ

کے پاس نہ ہو تو پھر ساڑھے باون تولہ چاندی سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں آئے گی بلکہ ساڑھے باون تولہ اور اس سے

زیادہ پر زکوٰۃ آئے گی، اور اگر سونا اور چاندی دونوں ہوں یا سونے کے ساتھ یا چاندی کے ساتھ اور بھی کچھ ہو

تو پھر وزن کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ پھر قیمت کا اعتبار ہوگا، سونے یا چاندی میں سے جس نصاب کو بھی پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ

لازم ہو جائے گی، اب آپ کے سوالات کے ترتیب وار جوابات دے دیے جاتے ہیں۔

- (۱) کیا ساڑھے گیارہ تولہ سونے پر زکوٰۃ آئے گی۔
- (۲) جب آپ کا سال قمری پورا ہو گیا اس وقت دیکھیں کہ آپ کے پاس کیا ہے؟ کل کیش، پرائز بانڈ، بینک بیلنس، مختلف قسم کے ٹھیکے وغیرہ، کل سونا چاندی اور اس کے زیورات اور مال تجارت کو جمع کر کے اس میں جو کسی سے لینا ہے (جیسے مکان کی قیمت) وہ بھی اس میں جمع کر لیں اور جو کسی کو دینا ہے وہ منہا کر کے جو باقی بچے اس کا اڑھائی فیصد زکوٰۃ میں ادا کریں۔
- (۳) ویگن، ٹیکسی مال تجارت میں داخل نہیں ہے ان سے جو کچھ کمائی ہو وہ کیش میں داخل کر کے اس پر زکوٰۃ ادا کریں، واضح رہے کہ سال پورا ہونے سے قبل جو رقم خرچ ہو گئی ہو اس پر زکوٰۃ نہیں آتی۔

”ليس فيمادون عشرين مثقالا من ذهب صدقة فاذا كانت عشرين مثقالا ففيها نصف مثقال لماروينا والمثقال ما يكون كل سبعة منها ووزن عشرة دراهم وهو المعروف“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۹۹)

”وتضم قيمة العروض الى الذهب والفضة حتى يتم النصاب لان الوجوب في الكل باعتبار التجارة وان افرقت جهة الاعداد ويضم الذهب الى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية ومن هذا الوجه صار سببا ثم تضم القيمة“..... (ہدایہ: ۱/۲۱۳)

”الزکوٰۃ واجبة في عروض التجارة كالتما كانت اذا بلغت قيمتها نصابا من الورق او الذهب كذا في الهداية ويقوم بالمضروبة كذا في التبيين وتعتبر القيمة عند حولان الحول بعد ان تكون قيمتها في ابتداء الحول مائتي درهم من الدراهم الغالب عليها الفضة كذا في المضمرة“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۷۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی لازم ہے:

مسئلہ نمبر (۳۶۳): (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری تین بیٹیاں ہیں

اور ایک بیٹا ہے چاروں بچے سیکنڈری کلاس میں زیر تعلیم ہیں، بیٹا ابھی پنجم جماعت میں ہے، 30 دسمبر 2003ء کو میرے شوہر کا اچانک انتقال ہو گیا، مرحوم ایک عرصے سے شوگر اور دل کے عارضہ میں مبتلا تھے، انتقال سے پانچ سال پیشتر بیماری کی وجہ سے سروس بھی ختم ہو چکی تھی، سر چھپانے کو گھر بھی نہیں ہے، فی الحال میں اپنے والد مرحوم کے گھر میں رہ رہی ہوں، سسرال والے تھوڑی مدد کر دیتے ہیں، لیکن ماضی میں سسرال والوں کا رویہ مرحوم اور ہم سب کے ساتھ تلخ رہا ہے، مرحوم کا کچھ کیش اور زیور ہے بیماری اور بینکاری کی وجہ سے ہم لوگ پچھلے چار سال سے زکوٰۃ ادا نہیں کر سکے ہیں، آپ مجھے مہربانی فرما کر فوری طور پر جواب ارسال کریں۔

کیا ان حالات میں مجھ پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے کہ نہیں؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مرحوم بینک میں پیسے فکس کروانے کے خلاف تھے، مرحوم نے پوری احتیاط کی بینک سے کبھی نفع نہیں لیا، میرا بھی تک کوئی ذریعہ معاش بھی نہیں ہے، اب میں مجبوراً قومی بچت سکیم میں پیسے فکس کروانا چاہ رہی ہوں، کیا میں اب اس طرح کر سکتی ہوں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) آپ پر اس مذکورہ کیش و زیور میں سے جو آپ کا حصہ بنتا ہے اگر وہ نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا اور گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی آپ پر اسی تفصیل بالا کے مطابق لازم ہوگا۔

(۲) اور بینک میں فکس منافع کے طور پر پیسے جمع کر کے اس پر اضافی رقم لینا منافع کے نام سے شرعاً چونکہ سود ہے اس لیے اس میں بالکل نہ رکھوائیں زیادہ سے زیادہ کرنٹ اکاؤنٹ میں مجبوری کی صورت میں رکھوانے کی اجازت ہے۔

”وتضم قيمة العروض الى الثمنين والذهب الى الفضة قيمة كذا في الكنز حتى لو ملك مائة درهم وخمسة دنانير قيمتها مائة درهم تجب الزكوة عنده خلافا لهما ولو ملك مائة درهم وعشرة دنانير او مائة وخمسين درهما وخمسة دنانير او خمسة عشر دينارا وخمسين درهما تضم اجماعا كذا في الكافي“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۷۹)

”ومديون للعبد بقدر دينه فيزكى الزائد ان بلغ نصابا“..... (در مختار: ۱/۱۲۹)

”كل قرض جر نفعاً حرام“..... (رد المحتار: ۴/۱۹۴)

”الضرورات تبيح المحظورات ومن لم جاز اكل الميتة عند المخصصة
واساغة اللقمة بالخمر والتلفظ بكلمة الكفر للاكراه وكذا اتلاف المال
واخذ مال الممنوع من اداة الدين بغير اذنه دفع الصائل ولو ادى الى قتله“
.....(الاشباه والنظائر: ۸۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

والد بیٹے کے مال سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے:

مسئلہ نمبر (۳۶۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں امریکہ میں ہوں، ابھی ابھی شادی ہوئی ہے، میری بیوی پاکستان میں میرے والدین کے ساتھ رہتی ہے، میں کبھی کبھی والد صاحب کو گھر کا خرچہ چلانے کے لیے پیسے بھیجا کرتا تھا، سوال یہ ہے کہ میرے والد صاحب نے سارے زیورات کی قیمت نکال کر اس پر زکوٰۃ دے دی ہے، کیا یہ کافی ہے یا مجھے زکوٰۃ کے لیے خاص طور پر رقم بھیجنا ہوگی، یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے، جب میں پاکستان میں جاتا ہوں تو اگر میرے والد صاحب کی جیب میں ایک ہزار روپے ہے تو وہ میرا ہی ہے، اگر والد صاحب امریکہ آئیں تو وہ میرے اکاؤنٹ میں سے جو چاہیں لے سکتے ہیں، یہ سو فیصد مخلوط خاندانی نظام ہے، میرے دوست کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب کو زکوٰۃ دینے کی اجازت دی یہ درست نہیں کیا؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اگر آپ کے مال میں آپ کے والد صاحب کو اجازت عامہ حاصل تھی اور اس نے زکوٰۃ ادا کر دی ہے اور آپ کی طرف سے ان کو اس بات کا اختیار حاصل تھا تو ان کا ادا کر دینا کافی ہوگا آپ کو دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

”والمعتبر في الدفع نية الأمر حتى لو دفع خمسة إلى رجل وأمره أن يدفعها
إلى الفقير عن زكاة ماله فدفع ولم تحضره النية عند الدفع جاز لأن النية
إنما تعتبر من المؤدى والمؤدى هو الأمر في الحقيقة وإنما المأمور نائب عنه
في الإداء ولهذا لو وكل ذمياً بإداء الزكاة جاز لأن المؤدى في الحقيقة
هو المسلم بذكر في الفتاوى عن الحسن بن زياد في رجل أعطى رجلاً دراهم

لیتصدق بها تطوعاً ثم نوى الأمر ان يكون ذلك من زكوة ماله ثم تصدق
 المأمور جاز عن زكاة مال الأمر..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۳۵)
 ”وكذا لو قال تصدق بها عن كفارة يمینی ثم نوى الأمر عن زكاة ماله
 جاز لما ذكرنا ان الأمر هو المؤدی من حيث المعنى وانما المأمور نائب عنه“
 (بدائع الصنائع: ۲/۱۳۵)

”رجل اعطی دراهم لیتصدق بها تطوعاً او قال له تصدق بها عن كفارة ایمانی
 فلم یتصدق بها حتى نوى المؤکل ان يكون من زكاة ماله ولم یقل شيئاً ثم
 تصدق المأمور بها جاز عن زكاة ماله“..... (خلاصة الفتاویٰ: ۲/۲۲۳)
 واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بیٹیوں کے لیے رکھے گئے سونے پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۶۵): محترم جناب مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

دو مسئلے لکھ رہا ہوں، ازراہ کرم فتویٰ دیں کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا؟

(۱) میری بیوی نے اپنی لڑکیوں کے لیے تقریباً دس بیس تو لے سونا ایک طرف اس نیت سے رکھ دیا ہے کہ شادی
 آنے پر نصف نصف دونوں کو دے دوں گی، اب یہ برسہا برس شادی آنے تک پڑا رہا ہے، بتلائیں کیا اس پر زکوٰۃ
 واجب ہوگی یا معاف ہوگی؟ جب کہ یہ وقف کر دیا گیا تھا اور استعمال بالکل نہیں کیا گیا تھا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

چونکہ خاتون نے بیٹیوں کو ابھی دیا نہیں بلکہ اپنی ملک میں ہے لہذا اس سونے پر زکوٰۃ دینا ہوگی۔

”ليس فيمادون عشرين مثقالا من الذهب صدقة فاذا كانت عشرين مثقالا
 ففيها نصف مثقال“..... (هدايه على فتح القدير: ۲/۱۶۲)

”و شرط افتراضها عقل وبلوغ و اسلام وحرية و سببه اى سبب افتراضها
 ملك نصاب حولي تام“..... (درعلى هامش الرد: ۲/۴)

”واما الشرائط التي ترجع الى المال الخ ومنها الملك المطلق وهو ان يكون

مملوكا له رقبة ويذاو هذا قول اصحابنا الثلاثة“..... (بدائع الصنائع: ۲/۸۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مسجد کے نام پر رکھی گئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۶۶): محترم جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرض یہ ہے کہ میرے بڑے بیٹے نے ایک معقول رقم ہدیہ پچھلے سال مئی میں مجھے دی تھی، جو کہ وہ اکثر مجھے دے دیا کرتا ہے، اور میرے پاس ایک سال پورا ہونے سے پہلے خرچ ہو جایا کرتی ہے، مگر اس دفعہ اتفاق سے رکھی ہوئی ہے اور ایک سال پورا ہو گیا ہے، جب ان سے یہ رقم لی تھی تو میں نے یہ نیت کر لی تھی کہ اسے مسجد کی تعمیر و توسیع میں لگا دوں گا، اب آیا سال پورا ہونے پر اس رقم کی زکوٰۃ دینی ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ میں اس رقم کو مسجد کے نام وقف کر چکا ہوں، لیکن مسجد کمیٹی مسجد کی تعمیر و توسیع کے لیے ابھی تیار نہیں ہے، جب کہ رقم ابھی میرے پاس ہی ہے، اور مسجد کمیٹی کو میں اپنی اس خواہش سے مطلع کر چکا ہوں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ مذکورہ میں مذکورہ رقم پر سال کے گزرنے پر زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہے کیونکہ فقط نیت کر لینے سے یہ مال وقف نہیں ہوگا بلکہ اس کو انتظامیہ/متولی مسجد کے حوالہ کرنا ضروری ہے۔

”ولا یتم حتی یقبض ویفرز ویجعل آخره لجهة لا تنقطع“..... (حاشیہ

الطحطاوی علی الدر: ۲/۵۳۳)

”وعندهما حبس العین علی ملک اللہ تعالیٰ علی وجه تعدد منفعتہ الی العباد

فیلزم ولا یباع ولا یوہب ولا یورث اہ“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۲/۳۵۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

سونا اور نقدی اگر نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہے:

مسئلہ نمبر (۳۶۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت ہے جس کی ملکیت میں

سونے کے کچھ زیورات ہیں ان میں سے بعض روزمرہ کے استعمال کے ہیں اور بعض وہ کبھی کبھار شادی بیاہ وغیرہ میں استعمال کرتی ہے لیکن مذکورہ زیورات کی تعداد نصاب یعنی ساڑھے سات تولہ سے کم ہے، اس کے علاوہ ان کے پاس چاندی کے زیورات بالکل نہیں ہیں لیکن وہ اپنی ضروریات کے واسطے کچھ نقدی یعنی تقریباً ہزار سے لے کر دو ہزار تک روپیہ اپنے پاس رکھتی ہے تو صورت مسئلہ میں اس عورت پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ تو سال کا اطلاق کب سے شروع ہوگا؟ نیز اسی صورت میں ان کے لیے قربانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اگر اس کے پاس موجود نقدی اور زیورات سب ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تک پہنچ جاتے ہیں تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں، اور آپ جب سے صاحب نصاب ہوں اس وقت سے سال شروع ہوگا اور اگر عورت مذکورہ کی ملکیت میں موجود سونا، چاندی، نقدی، مال تجارت اور ضرورت سے زائد سامان ان میں سے کوئی ایک یا سب ملا کر اگر نصاب تک پہنچ جائیں تو قربانی بھی واجب ہے اس میں سال گزرنا بھی شرط نہیں ہے۔

”وتضم قيمة العروض الى الذهب والفضة حتى يتم النصاب“..... (الهداية:

۱/۲۱۳)

”الزکوة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصابا ملکا تاما

وحال عليه الحول“..... (الهداية: ۱/۲۰۰)

”وشرائطها ای شرائط الاضحیة الاسلام والاقامة والیسار الذی یتعلق به

صدقة الفطر“..... (الدر المختار: ۲/۲۳۱)

”صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم اذا كان مالكا لمقدار النصاب

فاضلاعن مسکنه وثیابه والثائه وفرسه وسلاحه وعبيده“..... (الهداية:

۱/۲۲۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جس عورت کے پاس نقدی اور سونا ہو اس پر زکوٰۃ قربانی دونوں واجب ہیں:

مسئلہ نمبر (۳۶۸): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خاوند اپنی بیوی کو

گھر میں ضروریات اور اس کی ذاتی اخراجات کے لیے وقتاً فوقتاً کچھ رقم دیتا ہے اور بیوی کے پاس کچھ سونا بھی ہے جو کہ نصاب زکوٰۃ سے بہت کم ہے یعنی زیادہ سے زیادہ تین چار تو لے، تو کیا اس رقم کی موجودگی کی وجہ سے وہ عورت صاحب نصاب بن جائے گی، ایک عالم دین کہتے ہیں کہ عورت کے پاس کچھ سونا ہو جو کہ نصاب سے کم ہو اور اس کے پاس کچھ نہ کچھ رقم بھی ہو تو وہ صاحب نصاب بن جاتی ہے لہذا اسے زکوٰۃ بھی دینی چاہیے اور قربانی بھی کرنی چاہیے، کیا مسئلہ یونہی ہے۔

عورت کے پاس اپنی کمائی کی کوئی رقم ہو یا اپنی کمائی والی رقم نہ ہو بلکہ خاندان سے وقتاً فوقتاً ہدیہ کے طور پر کچھ نہ کچھ رقم دیتا ہو اور اس کے پاس کچھ سونا بھی ہو تو کیا دونوں صورتوں میں مسئلہ ایک ہی ہے یعنی وہ صاحب نصاب بن جاتی ہے؟ یا دونوں صورتیں مختلف ہیں؟ اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں، نیز یہ بھی وضاحت فرمادیں کہ اگر ایسی صورت میں اس عورت نے کبھی زکوٰۃ نہ دی ہو اور کبھی قربانی نہ کی ہو تو اب کیا کرے؟ بیٹو اتو جرا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ عالم دین کا قول بالکل درست ہے، ایسی عورتوں کو زکوٰۃ و قربانی دونوں دینی ہوں گی اور سابقہ زکوٰۃ بھی ادا کریں اور سابقہ قربانی کی قیمتیں بھی صدقہ کریں اور رقم چاہے اپنی ذاتی کمائی کی ہو یا کسی کی دی ہوئی ہو دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

”ویضم الذهب الى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية ومن هذا الوجه صار سببا ثم تضم بالقيمة عند ابي حنيفة وعندهما بالاجزاء وهو رواية عنه حتى ان من كان له مائة درهم وخمسة مثاقيل ذهب وتبلغ قيمتها مائة درهم فعليه الزكوة عنده خلافا لهما هما يقولان المعتبر فيهما القدر دون القيمة حتى لا تجب الزكوة في مصنوع وزونه اقل من مائتين وقيمته فوقها هو يقول ان الضم للمجانسة وهو يتحقق باعتبار القيمة دون الصورة فيضم بها“
..... (ہدایہ: ۱/۲۱۳)

”ولولم يضع حتى مضت ايام النحر فقد فاتته الذبح فان كان اوجب على نفسه شاة بعينها بان قال لله على ان اضحى بهذه الشاة سواء كان الموجب فقيرا او غنيا او كان المضحى فقيرا وقد اشترى شاة بنية الاضحية فلم يفعل حتى مضت ايام النحر تصدق بها حية وان كان من لم يضح غنيا ولم يوجب على

نفسه شاء بعینها تصدق بقرمة شاة اشتری اولم یبشتر“..... (فتاویٰ

الهندیة: ۲۹۶/۵)

”ومدیون للعبد بقدر دینه فی زکی الزائد ان بلغ نصابا“..... (در مختار:

۱/۱۲۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

پلاٹ اگر تجارت کی نیت سے نہ خریدے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے:

مسئلہ نمبر (۳۶۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ 1997ء میں جب میری عمر 61 سال تھی میں نے ایک زرعی رقبہ زمین تجارتی مقصد کے لیے ایک ڈیلر کی معرفت خریدا تھا، بد قسمتی سے ڈیلر نے پٹواری سے مل کر ہمارے ساتھ دھوکہ فراڈ کیا، ہم کو زمین کے انتقال تو دے دیے گئے، مگر زمین کی نہ نشاندہی ہو سکی اور نہ ہی قبضہ ملا، یہی زمین کسی اور پارٹی کو بھی بیچی جا چکی تھی، ہم پر کئی مقدمے کروا دیے گئے، تین سال بعد مقدمہ کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوا مگر ڈیلر ہائی کورٹ میں چلا گیا، زمین بدنام ہو گئی پہلے ہی ٹکڑیوں کی شکل میں تھی، نشاندہی نہ تھی، قبضہ نہ ملا، بکتی نہ تھی، چنانچہ 1997ء میں ہم نے یہ زمین ایک تیسری پارٹی کو بغیر کوئی قیمت لیے انتقال کروا دی، صرف اسی امید پر کہ پارٹی زمین کے ٹکڑے خرید کر کے ایک مکمل قطعہ زمین بنائے گی پھر سوسائٹی بنا کر کیمپل ڈویلپمنٹ اتھارٹی (CDA) سے سوسائٹی منظور کروا کر پلاٹ بیچے گی اور پلاٹ بیچ کر ہم کو زمین کی قیمت ادا کر دے گی، یوں 1997ء میں زمین سے ہماری کاغذی ملکیت بھی ختم ہو گئی پیسہ بھی نہ ملا اور تجارتی گھانا پکا پڑ گیا، صرف ایک امید رہ گئی کہ شاید کبھی سوسائٹی پلاٹ دے دے۔

(۲) وظیفے پڑھے، دعائیں کروائیں، خود خانہ کعبہ جا کر دعا کی اور نامعلوم ناکرہ گناہوں کی معافی مانگی اللہ تعالیٰ نے ہماری فریاد سن لی اور اگست 2002ء میں ہم کو سوسائٹی نے عارضی چند پلاٹوں کے عارضی الاٹ منٹ لیٹر جاری کر دیے، مستقل الاٹ منٹ لیٹر، پلاٹوں کی نشاندہی اور قبضہ جنوری 2005ء یا بعد میں دیا جائے گا، جب سوسائٹی کو تمام ڈویلپمنٹ کام مکمل کرنے پر (CDA) اجازت نامہ جاری کرے گی، موقع کے کوائف سے اندازہ ہے کہ یہ کام جنوری تک ہو جائے گا انشاء اللہ۔

(۳) چونکہ 2002ء میں جب عارضی الاٹ منٹ لیٹر جاری ہو رہے تھے تو اس وقت میری عمر 71 سال ہو گئی تھی، چنانچہ میں نے اس نظریہ کے تحت کہ میرے مرنے کے بعد میرے بچوں کو عدالتوں میں ٹرانسفر انتقالوں کے

چکروں میں خراب نہ ہونا پڑے میں نے الاٹ منٹ لیٹر دو پلاٹوں کے اپنے دو بیٹیوں کے نام (ایک غیر شادی شدہ زیر کفالت بیٹی اور ایک شادی شدہ بیٹی کو دینے کے لیے) دو پلاٹوں کے لیٹر اپنی بیوی کے نام جاری کروا دیے، ایک پلاٹ کا لیٹر اپنے نام جاری کروا دیا۔

نوٹ: میرے نام ایک مکان زیر رہائش موجود ہے۔

(۴) زکوٰۃ کا مسئلہ جو ٹیلی ویژن پر مفتی محمد افضل صاحب نے کئی دفعہ تفصیل سے بتایا اس کے مطابق میں یہ سمجھ پایا ہوں کہ

☆ زکوٰۃ روپیہ، سونا چاندی پر ہے، ہیروں مکان اور دکان اور پلاٹ اگر یہ ذاتی استعمال کے لیے ہوں تو اس پر نہیں، کرایہ پر دینے کے لیے ہوں تب بھی نہیں ہے، گائے بھینس اگر دودھ بیچنے کے لیے رکھی ہوں تو ان پر بھی نہیں ہے۔

☆ زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت واجب ہے جب کہ زکوٰۃ دینے کے مقررہ حساب کے دن رقم موجود ہو، اور اس ساری رقم پر دینا ہوگی جو اس وقت موجود ہو چاہے ایک دن پہلے ہی ہو (بشرطیکہ وہ شخص گذشتہ پورے سال میں صاحب نصاب تھا)

☆ پلاٹ، دوکان یا مکان اگر قطعی تجارتی غرض سے خریدا تھا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر زکوٰۃ کے لیے نقد رقم موجود نہ ہو تو بیچ کر دی جائے یا حساب کر کے واجب الادا لکھ لی جائے اور جب اور جس سال بیچی جائے اس سال اپنے دیگر زیور پیسہ کی رقم جمع کر کے کل رقم پر زکوٰۃ دی جائے۔

☆ جب تک مکان پلاٹ بیچا نہ جائے رقم کا تعین قیمت خرید کے حساب سے ہوگا اور فروخت والے سال کی اصل سے فروخت کی رقم سے۔

☆ میں نے 1991 سے اس زرعی زمین کے رقبہ کی قیمت پر کوئی زکوٰۃ نہیں دی، اس لیے کہ رقم ادا کرنے کے بعد مجھے زمین نہ مل سکی کیونکہ دھوکہ ہوا زمین دو جگہ بکلی تھی، نہ زمین کی نشاندہی ہو سکی اور نہ قبضہ مل سکا، پھر یہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، ساری جاتی دیکھیے تو آدھی تو لٹا، کے محاوروں کے مطابق زمین ایک سو ساٹھ کو بغیر کوئی رقم لیے ٹرانسفر کروا دی، اس کی ملکیت بھی ختم اور تجارتی گھانا بھی پڑ گیا، سن 2002ء میں زمین کی قیمت جب پلاٹوں کی شکل میں واگزار ہوئی تو اسے بیٹیوں اور بیوی کے نام کر دیا اور ان کو پلاٹ الاٹ ہو گئے (عارضی طور پر سہی) ایک پلاٹ جو میرے نام تھا وہ میں نے کسی کو عارضی الاٹ منٹ کی بنیاد پر پھینکنے والی قیمت پر ضرورت کے تحت بیچ دیا، ضرورت پوری کرنے کے بعد جو رقم بچی اس پر یکم رمضان 2004ء کو جب میں زکوٰۃ دیتا ہوں زکوٰۃ ادا کر دی۔

(ب) بیٹے کہتے ہیں کہ پلاٹ پڑے رہیں ضرورت پڑنے پر مہنگا پلاٹ بیچ کر سستا یا بڑا پلاٹ بیچ کر چھوٹا لے لیں گے اور زائد رقم میں اور رقم ڈال کر مکان بنائیں گے، اگر باہر چلے گئے تو پلاٹ پڑا رہے گا یا اگر ضرورت ہوئی تو اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے بیچا تو کسی بھی وقت جاسکتا ہے، اور اگر ہمارے والدین کو ضرورت پڑے تو بیچ سکتے ہیں، بیوی کہتی ہے کہ دو پلاٹ جو اس کو ملیں گے اس میں سے ایک زیر کفالت بیٹی کو اور ایک شادی شدہ بیٹی کو دیا جائے گا لیکن جب تک زندہ ہے پلاٹ اس کے نام رہیں گے، میں 71 سال کا ہوں اور وہ 60 سال کی ہے۔

تجارتی مقصد والی دلیل جس کا تعین خرید کے وقت ہوتا ہے وہ ان پلاٹوں پر لاگو نہیں ہوتی، کیونکہ بیٹوں اور بیوی کو تو یہ پلاٹ بہہ کے طور پر والد اور خاتوند کی طرف سے ملے ہیں، ان کا مقصد اور ارادہ اوپر والی شق میں درج ہے، اس طریق پر ان پلاٹوں پر ان کو زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں بنتا۔
برائے مہربانی صحیح طریقہ کار پر روشنی ڈالیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اس تحریر کی روشنی میں بشرط صحت سوال اگر واقعی آپ کی اور آپ کی بیٹیوں کی ان پلاٹوں کی جو سوسائٹی نے آپ کے نام کیے ہیں تجارتی غرض نہیں ہے اور آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے اپنے استعمال کے لیے رکھے ہیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

”اوانية التجارة في العروض اما صريحا ولا بد من مقارنتها لعقد التجارة كما سيجيء او دلالة بان يشتري عينها عرض التجارة او يؤجر داره التي للتجارة بعض فتصير للتجارة بلانية صريحا واستنوا من اشتراط النية ما يشتريه المضارب فانه يكون للتجارة مطلقا لانه لا يملك بمالها غيرها ولا تصح نية التجارة فيما خرج من ارضه العشرية او الخراجية او المستاجرة او المستعار لتلاي جمع الحقان قوله ولا بد من مقارنتها العقد التجارة بان ينوي عند العقد ان يكون المملوك به للتجارة سواء كان ذلك العقد شراء او اجارة وسواء كان ذلك الثمن من النقود او من العروض فلو نوى ان يكون للبدلة لا يكون للتجارة وان كان الثمن من النقود وخرج ملكه بغير عقد كالميراث فلا تصح فيه نية التجارة اذا كان من غير النقود او ملكه بعقد هو مبادلة مال بغير مال كالمهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد وبدل

العتق فانه لاتصح فيه نية التجارة ولو اشترى عروضا للبذلة والمهنة ثم نوى ان تكون للتجارة بعد ذلك لاتصير للتجارة مالم يبيعها فيكون بدلها للتجارة لان التجارة عمل لاتتم بمجرد النية بخلاف ما اذا كان للتجارة فنوى ان يكون للبذلة خرج عن التجارة بالنية وان لم يستعمله لانها ترك العمل فتتم بها“
.....(حاشية الطحطاوى على الدر: ۱/۳۹۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

ممكن الوصول رقم کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی:

مسئلہ نمبر (۳۷۰): کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے ٹرک فریم دو لاکھ چالیس ہزار پرفروخت کیا اس کی سالانہ قسط پچاس ہزار روپے ہے اب یہ شخص مذکور اپنے اس مال کے دو لاکھ چالیس ہزار میں زکوٰۃ دے یا اسے سالانہ قسط پچاس ہزار روپے میں زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی، دونوں میں واجب الادا صورت کی وضاحت فرمادیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں یہ شخص مذکور دو لاکھ چالیس ہزار روپے کی زکوٰۃ ادا کرے گا، ہاں سالانہ قسط پچاس ہزار روپیہ کی زکوٰۃ وصول کرنے پر ادا کرے گا اور غیر وصول شدہ اقساط کی زکوٰۃ اگر وصول کرنے سے پہلے ادا کرے تب بھی صحیح ہے ورنہ اس کے ذمہ واجب الادا ہے۔

”الزکوٰۃ واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصابا ملكا تاما و حال

عليه الحول“.....(الهداية: ۱/۲۰۰)

”ومنها حولان الحول على المال العبرة في الزکوٰۃ للحول القمري كذا في

القنية“.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۷۵)

”ومن كان له نصاب فاستفاد في اثناء الحول مالا من جنسه ضمه الي ماله

وزكاه سواء كان المستفاد من نمائه اولا وبأى وجه استفاد ضمه سواء كان

بميراث او هبة او غير ذلك“.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۷۵)

”ویجوز تعجیل الزکوٰۃ بعد ملک النصاب ولا یجوز قبلہ کذا فی الخلاصۃ
وانما یجوز التعجیل بثلاثة شروط احدها ان ینکون الحول منعقدا علیہ وقت
التعجیل والثانی ان ینکون النصاب الذی ادى عنه کاملا فی آخر الحول
والثالث ان لا ینفوت اصلہ فیما بین ذلک“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۷۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

موہوب چیز پر اگر قبضہ دے دیا تو اس کی زکوٰۃ موہوب لہ ادا کرے گا:

مسئلہ نمبر (۳۷۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لاولد صاحب اپنی جائیداد اپنے
بھانجیوں اور بھانجیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور ان سے درخواست کرتے ہیں کہ جو رقم تقسیم کی گئی ہے کہ اس کے منافع
وہ تادم حیات خود لیں گے اور اپنی مرضی سے تقسیم کریں گے، اصل مال ان کی وفات کے بعد نئے مالک لینے کے
مجاز ہوں گے، اس صورت میں زکوٰۃ کی رقم کس پر واجب ہوگی، مال تقسیم کرنے والے پر یا نئے مالکان پر؟
مثال کے طور پر اصل مال ایک لاکھ روپے ہے اور پہلے سال کے بعد منافع دس ہزار روپے ہو گیا تو ٹوٹل ایک
لاکھ دس ہزار روپے ہو گئے، اور پہلے سال کا خرچ آٹھ ہزار روپے ہے تو سال کے اختتام پر ایک لاکھ دو ہزار روپے بچ
گئے اور یہی رقم اگلے سال کا مال بھی ہے۔

اب آٹھ ہزار میں سے صاحب جائیداد نے چار ہزار خود خرچ کیے اور چار ہزار اپنے بھانجیوں اور بھانجیوں
کو دیے دوسرے سال بھی اسی طرح کیا اور دوسرے سال کے اختتام پر کل مال ایک لاکھ چار ہزار ہو گیا تو زکوٰۃ
کا حساب کس طرح کیا جائے گا؟ قرآن و سنت کی روشنی میں فتویٰ مطلوب ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) بشرط صحت سوال جب لاولد صاحب نے اپنی جائیداد اپنے بھانجیوں اور بھانجیوں میں تقسیم کر دی اور انہوں
نے قبضہ بھی کر لیا تو وہ بھانجیوں اور بھانجیوں اس جائیداد کے شرعاً مالک بن گئے، لہذا زکوٰۃ بھی انہیں پر واجب ہوگی
اور لاولد صاحب کا تاحیات جائیداد سے منافع کی قید لگانا شرعاً فاسد ہے اور اس کے لیے جائیداد سے منافع حاصل
کرنا درست نہیں، اور اگر لاولد صاحب نے محض جائیداد تقسیم کی لیکن قبضہ نہیں دیا تو اس صورت میں جائیداد اسی لاولد
صاحب کی ملک میں باقی ہے، لہذا زکوٰۃ بھی اسی پر واجب ہوگی۔

(۲) شرعاً ادائیگی زکوٰۃ میں کل مال کا چالیسواں حصہ ادا کیا جاتا ہے لہذا صورت مسئلہ میں ایک لاکھ چار ہزار کی زکوٰۃ دو ہزار چھ سو روپے بنتی ہے۔

”اما اصل الحكم فهو ثبوت الملك للموهوب له في الموهوب من غير عوض لان الهبة تمليك العين من غير عوض فكان حكمهما ملك الموهوب من غير عوض“..... (بدائع الصنائع: ۵/۱۸۲)

”وتتم الهبة بالقبض (قوله بالقبض) في شرط القبض قبل الموت“..... (فتاویٰ شامی: ۳/۵۶۹)

”واما شروط وجوبها..... ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد واما اذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض او وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لا يجب فيه الزكوة“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۷۴)

”فالهبة والصدقة والنكاح..... لان هذه العقود لا تبطل بالشروط الفاسدة فيصح العقد ويطل الاستثناء“..... (بدائع الصنائع: ۵/۱۶۷)

”رجل وهب لآخر ارضا على ان ما يخرج منها من زرع ينفق الموهوب له ذلك على الواهب قال ابو القاسم الصغار ان كان في الارض كرم او اشجار جازت الهبة ويطل الشرط..... وفي الاسيحيابي رجل وهب لرجل هبة او تصدق عليه بصدقة على ان يرد عليه ثلثها او ربعها او بعضها فالهبة جائزة ولا يرد عليه ولا يعوضه بشيء كذا في التتارخانية“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۳/۳۹۶)

”ليس فيما دون مائتي درهم صدقة لقوله عليه السلام ليس فيما دون خمس اواق صدقة والاوقية اربعون درهما فاذا كانت مائتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم لانه عليه السلام كتب الى معاذ ان خذ من كل مائتي درهم خمسة دراهم ومن كل عشرين مثقالا من ذهب نصف مثقال“..... (هدايہ: ۱/۲۱۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

رہائشی پلاٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے:

مسئلہ نمبر (۳۷۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو تہیم بچے ایک ۳ مرلے کے پلاٹ کے مالک ہیں ایک بچہ نوکری کرتا ہے جب کہ دوسرا بھی اپنے چچا کی کفالت میں ہے، زمین کی قیمت دو لاکھ اسی ہزار روپے ہے، براہ کرم یہ بتائیں کہ ان پر زکوٰۃ فرض ہے اگر فرض ہے تو کتنی فرض ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں اگر یہ پلاٹ رہائش کے لیے خریدا ہے تو اس کی زکوٰۃ دینا واجب نہیں ہے۔

”و شرط وجوبها العقل والبلوغ والاسلام والحرية وملک نصاب حولی فارغ عن الدين وحاجته الاصلية“..... (کنز الدقائق: ۷۰)

”و شرط فراغه عن الحاجة الاصلية لان المال المشغول بها كالمعدوم وفسرها في شرح المجمع لابن الملك بما يدفع الهلاك عن الانسان تحقيقا او تقديرًا فالثاني كالدين والاول كالنفقة ودور السكنى وآلات الحرب“..... (البحر الرائق: ۲/۳۶۱)

”ومنها فراغ المال عن حاجته الاصلية فليس في دور السكنى وثياب البدن والثالث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۷۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

وجوب زکوٰۃ کے لیے نصاب پر سال گزرنا شرط ہے:

مسئلہ نمبر (۳۷۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس ماہ رجب میں اتنا مال آگیا کہ وہ نصاب تک پہنچتا ہے آیا اب اس پر آئندہ رمضان میں زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے نصاب پر سال گزرنا شرط ہے لہذا یہ شخص آئندہ رمضان میں نہیں

بلکہ جب بھی نصاب پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ ادا کرے گا۔

”لقوله عليه السلام لازكوة في مال حتى يحول عليه الحول“..... (بدائع الصنائع: ۲/۲۸)

”الزكوة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصابا ملكا تاما وحال عليه الحول“..... (الهداية: ۱/۱۶۷)

”قوله لحولانه عليه اي لان حولان الحول على النصاب شرط لكونه سببا“..... (فتاوى شامی: ۲/۲۵۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قرض دہندہ پر بھی زکوٰۃ واجب ہے:

مسئلہ نمبر (۳۷۴): (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کے پاس روپے موجود تھے لیکن کوئی ضرورت مند آیا اور اس نے یہ پیسے ضرورت مند کو بطور قرض حسنة کے دے دیے، قربانی اور زکوٰۃ اس پر واجب ہے یا نہیں؟ اب اس کے پاس ضرورت سے زائد پیسے ہیں۔

(۲) اگر ایک آدمی کسی دنیاوی غرض کے لیے قرض لیتا ہے لیکن غرض پوری ہونے کے بعد بقیہ پیسے اس کے بعد اس کے پاس موجود ہوتے ہیں، کیا اس پر قربانی اور زکوٰۃ واجب ہے؟ گورنمنٹ یا کسی فرد کو جس سے یہ قرض لیا ہے واپس بھی نہیں کر سکتا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) بشرط صحت سوال قرض دہندہ پر زکوٰۃ و قربانی واجب ہے کیونکہ وہ اس کا مال ہے۔

”وتجب الزكوة في الدين مع عدم القبض“..... (بدائع الصنائع: ۲/۸۸)

”قال ابو حنيفة رواية الاصل الديون ثلاثة دين قوی وهو بدل مال التجارة والقرض..... ففي الدين القوی تجب الزكوة اذا حال عليه الحول“..... (فتاوى الهندية: ۱/۲۵۲)

”ومنها الغنى لما روى عن رسول الله ﷺ انه قال من وجد سعة فليضح شرط

عليه الصلاة والسلام السعة وهو الغنى“..... (بدائع الصنائع: ۳/۱۹۶)

(۲) مذکورہ آدمی کے پاس اگر قرض کے پیسوں کے علاوہ اتنے پیسے موجود نہ ہوں جو نصاب تک پہنچ سکیں تو اس پر زکوٰۃ و قربانی واجب نہیں ہے۔

”ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكوة عليه“..... (ہدایہ: ۲/۱۰۲)

”ولو كان عليه دين بحيث لو صرف اليه بعض نصابه لا ينقص نصابه لا تجب

لان الدين يمنع وجوب الزكوة فلان يمنع وجوب الاضحية اولى لان الزكوة

فرض والاضحية واجبة“..... (بدائع الصنائع: ۳/۱۹۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیلہ کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۷۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نصاب زکوٰۃ کو ختم کرنے کے لیے بعض لوگ سال پورا ہونے سے قبل مال اپنے بیٹے وغیرہ کے نام کر دیتے ہیں ایسا کرنے سے زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیلہ کرنا سخت گناہ ہے بشرطیکہ شرعی مجبوری نہ ہو۔

”قال الخصاص كره بعض اصحابنا الحيلة في اسقاط الزكوة و رخص فيها

بعضهم قال الشيخ الامام الاجل شمس الانمة الحلواني كرهها محمد بن

الحسن والذي رخص فيها ابويوسف فقد ذكر الخصاص الحيلة في اسقاط

الزكوة و اراد به المنع عن الوجوب لا الاسقاط بعد الوجوب و مشائخنا

رحمهم الله اخذوا بقول محمد دفعا للضرر عن الفقراء“..... (فتاویٰ

الهندية: ۶/۳۹۱)

”الاحتیال لمنع وجوب الزکوٰۃ لا باس به وقال بعضهم هو مکروه وفيه اثم

وفي المنظومة في مقالة ابی يوسف و محمد و الاحتیال لا متناع الشفعة

او الزکوٰۃ مطلق فی الشریعة و فی المصنفی و الفتویٰ فی الشفعة علی قول ابی

یوسف و فی الزکوٰۃ علی قول محمد“..... (فتاویٰ التاتارخانية: ۲/۲۲۳)

”فالحاصل ان ما يتخلص به الرجل من الحرام او يتوصل به الى الحلال من الحيل فهو حسن وانما يكره ذلك ان يحتال في حق الرجل حتى يبطله او في باطل حتى يموهه او في حق حتى يدخل فيه شبهة فما كان هذا السبيل فهو مكروه“.....(المبسوط السرخسي : ۳/۲۳۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جی پی فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۷۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں سکول ماسٹر ہوں، ادارہ ہماری تنخواہ سے ہر مہینے میں ایک سو روپے کاٹتے ہیں اور یہ رقم آخر میں ملے گی، تو کیا اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ نیز پنشن لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر یہ کٹوتی جبراً ہوتی ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، جب مل جائے گی تو اپنی شرائط کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی، اور پنشن لینا جائز ہے۔

”واما الشرائط التي ترجع الى المال منها الملك فلا تجب الزكوة في سوانم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك وهذا لان في الزكوة تمليكا والتملك في غير الملك لا يتصور“.....(بدائع الصنائع : ۲/۸۸)

”والثاني ان كان الدين مالا مملوكا ايضا لكنه مال لا يتحمل القبض لانه ليس بمال حقيقه بل هو مال حكمي في الذمة وما في الذمة لا يمكن قبضه فلم يكن مالا مملوكا رقبة وبدا فلا تجب الزكوة فيه كمال الضمار“.....(بدائع الصنائع : ۱/۹۰)

”ومنها الفراغ عن الدين قال اصحابنا رحمهم الله تعالى كل دين له مطالب من جهة العباد ويمنع وجوب الزكوة سواء كان الدين للعباد كالقرض وضمن البيع

وزمان المتلفات وارش الجراحة وسواء كان الدين من النقود او المكيل

او الموزون او الثياب او الحيوان“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۷۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

سونا اور چاندی پر زکوٰۃ پر شبہ کا جواب:

مسئلہ نمبر (۳۷۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں فقہ کی کتابوں میں واضح طور پر لکھا ہے کہ استعمال کی چیزوں پر زکوٰۃ نہیں ہے، اب سوال یہ ہے کہ خواتین جو زیورات (سونا، چاندی وغیرہ) کے پہنتی ہیں وہ بھی تو استعمال کی چیز ہوتی ہے، لہذا اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ زیورات کا استعمال تو یہی ہے کہ ان کو کپڑے کی طرح بدن پر استعمال کیا جاتا ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

یہ بات ٹھیک ہے کہ استعمال کی چیزوں پر زکوٰۃ نہیں ہے، لیکن سونا چاندی کے احکام دیگر چیزوں سے مختلف ہیں، ان پر زکوٰۃ ہر صورت میں آتی ہے چاہے وہ استعمال میں ہوں یا نہ ہوں، بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچ جائے۔

”تجب الزکوٰۃ فی مانتی درہم وعشرین دینارا ولوتبرا او حلیا (قولہ ولوتبرا او حلیا) بیان لعدم الفرق بین المصکوک وغیرہ کالمہر الشرعی و فی غیر الذهب والفضة لا تجب الزکوٰۃ مالم تبلغ قیمته نصابا مصکوکا من احدهما“..... (کنز مع البحر الرائق: ۲/۳۹۳)

”واللازم مبتدأ (فی مضروب کل) منہما ومعمولہ ولوتبرا او حلیا مطلقا مباح الاستعمال اولا ولولتجمل والنفقة لانہما خلقتا المانا فیزکیہما کیف کانا“..... (الدر المختار علی رد المحتار: ۲/۳۳)

”عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان امرأتين اتتا رسول الله ﷺ وفي ايديهما سواران من ذهب فقال لهما اتؤديان زكاته فقالتا لا فقال لهما رسول الله ﷺ اتحبان ان يسور كما الله بسوارين من نار فقالتا لا قال فاديا زكاته“..... (جامع الترمذی: ۱/۲۵۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا بس پر زکوٰۃ لازم ہوگی؟

مسئلہ نمبر (۳۷۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس ایک بس ہے، کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بس پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس کی آمدنی کا حساب کیا جائے گا، اگر نصاب پورا ہو اور سال بھی اس پر گزر چکا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

”و شرط فراغه عن الحاجة الاصلية لان المال المشغول بها كالمعدوم
 وفسرها في شرح المجمع لابن الملك بما يدفع الهلاك عن الانسان
 تحقيقا او تقديرا، فالثاني كالدين والاول كالنفقة ودور السكنى..... واثاث
 المنزل ودواب الركوب“..... (البحر الرائق: ۲/۳۶۱)

”ومنها فراغ المال عن الحاجة الاصلية فليس في دور السكنى واثاث المنزل
 ودواب الركوب“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۷۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

وراثت میں ملے ہوئے مکان پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۷۹): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ والدہ نے اپنی حیات میں ہی مکان کی تقسیم کر کے جو حصہ بیٹے کا تھا اس کو دے دیا، اور جو حصہ بیٹیوں کا تھا ان کو دے دیا لیکن قبضہ پورے مکان پر بیٹے کا تھا، والدہ کی حیات میں اور والدہ کی وفات کے بعد بیٹیوں نے اپنے حصہ کے لیے کوشش شروع کی کافی جدوجہد اور بھاگ دوڑ کے بعد چند لوگوں میں اس مسئلہ کو حل کیا گیا، بھائی نے مکان اپنی ملکیت میں رکھا، بہنوں نے رضا مندی پر اور مارکیٹ ریٹ پر جو قیمت بنتی تھی، وہ بہنوں کو ادا کر دی، بہنوں کو جو رقم ملی ہے کیا اس پر زکوٰۃ بنتی ہے یا نہیں؟ نقدی پر سال نہیں گزرا لیکن مکان ان کے حصے میں آنے کے بعد تقریباً دو تین سال کا عرصہ گزرا ہے، دوسری صورت بہنوں کی یہ ہے کہ مکان ہم نے والدہ سے قیمت میں خریدا تھا، ان دونوں صورتوں میں جب مکان کی ملکیت کی پوری رقم مل گئی اب زکوٰۃ دینی ہے کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مکان انسان کو وراثت میں ملتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، البتہ جب اس کو فروخت کر دے تو اس اب اس کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، اگر وارث پہلے سے صاحب نصاب ہے تو جب باقی نصاب کی زکوٰۃ ادا کرے گا تو اس رقم کی بھی ساتھ ہی زکوٰۃ ادا کر دے گا، اور اگر پہلے سے صاحب نصاب نہیں ہے تو اس رقم پر جب سال گزرے گا تب زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ دوسری صورت میں اگر بہنوں نے وہ مکان فروخت کی نیت سے خریدا ہو تو اس مکان کی موجودہ قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر فروخت کی نیت سے نہیں خریدا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

”ولا زکوٰۃ علی مکاتب الخ واثاث المنزل و دور السكنی و نحوها در قوله

و نحوها کتیب البدن الغير المحتاج اليها و كالحوانيت و العقارات“

..... (الدرمع الرد: ۲/۹)

”وما اشتراه لها ای للتجارة كان لها بمقارنة النية لعقد التجارة لا ما ورثه و نواه

لها“..... (الدرمع الرد: ۲/۱۳)

”لا خلاف فی ان اصل النصاب وهو النصاب الموجود فی اول الحول يشترط

له الحول لقوله لازكوة فی ماله حتى يحول علیه الحول“..... (بدائع

الصنائع: ۲/۹۶)

”ومن كان له نصاب فاستفاد فی اثناء الحول من جنسه ضمه اليه“

..... (الهدایہ: ۱/۲۰۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جو پیسے گھر میں رکھے ہوئے ہوں ان پر زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۸۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کے پاس کچھ پیسے یونہی پڑے ہوئے ہیں، وہ عورت ان پیسوں سے کاروبار بھی نہیں کرتی کیا ان پیسوں پر زکوٰۃ فرض ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں جب بھی مال پر سال پورا بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچتا ہو اس پر زکوٰۃ آئے گی۔

”وتجب على الفور عند تمام الحول حتى يائمه بتأخيره من غير عذر“

.....(فتاوى الهندية: ١/١٤)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿الباب الثانی فی المصارف﴾

زکوٰۃ کی رقم مسجد و مدرسہ میں صرف کرنا:

مسئلہ نمبر (۳۸۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا زکوٰۃ کی رقم مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بیوا تو جروا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ زکوٰۃ کی رقم مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں خرچ نہیں کر سکتے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

”ولا يجوز ان يبنى بالنزكاة المسجد وكذا القناطر والسقايات واصلاح

الطرقات وكبرى الانهار“..... (الهنديّة: ۱/۱۸۸)

”يشترط ان يكون الصرف تملكاً لا اباحة كما امر لا يصرف الى بناء

نحو مسجد“..... (الدر المختار: ۱/۱۴۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جہیز اور بارات کو کھانا کھلانے کے لیے زکوٰۃ لینا:

مسئلہ نمبر (۳۸۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر لوگ لڑکی کی شادی کرنے کے لیے

اس کے جہیز اور باراتوں کو کھانا کھلانے کے لیے زکوٰۃ مانگتے ہیں کیا ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ جس شخص کے پاس ایک دن، رات کا کھانا موجود ہو اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے، لہذا

اگر اس شخص کی بیٹی کا نکاح اس کے جہیز پر موقوف ہو، یعنی خاوند جہیز کے لیے اصرار کر رہا ہو، اس کے بغیر نکاح کرنے پر

راضی نہ ہو اور یہ شخص اور اس کی بیٹی مستحق زکوٰۃ بھی ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا اور ان کے لیے زکوٰۃ مانگنا جائز ہے ورنہ نہیں۔

”ومنها المسكين وهو من لاشيء له فيحتاج الى المسئلة لقوته او ما يوارى

بدنه ويحل له ذلك بخلاف الاول حيث لا تحل المسئلة له فانها لا تحل لمن

يملك قوت يومه بعد ستره بدنه كذا في فتح القدير“..... (الهنديّة: ۱/۱۸۸)

”ویجوز صرفها الی من لایحل له السؤال اذالم یملک نصاباً“..... (الفتاویٰ

الہندیة: ۱/۱۸۹)

”ولایجوز دفع الزکاة الی من یملک نصابا ای مال کان ذنانیر او درہم

اوسوائم او عروضاً للتجارة اولغیر التجارة فاضلا عن حاجته فی جمیع السنة“

..... (الہندیة: ۱/۱۸۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بیوہ عورت کو زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۳۸۴): کیا فرماتے ہیں مقتدیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بیوہ عورت جس کا ذریعہ آمدنی کچھ نہیں ہے، اس کو صرف رمضان میں زکوٰۃ دی جاتی ہے اور اس کا سالانہ خرچہ ساٹھ ہزار ہے اس کو زکوٰۃ کی ادائیگی کس طرح کریں گے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر بیوہ عورت کے پاس سونا، چاندی، نقد روپیہ، یا کوئی ایسی چیز جو ضروریات سے زائد ہو اور اس کی قیمت ساڑھے ہاون تولہ چاندی کے برابر نہ ہو، تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے ورنہ نہیں، بشرطیکہ وہ عورت سیدہ نہ ہو، اور یکمشت دینے کی بجائے اس کو بقدر ضرورت دے دیا کریں یہ جائز ہے، اگرچہ بقدر نصاب یکمشت دینا بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

”قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ لایحل الزکاة لمن له مائتا درہم فصاعدا

ولاباس بان یاخذها من له اقل من مائتی درہم“..... (المحیط البرہانی:

۳/۲۱۵)

”ولایدفع الی بنی ہاشم وهم آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل

الحارث بن المطلب“..... (الہندیة: ۱/۱۸۹)

”وشرط صحة ادائها مقارنة له ای للاداء ولو كانت المقارنة

حکماً..... او مقارنة بعزل ماوجب کله او بعضه“..... (درمختار: ۲/۱۱۱، ۱۲)

”وندب الاغناء عن السؤال في ذلك اليوم كذا في التبيين“..... (الهندية: ۱/۱۸۸)

”ویکرہ ان یدفع الی رجل مائتی درہم فصاعدا وان دفعہ جاز کذا فی

الهدایة“..... (الهندية: ۱/۱۸۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جس گھر میں ٹی وی ہو ان کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۸۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان عقلم اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ لینے والے کے گھر میں اگر ٹی وی ہو خواہ معمولی درجہ کا ہو کیا اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

ٹی وی اور اسی طرح کی ضروریات سے زائد چیزیں جن کی مجموعی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے جس شخص کی ملکیت میں ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اور اگر اس سے کم ہو تو اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

”ولا يجوز دفع الزكاة الى من يملك نصابا ای مال كان دنانیر او دراهم

اوسوائهم او عروضاً للتجارة او لغير التجارة فاضلا عن حاجته فی جميع السنة“

..... (الهندية: ۱/۱۸۹)

”ویجوز دفعها الی من یملک اقل من النصاب وان كان صحيحا مكتسبا“

..... (الهندية: ۱/۱۸۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی رقم بغیر تملیک کے مدرسہ کی عمارت پر لگانا:

مسئلہ نمبر (۳۸۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مدرسہ کے مہتمم صاحب کو ایک شخص نے ایک بڑی رقم تعمیرات کی مد میں جمع کروائی مہتمم صاحب نے اس رقم کو مدرسہ کی تعمیر میں خرچ کیا واضح رہے کہ جس جگہ میں مدرسہ تعمیر کیا جا رہا تھا وہ جگہ وقف ہے بعد میں رقم دینے والے شخص نے کہا میں نے جو رقم دی تھی وہ زکوٰۃ تھی

جب کہ دیتے وقت اس کا اظہار بھی نہیں کیا تو مہتمم صاحب نے بغیر تملیک کے وہ رقم مدرسہ کی تعمیر میں لگا دی اب پوچھنا یہ ہے کہ وہ شخص اگر از سر نو زکوٰۃ نہیں دیتا تو اس تعمیر کا کیا حکم ہے جو زکوٰۃ کی رقم سے بنائی گئی ہے؟

نوٹ: اسی (۸۰) ہزار روپے زکوٰۃ کی مد میں بھی دیے تھے اس سے دو تین کمرے تعمیر ہوئے ہیں اور اس تعمیر میں اور لوگوں کے روپے بھی شامل ہیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ کے لیے تملیک شرط ہے صورت مسئلہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی کیونکہ اس میں تملیک شرعی نہیں پائی گئی، اور مہتمم صاحب کے ذمہ رقم کی ضمانت نہیں ہے، کیونکہ مہتمم صاحب نے رقم موکل کے حکم کے مطابق تعمیر میں خرچ کی ہے اور کوئی خیانت نہیں کی اور موکل نے رقم دیتے وقت یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ رقم زکوٰۃ کی مد میں ہے۔

”يشترط ان يكون تمليكاً لا اباحة كما مر لا يصرف الى بناء نحو مسجد ولا الى كفن ميت وقضاء دينه“..... (الدر المختار: ۱/۱۳۰)

”ولا يجوز ان يبني بالزكوة المسجد وكذا القناطر والسقايات واصلاح الطرقات وكري الانهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه ولا يجوز ان يكفن بها ميت ولا يقضى بهادين الميت كذا في التبيين“..... (الهندية: ۱/۱۸۸)

”قوله نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات واصلاح الطرقات وكري الانهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه زيلعي (قوله ولا الى كفن ميت) لعدم صحة التمليك منه“..... (رد المحتار: ۲/۶۸)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

غیر مسلم مدیون کو زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۳۸۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی غیر مسلم غریب پر قرضہ ہو تو وہ قرضہ زکوٰۃ سے ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، چاہے وہ مدیون ہو یا نہ ہو۔

”ولا تدفع الى ذمی (قوله) لحديث معاذ رضي الله عنه اي المار عند قوله
ومكاتب اذلا خلاف ان الضمير في اغنيائهم يرجع للمسلمين فكذا في
فقراء هم“..... (درمع ردالمحتار: ۴۳/۲)

”ولا يجوز صرف الزكاة الى الكافر حربيا كان او ذميا“..... (قاضي خان على
هامش الھندیة: ۲۶۷/۱)

”واما اهل الذمة فلا يجوز صرف الزكاة اليهم بالاتفاق..... واما الحربى
المستامن فلا يجوز دفع الزكاة والصدقة الواجبة اليه بالاجماع ويجوز صرف
التطوع اليه كذا في السراج الوھاج“..... (فتاوى الھندیة: ۱/۱۸۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

داماد یا بہو کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۸۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ داماد یا بہو کے غریب ہونے کی صورت
میں ان کو زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے؟ جب کہ ان دونوں کا مال بالواسطہ بیٹے اور بیٹی کو پہنچتا ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

داماد یا بہو کے غریب ہونے کی صورت میں ان کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے۔

”قال الشامی ويجوز دفعها لزوج ابنته و ابنته و زوج ابنته
ناتار خانیه“..... (ردالمحتار: ۲۹/۲)

”ويجوز دفعها الى من سوى الوالدين والمولدين من الاقارب من الاخوة
والاخوات وغيرهم لانقطاع منافع الاملاك بينهم“..... (بدائع
الصنائع: ۱۶۲/۲)

”ويجوز ان يعطى امرءة ابية وابنه و زوج ابنته“..... (ناتار خانیه ۲۰۶/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

امام مسجد کو صدقات واجب دینا:

مسئلہ نمبر (۲۸۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام مسجد کو زکوٰۃ و صدقۃ الفطر و دیگر صدقات واجب دینا کیسا ہے؟ آج کل امام مسجد کی تنخواہ اتنی نہیں ہوتی کہ اس تنخواہ سے گزارہ ہو سکے، دوسری بات یہ ہے کہ جب محلے والے امام مقرر کرتے ہیں تو اس کو بتاتے ہیں کہ آپ کی اتنی تنخواہ ہوگی اور آپ کو اس کے ساتھ صدقہ فطر اور عشر بھی دیا جائے گا، برائے مہربانی اس مسئلہ کی قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اگر امام صاحب، صاحب نصاب نہ ہو تو اس امام صاحب کو صدقہ فطر اور دیگر صدقات واجب دینا درست ہے بشرطے کہ یہ امامت وغیرہ کی تنخواہ میں نہ ہو، اگر امامت کی تنخواہ میں صدقہ فطر دیا گیا تو اس سے صدقہ فطر ادا نہیں ہوگا۔

”ويجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان

صحيحاً مكتسباً“..... (الهندية: ۱/۱۸۹)

”والثاني ان الزكوة وجبت بطريق الصلة الا ترى انه لا يقابله عوض مالي“.....

(بدائع الصنائع: ۲/۱۶۹)

”هي تملك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة

عن الملك من كل وجه لله“..... (البحر الرائق على الكنز: ۲/۳۵۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

سید خاندان کو زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۳۸۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے پڑوس میں سید خاندان رہتے ہیں ان میں ایک بیوہ خاتون ہے اور وہ غریب ہے میں اس سیدہ کو زکوٰۃ فطرانہ دینا چاہتا ہوں مگر سنا ہے کہ ان کو دینا درست نہیں، زکوٰۃ فطرانہ وغیرہ کے علاوہ وسائل میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اس کی مدد کر سکوں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

سید خاندان کو زکوٰۃ و دیگر صدقات واجب دینا درست نہیں ہے۔

”ولا يدفع الى بنى هاشم وهم آل على وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الخثر بن عبدالمطلب كذا في الهداية ويجوز الدفع الى من عداهم من بنى هاشم كذرية ابي لهب لانهم لم يناصروا النبي ﷺ كذا في السراج الوهاج، هذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة فاما التطوع فيجوز الصرف اليهم كذا في الكافي“..... (الهنديّة: ۱/۱۸۹)

”ومنها ان لا يكون من بنى هاشم لما روى عن رسول الله ﷺ انه قال يامعشر بنى هاشم ان الله كره لكم غسالة الناس وعوضكم منها بخمس الخمس من الغنمة“..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۶۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

صدقات واجبروتہ فقلہ مدرسے میں دینے کی صورت:

مسئلہ نمبر (۳۹۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عطیات، صدقات، خیرات، فطرانہ، عشر، قربانی کی کھالیں اور زکوٰۃ کی رقم دینی مدرسہ کو دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر دی جاسکتی ہے تو کس انداز سے دی جائے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ وغیرہ دینی مدرسہ کو بھی دی جاسکتی ہے بلکہ مدرسہ کو دینے سے ان شاء اللہ وگنا ثواب ہوگا، ایک ادائیگی زکوٰۃ و صدقات کا، اور ایک تعلیم دین کی نشر و اشاعت میں حصہ لینے کا، بشرطیکہ آپ کو اعتماد ہو کہ مہتمم صاحب یا مدرسے کی انتظامیہ اس زکوٰۃ کو شریعت کے مطابق استعمال کریں گے جس کی صورت یہ ہے کہ پہلے کسی فقیر سے تملیک کروائی جائے پھر اس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کیا جائے۔

”ويشترط ان يكون الصرف تمليكا..... لا يصرف الى بناء نحو مسجد ولا الى كفن ميت..... لعدم التمليك وهو الركن وقدعنا ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يامر به فعل هذه الاشياء“..... (الدرمع الرد: ۲/۶۸، ۶۹)

”قوله اى مصرف الزكاة والعشر..... وهو مصرف ايضا الصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة“..... (الدرمع الرد: ۲/۶۳)

”ولا تدفع الزکوة لبناء مسجد او تکفین میت الی قوله وان ارید ان تصرف الی
 هذه الوجوه صرف الی فقیر ثم یامر بالصرف الیها فی شباب المزکی
 والفقیر“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مدرسہ میں ادا کی گئی زکوٰۃ میں تملیک کی صورت:

مسئلہ نمبر (۳۹۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دینی مدارس میں زکوٰۃ وغیرہ کی ادا کی گئی
 کے لیے تملیک کی صورت کیا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

تملیک کی بہت سی صورتیں ہیں بہتر صورت یہ ہے کہ پہلے کسی شخص کو ترغیب دی جائے کہ وہ قرض لے کر
 مدرسہ کو صدقہ کرے اور پھر وہ زکوٰۃ والی رقم اس مقروض کو دے دی جائے جس سے وہ اپنا قرض ادا کرے، یاد رہے
 کہ تملیک صرف صدقات واجبہ کے لیے ضروری ہے تمام نقلی صدقات کے لیے تملیک کی ضرورت نہیں۔

”ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً الی قوله ان الحیلة ان یتصدق علی
 الفقیر ثم یامر بفعل هذه الاشیاء“..... (الدرمع الرد: ۲/۲۸، ۲۹)

”وحیلة الجواز ان یعطى مديونه الفقیر زکوٰۃ ثم یأخذها عن
 دینہ“..... (الہندیۃ: ۶/۳۹۲)

”ولا تدفع الزکوة لبناء مسجد او تکفین میت الی قوله وان ارید ان تصرف الی
 هذه الوجوه صرف الی فقیر ثم یامر بالصرف الیها فی شباب المزکی
 والفقیر“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۳)

”واما صدقة التطوع فیجوز صرفها الی الغنی لانها تجری مجری
 الهبة“..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۵۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مدرسے کے جملہ اخراجات بعد التملیک زکوٰۃ سے ادا کرنا:

مسئلہ نمبر (۳۹۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عطیات صدقات خیرات فطرانہ عشر قربانی کی کھال اور زکوٰۃ کی رقم وغیرہ مدرسہ کی مدد میں کس کس میں خرچ کی جاسکتی ہے؟ مدرسہ میں اخراجات کی عام طور پر یہ شکلیں ہوتی ہیں، (۱) طلباء کا کھانا (۲) طلبہ کی کتب (۳) اساتذہ کی تنخواہیں (۴) مدرسہ کی تعمیر (۵) طلباء کا وظیفہ (۶) طلباء کے لیے لباس کا انتظام (۷) طلباء کے لیے تیل صابن وغیرہ (۸) ملازمین کی تنخواہیں (۹) عمومی نوعیت کی اشیاء مثلاً کولر، تپائیاں، چٹائیاں (۱۰) پانی، بجلی، گیس فون، وغیرہ کا بل (۱۱) وفاق کی سالانہ فیس۔

الجواب باسم الملك الوهاب

تملیک کے بعد زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ کے تمام مذکورہ اخراجات کفایت شعاری سے ادا کیے جاسکتے ہیں۔

”ویشترط ان یکون الصرف تملیکا..... لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی

کفن میت..... لعدم التملیک وهو الرکن وقد معنا ان الحیلة ان یتصدق علی

الفقیر ثم یامرہ بفعل هذه الاشیاء“..... (الدرمع الر ۵: ۲/ ۲۸، ۲۹)

”ولا تدفع الزکوٰۃ لبناء مسجد او تکفین میت الی قوله وان ارید الصرف الی

هذه الوجوه صرف الی فقیر ثم یامر بالصرف الیها فیصاب المزکی

والفقیر“..... (البحر الرائق: ۲/ ۲۲۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

سسر کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۹۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے سسر میرے سگے تایا جان ہیں، ان کی عمر ۹۰ سال ہے ان کے پاس کوئی جائیداد مال ذاتی گھر زیور وغیرہ نہیں ہے، ان کی اولاد سب ماشاء اللہ اپنے اپنے گھروں میں خوشحال ہیں، میرے سسر اپنے مرحوم بیٹے کے گھر میں رہتے ہیں، جہاں ایک بیوہ اور تین بچے ہیں، ایک بچہ کہیں ملازم ہے اور دو بچے زیر تعلیم ہیں، میرے سسر کی ماہانہ پنشن ۶۰۴۴ روپے ہے، گھر کی (بیوہ) بہو کی پنشن ۴۰۰۰ روپے ہے، میرے سسر اپنی پنشن چند دنوں میں گھریلو اخراجات وغیرہ میں خرچ کر دیتے ہیں، مندرجہ

بالصورت میں سوال یہ ہے کہ کیا میرا سر زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے، اور کیا میں اپنے سر کو یعنی تاجا جان کو زکوٰۃ دے سکتی ہوں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر سر موصوف کا پنشن کی رقم میں گزارہ مشکل ہوتا ہے اور ان کے پاس کوئی سونا چاندی وغیرہ بھی نہیں ہے اور نہ کوئی پلاٹ وغیرہ خریدا ہوا ہے تو ان کو آپ اپنی زکوٰۃ کی رقم دے سکتی ہیں بشرطیکہ سر موصوف سید بھی نہ ہوں، لیکن اپنے شوہر کے مال سے زکوٰۃ سر کو دینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اولاد اپنے والدین کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔

”والالی من بینہما اولاد و قید بالوالد لحوالہ لبقیة الاقارب کالاحوة والاعمام

والاخوال الفقراء بل ہم اولی لانہ صلة و صدقة“..... (الدرمع الرد: ۲/۶۹)

”يجوز دفع الزکوة الی من یملک مادون النصاب او قدر نصاب غیر نام وهو

مستغرق فی الحاجة“..... (البحر الرائق: ۲/۴۱۹)

”وقوله و بنی ہاشم و موالیہم) ای لایجوز الدفع لهم لحديث البخاری نحن

اهل بیت لا تحل لنا الصدقة“..... (البحر الرائق: ۲/۴۲۹)

”و يجوز صرفها الی الاب المعسروان کان ابنه موسرا“..... (الهنديّة: ۱/۱۸۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



بہن اگر بھائی کے گھر میں رہتی ہو تو زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۳۹۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بہن بھائی کے گھر میں رہتی ہو تو اس کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر بہن بھائی کے گھر میں رہتی ہو اور نصاب کی مالک نہ ہو تو بہن کو زکوٰۃ دینا جائز اور موجب ثواب ہے۔

”وقيد بالوالد لحوالہ لبقیة الاقارب کالاحوة والاعمام والافقراء بل

هم اولی لانہ صلة و صدقة“..... (شامی: ۲/۶۹)

”وقيد باصله وفرعه لان من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم وهو اولی

لما فيه من الصلة مع الصدقة كالاخوة والاحوات والاعمام والعمات
والاخوال والخالات الفقراء.....(البحر الرائق : ۲/۲۲۵)
”وفى العيون رجل يعول اخته او اخاه او عمه او عمته فاراد ان يعطيه الزكاة ان
لم يكن فرض عليه القاضى نفقته جاز لان التمليك من هولاء بصفة القرية
يتحقق من كل وجه فيتحقق ركن الزكاة وان كان القاضى فرض عليه نفقته ان
لم يحتسب المودى اليه من نفقته جاز ايضا وان كان لا يحتسب لايحوز لان
هذا اداء الواجب بواجب آخر“.....(المحيط البرهاني : ۳/۲۱۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

شادی شدہ بہن کو زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۳۹۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بہن شادی شدہ ہے تو بھائی اس کو
زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ دینے میں اس کے شوہر کے غریب اور امیر ہونے کا اعتبار ہے کہ نہیں؟ قرآن و سنت کی
روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بہن اگر فقیر ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے شوہر کے غریب یا امیر ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔

”ويدفع الى امرأة غني اذا كانت فقيرة وكذا الى البنت الكبيرة اذا كان ابوها
غنيا لان قدر النفقة لا يغنيها وبغنى الاب والزوج لاتعد غنية كذا في الكافي“
.....(الهندية : ۱/۱۸۹)

”وقيد بعبده وطفله لان الدفع الى اب الغني وزوجته جائز سواء فرض لها
نفقة اولا“.....(البحر الرائق : ۲/۳۲۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مستحق کیلئے زکوٰۃ کی رقم سے قرض کی ادائیگی اولیٰ ہے:

مسئلہ نمبر (۳۹۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمد فاروق ولد عبد الوہاب کی ماہوار تنخواہ

تقریباً ۲۸۰۰ روپے ہے، مکان کرائے کا ہے، زیور ایک تولہ بھی نہیں ہے، اور نہ ہی وراثت میں کوئی چیز ہے، گھریلو سامان میں مہنگا صرف اینیر کولر ہے اور واشنگ مشین ہے، میاں بیوی اور چار بچے ہیں، تین بچے سکول پڑھتے ہیں، ایک سب سے چھوٹا معذور ہے اور بیمار رہتا ہے، مکان کا کرایہ بمع مل ۱۵۰۰ سو روپے ہے، اور بچوں کا سکول خرچہ پانچ سو روپیہ ہے، اور مجھ پر تقریباً ۲۵۰۰ روپے قرض ہے، جو کہ چھوٹے بچے کے بیمار ہونے پر مجھ پر چڑھ گیا تھا، اور اب میں پانچ مرلے کا پلاٹ لینا چاہتا ہوں، جس کی قیمت ۷۵۰۰۰ ہزار روپے ہے، کچھ لوگ میری کچھ مدد کرنا چاہتے ہیں بطریق زکوٰۃ، آپ مجھے بتائیں ان پیسوں سے میں قرض اتاروں یا کہ پلاٹ کے لیے ایڈوانس دے دوں؟ یا دونوں میں سے جہاں چاہوں استعمال کر سکتا ہوں، آیا اس صورت میں مجھ پر زکوٰۃ لگتی ہے یا کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) صورت مسئلہ میں شخص مذکور مستحق زکوٰۃ ہے۔

”هو فقير وهو من له ادنى شئ اى دون نصاب او قدر نصاب غير نام مستغرق في

الحاجف ومسكين من لاشئ له“..... (در مختار مع رد المحتار ۵: ۲/۶۳)

(۲) دونوں جگہوں میں اس مال کو استعمال کر سکتے ہو مگر قرض ادا کرنا اولیٰ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی رقم سے مدارس و مساجد کی تعمیر اور اس کے لئے حیلہ تملیک:

مسئلہ نمبر (۳۹۷): (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک بہت بڑا مدرسہ ہے جو زیر تعمیر ہے، یہ ایک بہت بڑے مدرسہ کی شاخ ہے جسکی سرپرستی علمائے کرام اور مفتی صاحبان کر رہے ہیں، چند مخصوص صاحب خیر حضرات اس کی تعمیر کے لیے اپنی زکوٰۃ کی رقم تملیک کے ذریعہ سے خرچ کر رہے ہیں، آپ رہنمائی فرمائیں کیونکہ سائل بھی انتظام میں شامل ہے اس کا طریقہ کیا ہے؟

(۲) سائل ایک مدرسہ کا مہتمم ہے جس میں رہائشی طلباء اور طالبات ہیں، سائل اپنے مدرسہ کے تعاون کے لیے ایک صاحب خیر سے جس کے پاس صرف زکوٰۃ کی رقم ہے، جائز طریقہ سے مدرسہ کی تعمیر میں خرچ کرنا چاہتا ہے وہ تمام صورتیں جو ممکن ہوں لکھ کر مشکور فرمائیں؟

(۳) مدرسہ خود زیر تعمیر اور خورد و نوش کے سلسلے میں مقروض ہے، جس مدرسہ کا مہتمم بھی زکوٰۃ کا مستحق ہو کیا یہ مہتمم

زکوٰۃ کا مالک بن کر مدرسہ کی تعمیر پر خرچ کر سکتا ہے، اور وقتاً فوقتاً صاحب خیر کی تسلی کے لیے حساب و کتاب دکھاتا رہتا ہے ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں؟

(۴) مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں فلاں کو زکوٰۃ کا مالک بناؤں تو وہ مدرسہ کی تعمیر میں خرچ کر دے گا، جبکہ فلاں کو زکوٰۃ دوں تو وہ کسی صورت میں راضی نہیں ہوگا، آیا معلوم ہونے کے باوجود مدرسہ کی تعمیر کرنے والے کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟

(ب) مزید یہ کہ تعمیری اخراجات کا حساب کتاب بھی دیکھ لوں تو اس کی اجازت ہے تاکہ میں زیادہ تعاون کرتا رہوں، آیا اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

(۵) اگر قرض لے کر تعمیر کی گئی ہو تو کیا ادائیگی کے لئے کسی کو مالک بنا کر قرض اتار سکتے ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۳۱) زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے کسی مستحق کو بلا عوض مالک بنانا ضروری ہے اور زکوٰۃ کی رقم سے مساجد و مدارس کی تعمیرات یا اساتذہ کی تنخواہیں ادا نہیں کر سکتے البتہ اس کے لیے بہت ہی مجبوری کے تحت حیلہ تمیلک اختیار کیا جاسکتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔

(۱) کسی مستحق زکوٰۃ کو کہہ دیں کہ آپ فلاں آدمی سے اتنا قرض لے لیں آپ کے قرض کی ادائیگی کی ضمانت ہم لیتے ہیں تو وہ دوسرا شخص کسی شخص سے قرض لے کر وہ مدرسہ کو بطور ہدیہ کے دیدے اور زکوٰۃ کی رقم اس مستحق کو دے دیں تاکہ وہ قرض ادا کر سکے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کسی ایسے مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے جو ان کاموں میں خرچ کرنے کی خواہش رکھتا ہو لیکن ناداری کی وجہ سے خود خرچ نہیں کر سکتا اور وہ مالک بننے کے بعد اپنی رضامندی سے تعمیر کے لیے مدرسہ میں جمع کرا دے تو دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور ثواب دونوں کو مل جائے گا۔

صورت مسئلہ میں اگر مہتمم صاحب واقعی زکوٰۃ کے مستحق ہیں تو وہ خود بھی یہ طریقہ اختیار کر سکتے ہیں۔

(۳) مدرسہ کی تعمیرات پر خرچ کروانے کے لیے مستحق کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جائے گی اگر آپ اطمینان قلب کے لئے حساب دیکھ کر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تو پھر بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

”ویشترط ان يكون الصرف تمليكا لا اباحة لا يصرف الي بناء المسجد (قولہ

نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات واصلاح الطرقات وكري

الانهار والحج والجهاد وكل ما لا تملك فيه زبلى اه.....
(رد المحتار: ۶۸/۲)

”قد من الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يامر به بفعل هذه الاشياء اه“
..... (الدرمع الر: ۶۹/۲)

”فالحيلة فى ذلك ان بعد ما دفع صاحب المال ماله العين الى الغريم
قدر الدين ناويا عن الزكاة يتصدق صاحب المال على هذا المديون بحصته من
الدين ثم ان المديون يهب ذلك المقبوض من صاحب المال اه“
..... (الهندية: ۳۹۲/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کم آمدن، مقرض اور زیادہ اخراجات والے شخص کے لیے زکوٰۃ لینے کا مسئلہ:

مسئلہ نمبر (۳۹۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی ۱۳ اپریل ۱۹۸۵ء میں ہوئی میرا خاوند شوکت ایک سرکاری ملازم ہے اور اس کی ماہانہ آمدنی چھ سو روپے تھی وقت کے ساتھ ساتھ آمدنی بڑھتی رہی اور اب الحمد للہ اس وقت چھ ہزار روپے ہے، لیکن اخراجات کی شرح زیادہ اور آمدنی کم ہے، جس کی وجہ سے ہر ماہ قرضہ ہو جاتا ہے میرے شوہر کو بجلی کا کام آتا ہے، کام کرنے پر آمدنی کا ذریعہ بن جاتا ہے، لیکن عمر کا تقاضا ہے کہ زیادہ کام ہو نہیں پاتا، دوسرا آمدنی کا ذریعہ اپنے بھائیوں کیساتھ دکان میں کچھ سرمایہ لگایا ہے، اس کی آمدنی عید کے موقع پر تھوڑی بہت ملتی ہے، جو کہ عید کی خوشی اور عید کے مصرف میں خرچ ہو جاتی ہے، عرض یہ ہے کہ حالات زندگی تنگ ہیں کچھ عرصہ ہوا ہے کہ میں نے اپنی رہائش کے لیے ایک مکان خریدا ہے، یہ کام بھی قرضہ کی صورت میں ہوا، ابھی قرضہ واجب ہے، میرے پانچ بچے تین بیٹاں اور دو بیٹیاں ہیں، میں حتی الامکان صرف کرتی ہوں، قرضہ اتارنے کی کوشش کرتی ہوں۔

(۱) کیا میں شریعت کے مطابق زکوٰۃ کی مستحق ہوں؟

(۲) زکوٰۃ کی رقم کس مصرف میں لائی جاسکتی ہے؟

مندرجہ بالا حالات میں میری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر اس کے پاس سونا چاندی نقدی وغیرہ نہیں ہے اور کوئی ایسا پلاٹ بھی نہیں ہے برائے فروخت جو کہ تجارت کی نیت سے خریدا ہو، اور دیگر مال تجارت اور ضرورت سے زائد سامان قرضہ کی رقم سے کم ہو تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے ورنہ نہیں۔

”ای مصرف الزکاة والعشر الخ هو فقیر وهو من له ادنی شیء ای دون نصاب او قدر نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة و مسکین من لاشیء له. ۵۱..... (الدر المختار: ۲/۶۳)

”لاباس ان یعطى من الزکوة من له مسکن وما یتأثت به فی منزله وخادم و فرس و سلاح و ثياب البدن و کتب العلم ان کان من اهلہ“..... (رد المحتار: ۲/۷۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

لابیریری کے اخراجات کے لئے زکوٰۃ لینے کا مسئلہ:

مسئلہ نمبر (۳۹۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محترم میاں الطاف شوکت صاحب نے کثیر سرمایہ فراہم کر کے لابیریری کے طور پر ایک بڑا ہال تعمیر کروایا جو کہ یکم فروری ۱۹۹۰ء کو محترم میاں صاحب کی رحلت پر ان کے اہل خانہ، احباب اور شاگردوں نے انہیں کے نام سے موسوم کر دیا، کم و بیش ان محروم کے اہل خانہ کی طرف سے فراہم کردہ سرمایہ سے اس کی تعمیر ہو سکی، اس لابیریری میں میاں صاحب کی ذاتی اور دیگر ذرائع سے حاصل کردہ دین حق کے علاوہ دیگر اہم موضوع پر ہزاروں کتب طلباء اور دیگر شائقین کے علم کی پیاس بجھانے کے لئے بلا معاوضہ موجود ہیں، جب کہ مستحق طلباء اور طالبات کو نصابی کتب کی فراہمی کے لیے فی الحال محدود پیمانے پر اہتمام کیا ہے۔

میاں صاحب مرحوم کے نام سے موسوم اس لابیریری کے حال اور کتب کی دیکھ بھال کے لئے مزید کتب کی فراہمی اور مقررہ وقت پر کھولنا بند کرنا اور اس طرح کے دیگر امور کے لیے مسلسل اور کثیر سرمایہ کی ضرورت ہے جو کہ موجودہ حالات اور زمانہ میں ایک ہی خاندان کے لئے یہ بوجھ اٹھانا ممکن نہیں رہا جب کہ لابیریری عوام الناس اور طلباء اور طالبات کے لئے بھی ہے۔

درج بالا حقائق کے تحت فتویٰ صادر فرمائیں کہ مخیر اور صاحب نصاب کی زکوٰۃ اس لابیریری کے لئے حاصل

کی جاسکتی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

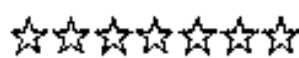
مسئولہ صورت میں زکوٰۃ کی رقم بغیر تملیک کے لائبریری میں خرچ نہیں کی جاسکتی، اور تملیک کے بعد لائبریری کے تمام اخراجات میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

”قولہ تملیکاً فلا یکفی فیہا الاطعام الا بطریق التملیک ولو اطعمہ عندہ ناویا الزکاة لا تکفی و فی التملیک اشارۃ الی انہ لا یصرف الی مجنون و صبی غیر مراهق الا اذا قبض لهما من یجوز لہ قبضہ کالاب والوصی و غیرہما و یصرف الی مراهق یعقل الاخذ کما فی المحيط قہستانی. و یشرط ان یشرف التملیک الا باحۃ لا یصرف الی بناء المسجد قوله نحو مسجد کبناء القناطر و السقایات و اصلاح الطرقات و کروی الانہار و الحج و الجہاد و کل ما لا تملیک فیہ زیلعی اہ“..... (رد المحتار: ۶۸/۲)

”قولہ ولا ینسب بہا مسجد ولا یکن بہا میت لانعدام تملیک منہ و هو الرکن والدلیل علی ان التملیک لا ینتفق فی تکفین المیت ان الذنب لو اکل المیت ینسب الیہ لکن لا للوارث کذا فی النہایۃ و کذا لا یقضی بہا دین میت ولا ینسب بہا السقایات ولا یحفر بہا الآبار ولا یجوز الا ان یقبضہا الفقیر او یقبضہا لہ ولی او وکیل لانہا تملیک ولا بد فیہا من القبض و لہذا لا یجوز اطعامہا بطریق الاباحۃ“..... (الجوہرۃ النیرۃ: ۱۵۵/۱)

”وقدمنا ان الحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یامرہ بفعل ہذہ الاشیاء و ہل لہ ان یخالف امرہ لم ارہ و الظاہر نعم“..... (الدرمع الرد: ۶۹/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



زکوٰۃ کی رقم سے کسی فقیر کے قرض کی ادائیگی اور کاروبار شروع کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۰۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک انسان غریب ہے محنت کرتا ہے، ملازمت بھی کرتا ہے، سفید پوش ہے، کام کرنا چاہتا ہے، کام کو سمجھتا بھی ہے، سمجھدار باشعور لڑکا ہے، اس کا باپ اپنے

بیٹے سے پیسوں کا تقاضا کرتا رہتا ہے، وسائل نہیں ہیں کہ کوئی کاروبار کام وغیرہ کر سکیں، نماز اور روزہ کا پابند ہے، دین پر چلنے کی کوشش کرتا رہتا ہے، جماعتوں کیساتھ جاتا رہتا ہے، چار ماہ لگے ہوئے ہیں، ایماندار مخلص ہے پوچھنا یہ ہے کہ اس لڑکے کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے کہ وہ اس زکوٰۃ والی رقم سے کاروبار وغیرہ کر سکے؟ یا وہ قرض لے کر کوئی کام کرنا چاہتا ہے اب یہ قرض اس لڑکے کے سر پر ہے، زکوٰۃ کی رقم سے اس کا قرض اتار سکتے ہیں؟ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اسلام میں کیا حکم ہے؟ زکوٰۃ کی رقم سے کفالت کر سکتے ہیں؟ برائے مہربانی دلیل کے ساتھ لکھ دیجئے، یہ لڑکا اپنی پریشانی کا اظہار بھی کسی کے سامنے نہیں کر سکتا، اللہ آپ کی دنیا و آخرت اچھی کر دے۔ آمین!

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال شخص مذکور اگر واقعتاً مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کے لئے زکوٰۃ کی رقم لیکر کاروبار کرنا درست ہے، البتہ زکوٰۃ کی رقم سے فقیر کے قرض کی ادائیگی فقیر کے کہنے پر ہو تو درست ہے ورنہ درست نہیں ہے۔

”ويجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان

صحيحاً مكتسباً“..... (الهنديّة: ۱/۱۸۹)

”ولو قضى دين الفقير بزكوة مالہ ان كان بامرہ يجوز وان كان بغير امرہ

لا يجوز وسقط الدين ولو دفع اليه دار اليسكنها عن الزكوة لا يجوز“.....

(الهنديّة: ۱/۱۹۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے تملیک فقیر شرط ہے:

مسئلہ نمبر (۴۰۱): محترم و مکرم حضرت اقدس جناب مفتی حمید اللہ جان صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مدرسہ والے مہتمم ناظم وغیرہ طلباء مدرسہ کی طرف سے وکیل کی حیثیت سے ضرورت کے وقت زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر یا مدرسہ کی زمین خریدنے پر خرچ کر سکتے ہیں؟ مدلل وضاحت فرمائیں، جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کسی مستحق کو زکوٰۃ کا مالک بنانا شرط ہے، بغیر تملیک کے

زکوٰۃ کی رقم کو مدرسہ کی زمین خریدنے کے لئے اور مدرسہ کی تعمیر پر خرچ کرنا جائز نہیں، نیز مہتمم اور ناظم طلباء کی طرف سے وکیل بالقض نہیں ہوتا۔

”اماتفسیر ہافھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه لله تعالیٰ ہذا فی الشرع الخ واما شرط ادائها فنیة مقارنة للاداء اولعزل ماوجب“..... (الہندیۃ: ۱/۱۷۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

خیراتی ہسپتال کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ اور کسی عیسائی کو بینک کا نفع دینا:

مسئلہ نمبر (۴۰۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ان مسائل کے بارے میں کہ

(۱) کیا خیراتی ہسپتال کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

(۲) بینک کا نفع ہسپتال کے عیسائی ملازمین کو دیا جاسکتا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب:

اگر کسی ہسپتال میں زکوٰۃ شرعی طریقہ سے مستحق مریض کو تملیک کر کے صحیح طریقہ سے صرف کی جاتی ہے تو ایسے ہسپتال میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، ہماری معلومات کے مطابق کسی ہسپتال میں صحیح طریقے سے زکوٰۃ استعمال نہیں کی جاتی، لہذا جب تک اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک ہسپتال کو زکوٰۃ نہ دیں، بلکہ اس جیسے کسی اور ادارے کو بھی زکوٰۃ نہ دیں۔

صورت مرقومہ میں بینک سے نفع لینا حرام ہے اس نفع کو مالک پر لوٹانا ضروری ہے، اور اگر ایسی کوئی صورت نہ ہو تو کسی فقیر کو بلا نیت ثواب دے دیں۔

”ولا یجوز ان ینبى بالنزکوۃ المسجد و کذا القناطیر والسقایات واصلاح
الطرقات و کرى الانهار والحج والجهاد و کل ماتملىک فیہ
اہ“..... (الہندیۃ: ۱/۱۸۸)

”قولہ (کمن فی یدہ عروض لا یعلم مستحقہا) يشمل ما اذا كانت لقطه
او غصبا و رشوة فان كانت لقطه فقد علم حکمها وان كانت غیرها فالظاهر

وجوب التصدق باعیانها یضاً وسقط عنه المطالبة كأنه والله تعالی اعلم لانه بمنزلة المال الضائع والفقراء مصرفه عند جهل اربابه وبالتوبة یسقط اثم الاقدام علی الظلم اه..... (رد المحتار: ۳/۳۵۳)

والله تعالی اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی رقم سے مدارس و مساجد کی تعمیر کا مسئلہ:

مسئلہ نمبر (۴۰۳): بخدمت جناب مفتی صاحب السلام علیکم! سلام مسنون کے بعد آپ کی دعاؤں سے دین کی محنت میں کوشاں ہیں، اس سلسلہ میں ہمیں مدرسہ کے لیے جگہ کی اشد ضرورت ہے جسکی وجہ سے مختلف افراد سے بات کرنے کا موقع ملا، جس کی وجہ سے کچھ افراد اس فتوے کا تقاضا کرتے ہیں کہ زکوٰۃ کا پیسہ کس صورت میں مدرسہ میں لگ سکتا ہے؟ آپ فرمائیں کہ زکوٰۃ کا پیسہ کس صورت میں مدرسہ میں لگ سکتا ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں، جزاک اللہ خیراً کثیراً۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں زکوٰۃ کسی مستحق کو تملیک کرنا ضروری ہے اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کے لیے زمین خریدنے پر صرف کرنا جائز نہیں، بصورت مجبوری کسی مستحق زکوٰۃ کو تملیک کر کے اسکو تملیک کے بعد زمین کی قیمت میں یا تعمیرات میں صرف کرنے کی اجازت ہے۔

”وقدمنا ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يامر به بفعل هذه الاشياء هل له ان يخالف امره لم اره والظاهر نعم (البحث لصاحب النهر) وقال لانه مقتضى صحة التملك اه..... (الدرمع الرد: ۲/۲۹۹)

والله تعالی اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کاروبار میں نقصان اٹھانے والے مقرض شخص کو زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۴۰۴): جناب مفتی صاحب السلام علیکم! گزارش ہے کہ بندہ کاروباری آدمی ہے جس کا نام رستم علی ولد محمد یوسف (مرحوم ہے) ڈسٹرکٹ بھاؤنگر میں چک نمبر ۱ میں دکان کا سلسلہ ہے جس سے اپنے بچوں کا گزارہ

کرتا ہے میرے پانچ بچے ہیں کاروبار میں نقصان ہونے کی وجہ سے تقریباً باون ہزار روپے کا مقروض ہو گیا ہوں، اور کاروبار بند ہو چکا ہے گھر میں اتنا قیمتی سامان نہیں ہے کہ بیچ کر قرضہ ختم کیا جاسکے، کیا اس صورت میں بندہ زکوٰۃ صدقہ خیرات کا مستحق ہے؟ اس کا فتویٰ دیا جائے، حضور کی عین نوازش ہوگی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اگر آپ پر واقعاً اتنا قرضہ ہے اور آپ کے پاس اتنی رقم یا حاجات اصلہ سے زائد سامان یا زیورات وغیرہ نہیں ہیں جس کو بیچ کر قرضہ اتار سکیں تو آپ مستحق زکوٰۃ ہیں اور آپ کے لیے زکوٰۃ لینا شرعاً درست ہے۔

”ومنها الغارم وهو من لزمه دين ولا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه“..... (الهنديّة: ۱/۱۸۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کسی ٹرسٹ (فلاحی ادارہ) کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ:

مسئلہ نمبر (۴۰۵): محترم وکرم جناب حضرت مفتی صاحب مندرجہ ذیل مسئلہ پر شرعی لحاظ سے جواب کی درخواست ہے، ہمارے قریبی ایک نہایت دیانتدار ایک عزیز ایک ٹرسٹ قائم کر کے غرباء کے لیے فری ڈسپنسری، ہسپتال بنانا چاہتے ہیں اس غرض کے لیے زمین اور عمارت حاصل کرنے کا منصوبہ ہے، کیا اس غرض کے لیے بنائے گئے ٹرسٹ کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے؟ جبکہ عمارت کے لیے زمین کے حصول تعمیرات اور ہسپتال کے آغاز تک غالباً دو سے تین سال کا عرصہ لگ سکتا ہے منصوبہ ہر لحاظ سے قابل عمل ہے اور بنیادی طور پر مستحقین زکوٰۃ افراد کے لیے ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کسی مستحق کو بلا عوض مالک بنانا ضروری ہوتا ہے، صورت مسئولہ میں چونکہ یہ شرط نہیں پائی جارہی اس لیے زکوٰۃ دائی نہیں ہوگی۔

”قال في شرح التنوير لا يصرف إلى بناء نحو مسجد وفي الشامية كبناء القناطر والسقايات و..... كل ما لا تملك فيه“..... (رد المحتار: ۲/۲۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بنو ہاشم کو زکوٰۃ کسی صورت میں بھی دینا جائز نہیں:

مسئلہ نمبر (۴۶): محترم و مکرم جناب حضرت مفتی صاحب عرض یہ ہے کہ ہمیں ایک شرعی مسئلے کا جواب تفصیل کے ساتھ چاہیے وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ عباسی، علوی سید، حضرت جعفرؓ یا حضرت عقیلؓ یا حضرت حارث بن عبدالمطلب کی اولاد پر کن کن صورتوں میں جائز نہیں؟ اسی طرح ان کو صدقہ فطر دینے کا کیا حکم ہے؟ ہم عباسی ہیں، ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کو زکوٰۃ دی جائے اور زکوٰۃ کے مستحق ہیں اور بہت سے لوگ ان کو فطرانہ زکوٰۃ وغیرہ دیتے ہیں، میں نے بہشتی زیور میں پڑھا ہے کہ ان کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں بنو ہاشم کو کسی صورت میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور بنو ہاشم میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اور حضرت جعفرؓ اور حضرت عقیلؓ اور حضرت حارث بن عبدالمطلب کی اولاد مراد ہیں، البتہ ان کی ضروریات کو نقلی صدقات سے پورا کیا جاسکتا ہے۔

”ولا يدفع الی بنی ہاشم وهم آل علی وآل عباس وال جعفر وال عقیل وال الحارث بن عبدالمطلب کذافی الہدایہ..... ہذا فی الوجبات کالزکوٰۃ والنذر والعشر والکفارة فأما التطوع فیجوز الصرف إلیہم کذافی الکافی“..... (الہندیۃ: ۱/۱۸۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

معاشرتی بھروسہ کی رقم کو بطور قرض استعمال کرنا:

مسئلہ نمبر (۴۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک معاشرتی بھروسہ کا ادارہ ہر سال زکوٰۃ کی رقم حاصل کر کے تقسیم کرتا ہے، کیا یہ حاصل کردہ رقم سے حسب ذیل مقاصد کے لیے بطور قرض استعمال کر سکتا ہے؟ اور کتنے عرصہ میں رقم کی واپسی ضروری ہے؟

(۱) ادارہ کی زمین پر زید نے مقدمہ دائر کیا جس کو واپس لینے کا طے پایا کہ چھ لاکھ روپے ادا کرے گا کیا زید کو ادائیگی کے لیے چار پانچ لاکھ حاصل کردہ زکوٰۃ کی رقم سے ادائیگی کر سکتا ہے؟

(۲) مذکورہ زمین پر ایک مارکیٹ بھی تعمیر کرنے کا ارادہ ہے، کیا اس مقصد کے لیے حاصل کردہ زکوٰۃ کی رقم بطور قرض استعمال کر سکتا ہے؟ اور اس کی واپسی کتنے عرصہ میں لازمی کرنا پڑے گی؟
ازراہ کرم مذکورہ بالا سوالات کے بارے میں شرعی آراء سے مطلع فرمائیں جزا کم اللہ۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں حاصل شدہ زکوٰۃ کی رقم کو مذکورہ مقاصد میں بطور قرض استعمال کرنا درست نہیں بلکہ مستحقین کو اس مال کا مالک بنایا جائے۔

”الیتیمۃ) سئل البقالی عن رجل ادراهم يتصدق به عن زكاة الامر.... إن كان صرف المال الذي دفعه الأمر في حاجته ثم دفعها من مال نفسه فهذا لا يجوز لانه لما أنفق صار مضمونا عليه فلا يبرأ إلا بالأداء إلى المالك“..... (التارخانية: ۲/۲۱۳)

”أم تفسیر ہا فہی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی الخ“..... (الہندیۃ: ۱/۱۷۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

امام مسجد جو مقروض ہو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے:

مسئلہ نمبر (۴۰۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک امام مسجد ہے لیکن مقروض ہے کیا اس شخص کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن و سنت کے حوالے سے جواب عرض فرمائیں حالت یہ ہے کہ اس کا مکان بھی نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مرقومہ میں امام مسجد اگر صاحب نصاب نہیں ہے اور مقروض ہے اور سید بھی نہیں تو شرعاً ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، بلکہ افضل ہے۔

”إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی

الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل“..... (التوبۃ:)

”يجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحا مكتسبا كذا في
الزاهدي“..... (الهنديّة: ۱/۱۸۹)
”والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير كذا في
المضمرات“..... (الهنديّة: ۱/۱۸۸)
”منها الفقير وهو من له أدنى شيء وهو ما دون النصاب أو قدر نصاب غير نام
وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرج عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية
إذا كانت مستغرقة بالحاجة كذا في فتح القدير اه“..... (الهنديّة: ۱/۱۸۷)
”ومنها المسكين وهو من لا شيء له فيحتاج إلى المسئلة لقوته أو ما يوازي بدنه
اه“..... (الهنديّة: ۱/۱۸۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

سید کے لئے مدرسہ کا کھانا اور وظیفہ وصول کرنا:

مسئلہ نمبر (۴۰۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) اگر ایک طالب علم آل علیؑ میں سے ہے، مدرسے میں رہتے ہوئے اس کے لیے مدرسہ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور مدرسہ کی جانب سے وظیفہ وصول کرنا کیسا ہے؟ اور اگر اس کے لیے جائز نہیں ہے تو یہ کھانا جو کہ کھا چکا ہے اس کا کیا حکم ہوگا؟ مفصل و مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں مذکورہ شخص کے لئے مدرسہ کا کھانا زکوٰۃ سے ہو یا صدقہ واجبہ سے ہو بغیر تملیک کے استعمال کرنا جائز نہیں، لیکن اگر استعمال کر لیا ہے تو ان حضرات کی زکوٰۃ ادا ہو چکی اور اگر واپسی کی کوئی صورت نہ ہو تو توبہ کریں۔

”وفي الهنديّة ولا يدفع إلى بني هاشم وهم آل عليّ وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبدالمطلب“..... (الهنديّة: ۱/۱۸۹)
”وأما إذا ظهر أنه غني أو هاشمي أو كافر..... فإنه يجوز وتسقط عنه الزكوة في قول أبي حنيفة ومحمد“..... (الهنديّة: ۱/۱۹۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

سید مدرس کو مدرس کے فنڈ میں سے تنخواہ لینا دینا:

مسئلہ نمبر (۴۱۰): مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس کے اندر صدقات، عشر، زکوٰۃ، قربانی کی کھالیں اور جو رقم ہوتی ہے اس میں سے کوئی مدرس ہاشمی سید اعوان ہو تو اس کی تنخواہ اس سے لینا جائز ہے؟ اس بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں، جواب ارشاد فرمائیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مرقومہ میں مدارس میں جو رقم زکوٰۃ، صدقات، عشر، قربانی کی کھالوں سے جمع ہوتی ہے اس میں سے کسی مدرس کو بھی بغیر حیلہ کے تنخواہ دینا جائز نہیں ہے چہ جائیکہ کسی ایسے مدرس کو دی جائے جو سید ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتا ہو، سید یا ہاشمی کو زکوٰۃ، صدقات، عشر وغیرہ سے تنخواہ دینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔

”وفی الہندیۃ یقول یدفع إلی بنی ہاشم وہم آل علیؑ وآل عباسؑ وآل جعفرؑ وآل

عقیلؑ وآل الحارثؑ بن عبدالمطلب“..... (الہندیۃ: ۱ / ۱۸۹)

”ولونوی الزکوٰۃ بما یدفع المعلم إلی خلیفۃ ولم یستاجرہ إن کان الخلیفۃ

بحال لو لم یدفعہ یعلم الصبیان ایضاً جزاءہ والافلا“..... (الہندیۃ: ۱ / ۱۹۰)

”قال فی شرح التنویر ولا إلی بنی ہاشم إلا من أبطل النص قرابۃ وہم بنو لہب

فتحل لمن اسلم منهم کما تحل لبنی المطلب ثم ظاہر المنہب إطلاق

المنع“..... (رد المحتار: ۱ / ۷۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

سماجی تعلیمی و تلامی اداروں کو صدقات واجبہ و ناقلہ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۱۱): السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! کیا فرماتے ہیں مقتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک سماجی و تعلیمی ادارہ جس کے نام sare & fair بحیثیت ایک ”این جی او“ کے پاکستان میں کام کر رہا ہے اس کا صدر دفتر جرمنی میں واقع ہے اس کا بنیادی مقصد child labor کے خلاف کام کرنا ہے مزید اس کے منشور کے مطابق منصوبہ غریب بچوں کی تعلیم اور صحت پہنچانا ہے اس طرح اور اسی نام کے سکول نیپال اور انڈیا میں بھی کام کر رہے ہیں، ہمارے ہاں اس نام کا ادارہ ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو veren ورن پنڈنزد شیخوپورہ میں کھول دیا گیا ہے

اس وقت چار سو پچیسے یہاں مفت تعلیم حاصل کر رہے ہیں، لگ بھگ ایک کروڑ کی رقم خرچ کر کے سکول کی عمارت تعمیر کی گئی ہے، منشور کے مطابق پاکستانی کارپٹ اپنی برآمد کا اشاریہ (0.25) رضا کارانہ طور پر جب کہ یورپ میں موجودہ کارپٹ importers اپنی درآمدات کا ایک فیصد پاکستان کے لیے جمع کرتا ہے، اس کے علاوہ ملکی وغیر ملکی تاجر Donation بھی دیتے ہیں اور import نہ کرنے کے باوجود (۵ فیصد) روپے ماہانہ بھی دیتے ہیں، اس طرح یہ ادارہ چلایا جا رہا ہے، ابھی تک ادارے سے منسلک شعبہ صحت ڈسپنری کا آغاز نہیں ہوا، لگ بھگ ایک لاکھ روپے تنخواہوں کی مد میں جارہے ہیں، Cora Fair پاکستان کے دفتر کا مکمل انتظام اور ممبر شپ پاکستانی قالین باف تاجروں کے کنٹرول میں ہے اور کوئی بیرونی مداخلت اس میں نہیں ہے، اب تک ۲۵ ممبر بن چکے ہیں، اس سلسلہ میں مفتی صاحب کیا کہتے ہیں اس ادارے کی مدد زکوٰۃ فنڈ سے کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ دوسری صورت میں یہ بھی رہنمائی فرمائیں کہ اس ادارے کی مدد نفعی صدقات سے یا خیرات سے کی جاسکتی ہے یا کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مرقومہ میں زکوٰۃ و صدقات واجبہ کی رقم براہ راست مستحق کو تملیک کر کے دینا اور ان پر خرچ کرنا ضروری ہے، اس کے علاوہ دیگر امور مذکورہ میں زکوٰۃ و صدقات واجبہ کی رقم لگانا جائز نہیں، ہاں البتہ نفعی صدقات و خیرات کی رقم لگانا جائز ہے۔

” (مصرف الزکوٰۃ والعشر) وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة

والندرو غیر ذلک من الصدقات الواجبة کما فی القہستانی “..... (الدرمع

الرد: ۲/۲۴)

” ویشترط أن يكون مصرف (تملیک) لا إباحة (ولا) مصرف (الی بناء

نحو مسجد) قوله نحو مسجد کبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات

والحج والجهاد وکل ما لا تمیلک فیہ زیلعی “..... (الدرمع الرد: ۲/۲۸)

” الزکوٰۃ هی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی الخ “..... (الہندیة:

(۱۷۰/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کے لئے حیلہ تمسلیک کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۱۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کر رہے ہیں اس سلسلے میں کچھ معلومات زکوٰۃ کے بارے میں چاہتے ہیں براہ کرم اسی کاغذ پر تحریر فرمادیجئے گا۔

(۱) کیا مدرسہ کی تعمیر کے لیے زکوٰۃ کی رقم استعمال ہو سکتی ہے؟

(۲) مدرسہ اور مسجد میں کون سی صورت میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جا سکتی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) مدرسہ کی تعمیر کے لیے زکوٰۃ کی رقم بغیر حیلہ تمسلیک کے لگانا جائز نہیں ہے۔

(۲) مسجد میں زکوٰۃ کی رقم استعمال نہیں جا سکتی اور مدرسہ میں صرف مستحق طلبہ کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے یا ان کی طرف سے وکیل بن کر مال پر قبضہ کر کے ان پر خرچ کی جا سکتی ہے، البتہ اگر بصورت مجبوری حیلہ تمسلیک کر لیا جائے (کسی ایسے مستحق شخص کو اس کا مالک بنا دیا جائے جو یہ جذبہ رکھتا ہو کہ اگر اسکے پاس وسائل ہوں تو وہ ان امور میں خرچ کرے پھر وہ اپنی خوشی سے مدرسہ میں دے دے) تو مدرسہ اور مسجد کے تمام امور میں خرچ کرنا جائز ہے۔

”مصرف الزکوٰۃ والعشر) وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة

والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني

(هو فقير الخ)..... (الدرع الرد: ۲/۶۳)

”ويشترط أن يكون الصرف (تمليكا) لا إباحة (ولا) بصرف (إلى بناء

نحو مسجد) قوله نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات واصلاح الطرقات

والحج والجهاد وكل ما لا تملك فيه زيلعي..... (الدرع الرد: ۲/۲۸)

”الزکوٰۃ هي تملك المال من فقير مسلم غير هاشمي الخ“..... (الهندية:

۱/۱۷۰)

”ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الاشياء وهل له ان

يخالف امره لم اره والظاهر نعم) البحث لصاحب النهر وقال لانه مقتضى

صحة التملك“..... (رد المحتار: ۲/۶۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

کئی سال پہلے خریدے گئے پلاٹ پر وجوبِ زکوٰۃ کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۳): السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس بارے میں کہ عبد اللہ آج سے بارہ سال پہلے ملازمت سے ریٹائر ہوا تھا اسے ایک معقول رقم خدمت (پنشن) کے لیے ملی، عبد اللہ نے اس رقم کو محفوظ کرنے کی غرض سے ایک رہائشی علاقے میں ایک پلاٹ خرید لیا اور بارہ سال کے بعد عبد اللہ نے ارادہ کیا کہ یہ پلاٹ اپنی اولاد میں تقسیم کر دوں، اولاد کو اختیار مل جائے گا کہ چاہے تو وہ اپنے حصہ میں مکان تعمیر کریں یا اسے بیچ کر رقم اپنے مصرف میں لے آئیں، عین ممکن ہے کہ سارے پلاٹ کو بیچ دیا جائے اور اولاد اپنا اپنا حصہ نقد وصول کر لے، رجسٹری پلاٹ کی ابھی تک عبد اللہ کے نام ہے، لیکن اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ پلاٹ بچوں میں تقسیم کروں گا، آپ سے درخواست ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ کیا اس پلاٹ پر زکوٰۃ کی ادائیگی ہوگی؟ اور یہ کہ زکوٰۃ کون ادا کرے گا اور کتنی ادا کرے گا؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اگر پلاٹ فروخت کرنے کی نیت سے خریدا ہے تو عبد اللہ کو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اگر فروخت کرنے کی نیت سے نہیں خریدا تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

”فلیس فی دور السکنی و ثياب البدن و اثاث المنزل و دواب الركوب و عبید الخدمۃ و سلاح الاستعمال زکاة“..... (الہندیۃ: ۱/۱۷۳)

”ولیس فی دور السکنی و ثياب البدن و اثاث المنازل و دواب الركوب و سلاح الاستعمال زکوة لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بنامية أيضا“..... (الہدایۃ: ۱/۲۰۲)

”و اثاث المنزل و دور السکنی و نحوها) قوله (اثاث المنزل الخ) محترز قوله نام و لو تقدیر ا قوله و نحوها أي کثياب البدن الغير المحتاج إليها و کالحوانیت و العقارات“..... (الدرمع الرد: ۲/۹)

”لو کان له عبید لالتجارة أو دار الالسکنی و لم ینو التجارة لا یجب فیہما الزکاة“..... (مجمع البرکات بحوالہ معلم الفقہ: ۱/۳۷۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

زکوٰۃ فنڈ سے مستحق بچیوں کو رقم دینا یا سامان خرید کر دینا:

مسئلہ نمبر (۴۱۴): علمائے کرام درجہ ذیل تشریحات کے متعلق فتاویٰ صادر فرمائیں۔

(۱) گھریلو ملازمت کو ملازمت کے صلہ میں ماہانہ اچھی تنخواہ اور اچھی خوراک دیتے ہیں جو ہم خود کھاتے ہیں اور اچھے سے اچھے لباس مہیا کرتے ہیں اور انہیں اپنی بیٹیوں کی طرح رکھا ہوا ہے، ان کے والدین جو کہ غریب ہیں ان کی ضروریات کا بھی خیال رکھتے ہیں اور انہیں وقتاً فوقتاً لباس بھی مہیا کرتے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ ہم ان بچیوں کی شادی زکوٰۃ فنڈ سے کروا سکتے ہیں؟ جبکہ ان کی شادی کے اخراجات کے لیے ان کے والدین کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، بچیوں کے والد بھی فوت ہو چکے ہیں اور اسی طرح وہ پیسے یتیم کی مدد میں بھی آجاتے ہیں، کیا شادی ہم زکوٰۃ فنڈ سے کروا سکتے ہیں؟

(۲) کیا بچیوں کے والدین اور ان کے جو غریب رشتہ دار ہیں جو کہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں زکوٰۃ فنڈ سے ان کو لباس مہیا کر سکتے ہیں؟

(۳) کیا زکوٰۃ فنڈ سے ان کے والدین کی مدد وغیرہ کر سکتے ہیں؟

(۴) واضح رہے کہ یہ بچیاں ہمارے ہی گھر میں دن رات رہتی ہیں، انہیں اچھی خوراک اور اچھا لباس مہیا کرتے ہیں، اور ہمارے پاس بہت خوش ہیں، انہیں اپنے گھر میں ایسی سہولت میسر نہیں ہے، کیا ہم انہیں زکوٰۃ فنڈ ادا کر سکتے ہیں، کیا ان کے رشتہ داروں کو خوراک اور لباس زکوٰۃ فنڈ سے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۴، ۳، ۲، ۱) صورت مسئلہ میں اگر یہ بچیاں مستحق زکوٰۃ ہوں اور ہاشمی بھی نہ ہوں تو زکوٰۃ فنڈ سے سامان خرید کر دے سکتے ہیں، اسی طرح ان بچیوں کو یا ان کے والدین کو یا ان کے رشتہ داروں کو زکوٰۃ کے پیسوں سے لباس وغیرہ خرید کر دے سکتے ہیں۔

”فہی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة

عن المملک من کل وجہ لله تعالیٰ هذا فی الشئ کذا فی التبیین“..... (فتاویٰ

الہندیہ: ۱/۱۷۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

نصاب سے کم صرف سونا کسی کے پاس ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے:

مسئلہ نمبر (۲۱۵): محترم و مکرم حضرت مفتی صاحب میں اپنے ایک عزیز کو زکوٰۃ دینا چاہتا ہوں، انہوں نے اپنی کم آمدنی سے بچا کر اپنی بیٹیوں کے لیے چار تولے سونا خریدا ہوا ہے اس کے علاوہ ان کے پاس روپیہ چاندی وغیرہ کچھ نہیں ہے، جو آتا ہے وہ خرچ ہو جاتا ہے، کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

” فی المصارف منها الفقير وهو من له ادنى شئ وهو ما دون النصاب
أو قدر نصاب عندنا وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرج عن الفقر“.....
(الهنديّة: ۱۸۷/۱)

”نصاب الذهب عشرون مثقالاً“..... (الدر المختار: ۳۱/۲)

”واللازم في مضروب كل ومعموله ولو تبرأ أو حلياً مطلقاً أو عرض تجارة قيمته
نصاب من ذهب أو ورق أي فضة مضروبة فأفاد أن التقويم إنما يكون
بالسكوك عملاً بالعرف مقوماً بأحدهما إن استويا فلو أحدهما أروج تعين
التقويم به ولو بلغ بأحدهما نصاب دون الآخر تعين ما يبلغ به ولو بلغ
بأحدهما نصاباً..... وغالب الفضة والذهب فضة وذهب وما غلب غشه
يقوم..... إلا إذا كان يخلص منه ما يبلغ نصاباً أو أقل وعنده ما يتم به فقد تجب
زكاته فتجب والأفلا“..... (الدر مع الرد: ۳۳/۲)

”وقيمة العرض للتجارة تضم إلى الثمنين لأن الكل للتجارة وضعا وجعلا“
..... (أيضاً: ۳۷/۲)

”ولا إلى غنى يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال
كان“..... (أيضاً: ۷۰/۲)

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ صورت مرقومہ میں مذکورہ شخص کے پاس اگر چار تولے سونے کے ساتھ کچھ نقد رقم ہو چاہے جتنی ہی ہو تب بھی یہ صاحب نصاب ہے، کیونکہ اس نقدی کو سونے کے ساتھ ملانے سے

وہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جاتی ہے، لہذا اس صورت میں اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اور اگر اس چار تولہ سونے کے علاوہ کچھ بھی نقدی نہ ہو اور نہ ہی چاندی ہو نہ ہی مال تجارت ہو اور نہ ہی ضرورت سے زائد سامان ہو کہ جن کو سونے کے ساتھ ملانے سے یہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے، تو چونکہ صرف سونا ہونے کی صورت میں نصاب مکمل ساڑھے سات تولہ ہے لہذا نصاب کامل نہ ہونے کی وجہ سے اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر کا زکوٰۃ کی مدت میں فیس معاف کرنا اور دوائی دینا:

مسئلہ نمبر (۴۶): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

- (۱) اگر فیس کو زکوٰۃ کے ضمن میں معاف کر دیا گیا کیا زکوٰۃ ادا ہوگی؟
- (۲) یا چیک اپ اور دوا کے پیسے جو دوسروں سے لیتا ہے وہ مستحق سے نہیں لیتا اور سمجھتا ہے کہ اتنے پیسے زکوٰۃ سے ادا ہو گئے آیا صحیح ہے؟ جب کہ دواء کے پیسوں کا ڈاکٹر بھی مالک نہیں بنا تھا، اس کو زکوٰۃ میں شمار کرتا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ کی رقم جب تک مستحق زکوٰۃ کے قبضہ میں نہ دی جائے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، لہذا دونوں مذکورہ صورتوں میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ اگر دوائی کسی فقیر کو بطور زکوٰۃ دے دی اور تملیک کر دی تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

”فہی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاه“.....

(الہندیۃ: ۱/۱۷۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی رقم سے کاروباری نقصان کا ازالہ کرنا اور قرض ادا کرنا:

مسئلہ نمبر (۴۷): کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم چار دوستوں نے قرض لیکر کاروبار شروع کیا تھا لیکن نہ چل سکا اور مکمل طور پر ختم ہو گیا، اب ہم سے قرض خواہ مسلسل رقم کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں، لیکن ہمارے حالات بہت خراب ہیں، کیا ہم زکوٰۃ کی رقم استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ اس وقت لے سکتے ہیں جب آپ خود صاحب نصاب نہ ہوں، قرض کی رقم علیحدہ کرنے کے بعد یعنی قرض کی رقم الگ کرنے کے بعد سونایا چاندی میں سے کسی ایک کا نصاب نہ ہو، چاہے دونوں کو ملا کر ہی ہو یا نقدی ملا کر ہی ہو یا ضرورت سے زائد اتنا مال اسباب نہ ہو جو ان دونوں میں سے کسی ایک کے نصاب کو پہنچ جائے۔

” (ومنها الغارم) وهو من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه او كان له مال

على الناس لا يمكنه اخذه كذافي التبيين والدفع إلى من عليه الدين أولى من

الدفع إلى الفقير كذافي المضمرات“..... (الهندية: ۱/۱۸۸)

”ومديون لا يملك نصابا فاضلا عن دينه“..... (الدرمع الرد: ۲/۲۷۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا مدرسہ کی تعمیر وغیرہ کے لئے مہتمم زکوٰۃ و صدقات واجبہ لے سکتا ہے؟

مسئلہ نمبر (۳۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں مدارس علوم دینیہ کے تمام اخراجات مثلاً (تعمیر و اراقامہ، تعمیر مسجد، مدرسہ کی خریداری، کتب درس، تدریس، تنخواہ اساتذہ و ملازمین اور نظم خوراک طلب) بوجہ عدم دستیابی وسائل و عدم دلچسپی عوام مجبوراً عشر و زکوٰۃ سے پورے کیے جاتے ہیں، کیا ان مندرجہ بالا مصارف میں زکوٰۃ و عشر کا لگانا جائز ہے، حیلہ کے ساتھ یا بغیر حیلہ کے؟ اگر حیلہ کے ساتھ جائز ہے تو کیا غنی شخص اگر حیلہ بنا کر عشر و زکوٰۃ سے استفادہ کرے تو عشر و زکوٰۃ سے اس شخص (مالک) کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اگر نہیں تو اس حیلہ اور اس حیلہ میں کیا فرق ہے۔ کتب فقہ میں جس طرح غنی شخص کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اسی طرح عشر و زکوٰۃ کی رقومات سے فقہی ادارے کی تعلیم تعمیر کو بھی منع کیا گیا ہے نیز اگر یہ عمل عشر و زکوٰۃ برائے تعمیر مدرسہ و مسجد و دیگر مندرجہ بالا مصارف میں استعمال کرنا جائز نہیں تو مہتمم مدرسہ عالم بالمسئلہ پر یہ بیان (کہ عشر و زکوٰۃ لینا مصارف میں جائز نہیں) واجب تو نہیں اور خاموشی اختیار کرنے پر وعید حدیث شریف کا مستحق تو نہیں؟ حدیث میں ہے: ”من کتم علما مما ينفع الله به في امر الناس امر الدين الجمه الله يوم القيامة بلجام من النار“ ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ مصارف میں زکوٰۃ کا استعمال کرنا جائز نہیں محتاج فقیر کو ہی تملیک دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی، مروجہ حیلہ

کو علماء نے پسند نہیں کیا مگر ضرورت کی بنا پر حیلے کی اجازت ہے، اگر مجبوری کی صورت میں بھی اجازت نہ دی جائے تو ضیاع دین کا اندیشہ ہے، جیسا کہ اسی ضرورتِ زمانہ کی وجہ سے متاخرین نے تعلیم دین و امامت و اذان پر اجرت کی اجازت دی ہے، لہذا اگر بصورتِ مجبوری مذکورہ بالا حیلہ تملیک شرعی کو اختیار کیا گیا، تو مذکورہ مصارف اور غنی کے لیے زکوٰۃ و عشر کا مال استعمال کرنے کی گنجائش ہے، بغیر حیلہ تملیک کے درست نہیں، ایسے اہتمام سنبھالنے والے حضرات جن کو یہ مسئلہ معلوم ہے ان پر ہونا ضروری نہیں پھر بھی اگر وہ مہتمم احسن طریقہ سے اظہار کر دے اور پھر حیلہ تملیک کر لے تو بھی ٹھیک ہے۔

”ولا یصرف إلی بناء نحو مسجد) کبناء القناطر والسقایات وإصلاح
الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیہ
زیلعی“..... (رد المحتار: ۲/۲۸)

”أن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء هل له أن يخالف
أمره لم أره والظاهر نعم (البحث لصاحب النهر) وقال لأنه مقتضى صحة
التملیک“..... (رد المحتار: ۲/۲۹)

”لا تصح الاجارة لعسب الطیس ولا لاجل الطاعات..... (ویفتی الیوم
بصحتها لتعلیم القرآن والفقہ والإمامة والأذان) قال فی الهدایة وبعض
مشائخنا رحمهم اللہ تعالیٰ استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم
لظهور التوانی فی الأمور الدینیة ففی الامتناع تزییع حفظ القرآن وعلیه
الفتویٰ“..... (الدرمع الرد: ۵/۳۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی ادائیگی میں موجودہ قیمت کا اعتبار ہے:

مسئلہ نمبر (۴۱۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس بقدر نصاب سونا موجود ہے اس پر سال بھی گزر چکا ہے لیکن میں نے اس سونے کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، اب دو تین ماہ سال سے زائد گزر چکے ہیں، جس وقت زکوٰۃ مجھ پر واجب ہوئی تھی اس وقت سونے کی قیمت موجودہ قیمت سے کم تھی۔

میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ میں اب سونے کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں کس قیمت کا حساب کروں؟ موجودہ قیمت کا یا اس قیمت کا جس وقت سال مکمل ہوا تھا؟ براہ کرم قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمادیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مرقومہ میں سونے کی زکوٰۃ ادا کرتے وقت موجودہ قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

”وجاز دفع القيمة فى الزكوة وعشرو وخراج وفطرة ونذرو وكفارة غير الاعتاق

وتعتبر القيمة يوم الوجوب. وقال يوم الأداء وفى السوانم يوم الأداء

اجماعاً فقط“..... (الدر المختار: ۲/۲۳)

”وان ادى القيمة تعتبر قيمتها يوم الوجوب لان الواجب

احدهما ولهذا يجبر المصدق على قبوله وعندهما يوم الاداء“

..... (الهندية: ۱/۱۸۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی ادائیگی میں موجودہ قیمت کا اعتبار ہے:

مسئلہ نمبر (۴۴۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے زیور یا مال کی موجودہ قیمت کا اعتبار کرنا چاہیے یا قیمت خرید کا؟ فروخت کی نیت سے لیے گئے پلاٹ کی زکوٰۃ کس طرح ادا کریں، موجودہ قیمت پر یا قیمت خرید پر؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت موجودہ قیمت کا اعتبار ہوگا، چاہے وہ زیور ہو یا پلاٹ وغیرہ

ہو۔

”وكذا كل مكيل او موزون او معدود وان كانت الزيادة فى الذات بان ذهب

رطوبته تعتبر القيمة يوم الوجوب اجماعاً الخ“..... (الهندية: ۱/۱۸۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

غیر رہائشی مدرسہ کو زکوٰۃ اور عشر دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۲۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی دینی مدرسے میں بیرونی مقیم طلباء نہ ہوں اور تعلیم کے اوقات کے بعد اگر مدرسہ بند ہو جاتا ہو اور طلباء گھروں کو چلے جاتے ہوں تو اس مدرسے کے کرایہ کے اخراجات اور مدرسے کے مکان کے اخراجات اور بل میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ اور اس مدرسے کو زکوٰۃ دینی جائز ہے یا نہیں؟ یا مدرسے کے منتظمین کے لیے زکوٰۃ اکٹھا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تفصیلاً جواب دیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط ہے، لہذا مذکورہ مصارف میں زکوٰۃ لگانا جائز نہیں ہے، البتہ سخت مجبوری کی حالت میں حیلہ تملیک کے بعد استعمال کر سکتے ہیں۔

”ہی شرعاً تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر غیر ہاشمی
ولامولاء“..... (الدرمع الرد: ۲/۳)

”ہی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولامولاء بشرط قطع المنفعة
عن المملک من کل وجه لله تعالیٰ ہذا فی الشرع کذا فی
التبیین“..... (الہندیۃ: ۱/۱۷۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

قرض کی صورت میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۲۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمود احمد نے چار لاکھ پندرہ ہزار روپے کا اپنے بھائی مقصود احمد کو دکان میں سامان وغیرہ ڈال کر دیا اب محمود احمد کا اپنا کاروبار بھی ہے، جس سے آمدنی ۸۴ ہزار روپے ہے ان میں ۳۵ ہزار روپے خرچہ چلتا ہے، اس کے علاوہ ایک پلاٹ خرید رکھا ہے، اس کے قسط وار ہزار روپے ادا کئے ہیں، ان میں ۸۴ ہزار روپے ادا کرنا باقی ہیں، مذکورہ صورت میں مقصود احمد پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا کہ نہیں؟ اگر واجب ہوگی تو کیا صورت ہوگی؟ واضح رہے کہ مقصود احمد نے قرضہ نہیں اتارا، قرآن و سنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں جزاکم اللہ خیراً۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی مالیت ہو، مال تجارت ہو یا رقم ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر ان میں سب تھوڑا تھوڑا ہو جو چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو بھی اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور یہ مال ضرورتِ اصلیہ سے زائد ہوں اور لئے ہوئے قرض سے بھی زائد ہوں اور اس نصاب پر سال بھی گزر جائے تو زکوٰۃ دینا واجب ہے۔

”ومنها الفراع عن الدين) قال أصحابنا كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع

وجوب الزكوة“..... (الهندية: ۱۷۲/۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی رقم سے محلہ کے بچوں کی دینی تعلیم کے لیے مسجد کے متصل کمرہ بنانا:

مسئلہ نمبر (۳۲۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کے ساتھ ایک کمرہ زکوٰۃ کے پیسوں سے محلہ کے بچوں کے لئے بنایا گیا تاکہ اس میں تعلیم حاصل کریں اور بیرونی طالب علم وہاں کوئی نہیں ہے لیکن بعد میں انہوں نے نیت کر لی کہ بیرونی طالب علم بھی رکھیں گے، تو کیا اس کے لیے زکوٰۃ کا پیسہ درست ہے کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں زکوٰۃ کے پیسوں سے مدرسہ کی تعمیر درست نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ میں تملیک فقیر شرط ہے اور اس صورت میں تملیک نہیں پائی جاتی، لہذا زکوٰۃ کی جو رقم اس تعمیر پر بغیر تملیک کے خرچ ہوئی ان لوگوں کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور خرچ کرنے والے پر ضمان ہوگا۔

”ولا يجوز أن يبني بالزكوة المسجد وكذا القناطر والسقايات وإصلاح

الطرقات وكسرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك

فيه“..... (الهندية: ۱۸۸/۱)

”ولا يبني بهما مسجد ولا يكفن بهما ميت لانعدام تمليك منه وهو الركن.... ولا يبني

بها السقايات ولا يحفر بها الآبار“..... (الجوهرة النيرة: ۱۵۵/۱)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

دینی مدارس کو سالانہ گندم اور چندہ بطور زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۴۷۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے جامعہ میں ایک سو پچیس طالبات زیر تعلیم ہیں، جن کی رہائش و طعام فری ہے، اور جامعہ ہذا کی کوئی مستقل گرانٹ بھی نہیں ہے اور یہ اپنی مدد آپ چل رہا ہے، مختیر حضرات اپنا صدقہ زکوٰۃ خیرات دیتے ہیں وہ ان پر صرف ہوتا ہے، تو یہ فتویٰ لینا ہے کہ کوئی شخص ان کو سالانہ گندم خرید کر دیتا ہے یا چندہ دیتا ہے تو زکوٰۃ کی رقم سے دے سکتا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں مذکورہ شخص کا زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ کو سالانہ گندم اور چندہ دینا درست ہے بشرطیکہ مہتمم اس کو مستحقین سے تملیک کروائے، مستحق کو اختیار ہے اسے جیسے چاہے خرچ کرے۔

”ویشنرط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینہ أما دین الحی الفقیر فیجوز کما مر (قولہ تملیکاً) فلا یکفی فیہا الإطعام إلا بطریق التملیک ولو اطعمہ عنده ناویا الزکاة لا تکفی الخ“..... (الدرمع الرد: ۲/۶۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مقروض آدمی کا زکوٰۃ لینا:

مسئلہ نمبر (۴۷۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ تقریباً پچاس ہزار روپے کا مقروض ہے، ایک محکمہ میں ملازم ہے اور بندہ کی تین ہزار سات سو روپے تنخواہ ہے اور ایک چھوٹا بھائی ہے جو کہ ایک مکان پر ملازم ہے، اس کی تنخواہ پندرہ سو روپے ہے، ہم پانچ بہن بھائی ہیں اور اتنی تنخواہ پر ہمارے بمشکل گھریلو اخراجات پورے ہوتے ہیں بندہ کی بیوی کے پاس تقریباً پانچ تو لے سونا ہے جو کہ اس فرضے میں سے لیکر بندہ نے اس کی شادی پر اس کو دیا ہے بارش نہ ہونے کی وجہ سے غلہ بازار سے خریدنا پڑتا ہے، کیا بندہ زکوٰۃ لینے کا حق دار ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال آپ مذکورہ حالات میں زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔

”مصرف الزکوٰۃ والعشر هو فقیر وهو من له أدنی شیء به قوله ای دون نصاب ای

نام فاضل عن الدین فلو مدیوناً فهو مصرف“..... (الدرمع الر د: ۲/۳۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کو قرض کی رقم سے علیحدہ کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۲۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک آدمی کو کچھ پیسے ادھار دیئے تھے ان میں سے میں نے آدھے اس کو معاف کر دیئے وہ آدمی واقعی غریب ہے اس کا گزارہ مشکل سے ہوتا ہے، میں نے اس کو کہا کہ جو رقم دینی ہے وہ زکوٰۃ کے پیسوں میں کٹوادو، مگر وہ ماننا نہیں، کہتا ہے کہ دے دوں گا، مگر تقریباً چار پانچ سال ہو گئے ہیں کہ وہ رقم نہیں دے سکا، اگر ویسے معاف کرنے کو کہوں تو مان جائے گا، کیا اس کے بتائے بغیر وہ رقم اس سے زکوٰۃ کے پیسوں میں کاٹ دوں کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں زکوٰۃ کسی مستحق زکوٰۃ کو بلا عوض مال کا قبضہ دلا کر مالک بنانے کو کہتے ہیں اس لیے زکوٰۃ کی رقم قرض سے نہیں کاٹ سکتے اور نہ ہی اس طرح کرنے سے شرعاً زکوٰۃ ادا ہوگی، جب تک کہ کسی مستحق زکوٰۃ (فقیر) کو زکوٰۃ کا مالک نہ بنایا جائے، البتہ ایک طریقہ ہے وہ یہ کہ آپ پہلے زکوٰۃ کا مال مقروض کو تملیک کریں بعد میں اس سے قرضہ کے بدل میں وصول کریں۔

”فہی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة

عن المملک من کل وجه لله تعالیٰ اہ“..... (الہندیۃ: ۲/۱۷۰)

”وأداء الدین عن العین وعن دین سيقبض لایجوز وحيلة الجواز أن يعطى

مدیونہ الفقیر زکوٰۃ ثم يأخذها عن دینہ ولو امتنع المدیون مذبذبه

واخذها لكونه ظفر بجنس حقه“..... (الدرمع الر د: ۲/۱۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

غریب اہل حدیث کو زکوٰۃ، قربانی کی رقم اور فدیہ دینا:

مسئلہ نمبر (۴۶۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) بعض لوگ کہتے ہیں اہل حدیث اولیاء اللہ کی عزت نہیں کرتے انہیں زکوٰۃ نہیں دینی چاہیے، کیا یہ بات درست ہے؟

(۲) میں پچھلے سال قربانی نہیں کر سکا میں اس کی رقم غریب اہل حدیث کو دینا چاہتا ہوں اس طرح ایک آدمی روزوں کا فدیہ بھی اسے دینا چاہتا ہے کچھ لوگ کہتے ہیں اہل حدیث واجب قربانی سنت سمجھتے ہیں، اس لیے یہ رقم ان کو نہیں دینی چاہیے اور وہ روزے کی جگہ فدیہ جائز سمجھتے ہیں اس لیے ان کو یہ رقم نہیں دینی چاہیے۔

آپ حضرات قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں مذکورہ آدمی جب مسلمان فقیر غیر سید ہو تو اس کو زکوٰۃ، قربانی کی رقم اور روزوں کا فدیہ دینا درست ہے، البتہ مذکورہ صفات والے شخص کے بجائے دیندار شخص کو دینا زیادہ بہتر ہے۔

” (مصرف الزکوٰۃ) وهو من له أدنى شيء وهو ما دون نصاب او قدر نصاب

غیر نام“..... (الہندیۃ: ۱۸۷/۱)

”قوله: أدنى شيء، المراد بالشيء النصاب التامى وبادنى ما دونه فالفعل التفضيل

ليس على بابه كما اشار اليه الشارح والظاهر أن يقول من لا يملك نصابا

ناميا ليدخل فيه ما ذكره الشارح“..... (رد المحتار: ۲/۷۰، ب)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بیوہا شہم کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۶۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے پڑوس میں سید خاندان رہتے ہیں، ان میں ایک بیوہ خاتون ہے اور وہ غریب ہے، میں اس سیدہ کو زکوٰۃ فطرانہ دینا چاہتا ہوں مگر سنا ہے کہ ان کو زکوٰۃ فطرانہ وغیرہ دینا درست نہیں کیا اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں اس کی مدد کر سکوں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں سیدہ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

”ولا يدفع إلى بني هاشم وهم آل عباس وآل علي وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبدالمطلب كذافي الهداية ويجوز الدفع إلى من عداهم من بني هاشم كذرية ابي لهب لأنهم لم يناصروا النبي ﷺ كذافي السراج الوهاج“..... (الهندية: ۱۸۹/۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، البتہ ان کو بطور ہدیہ، بہہ تحفہ اور عطا یا وغیرہ سے دے سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی رقم سے خیراتی ہسپتال کیلئے بستر و دیگر استعمال کا سامان خریدنا:

مسئلہ نمبر (۲۲۹): کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ لاءہور میں ایک فلاحی ادارہ ہے جس کے زیر انتظام غریبوں کا علاج مفت کیا جاتا ہے، جس کے اخراجات ہسپتال میں قائم زکوٰۃ فنڈ سے ادا کئے جاتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس صورت میں کیا کوئی شخص اپنی زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے؟ عطیہ دے سکتا ہے؟ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور اسکی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کہ غریب غیر سید مسلمان کو بلا عوض مالک بنانا ضروری ہے، اس وجہ سے اگر اس زکوٰۃ سے صرف مستحق افراد کا علاج کیا جاتا ہے دوائی وغیرہ دی جاتی ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اگر اس روپے سے ہسپتال کے بستر اور مشین یا دیگر سامان خرید لیا جائے یا غیر مستحق افراد پر خرچ کرتے ہوں تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

”امانفسیر ہافھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاہ

بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه لله تعالیٰ ہذا فی الشرع

کذافی التبيين“..... (الهندية: ۱۷۰/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تبلیغی جماعت میں چار مہینے لگانے کیلئے کسی کو زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۴۳۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی تبلیغی جماعت میں گیا، اس کے پاس پیسے نہیں تھے وہ چار مہینے لگا رہا تھا اس کو کسی نے زکوٰۃ کے پیسے دیدیئے، یہ پیسے اس کے لیے لینا جائز تھے یا نہیں؟ پھر اس آدمی نے کہا کہ میرے لئے ان پیسوں سے کچھ چیزیں خرید لینا، پھر چیزیں خود اس نے دیں کیا ایسا کرنا ٹھیک ہے یا کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر مستحق زکوٰۃ تھا تو اس کے لیے لینا جائز ہے ورنہ نہیں لے سکتا، مستحق ہونے کی صورت میں جب وہ مالک بن گیا تو دینے والے کے لیے کچھ چیزیں لانا لازم نہیں ہیں، اگر زکوٰۃ دینے والا اس کو کچھ چیزیں لانے پر مجبور کرتا ہے تو یہ جائز نہیں۔

”فہی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة
عن المملک من کل وجه لله تعالیٰ ہذا فی الشرع کذا فی
التبیین“..... (الہندیہ: ۱/۱۰۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

معلم یا معلمہ کو زکوٰۃ کی رقم میں سے تنخواہ دینا:

مسئلہ نمبر (۴۳۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ معلم یا معلمہ کو زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ ہمارے گھر کے پاس بچیوں کا ایک دینی مدرسہ کھلا ہے اور اس کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ وہ معلمہ کی تنخواہ دے سکیں، میرے پاس بھی صرف زکوٰۃ کی رقم دینے کی گنجائش ہے، کیا میں مدرسہ کی معلمہ کو تنخواہ کے طور پر زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہوں؟ یا انتظامیہ کو رقم دوں چاہے وہ مدرسہ میں استعمال کرے یا چاہے وہ مدرسہ کے مدرس کی تنخواہ میں استعمال کر سکے؟ (جگہ بھی کرایہ پر ہے) اور اسی طرح امام مسجد کا مسئلہ ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں زکوٰۃ کے پیسے کسی مدرس کی تنخواہ میں نہیں دیئے جاسکتے کیونکہ زکوٰۃ کے ادا کرنے کے لیے کسی مستحق کو مالک بنانا شرط ہے اس لیے آپ زکوٰۃ کے پیسے مدرسہ میں دیا کریں۔

اور یہ وضاحت بھی دیا کریں کہ یہ زکوٰۃ کے پیسے ہیں پھر مدرسہ والے حیلہ تملیک کر کے مدرس کی تنخواہیں بھی ادا کر سکتے ہیں۔

”بصرف إلى کلہم اوالی بعضهم تمیلکا لالی بناء مسجدو کفن میت وقضاء
دینہ“..... (ردالمحتار: ۲/۶۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قریبی رشتہ دار مستحقین کو زکوٰۃ دینے سے دوہرا ثواب ملتا ہے:

مسئلہ نمبر (۴۳۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بھائی غریب ہے کیا اس کو بہن زکوٰۃ دے سکتی ہے یا کہ نہیں؟ بہن غریب ہے کیا اس کو بھائی زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ نیز رشتہ داروں میں سے کس کس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں اور کس کس کو نہیں دے سکتے؟ خوب وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں اگر کسی کا بھائی یا بہن غریب ہے نہ صرف ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے بلکہ اس کو صلہ رحمی اور زکوٰۃ کا دوہرا ثواب ملتا ہے، رشتہ داروں میں سے اصول اور فروع اور زوجین ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، باقی سب رشتہ داروں کو دے سکتے ہیں اور رشتہ داروں کو دینا غیروں سے بہتر ہے، بشرطیکہ وہ مستحق ہوں اور مستحق غیر رشتہ دارا شد ضرورت مند نہ ہوں۔

”قوله (واصله وان علا وفرعه وان سفل) بالجراى لايجوز الدفع الى ابیه وجده
وان علا ولا الى ولده وولد ولده وان سفل لان المنفعة لم تنقطع عن المملك
من كل وجه كما قدمه فى تعريف الزكوة لان الواجب عليه الاخراج عن ملكه
رقبة ومنفعة ولم يوجد فى الاصول والفروع الاخراج عن ملكه منفعة وان
وجد رقبة وفى عبده وجد الاخراج منفعة لارقبة“..... (البحر الرائق: ۲/۴۲۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

غریب ماموں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۳۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

(۱) زکوٰۃ کی رقم کس کو دینی چاہیے اور کس کو نہیں؟ میرے ایک رشتہ دار ماموں ہیں ان کا کوئی کاروبار نہیں بچیوں کو دینی تعلیم دیکر گزارہ کرتے ہیں، کیا انکو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے؟ ایک سالی ہیں ان کے بچے ہیں خاوند کھیتی باڑی کرتا ہے اتنے خوشحال نہیں کیا انکو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟ ایک ہمسایہ ہے، وہ کاروبار کوئی نہیں کرتا اس کا ایک بچہ زمینداری کرتا ہے، کیا ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟ دو بھابھیاں بیوہ ہیں ان کے دو بچے کام کرتے ہیں، کیا ان کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں رہنمائی فرمائیں؟

(۲) ہم دو دوستوں نے دکان لیکر کام شروع کیا ہم نے ایک ایک لاکھ رقم لگائی، کرایہ اور بجلی کا بل دینے کے بعد اتنا منافع نہیں ہوتا کہ گھر کا خرچہ نکل جائے کیا اس پر زکوٰۃ بنتی ہے یا کہ نہیں؟ اگر بنتی ہے تو کتنی؟ گزارہ ہم اپنی تنخواہوں سے چلاتے ہیں۔

(۳) ہمارے پاس دو موٹر سائیکل ہیں، ایک بچے کا ایک میرا، اس پر زکوٰۃ کتنی ہے؟

(۴) ہم اپنے گھر میں رہتے ہیں اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) زکوٰۃ اصول اور فروع کو نہیں دی جاسکتی، میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، اور نہ ہی ہاشمی کو دی جاسکتی ہے، ان کے علاوہ باقی ہر شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جو نصاب کا مالک نہ ہو اور نصاب ساڑھے سات تو لے سونا یا ساڑھے باون تو لے چاندی ہے، یا اس کے بقدر مال کا آدمی مالک ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے تو پھر زکوٰۃ واجب ہے۔

”ولا يدفع الى اصله وان علاو فرعه وان سفل“..... (الہندیۃ: ۱۸۸/۱)

(۲) مال تجارت اگر نصاب کو پہنچتا ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔

(۳) ضرورت کی اشیاء میں رہائشی مکان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

”ومنہا فراغ المال عن حاجة الأصلية فليس في دور السكنى وثياب البدن

وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبدة الخدمة وسلاح الاستعمال

زکوٰۃ“..... (الہندیۃ: ۱۷۲/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

اشد ضرورت کے وقت حیلہ تملیک کے بعد مسجد کی تعمیر پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا:

مسئلہ نمبر (۴۳۳): محترمی و کبری جناب حضرت مفتی صاحب! گزارش ہے کہ ہم مسجد کے لئے پلاٹ خریدنا چاہتے ہیں ہمارے پاس رقم کم ہے، جبکہ ایک شخص زکوٰۃ کا پیسہ دینا چاہتا ہے، سوال یہ ہے کہ کس طرح اس پیسے کو خرچ کریں کہ اس کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے؟ اور مسجد کی خریداری کا بھی مسئلہ حل ہو جائے جو اب کے لیے نہایت گزارش کی جاتی ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

واضح رہے کہ زکوٰۃ کا مال فقراء اور مساکین کا حق ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی صرف اس وقت ہوگی جب اسے کسی مستحق کو (بلا عوض) تملیک کر دی جائے، اور مسجد میں یہ صفت نہیں پائی جاتی، لہذا مسجد میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

”وعلى هذا يخرج صرف الزكوة إلى وجوه البر من بناء المسجد والرباط

والسقايات وإصلاح القناطر وتكفين الموتى ودفنهم أنه

لا يجوز لما لا يوجد التملك اه..... (بدائع الصنائع: ۴/۳۹)

اگر مسجد کے لیے رقم کی اشد ضرورت ہو کہ اگر زکوٰۃ کی رقم نہ دی گئی تو مسجد نہیں بنے گی، تو پھر حیلہ تملیک کے ذریعے زکوٰۃ کی رقم مسجد میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ پہلے یہ رقم کسی فقیر کے تملیک کر دی جائے پھر فقیر کو کہہ دو کہ وہ اپنی خوشی سے ساری رقم مسجد میں دیدے اور واضح رہے کہ حیلہ تملیک صرف ضرورت کے وقت کیا جاسکتا ہے ورنہ درست نہیں ہے۔

”وقال في الدر: وقد عانا الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يامر به بفعل هذه

الاشياء وهل له ان يخالف امره لم اره والظاهر نعم..... (الدر مع الرد: ۲/۶۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

فقیر غیر مقروض سے فقیر مقروض زکوٰۃ کا زیادہ مستحق ہے:

مسئلہ نمبر (۴۳۵): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے والد صاحب کے اکاؤنٹ سے انکو بتائے بغیر پیسے نکلوائے تھے جو کہ مبلغ چالیس ہزار تھے، اس کے علاوہ چند دوستوں سے پیسے لئے تھے ان

پیسوں سے میں نے ایک کاروبار شروع کیا جو نہ چل سکا مکمل طور پر ختم ہو گیا، اب میں قرض ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، اور والد صاحب اور دوسرے قرض خواہ مسلسل مطالبہ کر رہے ہیں، کیا میں زکوٰۃ وغیرہ کی رقم استعمال کر سکتا ہوں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اگر آپ واقعہ مقروض ہیں تو آپ کے لیے زکوٰۃ کی رقم لینا جائز ہے، بلکہ مقروض (فقیر) شخص غیر مقروض فقیر کی نسبت زکوٰۃ کا زیادہ مستحق ہے، بشرطیکہ آپ سید نہ ہوں۔

”ومدیون لا یملک نصاباً فاضلاً عن دینہ) وفي الظہیریۃ الدفع للمدیون اولی

منہ للفقیر (قولہ اولی منہ للفقیر) ای اولی من الدفع للفقیر الغیر المدیون

لزیادۃ احتیاجہ“..... (الدرمع الرد: ۲/۶۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ اور صدقات ناقلہ کا مستحق کون ہے؟

مسئلہ نمبر (۴۳۶): بخدمت جناب حضرت مولانا مفتی صاحب دامت برکاتہم! مسئلہ یہ ہے کہ میں مریض آدمی ہوں، میرا کوئی کاروبار نہیں اور میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتا ہوں، میری بیوی کے پاس ساڑھے تین تولے سونا ہے، میرا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے، وہ میرے پاس رہتے ہیں، گھر کا خرچ میں قرض لے کر پورا کرتا ہوں، قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا میں صدقہ یا خیرات لے سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب:

صورت مرقومہ میں آپ صدقات ناقلہ اور خیرات لے سکتے ہیں، البتہ صدقات واجبہ اور زکوٰۃ لینے کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کسی کے پاس اتنا مال نہیں ہے جو نصاب کو پہنچ جائے یا اتنا مال تو ہے لیکن وہ حاجتِ اصلیہ کے ساتھ مشغول ہے، مثلاً رہنے کے لیے گھر ہے، پہننے کے لیے کپڑے موجود ہیں، لیکن ان کے علاوہ کوئی نقدی رقم موجود نہیں ہے اور نہ ہی اتنا زیور ہے جو نصاب کو پہنچ جائے تو ایسی صورت میں یہ شخص فقیر ہے، صدقات، خیرات، زکوٰۃ وغیرہ لے سکتا ہے۔

”ومنها الفقیر) وهو من له أدنی شیء وهو ما دون النصاب أو قدر نصاب غیر نام

وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرج عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية
إذا كانت مستغرقة بالحاجة الخ..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۷)
”لابأس أن يعطى من الزكوة من له سكن وما يتأثت به في منزله وخادم وفرس
وسلاح وثياب البدن وكتب العلم الخ“ (الدرمع الرد: ۲/۷۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جس کی مستقل آمدن نہ ہو اور مقروض بھی ہو اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۳۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام شریعت کے لحاظ سے اس مسئلہ کے بارے میں کہ
صورت احوال یہ ہے کہ تین آدمی ایک گھر کے کمانے والے ہیں جن کی ٹوٹل آمدنی آٹھ ہزار روپے ہے،
جس سے گھر کے اخراجات نہایت مشکل سے پورے ہوتے ہیں، مگر تینوں آدمیوں کی آمدنی مستقل نہیں ہے جس سے
ضرورت پوری ہو جائے، گھر کے اخراجات بدستور قائم رہتے ہیں، اس طرح وہ آدمی مبلغ پچیس، تیس ہزار روپے
کا مقروض ہو چکا ہے، کیا ان حالات میں وہ آدمی زکوٰۃ و صدقات و فطرانہ کا حق دار ہے؟ اس بارے میں فتویٰ
ارشاد فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں مذکورہ شخص اگر واقعہ مقروض ہے تو ان کے لیے زکوٰۃ و فطرانہ کے پے لینا درست ہے
خواہ ان کی آمدنی کتنی ہی ہو، بلکہ غیر مقروض مسکین کی نسبت اس کو زکوٰۃ دینے کا زیادہ ثواب ہے۔

”ومديون لا يملك نصابا فاضلا عن دينه“ وفي الظهيرية الدفع للمديون أولى
منه للفقير (قوله أولى منه للفقير) أي أولى من الدفع للفقير الغير المديون
لزيادة احتياجه..... (الدرمع الرد: ۲/۶۷)

”و صدقة الفطر كالزكوة في المصارف“ وفي كل حال (إلا في) جوازه (الدفع
إلى الذمي وعدم سقوطها بهلاك المال“..... (الدرمع الرد: ۲/۸۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

گھر کا خرچہ پورا اور ہا ہو لیکن مقروض ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۳۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں کاروباری حالات کی وجہ سے مقروض ہو گیا تھا، زمین اور دکان دے کر قرض کی ادائیگی کی مگر ابھی بھی کچھ قرض باقی ہے، جس میں گھر کا کرایہ شامل ہے، مالک مکان پریشان کر رہا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ میں نے ایک دوست سے قرض حسنہ مانگا تھا وہ قرض حسنہ کی بجائے زکوٰۃ سے میری مدد کرنا چاہتا ہے اور میرے پاس پلاسٹک مولنگ مشین بھی ہے جس پر مزدوری کر کے گھر کا خرچہ چلا رہا ہوں، پوچھنا یہ ہے کہ میں زکوٰۃ کی رقم سے گھر کا کرایہ اور قرض اتار سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں سائل زکوٰۃ کی رقم سے اپنی جملہ مذکورہ ضروریات پوری کر سکتا ہے چاہے وہ کرایہ کی صورت میں ہوں یا قرض کی صورت میں ہوں اور زکوٰۃ بھی وصول کر سکتا ہے۔

”فبان كان من عليه الدين معسرا يجوز له أخذ الزكوة في أصح الأقاويل لأنه

بمنزلة ابن السبيل الخ“..... (الهنديہ: ۱/۱۸۹)

”باب المصرف هو الفقير والمسكين وهو أسوأ حالا من الفقير والعامل

والمكاتب والمديون الخ“..... (البحر الرائق: ۴/۴۱۹)

”وقيدنا بكونه فارغا عن الحوائج الأصلية لأنه لو كان مستغرقا بها حلت فتحل

لمن ملك كتبنا ساوي نصابا وهو من أهلها للحاجة الخ“.....

(البحر الرائق: ۴/۴۲۷)

”وهل له ان يخالف أمره لم أره والظاهر نعم اه. (قوله والظاهر نعم) وقال لأنه

مقتضى صحة التملك قال الرحمتي والظاهر أنه لا شبهة فيه لأنه ملكه إياه

عن زكوة ماله وشرط عليه شرط فاسد أو الهبة والصدقة لا يفسدان بالشرط

الفاسده“..... (الدرمع الرد: ۲/۶۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا جوان بیٹوں کے غریب باپ کو زکوٰۃ لینا جائز ہے؟

مسئلہ نمبر (۴۳۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مجھے زکوٰۃ دینا چاہتا ہے

اور میں مستحق زکوٰۃ بھی ہوں، مگر میرے دونوں جوان بیٹے ہیں اور پیر وزگار و مستحق زکوٰۃ ہیں، زکوٰۃ دینے والے کو یہ تردد ہے کہ میرے بیٹے چونکہ جوان ہیں اسلئے میں مستحق زکوٰۃ نہیں ہوں، آیا انکا مجھے زکوٰۃ دینے سے ان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ نیز کیا میں ان پیسوں سے اپنی بچی کی شادی کر سکتا ہوں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں آپ کیلئے زکوٰۃ کی رقم لینا اور اس سے بچی کی شادی کرنا درست ہے بشرطیکہ آپ سید نہ ہوں۔

” (منها الفقير) وهو من له أدنى شيء وهو مادون النصاب أو قدر نصاب غير نام

وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرج عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية

إذا كانت مستغرق بالحاجة كذا في فتح القدير..... (الهنديہ: ۱۸۷/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

بہن بھائی کو زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۴۳۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی رقم بہن، بھائیوں کو دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

جو بہن بھائی نصاب کے مالک نہیں ہیں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

”ولا إلى من بينهما اولاد (قال الشامي) قيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب

كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء بل هم أولى لأنه صلة وصدقة“.....

(ردالمختار: ۲/۶۹)

”والأفضل في الزكاة والفطر والنور الصرف أولاً إلى الإخوة والأخوات

الخ“..... (الهنديہ: ۱/۱۹۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک فقیر کو زکوٰۃ کی کتنی مقدار دینی چاہیے؟

مسئلہ نمبر (۴۴۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کو کتنی زکوٰۃ دینی چاہیے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں ایک آدمی کو نصاب سے کم زکوٰۃ دینی چاہیے بقدر نصاب دینا مکروہ ہے، لیکن اگر وہ شخص مقروض ہو تو نصاب یا نصاب سے زیادہ دینا بھی درست ہے۔

”و کره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيال بحيث لو فرقه عليهم لا يخصص كلاً أو لا يفضل بعد دينه نصاب فلا يكرهه اه“..... (الرد المحتار: ۲/۴۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

مؤذن کو زکوٰۃ دینے کا ایک مسئلہ:

مسئلہ نمبر (۴۴۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مؤذن جو خود بھی بیمار ہے اسکے پاس اتنا سونا چاندی بھی نہیں ہے جو نصاب کو پہنچے کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے ذمہ کچھ قرض بھی ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر مؤذن واقعی مقروض ہے اور اس کے پاس قرض کی رقم کے علاوہ ضروریات اصلیہ سے زائد اتنا سامان وغیرہ نہ ہو جسکی مالیت سے قرض بھی ادا ہو سکے اور مزید اتنا بچے کہ نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔

”والغارم من لزمه دين لا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه“..... (الهدایہ: ۲/۲۲۱)

”والغارمین) قبل الغارم الذی علیہ الدین اکثر من المال الذی فی یدہ أو مثله أو أقل منه لكن ما وراءه ليس بنصاب اه“..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۵۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

مقروض شخص کو قرض اتارنے کے لیے قابلِ زکوٰۃ رقم سے قرض کو الگ کرنا:

مسئلہ نمبر (۴۳۳): ایک آدمی، صاحبِ نصاب ہے اس کا ذریعہ آمدنی ایک عدد دکان ہے، بقول اس آدمی کے کہ گورنمنٹ نے ہمارے بازار (الحدید) کی تمام دکانیں گرا دی ہیں، اس کے بعد عوامی دباؤ کی وجہ سے قدرے پیچھے کی قید لگا کر اسی جگہ کے مالکانہ حقوق دینے کے لیے تیار ہو گئی ہے، جس کی قیمت فی دکان ایک لاکھ ستر ہزار روپے مقرر کی گئی ہے، اس لیے وہ شخص چونکہ گورنمنٹ کا مقروض ہو چکا ہے، لہذا قرض اتارنے کے لیے قرض کی رقم کو قابلِ زکوٰۃ رقم سے الگ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورتِ مسئلہ میں گورنمنٹ چونکہ بازار (الحدید) کی تمام دکانداروں کے لیے مالکانہ حقوق دینے کے لیے تیار ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے دکاندار مالک بن گئے ہیں، لیکن مقررہ قیمت کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے دکاندار گورنمنٹ کے مقروض ہیں تو اس قرض کو اتارنے کے لیے قابلِ زکوٰۃ رقم سے قرض کی رقم کو الگ کر سکتے ہیں، الگ کرنے کے بعد اگر اتنی رقم باقی ہو جو نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس شخص پر زکوٰۃ دینا واجب ہے، ورنہ نہیں۔

”ومنہا ان لا یكون علیہ دین مطالب بہ من جهة العباد عندنا فان كان فإنه یمنع وجوب الزکوٰۃ بقدرہ حالا كان أو مؤجلا..... ولنا ما روی عن عثمان ؓ أنه خطب فی شهر رمضان وقال فی خطبته (الآن شهر زکاتکم قد حضر فمن كان له مال وعلیہ دین فلیحسب ماله بما علیہ ثم لیزک بقیة ماله) وكان بمحضر من الصحابة ولم ینکر علیہ احد منهم فكان ذلك إجماعاً منهم علی أنه لا تجب الزکاة فی القدر المشغول بالدين، وبه تبين أن مال المدیون خارج عن عمومات الزکاة“..... (بدائع الصنائع: ۲/۸۳)

”قولہ فلا زکاة علی مکاتب الخ (ومدیون للعبد بقدر دینہ) فی زکی الزائد ان بلغ نصاب الخ“..... (الدرمع الرد: ۲/۷۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

زیر تعمیر مدرسہ اور طلبہ کے لیے زکوٰۃ و صدقات واجبہ جمع کرنا:

مسئلہ نمبر (۴۲۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اس نیت سے کہ مستقبل میں ایک مستقل مدرسہ جس کے لیے کمرے تعمیر کیے جائیں گے، باقاعدہ تعمیر جاری ہے اور دیگر اخراجات کیے جائیں گے مدرسہ قائم ہوگا، مندرجہ بالا صورت حال میں صدقات کا فنڈ جمع کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا ہم زکوٰۃ و صدقات فطرانہ کی رقوم مندرجہ بالا صورت حال میں جمع کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کئی سال تک جمع کر کے رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ امید ہے کہ تحریری جواب جلدی عنایت فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور علم نافع میں مزید اضافہ فرمائے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

تعمیر مدرسہ کے لیے زکوٰۃ و صدقات واجبہ کا فنڈ لینا جائز نہیں، ہاں طلبہ کے لیے فنڈ جمع کرنا جائز ہے اور صدقات نافلہ تعمیر مدرسہ کے لیے جائز ہے اور کئی سالوں کے لیے جمع کر کے رکھ سکتے ہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ ایک سال سے زائد کے لیے جمع نہ کئے جائیں (بلا ضرورت)۔

”قال في الهداية لا يسنى بها (الزكوة) مسجد ولا يكفن بهاميت لانعدام

التمليك وهو الركن قال في فتح القدير فإن الله تعالى سماها صدقة و حقيقة

الصدقة تمليك المال من الفقير“..... (فتح القدير: ۲/۴۰۷)

”لا يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد) في الشامية كبناء القناطر والسقايات

و اصلاح الطرقات و كرى الأنهار و الحج و الجهاد و كل ما لا تمليك

فيه“..... (رد المحتار: ۲/۶۸)

”التاسعة وقف على عمارة المسجد على أن مافضل من عمارته فهو للفقراء

فاجتمعت الغلة و المسجد غير محتاج إلى العمارة قال الفقيه أبو بكر تحبس

الغلة لأنه ربما يحدث بالمسجد حدث و تصير الأرض بحال

لا تغل“..... (البحر الرائق: ۵/۳۶۰)

والله تعالى أعلم بالصواب

کیا مستحق زکوٰۃ شخص زکوٰۃ کی رقم کو اپنے تمام جائز امور میں خرچ کر سکتا ہے؟

مسئلہ نمبر (۴۳۵): بخدمت جناب مفتی صاحب السلام علیکم! سائل بچوں اور بچیوں کو گھروں میں جا کر دینی تعلیم دیتا ہے جس سے گھر کے اخراجات بھی پورے نہیں ہوتے، دو ماہ پہلے ایک فیکٹری میں جا کر قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی تھی وہاں سے مجھے دو ہزار روپے مل جایا کرتے تھے لیکن وہ سلسلہ بھی بند ہو گیا ہے، کرائے کے مکان میں رہتا ہوں ذریعہ آمدنی نہ ہونے کے برابر ہے، جو پیسے آتے ہیں وہ کرائے کے مکان اور بلوں وغیرہ میں چلے جاتے ہیں؟

سائل آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ کیا زکوٰۃ کے پیسے سائل استعمال میں لاسکتا ہے؟ یا کسی سے لے کر استعمال کر سکتا ہے؟ اپنے بچوں کو زکوٰۃ کے پیسوں سے گاؤں بھیجنا چاہتا ہوں، آپ مجھے برائے مہربانی بتائیں کہ ہم زکوٰۃ کے پیسے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں اگر آپ زکوٰۃ کے مستحق ہیں اور صاحب نصاب نہیں ہیں یعنی آپ کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے برابر گھر میں ضرورت سے زیادہ سامان نہ ہوں اور آپ سید بھی نہیں ہیں تو آپ زکوٰۃ لے سکتے ہیں اور زکوٰۃ لے کر اپنے بچوں پر اور اپنی دیگر ضروریات پر خرچ کر سکتے ہیں۔

”قوله (هو الفقير وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام

مستغرق في الحاجة (ومسكين من لاشئ له)..... (الدرمع الرد: ۲/۶۴)

”قوله (هو الفقير والمسكين وهو أسوأ حالا من الفقير) أي العصرف

الفقير والمسكين، والمسكين أدنى حالا و فرق بينهما في الهداية وغير هاتان

الفقير من له أدنى شيء والمسكين من لاشئ له وقيل على العكس ولكل وجه

والأول هو الأصح وهو المذهب كذا في الكافي والأولى أن يفسر الفقير بمن له

مادون النصاب كما في التقاية أخذ من قولهم يجوز دفع الزكوة إلى من

يملك مادون النصاب أو قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في

الحاجة..... (البحر الرائق: ۲/۴۱۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

کیا دور کے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

مسئلہ نمبر (۴۳۶): محترم و مکرم حضرت مفتی صاحب میرے ذمہ زکوٰۃ کی کچھ رقم ہے آپ سے یہ پوچھنا تھا کہ کیا میں یہ دور کے رشتہ داروں کو دے سکتی ہوں کہ نہیں؟ ان کا مکان تو اپنا ہے لیکن کافی بچے ہیں، آمدنی کم ہے کیا اس فیملی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر ارشاد فرمائیں کہ آج کل کن لوگوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور کن کو نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ کی رقم اپنے اصول و فروع کو نہیں دی جاسکتی اور زوجین آپس میں ایک دوسرے کو نہ دیں، ان کے علاوہ اپنے رشتہ داروں کو دے سکتے ہیں جو نصاب کے مالک نہ ہوں اور ہر ایسے مسلمان شخص کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں جو سید نہ ہو اور نصاب کا مالک نہ ہو۔

”لا إلی من بینہما ولاد ولو مملو كالفقیر) ای بینہ و بین المدفوع إلیہ لأن منافع الإملاک بینہم متصلۃ فلا ینحقق التملیک علی الکمال ہدایۃ والولاد بالکسر مصدر ولدت المرأة ولادة و ولادا مقرب ای أصله وإن علا کأبویہ وأجداده وجداته من قبلہما وفرعه وإن سفلی..... (أوزوجیۃ ولو ممانۃ) ای فی العدة ولو بثلاث نهر عن معراج الدرایۃ“.....
(رد المحتار: ۶۹/۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

صاحب نصاب کو حج کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۴۳۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نصاب کا مالک ہے اس کو حج کرنے کے لیے زکوٰۃ کی رقم دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صاحب نصاب آدمی کو حج کرنے کے لیے زکوٰۃ کی رقم دینا درست نہیں ہے۔

”و لا إلی (غنی) یملک قدر نصاب فارغ عن حاجتہ الأصلیۃ من ای مال

کان“..... (رد المحتار علی الرد: ۷۰/۴)

”ولا تدفع إلى غنى لقوله عليه السلام لا تحل الصدقة

لغنى“..... (الهداية: ۱/۲۲۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بنات کا مدرسہ چلانے کے لیے زکوٰۃ لینا:

مسئلہ نمبر (۴۳۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک مدرسہ بچیوں کے لیے کھول رکھا ہے، جس میں قرآن پاک ناظرہ، تفسیر، احادیث (ریاض الصالحین) فقہ (بہشتی زیور اور تسہیل قدوری) اور عربی لغت بھی پڑھانے کا انتظام موجود ہے، شروع میں مدرسہ کا بخوبی کام ہوتا تھا، اب جب کہ طالبات کی تعداد بڑھ رہی ہے اور تعلیم و تعلم بھی بڑھ رہا ہے اور اس کے علاوہ معلمات کے لیے ایک خادمہ کی بھی ضرورت ہے، مشاہرہ میں حوصلہ افزائی کی بھی ضرورت ہے، وغیرہ وغیرہ، اب سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ وغیرہ کی رقم تملیک کر کے طالبات پر جیسے چاہیں خرچ کر سکتے یا نہیں؟ جبکہ ذاتی طور پر ایسا کرنا صحیح نہیں لگتا، اس میں کراہیت بھی ہے، مہربانی فرما کر مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

سخت مجبوری اور اشد ضرورت کی بناء پر حیلہ کرنے کی گنجائش دی گئی ہے جب کہ آپ کی ضروریات مدرسہ کی کسی اور طرح پوری نہیں ہوتی پھر وہ رقم فقراء اور مساکین کے لیے زکوٰۃ کے حق سے وصول کی جاسکتی ہے، بصورت حیلہ تملیک کروا کے مدرسہ کے اخراجات ایسی رقم سے پورے کئے جاسکتے ہیں، بغیر ضرورت کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اس کو فقہاء کرام نے مکروہ قرار دیا ہے۔

”والحيلة في التكفين بها التصديق بها على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب

لهما وكذا في تعمیر المساجد“..... (الأشباه والنظائر: ۳۹۸)

”فرع“ يكره أن يحتال في صرف الزكاة إلى والديه المعسرین بأن تصدق

بها على فقير ثم صرفها للفقير اليهما كما في القنية قال في شرح الوهبانية وهي

شہيرة مذكورة في غالب الكتب“..... (رد المحتار: ۲/۶۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

فقیر کے گھر میں ٹی وی ہو تو اسے زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۴۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت بیوہ ہے اس کے بچے بھی اس کی کفالت میں ہیں، اور اس کے گھر ٹی وی ہے، تو کیا اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ اور زکوٰۃ دینے والے کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ اور کیا اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہوگی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں ٹی وی حاجت اصلیہ میں سے نہیں ہے اگر اس کی مالیت نصاب مال سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اور اگر نصاب سے کم ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، بشرطیکہ عورت کے پاس کوئی اور قابل زکوٰۃ مال نہ ہو جو ٹی وی کی قیمت سے مل کر نصاب پورا کر دے، واضح رہے کہ ٹی وی کو اس کے مفاسد کثیرہ کی وجہ سے گھر میں رکھنا جائز نہیں۔

”قال فی البدائع قدر الحاجة هو ما ذكره الكرخي في مختصره فقال لا بأس أن يعطى من الزكاة من له مسكن وما يتأثت به في منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم إن كان من أهله فإن كان له فضل عن ذلك تبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصدقة اه“..... (رد المحتار: ۲/۷۰)

”مصرف الزكاة والعشر (هو فقير وهو من له أدنى شيء) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة (ومسكين من لاشئ له) على المذهب اه“..... (رد المحتار: ۲/۶۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

پیشہ ورانہ فنی تربیتی اداروں میں زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۵۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حکومت پنجاب نے بے روزگاری ختم کرنے کے لیے غریب عوام کی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لیے زکوٰۃ کے مستحق طلباء کو پیشہ ورانہ تربیت دینے کا پروگرام بنایا ہے تاکہ وہ ہنر سیکھ کر خود اپنی روزی کما سکیں اور معاشرے میں ایک باعزت مقام حاصل کر سکیں، حکومت پنجاب نے پیشہ ورانہ فنی ادارے کھولے ہیں اس میں زکوٰۃ کونسل مستحق طلباء کو زکوٰۃ کے فنڈ سے وظیفہ دیتی ہے، ہر مستحق

زکوٰۃ طالب علم کو پچیس سو روپے کے حساب سے وظیفہ دیا جاتا ہے، جس میں سے وہ صرف پانچ سو روپے وصول کرتا ہے اور باقی دو ہزار روپے ادارے کا خرچ بذریعہ تملیک ادارے کو منتقل کر دیتا ہے، اسی رقم سے انتظامیہ اپنے اخراجات چلاتے ہیں، اساتذہ کی تنخواہیں مشینری خریدتے ہیں، بلوں کی ادائیگی اور باقی تمام اخراجات شامل ہیں، اب حکومت کے کچھ افراد نے اعتراض کیا ہے کہ یہ زکوٰۃ کے پیسوں سے اساتذہ کی تنخواہیں، مشینری کی خرید اور بلڈنگ کی دیکھ بھال وغیرہ خرچ نہیں کی جاسکتی، لہذا آپ سے التماس ہے کہ مندرجہ بالا بیان کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن و سنت کی روشنی میں بتائیں کہ زکوٰۃ فنڈ کے ذریعے سے بذریعہ تملیک زمین، بلڈنگ اور مشینری کی خریداری اور اساتذہ کی تنخواہیں دی جاسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں انتظامیہ زکوٰۃ فنڈ سے ہر طالب علم کو ماہانہ مذکورہ رقم تملیک کر کے دیتی ہے پھر دو ہزار فیس کے طور پر طالب علم انتظامیہ کے پاس جمع کرواتا ہے، انتظامیہ اس رقم کو اپنے اخراجات میں خرچ کر دیتی ہے، اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ درست ہے، واضح رہے کہ ہاشمی یا سید خاندان میں سے کسی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، نیز واضح رہے کہ اگر انتظامیہ پیسے طلباء کو قبضے میں دینے سے قبل ہی کٹوتی کر لیتی ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

”ويشترط أن يكون الصرف (تمليكا) لا إباحة كما مره“..... (الدرم

الر: ۵/۲۸)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

سادات کے لیے زکوٰۃ فنڈ سے تعلیمی وظائف لینا جائز نہیں:

مسئلہ نمبر (۲۵۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا تعلق اہل سنت والجماعت (دیوبندی) مسلک سادات گھرانے سے ہے اور بی، اے کی طالب ہوں، مجموعی ماہانہ آمدنی دو ہزار روپے (والد صاحب کی پنشن ہے) پانچ افراد خانہ میں بہن بھائی بے روزگار ہیں سخت مالی مشکلات کا سامنا ہے جس کے باعث میں تعلیم جاری رکھنے سے قاصر ہوں، گزشتہ دنوں کالج والوں نے ضلعی فنڈ سے مستحق طلباء کے تعلیمی وظائف کے فارم مستحق طلباء میں تقسیم کئے تھے، ایک فارم میرے پاس موجود ہے جس کی ایک کاپی میں ساتھ بھیج رہی ہوں تاکہ آپ زکوٰۃ فنڈ کی نوعیت کا جائزہ لے سکیں اور شرعی احکامات کے مطابق فیصلہ صادر فرمائیں، کہ سادات کے گھرانے

سے تعلق رکھنے کے باوجود اس زکوٰۃ فنڈ والی رقم سے اپنی تعلیم کے اخراجات پورے کرنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے قیام و طعام اور دیگر تعلیمی اخراجات کا بندوبست اکثر زکوٰۃ فنڈ سے اور عطیات وغیرہ سے کیا جاتا ہے، اس پس منظر میں ارشاد فرمائیں کہ تعلیمی اخراجات کے لیے مذکورہ فنڈ سے پیسے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

سادات کو زکوٰۃ کا مال استعمال کرنا شرافت نسب کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

”ولا یصرف إلی بناء مسجد..... ولا إلی بنی ہاشم“..... (الدرمع

الر د: ۲/۶۸، ۷۴)

مدارس دینیہ میں سادات کے کھانے کا انتظام زکوٰۃ و صدقات سے نہیں کیا جاتا، دوسری مدت سے کیا جاتا ہے اور وسعت والے تو مدرسہ کا کھانا کھاتے ہی نہیں۔

”ولا یدفع إلی بنی ہاشم وهم آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل

الحارث بنی عبدالمطلب کذا فی الہدایۃ..... ہذا فی الواجبات کالزکاة

والنذر والعشرو والكفارة فأما التطوع فیحوز الصرف إلیہم کذا فی

الکافی“..... (الہندیۃ: ۱/۱۸۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ کے لیے طعام خرید کر دینا:

مسئلہ نمبر (۲۵۲): ایک شخص صاحب نصاب ہے اور اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتا ہے زکوٰۃ کی رقم دینی بھلائی کے لیے استعمال کر سکتا ہے، جیسے مدرسہ دینیہ کے طعام کی مدد، یا مدرسہ کے لیے زمین خریدنا اور اس قسم کے مختلف النوع اخراجات کی مدد میں صرف کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اگر مدرسہ میں ہر طالب علم کو طعام تقسیم کر کے دیا جاتا ہے تو اس میں زکوٰۃ کے مال سے

مدد کرنا جائز ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، جبکہ اجتماعی صورت میں اباحت ہوتی ہے تملیک نہیں ہوتی لہذا اجتماعی صورت

میں کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، باقی مدرسے کے لیے زمین خریدنا زکوٰۃ کے مال سے جائز نہیں، کیونکہ مدرسہ اہل تملیک میں سے نہیں ہے، بالجملہ ہر وہ نیک کام جس میں تملیک نہیں پائی جاتی اس میں زکوٰۃ کا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی۔

”ویشترط أن يكون الصرف (تملیکاً) لا إباحة كما مر لا يصرف (إلى بناء) نحو (مسجد) وفي رد المحتار قوله تملیکاً فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التملیک ولو أطعمه عنده ناویاً زکوٰۃ لا تكفي ط وفي التملیک إشارة إلى أنه لا يصرف إلى معنون وصبی غیر مراهق إلا إذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالأب والوصی وغيرهما و يصرف إلى مراهق يعقل الأخذ كما في المحيط قهستانی وتقدم تمام الكلام على ذلك اول الزکوٰۃ (قوله نحو مسجد) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تملیک فيه زيلعي اه“..... (الدرمع الرد: ۲/۲۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا بیٹی یا اس کی اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

مسئلہ نمبر (۳۵۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج سے آٹھ سال پہلے میری بیٹی کی شادی ہوئی، اس کی دو بیٹیاں ہیں اس کا خاوند شروع سے تنگ کر رہا تھا روزی نہیں کما تا تھا، اب عرصہ چار ماہ سے وہ گھر سے چلا گیا ہے یہ کہہ کر کہ میں تمہیں نہیں کما کر کھلا سکتا، اب اس غم کی وجہ سے میری بیٹی بیمار ہو گئی ہے اور اب ہم اپنی بیٹی اور اس کی دو بیٹیوں کو گھر لے آتے ہیں، اور یہ بھی کئی دفعہ کہہ چکا ہے کہ مجھ سے فیصلہ لے لو مگر ہم نے کچھ نہیں کہا اور نہ طلاق لی، اب میری بیمار بیٹی کہتی ہے کہ اس نے شروع سے مجھ کو بہت تنگ کیا ہے اور پریشان کر رکھا ہے، اب اگر وہ کہے تو بھی اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی، ان حالات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اگر ہم کو توفیق دے تو کیا ہم ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ ان کا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی سہارا نہیں ہے، جواب کے لیے عاجزانہ منتظر رہوں گا۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بیٹی یا اس کی اولاد کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، البتہ اس صورت میں صدقات نافلہ دے سکتے ہیں، البتہ دوسری مد سے اس کی خوب امداد کی جائے اور اس میں بہت زیادہ ثواب ہے۔

”قوله والى من بينهما اولاد) أى بينه وبين المدفوع إليه لأن منافع الأملاك بينهم متصلة فلا يتحقق التمليك على الكمال هداية والولاد بالكسر..... وشمل الولاد بالنيكاح والسفاح فلا يدفع إلى ولده من الزنا ولا إلى من نفاه كما سأتى وكذا كل صدقة واجبة كالقنطرة والنذر والكفارات أما التطوع فيجوز بل هو أولى كما فى البدائع اه..... (رد المحتار: ٢٩/٢)

”قوله واصله وان علا وفرعه وان سفل) وقيد باصله وفرعه لان من سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم“..... (البحر الرائق: ٢٢٥/٢)

”قوله والى من بينهما اولاد) وقيد بالولاد لجوازه لبقية الاقارب كالاخوة والاعمام والاخوان الفقراء“..... (رد المحتار: ٢٥/٢)

”يجوز دفع الزكاة الى من سوى الوالدين والمولودين من الاقارب“..... (بدائع الصنائع: ١٢٢/٢)

”واصله وان علا وفرعه وان سفل وزوجته وزوجها وعبد ومكاتبه ومدبره وام ولده) اى لا يجوز دفع الى اصوله وهم الابوان والاجداد والجدات من قبل الاب والام وان علوا ولا الى فروعه وهم الاولاد والاولاد والاولاد وان سفلا“..... (تبيين الحقائق: ٣٠١/١)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ اور چرم قربانی کی رقم مدرسہ کی مختلف ضروریات میں خرچ کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۵۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ان مسائل کے بارے میں

۱۔ زکوٰۃ کی رقم اور چرم ہائے قربانی کی رقم مدرسہ کی عمارت میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟

۲۔ طلباء کے لیے دریاں، کتابیں رکھنے کے لیے تپائی وغیرہ خریدی جاسکتی ہیں؟

۳۔ اساتذہ صاحبان کی تنخواہ دی جاسکتی ہے؟

۴۔ طلباء حضرات کے والدین بھی آتے ہیں، کیا ان کی مہمان نوازی بھی کی جاسکتی ہے یا کہ نہیں؟

- ۵۔ مدرسے میں جو اجلاس ہوتے ہیں ان میں خرچ کر سکتے ہیں؟
- ۶۔ مدرسے کے منتظمین کی ضروریات یا ان کے سفر کے لیے استعمال کی جاسکتی ہے؟ (کرایہ وغیرہ) کیونکہ ہم چند ساتھی اپنے گاؤں میں مدرسے کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ ہم شریعت مطہرہ کے مطابق کام کریں بلکہ عملی زندگی میں بھی ثابت قدمی ہو۔

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ وچرمہائے قربانی کی رقم مذکورہ تمام صورتوں میں لگانا ناجائز ہے، کیونکہ زکوٰۃ اور چرمہائے قربانی کی رقم مستحق کو تملیک کرانا ضروری ہے جو کہ یہاں نہیں پائی جا رہی، البتہ اگر حیلہ تملیک کر لیا جائے (یعنی فقیر طلباء اس رقم کو لیکر اپنی رضامندی سے ویں یا ان کی طرف سے وکیل بن کر ان کی رضامندی سے اساتذہ لیں) تو اس کے بعد ان امور میں مذکورہ رقم صرف کی جاسکتی ہے، البتہ فضول تصرف سے احتراز کیا جائے۔

”لا یصرف (الی بناء) نحو (مسجد) کبناء القناطر والسقایات واصلاح
الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد وکل مال تملیک فیہ
زیلعی“..... (رد المحتار: ۲/۷۸)

”أما رکن الزکوٰۃ فرکن الزکاة هو إخراج جزء من النصاب إلی الله تعالی
وتسليم ذالک إلیه یقطع المالك یدہ عنه..... وهو المصدق“..... (بدائع
الصنائع: ۲/۱۳۲)

”ویشترط أن یكون الصرف (تملیکاً) لا إباحة..... ان الحيلة أن یتصدق علی
الفقیر لم یأمره بفعل هذه الأشياء وهل أن یخالف أمره لم أره
والظاهر نعم“..... (الدر المختار: ۲/۷۸)

”و یتصدق بجلدها أو یعمل منه نحو غربال أو جراب لأنه جزء منها..... ولا یبعه
بالدراهم لینفق الدراهم علی نفسه وعیاله الخ“..... (البحر: ۸/۳۲۷)

اس سے معلوم ہوا کہ کھال اگر بیچی جائے تو قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے، لہذا اس میں دیگر صدقات واجبہ کی طرح تملیک ضروری ہے۔

”فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلك أو بدرهم تصدق
بشمه“..... (الدر على الرد: ۵/۲۳۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی رقم سے مستحق افراد کی شادی کروانا:

مسئلہ نمبر (۴۵۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے مستحقین زکوٰۃ نوجوان بچوں اور بچیوں کی شادی کروانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اگر نوجوان بچے اور نوجوان بچیاں زکوٰۃ کے مستحق ہیں تو ان کو زکوٰۃ کے پیسوں سے شادی کے لیے سامان لیکر تملیک کر کے دینا یا نقد رقم تملیک کر دینا جائز ہے۔

”قوله (هو الفقير وهو من له أدنى شيء) أى دون نصاب أو قدر نصاب غير نام
مستغرق فى الحاجة (والمسكين من لاشئ له)“..... (الدر مع الرد: ۲/۶۳)
”قوله (هو الفقير والمسكين وهو أسوأ حالا من الفقير) أى المصرف
الفقير والمسكين، والمسكين أدنى حالا لفرق بينهما فى الهداية وغيرها بأن
الفقير من له أدنى شيء والمسكين من لاشئ له وقيل على العكس ولكل وجه
والأول وهو الأصح وهو المذهب كذا فى الكافى والأولى أن يفسر الفقير بمن
له مادون النصاب كما فى النقاية أخذ من قولهم يجوز دفع الزكاة إلى من يملك
مادون النصاب أو قدر نصاب غير نام وهو مستغرق فى الحاجة“.....
(البحر الرائق: ۲/۳۱۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

فعلی صدقات و خیرات کا خود استعمال کرنا اور گھر والوں پر خرچ کرنا:

مسئلہ نمبر (۴۵۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صدقہ و خیرات کو گھر میں آدمی خود استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

نقلی صدقہ اہل و عیال پر صرف کرنا جائز ہے، اور خود بھی اس میں سے کھا سکتا ہے، البتہ زکوٰۃ خود استعمال نہیں کر سکتے۔

”قوله بل فی الظہیریۃ) إضراب انتقالی عن عدم کراہة نقلها إلی القرابة إلی تعین النقل إلیهم وهذا نقله فی مجمع الفوائد معزیالاً لوسط عن أبی ہریرة مرفوعاً إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال یا أمة محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل صدقة من رجل وله قرابة محتاجون إلی صلته ویصرفها إلی غیرهم“ (رد المحتار: ۴/۷۵)

”وفی القہستانی والأفضل إخوانہ وأخواتہ ثم أولادہم ثم أعمامہ وعماتہ ثم أحوالہ وخالاتہ ثم ذرورہم ثم جيرانہ“..... (رد المحتار: ۴/۷۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بینک کے مقروض کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۵۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص شریف النفس اور دیندار آدمی ہے، اس نے بینک سے کسی مجبوری کے تحت قرضہ لیا ہے اب وہ بینک کا قرضہ اور سود لوٹانا چاہتا ہے، مگر اتنی استطاعت نہیں، اگر زکوٰۃ کے پیسے سے اس کی مدد کی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ شخص کی مدد زکوٰۃ کے پیسوں سے درست ہے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، البتہ اس کو سابقہ کئے ہوئے گناہ پر توبہ کرنا ضروری ہے۔

”قوله تعالیٰ: ”انما الصدقات للفقراء..... والغارمین وفی سبیل اللہ“..... (الایۃ)

”والغارمون بصرف نصیبهم لأرباب الدیون وكذلك فی سبیل اللہ تعالیٰ الخ“..... (البحر الرائق: ۲/۴۲۱)

” (والمديون) أطلقه كالقدوري وقيده في الكافي بأن لا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه لأنه المراد بالغارم في الآية وهو في اللغة من عليه دين ولا يجد قضاء كما ذكره القتيبي وفي فتاوى ظهيرية: والدفع إلى من عليه دين أولى من الدفع إلى الفقير الخ“ (البحر الرائق: ٢/٢٢٢)

” (ومديون) هو المراد بالغارم في الآية وذكر في الفتح ما يقتضي أنه يطلق على رب الدين أيضاً فإنه قال والغارم من عليه الدين ولا يجد وفاء الخ“ (الدر مع الرد: ٢/٢٦)

” ومنها الغارم وهو من لزمه دين ولا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه أو كان له مال على الناس لا يمكنه أخذه كذافي التبيين والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير كذافي المضمورات“ (الهندية: ١/١٨٨)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جس پر قربانی واجب ہو اور زکوٰۃ واجب نہ ہو کیا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے؟

مسئلہ نمبر (۲۵۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص پر قربانی واجب ہے مگر زکوٰۃ واجب نہیں کیا یہ شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں جو شخص صاحب نصاب زکوٰۃ نہ ہو مگر صاحب نصاب صدقۃ الفطر و قربانی ہو اس کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

”وبه أى بهذا النصاب تحرم الصدقة كما مر وتجب الأضحية“ (الدر المختار: ١/١١٤)

”قوله تحرم الصدقة أى الواجبة أما النافلة فإنما يحرم عليه سؤالها وإذا كان النصاب المذكور مستغفر فأباحتها فلا يحرم عليه الصدقة“ (رد المحتار: ٢/٤٩)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مستحق شخص کا پلاٹ کی خریداری کے لیے زکوٰۃ لینا:

مسئلہ نمبر (۳۵۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی محمد فاروق کی ماہوار آمدنی 4800 روپے ہے، مکان کرائے پر بمعہ بل 1500 زیور ایک تولہ بھی نہیں ہے اور ایک واٹر کولر اور ایک واشنگ مشین ہے، ہم دو میاں بیوی ہیں اور چار بچے ہیں، اس میں ایک معذور ہے اور ان کا سکول کا خرچہ پندرہ سو روپے ہے، اور مجھ پر 4500 روپے قرضہ ہے، اور میں پانچ مرلے کا پلاٹ لینا چاہتا ہوں جس کی قیمت 75000 روپے ہے، اور کچھ لوگ بطور زکوٰۃ میری مدد کرنا چاہتے ہیں، آپ یہ بتائیں کہ کیا میں ان پیسوں سے اپنی قرض اتار سکتا ہوں؟ یا ان پیسوں کے ساتھ پلاٹ کا ایڈوانس لے کے دے سکتا ہوں؟ یا میں اپنی مرضی کروں؟ اس صورت میں مجھ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں آپ کی آمدن خرچ اور قرض وغیرہ کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں، پلاٹ کی خریداری کے لیے آپ زکوٰۃ لے سکتے ہیں، مگر اتنی رقم نہیں کہ آپ خود صاحب نصاب ہو جائیں۔

”ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكوة عليه“..... (الهداية: ۱/۲۰۲)

”ويكره أن يدفع إلى واحد مائتي درهم فصاعدًا وإن دفع

جائزاً“..... (الهداية: ۱/۲۲۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بھتیجے یا بھتیجی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے:

مسئلہ نمبر (۳۶۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری حقیقی بھتیجی جو کہ اپنے بھائی کے ساتھ رہتی ہے، میرے بھائی اور بھابھی ایک حادثہ میں جاں بحق ہو گئے تھے، آج کل اس کی شادی کی تیاری چل رہی ہے، مگر وہ غریب ہونے کی وجہ سے لڑکے والوں کی ڈیمانڈ پوری نہیں کر پارہے، تو کیا میں ان کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں یا کسی بالکل فقیر کو دینی چاہیے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

آپ اپنی بھتیجی کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں بلکہ فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ زکوٰۃ، صدقہ، فطرانہ وغیرہ

میں افضل یہ ہے کہ پہلے اپنے بھائی، بہنیں یا ان کی اولاد کو دی جائے، اگر ان میں سے کوئی مستحق زکوٰۃ نہ ہو تو پھر دوسروں کو دیں۔

”والأفضل في الزكاة والفطر والنذور الصرف اولاً إلى الإخوة والأخوات ثم إلى أولادهم“..... (الهندية: ۱۹۰/۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا داماد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

مسئلہ نمبر (۴۶۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت اپنی بیٹی کے شوہر یعنی اپنے داماد کو جو کہ تنگ دست ہے، زکوٰۃ دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مذکورہ صورت میں عورت اپنے داماد کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتی ہے، اگر داماد غریب اور تنگ دست ہے اور سید نہیں ہے۔

”قال في التاتارخانية وفي تجنیس خواهرزاده ويجوز أن يعطى امرأة أبيه وابنه
وزوج ابنته اه“..... (التاتارخانية: ۲۰۶/۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا مہر کی کاوکیل اپنے بیٹے کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

مسئلہ نمبر (۴۶۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو زکوٰۃ کی رقم دے کر یہ کہے کسی مستحق کو دے دو اور اس شخص کا اپنا بالغ لڑکا مستحق ہو تو کیا وہ شخص اپنے بالغ بیٹے کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں وہ شخص اپنے بالغ بیٹے کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ سید نہ ہو۔

”والوکیل إذا عطی ولده الكبير أو الصغير أو امرأته وهم محابج

جانز ولا یمسک شیئا کذا فی الخلاصة اه“ (الهندية: ۱/۱۸۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جعفری سید کون ہیں؟ کیا جعفری سید کو یا اس کی بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

مسئلہ نمبر (۴۶۳): کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ جس شخص کے کوائف درج ذیل ہیں اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کہ نہیں؟

- ۱۔ زید اپنے کو جعفری اور سید کہتا ہے جعفر طیار کی اولاد کہتا ہے، کیا سید اور بنی ہاشم کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟
- ۲۔ کیا حضرت جعفر صادق اور جعفر طیار ایک ہی بزرگ ہیں؟
- ۳۔ زید ملازم ہے، بیوی ماں اور تین بیٹوں کا کفیل ہے، مشکل سے گزر بسر ہوتی ہے، کیا زید کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟
- ۴۔ زید کی بیوی زکوٰۃ دینے والے کی بیٹی ہے، کیا بیٹی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

- ۱۔ جعفری سید اور بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا شرافت نسب کی وجہ سے جائز نہیں۔
- ۲۔ جعفر طیار صحابہ کرام میں ایک صحابی گزرے ہیں جو حضور ﷺ کے ابن عم اور حضرت علیؑ کے سگے بھائی تھے، آپ کا نام جعفر کنیت ابو عبد اللہ، والد کا نام عبد المنانف (ابوطالب) اور والدہ کا نام فاطمہ ہے، ۸ھ میں غزوہ موتہ میں شہید ہوئے، اس وجہ سے ایک عرصہ تک حضور ﷺ کو شہد ید غم رہا، یہاں تک کہ روح الامین نے آ کر بشارت دی کہ خدائے جعفر کو دو کٹے ہوئے بازوں کے بدلہ دو نئے باز و عنایت کئے ہیں جن سے وہ ملائکہ جنت کے ساتھ مصروف پرواز رہتے ہیں، چنانچہ اس وقت آپؐ ذوالجناحین اور طیار کے ساتھ ملقب ہوئے۔ (سیر الصحابہ: ۳/۱۶۰)
- جعفر بن محمد الملقب بہ صادق ہے یہ تابعی ہے اس کی کنیت بھی ابو عبد اللہ ہے یہ فرقہ امامیہ کے چھٹے امام ہیں اور امام محمد باقر کے صاحبزادے ہیں، نسب نامہ یہ ہے، جعفر بن محمد بن علی بن ابی طالب پیدائش ۸۰ھ مدینہ میں ہوئی۔ (سیر الصحابہ: ۷/۶۷)

- ۳۔ زید سے مراد اگر وہی زید ہے جو سید اور جعفر طیار کی اولاد کہتا ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست نہیں، کیونکہ شریعت

کی رو سے سید اور بنی ہاشم شرافت نسب کی وجہ سے مستحق زکوٰۃ نہیں، اور اگر زید سے مراد کوئی اور زید ہے تو اگر وہ سید اور بنو ہاشم نہیں ہے اور صاحب نصاب نہیں تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

۴۔ زید کی بیوی اگر زکوٰۃ دینے والے کی بیٹی ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، البتہ زید جو کہ داماد ہے اگر مستحق ہے تو اس کو دے سکتے ہیں۔

”تصرف الزکاة إلی اولاد کل إذا کانوا مسلمین فقراء إلا اولاد عباس و حارث و اولاد ابی طالب من علی و جعفر و عقیل“..... (رد المحتار ۲/۷۲)

”لا یجوز الدفع لہم لحديث البخاری ”نحن أهل بیت لا تحل لنا الصدقة“

ولحديث أبی داؤد ”مولى القوم من أنفسهم وإن اتحل لنا الصدقة“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۹)

”ولا يدفع إلی بنی ہاشم و ہم آل علی و آل عباس و آل جعفر و آل عقیل و آل حارث بن عبدالمطلب كذافی الهدایة“..... (الہندیة: ۱/۱۸۹)

ویجوز دفعها إلی من یملك أقل من النصاب وإن كان صحیحاً مکتسباً كذافی الزاہدی“..... (الہندیة: ۱/۱۸۹)

”لا یجوز الدفع إلی أبیہ و جدہ و إن علا و لا إلی ولده و ولد و لده و إن سفلی لأن المنفعة لم تنقطع عن الملك من کل وجه“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

باپ بیٹے کا ایک دوسرے کو حیلہ تملیک سے زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۳۶۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ باپ بیٹے کو زکوٰۃ کی رقم صحیح حیلہ کر کے دے سکتا ہے اسی طرح بیٹا، باپ کو؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں فقہاء کرام نے بیٹے کا باپ کو زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے دینے کو مکروہ لکھا ہے اور اسی طرح باپ کا بیٹے کو زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے دینا بھی مکروہ ہے۔

”(فرع) يكره أن يحتال في صرف الزكاة إلى والديه المعسرين بأن تصدق بها على فقير ثم صرفها للفقير إليهما كما في القنية قال في شرح الوهبانية وهي شهيرة مذكورة في غالب الكتب“..... (رد المحتار: ٢/٦٩)

”ولا يدفع المزكى زكوة ماله إلى أبيه وجده وإن علا ولا إلى والده وولده وإن سفل لأن منافع الأملاك بينهم متصلة فلا يتحقق التملك على الكمال“..... (الهداية: ١/٢٢٣)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

امام مسجد کو صدقات واجبہ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۶۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں امام کو اجرت میں عشر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے تو جیسے زکوٰۃ کی رقم امام کو اجرت میں دینا جائز نہیں اسی طرح عشر بھی امام کو اجرت میں نہیں دے سکتے، اور نہ ہی صدقہ الفطر اجرت میں دے سکتے ہیں، البتہ اگر عشر امام کو اجرت کے علاوہ محتاج سمجھ کر دیا جاتا ہو اور امام مستحق بھی ہو تو پھر جائز ہے، اسی طرح زکوٰۃ اور صدقہ فطر کا بھی یہی حکم ہے۔

”مصرف الزکوٰۃ والعشر..... هو مصرف ايضاً الصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني“..... (رد المحتار: ٢/٦٤)

”قال الأصل فيه قوله تعالى إنما الصدقات للفقراء الآية قال المحشي والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله“..... (الهداية: ١/٢٢١)

”وإن علم القوم حاجته فاعطوه شيئاً من غير شرط فهو حسن لأنه من باب البر والصدقة والمجازة على إحسانه بمكانهم وكل ذلك حسن“..... (البدائع: ١/٣٤٦)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تعلیم قرآن، روزگار اور یتیم بچی کی شادی کے لیے زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۴۶۶): زکوٰۃ کی رقم مندرجہ ذیل میں کس کو دینا جائز ہے؟

- ۱۔ تعلیم القرآن کے لیے کسی ادارے کو رقم دی جاسکتی ہے؟
- ۲۔ کیا کسی کو روزگار کے لیے رقم دی جاسکتی ہے تاکہ وہ باعزت حلال روزی کما کر بال بچوں کو پال سکے؟
- ۳۔ کیا زکوٰۃ کی رقم یتیم بچی کی شادی پر اور شادی کے دیگر اخراجات مثلاً تواضع مہمانان وغیرہ پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

- ۱۔ دی جاسکتی ہے، اور وہ ادارہ اس رقم کو مستحق پر خرچ کرے مدرسہ کی تعمیر اس رقم سے ناجائز ہے۔
”قال فی الشرح التنویر لا یصرف مال الزکوٰۃ الی بناء“..... (رد المحتار)
- ۲۔ یہ مستحق کو دے سکتے ہیں یعنی مسکین غیر ہاشمی کو دے سکتے ہیں۔
- ۳۔ بہتر صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کوئی شخص جمع کر کے یکمشت اس یتیم مستحق بچی کو (اس کے ولی کے ذریعہ سے) مالک بنا کر دے دے اور پھر وہ اس رقم سے اپنی شادی کے اخراجات پورے کرے، جہیز کا سامان بھی لے سکتی ہے، مہمانوں وغیرہ کو کھانا بھی کھلا سکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

خیراتی ہسپتال میں زکوٰۃ دینے اور خرچ کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۶۷): محترم جناب مفتی صاحب السلام علیکم!

مندرجہ ذیل صورت احوال میں آپ سے رہنمائی کی درخواست ہے؟

- (۱) میں ایک فلاحی تنظیم سے وابستہ ہوں جس کے زیر اہتمام ایک رفاہی ہسپتال بھی کام کر رہا ہے، جس میں مریضوں کو سنت کے مطابق مشورہ دیا جاتا ہے، دوائی، علاج اور سرجری بھی فراہم کی جاتی ہے۔
- (۲) ہسپتال میں سند یافتہ تجربہ کار ڈاکٹرز عملہ موجود ہے، تمام ضروری سہولیات مثلاً آپریشن تھیٹر، ایکس رے، ای سی جی اور لیبارٹری وغیرہ بھی موجود ہیں۔
- (۳) مریضوں میں اسی فیصد مریض ایسے ہیں جو نادار ہیں جن کا علاج مفت کیا جاتا ہے، اس مقصد کے لیے ہمارے پاس زکوٰۃ کے عطیات جمع ہوتے رہتے ہیں ان میں سے ان اخراجات کی ادائیگی ہوتی ہے۔

(۴) ہسپتال میں زکوٰۃ کس کس مد میں خرچ ہو سکتی ہے؟ اس کے بارے میں آراء مختلف ہیں، اسی سلسلہ میں آپ کی رائے کا طلب گار ہوں۔

(۱) ایکسرے (ECG) ای سی جی لیبارٹری آپریشن، دی جارہی ہیں اور بجلی، پانی، گیس وغیرہ کے اخراجات بھی انہی مریضوں پر ہو رہے ہیں، اسی میں سے یہ اخراجات بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

(ج) جن مریضوں کو مفت سہولیات دی جارہی ہیں ان کے تناسب سے ڈاکٹروں کو تنخواہیں دیدی جائیں؟ مثلاً ۸۰ فیصد مریضوں کو مفت سہولیات دی جارہی ہیں اور ۲۰ فیصد مریض اپنے واجبات کی ادائیگی کرتے ہیں، تو کل اخراجات کا ۸۰ فیصد زکوٰۃ فنڈ سے دیدیا جائے؟ جن میں دوائیں ڈاکٹروں اور عملہ کی تنخواہیں ایکسرے، ای سی جی، لیبارٹری، بجلی، گیس، پانی اور ٹیلی فون کے بل شامل ہیں؟

(۵) آپ اتفاق کریں گے کہ تمام رفاہی اداروں اور ہسپتال کا دار و مدار زکوٰۃ اور عطیات پر ہی ہوتا ہے، غیر زکوٰۃ عطیات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں، میں ممنون ہوں گا اگر آپ میری رہنمائی فرمائیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں زکوٰۃ و صدقات واجبہ کی رقم سے مستحق مریض کو دوائی لیکر دیدینا اور اسی طرح ان مددات میں زکوٰۃ کی رقم لگانا جن میں بلا توکیل زکوٰۃ کی رقم زیر علاج مستحق مریضوں کو تملیک کردی جائے جائز ہے اور ڈاکٹروں کی تنخواہیں بجلی کے بلوں اور دیگر امور میں جو ہسپتال کے متعلق ہوں زکوٰۃ و صدقات واجبہ کا پیسہ لگانا جائز نہیں۔

” (ولا یصرف إلی بناء نحو مسجد) کبناء القناطر والسقایات وإصلاح

الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد وکل مالا تملیک فیہ

زیلعی“..... (رد المحتار: ۲/۶۸)

”الزکوٰۃ هو تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی الخ“..... (الہندیۃ:

۱/۷۰، البحر: ۳/۳۵۴)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

قریش خاندان سے تعلق رکھنے والے غریب افراد کو زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۴۶۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم قریشی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، خاندان میں کچھ افراد ایسے ہیں جو زکوٰۃ کے واقعی مستحق ہیں، مگر سنا ہے کہ قریشی فرد کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، اس سلسلہ میں وضاحت فرمادیں کہ واقعی قریشیوں کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی؟ اور کیا ہم اپنی فیملی کے مستحق افراد کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں قریشی بنی ہاشم جو کہ حضرت علیؑ، حضرت عباسؑ، حضرت جعفرؑ، حضرت عقیلؑ اور حضرت حارثؑ بن عبدالمطلب کی اولاد ہیں ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ان کے علاوہ دیگر قریشی بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

”ولا یدفع الی بنی ہاشم وهم آل علیؑ وآل عباسؑ وآل جعفرؑ وآل عقیلؑ وآل

الحارثؑ بن عبدالمطلب کذا فی الہدایۃ. ویجوز الدفع الی من عداہم من بنی

ہاشم کذا فی السراج الوہاج“..... (الہندیۃ: ۱/۱۸۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

علاج کے لیے زکوٰۃ لینا:

مسئلہ نمبر (۴۶۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ کا نام شیخ محمد یونس ہے اپنے مکان میں رہائش پذیر ہوں، عرصہ ۲ سال سے گردہ کی مرض میں مبتلا ہوں، سب کچھ علاج پر خرچ کر دیا ہے، اب میں ڈیڑھ لاکھ روپے کا مقروض ہوں، ادھر گھر کا خرچہ کام کر کے بمشکل چلاتا ہوں سال سے مریض ہوں بندہ اپنے گردے کا آپریشن کرنا چاہتا ہے اور گردے کا آپریشن کا خرچہ تین لاکھ روپے ہے، لہذا دوست احباب سے زکوٰۃ کا فنڈ اکٹھا کر کے گردے کا علاج یا آپریشن کروا سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مسئلہ مذکورہ میں اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے کیونکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس مستحق زکوٰۃ پر قرض ہو اس کو زکوٰۃ

دینا عام فقیر کو دینے سے بہتر ہے۔

”والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير“
..... (البحر الرائق: ۴/۴۲۲)

”ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً، فإن كان من عليه دين معسراً يجوز له أخذ الزكوة في أصح الأقاويل لأنه بمنزلة ابن السبيل“..... (الهنديّة: ۱/۱۸۹)

”قوله فارغ عن حاجته) قال في البدائع قدر الحاجة هو ما ذكره الكرخي في مختصره فقال لا بأس أن يعطى من الزكوة من له مسكن وما يتأث به في منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البنن وكتب العلم إن كان من أهله“.....
(رد المحتار: ۲/۷۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

دینی درسگاہ کو زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۴۷۰): حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں جامعہ عثمانیہ ایک عظیم دینی درسگاہ ہے، جہاں پر کثیر تعداد میں طلباء مسافر زیر تعلیم ہیں، کیا وہاں زکوٰۃ کی رقم اپنی طرف سے جامعہ کے فنڈ میں دینا جائز ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں کسی بھی دینی مدرسہ کو زکوٰۃ دینا درست ہے، بشرطیکہ انتظامیہ پر شرعی طریقہ سے صرف کرنے کا اعتماد ہو، اور اس میں غلط نظریات کی تربیت نہ دی جاتی ہو، جبکہ زکوٰۃ کی رقم طلبہ کو براہ راست تملیک کرائی جائے۔

”وفی سبیل اللہ) عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعی في طاعة
الله تعالى وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً“..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۵۴)

”وفی سبیل اللہ وهو منقطع الغزاة) وقيل الحاج وقيل طلبة العلم وفسره فی

البدائع بجميع القرب (قوله وقيل طلبية العلم) كذا في الظهيرية والمرغيباني
.... فالتفسير بطالب العلم وجهه خصوصاً وقد قال في البدائع في سبيل الله
جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان
محتاجاً اه..... (رد المحتار: ٢/٦٤)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ لینے کے متعلق غشی کی تین قسمیں اور ان کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۷۱): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک ایکڑ زمین کا مالک ہے، مگر زمین کی آمدنی کوئی بھی نہیں جس سے گھر میں صرف دودھ پورا ہوتا ہے، زید کی ۳۵۰۰ روپے ماہوار تنخواہ ہے، جس سے بڑی مشکل سے چھ افراد کی کفالت کر رہا ہے، زید ۲۱۰۰۰ روپے کا مقروض ہے، زید نے ایک شخص سے کہا کہ میری زمین بخر ہے اس میں ٹیوب ویل لگ جائے تو زمین کا آمد ہو جائے گی، اس لئے زکوٰۃ کی رقم دیدیں تاکہ ٹیوب ویل لگا سکوں، اس شخص نے جواب دیا کہ تم پر زکوٰۃ نہیں لگتی، جب کہ زید کی قوم چھ بڑے سید نہیں ہے، شرعاً کیا زید زکوٰۃ کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں زید زکوٰۃ کا مستحق ہے اور زکوٰۃ لے سکتا ہے، لیکن خود اس کا زکوٰۃ کا سوال کرنا حرام ہے اس لیے کہ غشی تین قسم پر ہے پہلا وہ جس کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہے، دوسرا وہ جس کی وجہ سے زکوٰۃ لینا حرام ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہے، تیسرا جس کی وجہ سے سوال حرام اور زکوٰۃ لینا حرام نہیں ہے۔

”ومنتها الغارم وهو من لزمه دين ولا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه أو كان له مال على الناس لا يمكنه أخذه كذا في التبيين والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير كذا في المضمورات“..... (الهندية: ۱/۱۸۸)

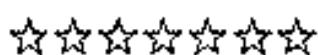
”ولو كان له ضيعة قيمتها آلاف ولا يحصل منه ما يكفي له ولعياله اختلف فيه قال ابن مقاتل يجوز صرف الزكوة إليه“..... (الهندية: ۳/۸۵)

”وأما الغناء الذي يحرم به السؤال فهو أن يكون له سداد عيش بأن كان له قوت يومه“..... (بدائع الصنائع: ۱/۱۶۱)

”وذكر في الفتاوى فيمن له حوانيت ودور الغلة لكن غلتها لا تكفيه أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد وزفر وعند أبي يوسف لا يحل وعلى هذا إذا كان له أرض وكرم لكن غلته لا تكفيه ولعياله ولو كان عنده طعام للفقير يساوي مائتي درهم فإن كان كفاية شهر تحل له الصدقة“..... (الصنائع: ٢/١٥٩)

”وفيها سئل محمد عن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة يحل له أخذ الزكوة وإن كانت قيمتها تبلغ الوفاء وعليه الفتوى وعندهما لا يحل“..... (رد المحتار: ٢/٤١)

والله تعالى أعلم بالصواب



علاج معالج کے لئے کسی فقیر کو زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۴۷۲): کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مقبوضہ کشمیر کا مہاجر ہے غریب بھی ہے اور صاحب نصاب بھی نہیں ہے، ڈاکٹروں نے پاکستان میں لا علاج کر کے بیرون ملک علاج کرنے کے لیے بھیجنے کی تجویز دی ہے، تو کیا شخص مذکور کو یا اس کی بیٹی کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مرقومہ میں مذکورہ آدمی فقیر ہے لہذا ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

”منها الفقير) وهو من له أدنى شيء وهو ما دون النصاب أو قدر نصاب غير نام

وهو مستغرق في الحاجة لا يخرج عن الفقراء“..... (الهندية: ١/١٨٤)

والله تعالى أعلم بالصواب



امام مسجد کو صدقات واجبہ میں سے بخشو اور دینا:

مسئلہ نمبر (۴۷۳): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عالم دین ایک

گاؤں کی مسجد میں امام ہے اور گاؤں والے انتہائی غریب لوگ ہیں، انکی تنخواہ ادا نہیں کر سکتے، آیا اس امام کے لیے صدقہ یا زکوٰۃ اپنی تنخواہ میں لینا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں اگر امام غریب اور زکوٰۃ کا مستحق ہے تو زکوٰۃ لے سکتا ہے، واضح رہے کہ زکوٰۃ کی رقم اس کو تنخواہ میں نہیں دی جاسکتی، لیکن اگر امام زکوٰۃ کا مستحق نہیں تو زکوٰۃ کی رقم لینا درست نہیں، زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، یہی حکم صدقات واجبہ کا بھی ہے۔

”ولا يجوز دفع الزكوة إلى من يملك نصاباً من مال كان دنانير أو دراهم

أو سوائم أو عروضاً للتجارة أو لغير التجارة فاضلاً عن حاجته في جميع السنة

هكذا في الزاهدی“..... (الهندية: ۱/۱۸۹)

”فهی تمليک المال من فقير مسلم غير هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة

عن المملک من کل وجه لله تعالى“..... (الهندية: ۱/۱۷۰، البحر الرائق:

۲/۳۵۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

فقیر کو زکوٰۃ کی رقم زیادہ سے زیادہ کتنی دے سکتے ہیں؟

مسئلہ نمبر (۴۷۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک ہی مسکین کو زکوٰۃ کی رقم ایک لاکھ یا پانچ لاکھ روپے دے دیے جائیں تو کیا اس طرح دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ میں مسکین کو یا فقیر کو زکوٰۃ سے اتنی رقم دینا کہ وہ صاحب نصاب ہو جائے اس سے زکوٰۃ تو ادا ہو جاتی ہے لیکن بغیر ضرورت کے ایسا کرنا مکروہ ہے، ہاں اگر وہ صاحب عیال ہے یا مقروض ہے تب اتنی رقم دینا جس سے وہ فقیر صاحب نصاب ہو جائے بلا کراہت جائز ہے۔

”وبکره أن يدفع إلى واحد مائتي درهم فصاعداً وإن دفع جائزاً“.....

(الهداية: ۱/۲۲۳)

” (و کره إعطاء فقير نصاباً) أو أكثر (إلا إذا كان) المدفوع إليه مديوناً (أو) كان (صاحب عيال) بحيث (لو فرقه عليهم لا يخص كلاً) أو لا يفضل بعد دينه (نصاب) فلا يكره فتح اه..... (الدرمع الرد: ۱/ ۷۴)

” قال محمد في الأصل إذا أعطى من زكوة مائتي درهم أو ألف درهم إلى فقير واحد فإن كان عليه دين مقدار ما دفع عليه وفي الخانية أو يبقى دون المائتين أو كان صاحب عيال يحتاج إلى الإنفاق عليهم فإنه يجوز ولا يكره وإن لم يكن عليه دين ولا صاحب عيال فإنه يجوز عند أصحابنا الثلاثة ويكره وقال زفر لا يجوز وقال أبو يوسف يجوز في المائتين اه..... (التتارخانية: ۲/ ۲۱۱)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

امام مسجد کو فطرانہ دینا:

مسئلہ نمبر (۴۷۵): عید الفطر کا جو فطرانہ ہوتا ہے کیا وہ بطور فطرانہ امام صاحب کو دیا جاسکتا ہے؟ جبکہ اس بستی میں بیوہ اور یتیم موجود ہوں، اور وہ فطرانہ سے محروم رہ جائیں، کیا امام کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ لوگوں کو راغب کرے کہ فطرانہ میرے اوپر جائز ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرتومہ میں فطرانہ کا حق دار وہ ہے جو زکوٰۃ کا حق دار ہے، اس وجہ سے اگر امام مسجد زکوٰۃ کا حقدار ہے تو اسے دینا جائز ہے، بشرطیکہ یہ امامت کے عوض میں نہ ہو، کیونکہ امامت کے عوض میں زکوٰۃ اور فطرانہ دینا جائز نہیں ہے۔

” و صدقة الفطر كالزكاة في المصارف..... (در علی الرد: ۲/ ۸۶)

”التصدق على الفقير العالم أفضل من التصديق على الجاهل كذا في

الزاهدي..... (الهندية: ۱/ ۱۸۷)

والله تعالى أعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

رفاہی کاموں کے لیے زکوٰۃ اور فطرانہ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۷۶): جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہم اعوان برادری سے تعلق رکھتے ہیں ہمارا مسلک دیوبند ہے، ہم نے اپنی سہولت کے لیے ایک تنظیم اعوان ویلفیئر سوسائٹی بنائی ہے، ہم اس سوسائٹی کے زیر اہتمام کچھ رفاہی کام شروع کرنا چاہتے ہیں، مثلاً ڈسپنسری وغیرہ، کیا ہم فطرانہ، زکوٰۃ اور قربانی کی کھالیں اس مد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ میں یہ شرط ہے کہ غریب مسلمان غیر سید کو بلا عوض مالک بنا کر دیے جائیں، جب کہ رفاہی کاموں میں تملیک نہیں ہوتی اور ڈسپنسری سے ہر امیر و غریب اور سید و غیر سید نفع اٹھائے گا، لہذا اس طرح زکوٰۃ وغیرہ سے یہ خدمت کرنا درست نہیں، اسی طرح اعوان برادری اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے خواہ غیر فاطمی اولاد ہو ان کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

”اما تفسیر ما فہی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاہ بشرط

قطع المنفعة عن الملك من كل وجه لله تعالى هذا في الشرع كذا في

التبيين“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۷۰)

”و كما لا يجوز صرف الزكوة الى الغني لا يجوز صرف جميع الصدقات

المفروضة والواجبة اليه كالعشور والكفارات والندور وصدقة الفطر لعموم

قوله تعالى انما الصدقات للفقراء وقول النبي ﷺ لا تحل الصدقة لغني ولان

الصدقة مال تمكن فيه الخبث لكونه غسالة الناس لحصول الطهارة لهم به

الذنوب ولا يجوز الانتفاع بالخبث الا عند الحاجة والحاجة للفقير

للاغني“..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۵۷)

”ولا يدفع الى بنی ہاشم و ہم آل علیؑ و آل عباسؑ و آل جعفرؑ و آل عقیلؑ و آل

حارثؑ بن عبدالمطلب كذا في الهداية“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۸۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مقروض کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۷۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک کاروباری شخص مارکیٹ کا دو لاکھ روپے کا مقروض ہو جاتا ہے، اس صورت حال میں کیا یہ صحت مند کاروباری شخص زکوٰۃ کا مستحق ہوگا؟ جب کہ اس کا کاروبار اب ختم ہو چکا ہے، مزید یہ ہے کہ اس طرح زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر واقعی اس شخص کے پاس سونا، چاندی، نقد روپیہ اور دیگر کوئی مال نہیں ہے اور قرضہ ہے یا مال تو ہے لیکن قرض مال سے زیادہ ہے اور یہ شخص سید بھی نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے، اور دینے والے کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔

”منها الفقير وهو من له ادنى شيء وهو مادون النصاب او قدر النصاب غير نام
وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرج عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية
اذا كانت مستغرقة بالحاجة كذافي فتح القدير“..... (فتاوى الهندية :
۱/۱۸۷)

”ولا يجوز دفع الزكاة الى من يملك نصابا اي مال كان دنانير او دراهم
اوسوائم او عروضا للتجارة او لغير التجارة فاضلا عن حاجته في جميع السنة
هكذا في الزاهدي“..... (فتاوى الهندية : ۱/۱۸۹)

”وفي الظهيرية الدفع للمديون اولى منه للفقير قوله اولى منه للفقير اي اولى
من الدفع للفقير الغير المديون لزيادة احتياجه“..... (درمع الشامي : ۲/۹۷)
”ولا يدفع الى بنى هاشم وهم آل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل حارث بن
عبدالمطلب كذافي الهداية“..... (فتاوى الهندية : ۱/۱۸۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

کیا غنی طالب علم مدرسہ کا کھانا کھا سکتا ہے؟

مسئلہ نمبر (۴۷۸): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دینی طالب علم کے پاس اتنے پیسے موجود ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ غنی ہے، اور اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اب اگر یہ طالب علم کسی دینی ادارہ میں پڑھ رہا ہے تو مدرسہ کا کھانا پینا اس کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر کھانا زکوٰۃ کی رقم سے ہو تو جائز نہیں ہے، اور اگر زکوٰۃ کو مطبخ میں لگانے سے قبل کسی مسکین کو دے کر تملیک کی گئی ہو تو جائز ہے، البتہ تقویٰ کے خلاف ہے۔

”الغنی اذا اكل مما تصدق به على الفقير ان اباح له الفقير ففى حل تناول
اختلاف بين المشايخ وان ملكه الفقير الغنى لا باس به“..... (فتاویٰ الہندیہ :
۵/۳۳۰)

”وما ذکر فی شرح الجامع الصغیر یکرہ ان یاکل الرجل من مال الفقیر یعنی
من مال اخذہ من الصدقة لا اذا ملکها بجهة اخرى کذا فی
جوہر الفتاویٰ“..... (فتاویٰ الہندیہ : ۵/۳۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

**غنی طالب علم زکوٰۃ نہیں لے سکتا:**

مسئلہ نمبر (۴۷۹): کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر طالب علم کسی امیر گھرانے سے تعلق رکھتا ہو اور مدرسہ میں علم حاصل کرنے کی غرض سے رہائش پذیر ہو اور وہاں سے کھانا وغیرہ کھاتا ہو، اور وظیفہ بھی لیتا ہو، کیا مذکورہ طالب علم کے لیے یہ سب کچھ جائز ہے؟
قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

طالب علم اگر غنی ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے، بعض نے جواز کا فتویٰ دیا ہے، لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے ان پر رد کیا ہے۔

”وبهذا التعلیل یقوی مانسب للواقعات من ان طالب العلم یجوز له اخذ الزکوة ولو غنیا اذا فرغ نفسه لافادة العلم واستفارتہ لعجزه عن الکسب والحاجة داعية الی ما لا بد منه قال الشامی تحت قوله والحاجة داعية وهذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم یعتمده احد قلت وهو كذلك والوجه تقييده بالفقير“..... (فتاویٰ شامی: ۲/۶۵)

”اما بقية الصدقات المفروضة الواجبة..... فلا یجوز صرفها للغنی لعموم قوله علیه الصلوٰۃ والسلام لا تحل صدقة لغنی“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

دو کینال زمین کے مالک کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

- مسئلہ نمبر (۴۸۰): (۱) کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس شخص کے پاس دو کینال زمین ہو جس کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے نصاب تک پہنچتی ہو اور اس میں کاشت وغیرہ کرتا ہو تو ایسے آدمی کو زکوٰۃ لگ سکتی ہے یا نہیں؟
- (۲) ایک آدمی کے پاس زمین تو ہے لیکن خالی پڑی ہے، اس پر کاشت وغیرہ نہیں کرتا، اور اس آدمی کی اتنی تنخواہ ہے جس سے گھر کا خرچہ ہی پورا ہوتا ہے تو اس آدمی کو زکوٰۃ لگ سکتی ہے یا نہیں؟
- (۳) جس شخص کے پاس مذکورہ دو کینال زمین ہو اور وہ اس کو کاشت کرتا ہو، یا کاشت نہ کرتا ہو تو اس کو صدقۃ الفطر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور قربانی اس شخص کے اوپر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

- (۱) بشرط صحت سوال شق اول میں مذکور شخص کے پاس اگر اس زمین کے علاوہ کوئی مال ایسا موجود نہ ہو جو نصاب کو پہنچتا ہو، اور اس زمین کی آمدنی سے اہل و عیال کے سال کا ضروری خرچہ پورا نہ ہوتا ہو تو یہ شخص زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر لے سکتا ہے اور اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔
- (۲) شق ثانی میں مذکور شخص کی زمین کی مالیت اگر نصاب کو پہنچتی ہو اور اس پر اتنا قرض نہ ہو جس کی وجہ سے نصاب میں کمی آتی ہو تو یہ شخص زکوٰۃ نہیں لے سکتا، بصورت دیگر زکوٰۃ لے سکتا ہے۔
- (۳) شق ثالث میں مذکور شخص اگر زمین کی کاشت کرتا ہے اور اس کے پاس کوئی دوسرا مال اتنی مقدار میں موجود

نہ ہو جو نصاب زکوٰۃ کو پہنچتا ہو اور اس زمین کو بیچنے کا ارادہ نہ ہو، تو تب یہ آدمی زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر لے سکتا ہے اور اس پر قربانی واجب نہیں ہے، اور اگر کاشت نہیں کرتا اور زمین کی مالیت بھی نصاب کو پہنچتی ہو اور اس شخص پر کوئی ایسا دین بھی نہ ہو کہ جس کے منفی ہونے کی صورت میں نصاب پورا نہ رہ جاتا ہو تو زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر نہیں لے سکتا اور قربانی بھی واجب ہے، اور اگر زمین کی مالیت نصاب کو نہیں پہنچتی اور اس شخص کے پاس کوئی مال بھی اس قدر نہیں ہے جو اکیلا نصاب کو پہنچتا ہو یا زمین کی مالیت کے ساتھ ملا کر نصاب کو پہنچتا ہو تو پھر یہ شخص زکوٰۃ صدقۃ الفطر لے سکتا ہے اور اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

”ولا يجوز دفع الزكوة الى من يملك نصابا من اى مال ويجوز دفعها الى من يملك اقل من ذلك وان كان صحيحا مكتسبا كذا في الزاھدى“
..... (فتاویٰ الھندیة: ۱/۲۷۹)

”ومصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزكوة“..... (خلاصۃ
الفتاویٰ: ۱/۲۷۵)

”ولو كان له ارض يدخل عليه منها قوت السنة فعليه الاضحية حيث كان القوت يكفيه ويكفي عياله وان كان لا يكفيه فهو معسر“..... (البحر الرائق:
۸/۱۸۹)

”وشرائطها الاسلام والاقامة واليسار الذى يتعلق به وجوب صدقة الفطر“
..... (الدر على الشامى: ۵/۲۱۹)

”والحاصل ان النصب ثلاثة، نصاب يوجب الزكوة على مالكة وهو النامى خلقة او اعداد وهو سالم من الدين ونصاب لا يوجبها وهو ماليس احدهما فان كان مستغرقا بحاجة مالكة حل له اخذها والاحرمت عليه كتياب تساوى نصابا لا يحتاج الى كلها او اثاث لا يحتاج الى استعماله كله فى بيته وعبد وفرس لا يحتاج الى خدمته وركوبه ودار لا يحتاج الى سكنها فان كان محتاجا الى ما ذكرنا..... ونصاب يحرم المسئلة وهو ملك قوت يومه او لا يملكه لكنه يقدر على الكسب او يملك خمسين درهما على الخلاق فى ذلك“..... (فتح القدير: ۲/۲۰۲)

”باب المصارف منها الفقير وهو من له ادنى شيء وهو ما دون النصاب او قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرج عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية اذا كانت مستغرقة بالحاجة كذا في فتح القدير“
..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۷)

”لو كان عليه دين بحيث لو صرف فيه نقص نصابه لا تجب“..... (فتاوى الهندية:)

”فان كان عليه دين يحيط بكسبه فلا زكوة عليه“..... (البناء على الهداية: ۳/۳۰۰)

”لو كان له ضيعة قيمتها آلاف ولا يحصل منه ما يكفي له ولعائله اختلف فيه قال ابن المقائل يجوز صرف الزكوة اليه ولو كان في داره بستان يساوي نصابا ان لم يكن في البستان من مرافق الدار كالمطبخ وغيره لا يجوز له اخذ الزكوة وهو كالمنازل والجواهر في الدار“..... (بزازيه على الهندية: ۳/۸۵)

”ولا يجوز دفع الزكوة الى من يملك نصابا اي مال كان دنائير او دراهم او سوائم او عروضاً للتجارة او لغير التجارة فاضلا عن حاجته في جميع السنة هكذا في الزاهدي“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۹)

”ولو كان له ضيعة تساوي ثلاثة آلاف قال محمد بن مقاتل يجوز له اخذ الزكوة ولو كان له دار فيها بستان وهو يساوي مائتي درهم قالوا ان لم يكن في البستان ما فيه مرافق الدار من المطبخ والمغتسل وغيره لا يجوز صرف الزكوة اليه وهو بمنزلة من له متاع وجواهر“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تبلیغی جماعت والوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۸۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تبلیغی جماعت والوں کو جو اللہ کے راستے میں وقت لگا رہے ہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

دلائل کی روشنی میں ان حضرات کو جو اللہ کے راستے میں وقت لگا رہے ہیں اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہیں اور سید بھی نہیں ہیں نیز اگر وہ وطن سے بقدر سفر شرعی دور ہیں اور ان کے پاس مال بھی نہیں ہے تو ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

”انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی

الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل“..... (سورۃ التوبۃ: ۶۰)

”قال وبنو ہاشم الذین تحرم علیہم الصدقۃ آل عباسؓ وآل جعفرؓ وآل عقیلؓ

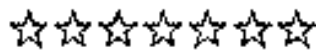
وآل علیؓ وولد الحارثؓ بن عبدالمطلب“..... (المحیط البرہانی: ۳/۲۱۳)

”واما قولہ تعالیٰ وابن السبیل فهو الغریب المنقطع عن مالہ وان کان غنیاً فی

وطنہ لانہ فقیر فی الحال وقدر وینا عن رسول اللہ ﷺ قال لا تحل الصدقۃ

لغنی الا فی سبیل اللہ او ابن السبیل“..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۵۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



• ۷ سالہ بیمار اور غریب شخص کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۸۲): السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ۷ سال عمر کا ہے وہ اور اس کی بیوی بیمار ہیں، اس کی صرف پنشن 1077 روپے ہے، اس کے علاوہ اس کی کوئی آمدن نہیں ہے نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہے، اس کی زمین بھی بھائیوں کے قبضہ میں ہے جو کہ اس کو بنائی بھی نہیں دیتے، اب کیا اس آدمی کو عشر اور زکوٰۃ دینا جائز ہے یا کہ نہیں؟ کیونکہ اس پنشن سے اس کا گزارا نہیں ہوتا، ایک عالم نے بتایا ہے کہ اس کو عشر اور زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

سونا چاندی جس شکل میں بھی ہونقدی، مال تجارت اور ضرورت سے زائد سامان ان پانچوں میں کوئی ایک

یا ان پانچوں کا مجموعہ اتنا ہو جائے کہ اس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہو تو ایسے شخص کو زکوٰۃ

لینا جائز نہیں ہے، اور اگر ان پانچوں کا مجموعہ اتنا ہو کہ اس سے ساڑھے پاؤں تولہ چاندی نہیں خریدی جاسکتی تو ایسے شخص کو زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

”ولا يجوز دفع الزكاة الى من يملك نصابا اى مال كان دنائير او دراهم او سوانم او عروضاً للتجارة او لغير التجارة فاضلا عن حاجته فى جميع السنة هكذا فى الزاهدى ويجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان صحيحا مكتسبا كذا فى الزاهدى“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۹)

”واما شروط وجوبها..... ومنها كون المال نصابا فلا تجب فى اقل منه هكذا فى العينى شرح الكنز“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۷۱، ۱۷۲)

”باب المصرف اى مصرف الزكاة والعشر هو فقير وهو من له ادنى شىء اى دون النصاب او قدر نصاب غير نام مستغرق فى الحاجة“..... (الدر على الشامى: ۲/۶۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

دینی مدارس کے طلباء کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۸۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مدارس دینیہ میں پڑھنے والے طلباء کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

دلائل کی روشنی میں مدارس دینیہ میں پڑھنے والے طلباء اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہیں اور سید بھی نہیں ہیں تو ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

”انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفى الرقاب والغارمین وفى سبیل اللہ وابن السبیل“..... (سورة التوبة: ۶۰)

”قال وبنو هاشم الذين تحرم عليهم الصدقة آل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل علي وولد الحارث بن عبدالمطلب“..... (المحيط البرهانی: ۳/۲۱۳)

”وفی المبسوط لایجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک نصابا الالی طالب العلم
والغازی ومنقطع الحج“..... (فتاویٰ الشامی: ۲/۶۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا مسجد اور مدرسہ کی تعمیر میں زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے؟

مسئلہ نمبر (۲۸۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد اور مدرسہ کی تعمیر کے لیے زکوٰۃ کی رقم شرعی تقاضوں (تملیک) کو پورا کرنے کے بعد خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ کی رقم حیلہ تملیک شرعی کے بعد مسجد اور مدرسہ کی تعمیر میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

”لو اراد صرفها الی بناء المسجد او القنطرة لایجوز فان اراد الحيلة فالحيلة ان
یتصدق به المتولی علی الفقراء ثم الفقراء یدفعون الی المتولی ثم المتولی
بصرف ذلك“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۲/۳۷۳)

”ولایینی بہا السقایات ولا ینہر بہا الابار ولا یجوز الا ان یقبضہا فقیرا ویقبضہا
لہ ولی او وکیل لانہا تملیک ولا بد فیہا من القبض“..... (الجوہرۃ النیرۃ:
۱/۱۵۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قربانی کی کھالوں کو مسجد میں خرچ کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۸۵): جناب مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ایک مسئلہ درپیش ہے کہ کیا قربانی کی کھالیں مسجد بنانے میں یا جنازہ گاہ بنانے میں یا مسجد کے امام کے لیے خرچ کی جاسکتی ہے کہ نہیں؟

برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

مسجد، مدرسہ، جنازہ گاہ کی تعمیر میں چرمہائے قربانی کی قیمت کا صرف کرنا یا تنخواہوں پر صرف کرنا شرعاً

درست نہیں ہے۔

”ولو باع الجلد او اللحم بالدرہم او بما لا ینتفع بہ الا بعد استہلاکہ تصدق

بشمنہ لان القربۃ انتقلت الی بدلہ“..... (ہدایہ: ۳/۳۵۱)

”قولہ تصدق بشمنہ لان معنی التمول سقط عن الاضحیۃ فاذا تمولہا بالبیع

انتقلت القربۃ الی بدلہ فوجب التصدق“..... (حاشیۃ ہدایہ: ۳/۳۵۱)

”ویشترط ان یکون التصرف تمیلکا لا اباحۃ کما مر لا یصرف الی بناء

نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینہ اما دین الحی الفقیر فیحوز

لو بامرہ“..... (در مختار علی ہامش ردالمحتار: ۲/۶۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ لے کر قرض اتارنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۸۶): حضرت اقدس جناب مفتی حمید اللہ جان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ مجھ پر قرض ہے اور جن کا قرض دینا ہے وہ معاف نہیں

کرنا چاہتے، کرایہ کے گھر پر رہتا ہوں، تین ماہ کا کرایہ بھی نہیں دیا، کیا میں زکوٰۃ لے کر اپنا قرض اتار سکتا ہوں؟ کیونکہ

میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو بیچ کر میں قرض اتار سکوں، جو تحریر لکھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر بیچ لکھی ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اگر واقعی آپ مقرض ہیں اور آپ کے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ اپنا قرض ادا کر کے آپ

پھر بھی صاحب نصاب رہتے ہوں تو آپ زکوٰۃ لے سکتے ہیں، بشرطیکہ آپ سید نہ ہوں۔

”ومنہا الغارم وهو من لزمہ دین ولا یملک نصابا فاضلا عن دینہ او کان له مال

على الناس لا يمكنه اخذه كذافي التبيين والدفع الى من عليه الدين اولى من
الدفع الى الفقير كذافي المضمرة..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۸)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مریض کو علاج کے لیے زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۲۸۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مختار نواز ولد محمد نواز (مرحوم) یتیم بچہ ہے، بلڈ کیفر کے موذی مرض میں مبتلا ہے، علاج معالجہ کے لیے خطیر رقم درکار ہے، اس کی بساط نہیں رکھتا، والدہ ماجدہ بیوہ ہیں، انہوں نے ماشاء اللہ حج بھی کیا ہوا ہے، تو ہمیں فتویٰ لکھ کر دیں کہ بچہ جو مریض ہے اس کا علاج زکوٰۃ خیرات سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر شخص مذکور مستحق شرعی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ان کی ملکیت میں کل سونا، چاندی، نقدی، مال تجارت اور ضرورت سے زائد سامان اگر اس قدر ہو کہ اس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، اور اگر یہ چیزیں اتنی مقدار میں ہوں کہ ان سے ساڑھے باون تولہ چاندی نہیں خریدی جاسکتی تو اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اور اگر شخص مذکور مستحق زکوٰۃ تو نہ ہو لیکن بیماری جان لیوا ہو جیسا کہ سوال سے ظاہر ہو رہا ہے اور کوئی راستہ، کوئی بندوبست بھی علاج معالجہ کے لیے میسر نہ ہو تو شخص مذکور کسی سے اتنا قرض لے کر کہ جس سے مستحق زکوٰۃ بن جائے اپنے علاج معالجہ پر خرچ کر لے پھر اسے رقم زکوٰۃ دے دی جائے اور وہ اس کو علاج معالجہ پر لگالے۔

”نصاب الذهب عشرون مثقالا والفضة مائتا درهم كل عشرة دراهم وزن
سبعة مثاقيل قوله عشرون مثقالا فمادون ذلك لازكوة فيه“..... (در علی
ہامش الرد: ۲/۳۱)

”الزكوة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصابا من
الورق والذهب“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۷۹)

”والدفع الى من عليه الدين اولى من الدفع الى الفقير..... فان كان مديونا

فدفع اليه مقدار موقوفى به دينه لا يبقى له شيء اوبقى دون المائتين لا بأس به..... (فتاوى الهندية: 1/188)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی رقم تملیک کے بعد مسجد میں خرچ کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۸۸): بخدمت حضرت مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ایک دیوبند عالم فاضل جو کہ ۱۵ سال سے ہمارے خطیب ہیں ان سے ہم نے پوچھا کہ زکوٰۃ کی رقم کو ہم تملیک یعنی تبدیل کر کے مسجد کی تعمیراتی کاموں پر خرچ کر سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں آپ ایسا کر سکتے ہیں، ہم نے ان کو بائیس ہزار روپے (عالم صاحب کو) دیے انہوں نے اپنے طریقہ کار سے تملیک کروا کر ہمیں دے دیے ہم نے اس رقم سے 19500 روپے مسجد کی دوسری منزل پر خرچ کر دیے، دو عدد باتھ روم اور وضو کرنے کے لیے کچھ ٹوٹیاں لگوا دیں اور جگہ بنا دی، آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ عمل درست ہے؟ عالم صاحب نے پہلے اس رقم کا زکوٰۃ کے مستحق کو مالک بنایا تھا اور پھر اس کو تملیک کروا کر ہمیں دیے تھے، عالم صاحب نے بتایا کہ ہم جو ماہانہ تنخواہ ادارے سے لیتے ہیں اس کو بھی اسی طریقے سے لیتے ہیں، کیا ہم اس طریقے سے تملیک کر کے مسجد کی تعمیر و ترقی کے لیے رقم آئندہ بھی خرچ کر سکتے ہیں، اگر خدا نخواستہ ہمارا عمل درست نہیں تو اس کا ازالہ کیا ہے؟

کیا تملیک کی رقم حقیقی بھائی بہن جو کہ زکوٰۃ کے مستحق ہوں ان کو دے سکتے ہیں؟
جوابی لفاظہ بھیج رہے ہیں برائے مہربانی جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

یہ بات درست ہے کہ زکوٰۃ میں یہ شرط ہے کہ غریب غیر سید مسلمان کو مالک بنا کر دیں پھر وہ مختار ہے کہ اس رقم کو جہاں چاہے خرچ کرے، باقی حیلہ تملیک جو مدارس میں کیا جاتا ہے وہ مجبوری میں ہوتا ہے، اور مسجد میں عموماً ایسی مجبوری نہیں ہوتی کہ اس کا نظام نہ چل سکے، جب کہ مدارس میں یہ مجبوری ہے کہ ان کا نظام اس کے بغیر نہیں چل سکتا، لہذا مسجد کے لیے عام حالات میں حیلہ نہ کیا جائے، باقی بہن بھائی اگر مستحق زکوٰۃ ہیں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

”بصرف العشر والزکوٰۃ الی ما نصح اللہ تعالیٰ فی کتابہ وهو قولہ تعالیٰ انما

الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم
الاية.....(فتاوى السراجية: ١٥٣)

”والفقير عند الامام من ليس له نصاب وله ما يكفيه“.....(بزازيه على هامش
الهندية: ٣/٨٥)

”ولا يدفع الى بنى هاشم وهم آل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث
بن عبدالمطلب كذافي الهداية“.....(فتاوى هندية: ١/١٨٩)

”وكذلك من عليه الزكوة لو اراد صرفها الى المسجد او القنطرة لا يجوز فان
اراد الحيلة فالحيلة ان يتصدق به المتولى على الفقراء ثم الفقراء يدفعونه الى
المتولى ثم المتولى يصرف الى ذلك كذافي الذخيرة“.....(فتاوى الهندية:
٢/٣٤٣)

”ولا يجوز ان يبني بالزكوة المسجد وكذا القناطير والسقايات واصلاح
الطرقات وكري الانهار والحج والجهاد وكل مالا تملك فيه ولا يجوز ان
يكفن بهاميت ولا يقضى بهادين الميت كذافي التبيين“.....(فتاوى الهندية:
١/١٨٨)

”وبناء مسجد اى لا يجوز ان يبني بالزكوة المسجد لان التملك شرط فيها
ولم يوجد وكذا لا يبني بها القناطير والسقايات واصلاح الطرق وكري الانهار
والحج والجهاد وكل مالا تملك فيه“.....(تبيين الحقائق: ١/٥٣٢)

”ولا يجوز دفع الزكوة الى الزوج ولا الى الزوجة ويجوز الى الاخ والاخت
والعم والخال“.....(فتاوى السراجية: ١٥٣)

”والا فضل فى الزكوة والفطر والنذر والصرف اولا الى الاخوة والاختوات ثم
الى اولادهم ثم الى الاعمام والعمات ثم الى اولادهم ثم الى الاخوال
والخالات ثم الى اولادهم ثم الى ذوى الارحام ثم الى الجيران ثم الى اهل
حرفته ثم الى اهم مصره او قريته كذافي السراج الوهاج“.....(فتاوى
الهندية: ١/١٩٠)

والله تعالى اعلم بالصواب

مقروض اور بے بس کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۸۹): محترم مکرمی جناب مفتی صاحب

السلام علیکم ورتہ اللہ وبرکاتہ!

میں مسعی عبدالرؤف ولد جلال دین محبوب مارکیٹ کرم آباد میں عرصہ دراز سے شاپنگ بیگ اور کریانہ کی دوکان کا کام کرتا رہا ہوں، مالی حالات اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ میرے اوپر بہت زیادہ قرضہ ہو گیا ہے، اسی وجہ سے 22 سال بیوی و ماغی مریض رہی اور اب اللہ پاک کو پیاری ہو چکی ہے۔

محنت مزدوری کر کے قرض کا 1/3 حصہ اتار چکا ہوں، بقایا قرض اتنا ہے کہ قرض لینے والے آئے دن بے عزت کرتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں، دوکان فروخت ہو چکی ہے، مالک نے دوکان سیل کر دی ہے، اب ہم فارغ ہیں، جو پیسے ملے تھے ان سے ہم 02.02.06 کو دوکان خالی کر کے جو ہم اکبری منڈی سودا لینے گئے وہاں پر ڈاکوؤں نے چھین لیے، ایک بچی و ماغی مریض بن گئی ہے، بڑا بیٹا الیاس وہ بھی و ماغی مریض بن گیا ہے، اور میں بھی و ماغی مریض ہوں، اب ہم تینوں ایک ہی ڈاکٹر سے دوائی لے کر کھا رہے ہیں۔

ہم پر بہت تنگی کے دن آ گئے ہیں، سود پر قرض لینا بھی حرام ہے، خود کشی کرنا بھی حرام ہے، میرے لیے گھر کا خرچ چلانا بھی مشکل ہو گیا ہے، کوئی سونا، چاندی یا پراپرٹی میرے پاس نہیں ہے نہ ہی ٹی وی، وی سی آر وغیرہ ہے۔ جناب مفتی صاحب میرے لیے اس دلدل سے نکلنا مشکل ہے، آیا کہ ان حالات میں میرے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اگر واقعی آپ مقروض ہیں اور آپ کے پاس سونا، چاندی وغیرہ بھی نہیں ہے اور نہ ہی ضرورت سے زائد کوئی اور چیز ہے اور سید بھی نہیں ہیں تو آپ کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

”بصرف العشر والزکوٰۃ الی مانص اللہ تعالیٰ فی کتابہ وهو قولہ تعالیٰ

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم الایۃ“

.....(الفتاویٰ السراجیۃ: ۱۵۳)

”والفقیر عند الامام من لیس له نصاب وله ما یکفیه“.....(بزازیہ علی ہامش

الہندیۃ: ۳/۸۵)

”ولا يدفع الى بنى هاشم وهم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبدالمطلب كذافي الهداية“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۹)

”نصاب الذهب عشرون مثقالا والفضة مائتا درهم كل عشرة درهم وزن سبعة مثاقيل قوله عشرون مثقالا وما دون ذلك لازكاة فيه“..... (در علی هامش الرد: ۲/۳۱)

”والدفع الى من عليه الدين اولى من الدفع الى الفقير..... فان مديونا فدفع اليه مقدار مال الوقضى به دينه لا يبقى له شيء اوبقى دون المائتين لا بأس به“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۸)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

اعوان قوم کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۹۰): محترم و مکرمی حضرت مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

براہ مہربانی اس مسئلہ کا حل قرآن اور حدیث کی روشنی میں ارشاد فرما کر حوصلہ افزائی فرمائیں۔

ہمارا پورا گاؤں سوائے چند گھروں کے جو کہ پیشہ ور ہیں قوم ”اعوان“ (قطب شاہی اعوان) سے تعلق رکھتا ہے، کچھ علمائے کرام کی رائے یہ ہے کہ ”قوم اعوان“ کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا کر ملتا ہے جو کہ ہاشمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ان کو براہ راست زکوٰۃ نہیں لگتی، اگر غریب اور حاجت مند ”اعوان“ بھائی کو زکوٰۃ دینی ہے تو تمسک کر کے ان کو ادا کی جائے، مگر بعض علماء کرام کی رائے یوں ہے کہ اعوان اپنے اعوان بھائی کو اور سید اپنے سید بھائی کو براہ راست زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

آپ سے گزارش کی جاتی ہے کہ مہربانی فرما کر اس مسئلے کا صحیح حل بتا کر اس پریشانی سے ہمیں نجات عطا فرمائیں، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر واقعہً اعوان قوم کا سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مل جاتا ہے اور ان کا ہاشمی خاندان سے

ہونا متحقق ہو جاتا ہے تو سیدوں کی طرح اعوان قوم کے افراد کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، یہ بھی یاد رہے کہ جیسے غیر سید سید کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا اسی طرح سید بھی سید کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا، بعینہ جیسے غیر اعوان، اعوان کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا (بشرطیکہ ان کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ تک جا پہنچے) اسی طرح اعوان بھی اعوان کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

”ولا تدفع ای الزکوٰۃ الی بنی ہاشم لقوله علیہ السلام یا بنی ہاشم ان اللہ

تعالیٰ حرم علیکم غسلۃ الناس و اوساخہم و عوضکم منها بخمس الخمس

بخلاف التطوع قال وہم آل علی و آل عباس“..... (ہدایہ: ۱/۲۲۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جواب بازی کرنے والوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۹۱): حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام و علماء عظام مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ ہمارے ایک قریبی رشتہ دار قمار یعنی جوابازی کھیلتے ہیں کئی مرتبہ ان کو منع بھی کیا گیا ہے اور بے عزت بھی کیا گیا ہے، لیکن وہ سیدھے راستے پر نہیں آرہے، گزشتہ سال ان کی قمار بازی کی رقم بہت زیادہ تھی تو بھائیوں نے اور قریبی رشتہ داروں نے زکوٰۃ کے پیسے اکٹھے کیے اور وہ پیسے ادا کیے۔

لیکن وہ شخص اسی طرح قمار بازی کھیلتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ جووی جا چکی ہے وہ ادا ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر وی ہوئی زکوٰۃ لاعلمی میں دی ہے مسئلہ کا پتہ نہ ہونے کی وجہ سے تب بھی اس کو لوٹانا ضروری ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈال دیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

افضل اور بہتر یہ ہے کہ کسی نیک اور صالح مسلمان کو زکوٰۃ دی جائے، لیکن اگر کسی فاسق فاجر و گناہ گار کو بھی دیں گے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، بشرطیکہ وہ شخص مستحق زکوٰۃ ہو اور اس قمار باز سے تو بہ بھی کروائیں تو ممکن ہے کہ وہ گناہ کو ترک کر دے، اور اگر اس کے باوجود وہ باز نہ آئے تو پھر اس کو زکوٰۃ وغیرہ نہ دیں۔

”منہا الفقیر و هو من له ادنی شیء و هو مادون النصاب او قدر نصاب غیر نام

و هو مستغرق فی الحاجة فلا یخرجه عن الفقر ملک نصاب کثیرة غیر نامیة

اذا كانت مستغرقة بالحاجة كذافي فتح التقدير، التصديق على الفقير العالم افضل من التصديق على الجاهل كذافي الزاهدي“..... (فتاوى الهندية: 1/184)

”كره نقلها الا الى قرابة او احوج او اصلح او اورع او اتفع للمسلمين..... وفي معراج التصديق على العالم الفقير افضل“..... (فتاوى شامی: 2/45)

”وعدم الكراهة في نقلها للقريب للجمع بين اجري الصدقة والصلة وللاحوج لان المقصود منها سدخلة المحتاج فمن كان احوج كان اولي وليس عدم الكراهة منحصر في هاتين لانه لو نقلها الى فقير في بلد آخر اورع واصلح كما فعل معاذ رضي الله عنه لا يكره ولهذا قيل التصديق على العالم الفقير افضل“..... (البحر الرائق: 2/336)

”ويجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان صحيحا مكتسبا“..... (فتاوى الهندية: 1/189)

”اما تفسيرها فهي تملك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى هذا في الشرع كذافي التبيين“..... (فتاوى الهندية: 1/140)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کو تنخواہ میں دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۹۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک کمپنی ہے جس میں ورکرز کی تنخواہ 7200 سے لے کر 11000 تک ہے جس میں گزارا مشکل ہے، لہذا ایک تجویز آئی ہے کہ جن ورکرز کی تنخواہ 12000 سے کم ہے تو ان کو ماہانہ 12000 روپے دیے جائیں، لیکن اس کی ترتیب درج ذیل ہے۔

اگر ورکرز کی تنخواہ 8000 روپے ہے تو اس کو ملیں گے 12000 روپے لیکن جو فرق 4000 روپے کا ہے

وہ زکوٰۃ میں سے دے دیا جائے۔

فرمایا جائے کہ شرعاً ایسا درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال کمپنی کے ملازمین اور ورکرز کو اجرت (تنخواہ) میں زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

”الیتیمۃ سئل عن معلم له خلیفة فی المکتب یتعلم الصبیان ویحفظهم ویکتب

الواحد ولم یتاجرہ بشیء معلوم وما اشترط شیئا والمعلم یعطیه فی

الاحایین دراهم بنیة الزکوٰۃ هل یجوز عن زکوٰۃ؟ قال نعم الا ان یتكون بحیث

لو لم یعطه لم یعمل له ذلك فی مکتبه“..... (فتاویٰ التاتاریخانیة: ۲/۲۰۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مقروض تنگ دست کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۳۹۳): باسمہ سبحانہ و تعالیٰ، حامد اومصلیٰ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ جس کی عمر ۶۰ سال ہے، بندہ کے ذمہ تقریباً گیارہ لاکھ روپے قرض ہے اور بعض قرض خواہ بہت پریشان کرتے ہیں، اور بندہ کی ذاتی آمدنی گھریلو خرچ وغیرہ کے لیے کافی ہے، مگر اس آمدنی میں بچا کر اس قرض کو ادا کرنا ممکن نہیں ہے، اور نہ ہی بندہ کے پاس رہنے کے مکان کے علاوہ کوئی جائیداد ہے اور نہ ہی زیور ہے کہ جس کو بیچ کر قرض ادا کروں، کیا بندہ زکوٰۃ لے کر قرض اتار سکتا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

مقروض تنگ دست کو زکوٰۃ دینا جائز ہے تاکہ وہ اپنا قرض ادا کر سکے، بشرطیکہ وہ سید نہ ہو۔

”ومنہا الغارم وهو من لزمہ دین ولا یملک نصاباً فاضلاً عن دینہ او کان له مال

علی الناس لا یملکہ اخذہ، ویکرہ ان یدفع الی رجل ماتتی درہم فصاعدا وان

دفعہ جاز کذا فی الہدایۃ هذا اذا لم یکن الفقیر مدیوناً فان کان مدیوناً فدفع

الیہ مقدار مال وقضی بہ دینہ لایبقی له شیء او یبقی دون المائتین لایس بہ“

..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۸۸)

”والدفع الی من علیہ الدین اولی من الدفع الی الفقیر“..... (فتاویٰ الہندیۃ:

۱/۱۸۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ و عشر کو تعمیر اور تنخواہ میں صرف کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۹۴): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں اکثر آبادی کے لوگ بریلوی مسلک سے وابستہ ہیں، گاؤں میں صرف تین مساجد ہیں جس میں نہ مستقل پیش امام ہیں اور نہ درس و تدریس کا کوئی خاص انتظام ہے، اسی بناء پر ہم لوگوں نے ایک مسجد کے ساتھ گاؤں کے طلباء کے لیے درس گاہ بنائی ہے، اس درس گاہ کی تعمیر و مدرس کی تنخواہ کے لیے گاؤں والوں سے زکوٰۃ و عشر وغیرہ جمع کر کے مرچہ حیلہ تملیک کے مطابق اس پر خرچ کرتے ہیں۔

بعض علماء کرام اس پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ درس گاہ میں قیام و طعام نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ و عشر کو صرف کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ یہ زکوٰۃ و عشر آپ لوگ اپنے بچوں پر صرف کرتے ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ علماء کا یہ اعتراض درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں مدرس کی تنخواہ اور مدرسہ کی تعمیر پر زکوٰۃ و عشر وغیرہ سے شرعی طریقہ سے حیلہ تملیک کے بعد خرچ کرنا شرعاً درست ہے بغیر تملیک کے خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اور اس پر بعض علماء کا اعتراض کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

”و كذلك من عليه الزكوة لو اراد صرفها الى بناء المسجد او القنطرة

لا يجوز فان اراد الحيلة فالحيلة ان يتصدق به المتولى على الفقراء ثم الفقراء

يدفعونه الى المتولى ثم المتولى يصرّف الى ذلك كذافي الذخيرة“

..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۲/۳۷۳)

”وبناء مسجد وتكفين ميت وقضاء دينه وشراء قن يعق..... والحيلة في

الجواز في هذه الاربعة ان يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يامر به بعد ذلك

بالصرف الى هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الزكوة وللفقير ثواب هذه القرب كذافي المحيط..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۳)

”وبناء مسجد اى لايجوز ان يبنى بالزكاة المسجد لان التملك شرط فيها ولم يوجد وكذا لا يبنى بها القناطر والسقايات واصلاح الطرقات وكري الانهار والحج والجهاد وكل ما لا تملك فيه“..... (تبين الحقائق: ۱/۳۰۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی رقم سے ہسپتال کے لیے مشینری لینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۹۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی رقم سے ہسپتال کو مشینری لے کر دینا درست ہے یا نہیں؟

اور اسی طرح زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر پر لگانا درست ہے یا نہیں؟ اور حیلہ تملیک کے بعد کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں زکوٰۃ کی رقم کو ہسپتال کی اشیاء خریدنے اور مدرسے کی تعمیر میں بلا تملیک صرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ اگر ضرورت کی وجہ سے حیلہ تملیک کروا لیا جائے تو اس رقم کا مذکورہ مصارف میں خرچ کرنا جائز ہے۔

”وكذلك من عليه الزكوة لو اراد صرفها الى بناء المسجد او القنطرة لا يجوز فان اراد الحيلة فالحيلة ان يتصدق به المتولى على الفقراء ثم الفقراء يدفعونه الى المتولى ثم المتولى يصرف الى ذلك كذافي الذخيرة“..... (فتاوى الهندية: ۲/۳۷۳)

”وبناء مسجد اى لايجوز ان يبنى بالزكاة المسجد لان التملك شرط فيها ولم يوجد وكذا لا يبنى بها القناطر والسقايات واصلاح الطرقات وكري الانهار والحج والجهاد وكل ما لا تملك فيه“..... (تبين الحقائق: ۱/۳۰۰)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ صدقات کا پیسہ درس گا ہیں بنانے میں لگانا:

مسئلہ نمبر (۴۹۶): محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ

ایک جامعہ ہے جس کے اندر مقیم (بیرونی) طلباء و طالبات بھی ہیں لیکن طلباء و طالبات کے لیے درس گا ہیں کم ہیں اور طلباء و طالبات گرمی، سردی کی وجہ سے بیمار ہو رہے ہیں، تو کیا زکوٰۃ صدقات کا پیسہ (تملیک کے بعد) طلباء و طالبات کی درس گا ہیں بنانے میں لگ سکتا ہے؟ اگر کوئی شرعی حیلہ یا طریقہ تملیک ہے تو برائے مہربانی رہنمائی فرمادیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں زکوٰۃ صدقات واجبہ کا پیسہ شرعی طریقہ تملیک کے بعد طلبہ و طالبات کے لیے دینی درس گا ہیں بنانے میں لگانا شرعاً درست ہے، بغیر تملیک کے جائز نہیں ہے، تملیک کی صورت یہ ہے کہ مدرسے کا مہتمم مال زکوٰۃ اور صدقات واجبہ لے کر کسی ایسے مخلص دیندار مسکین یعنی کسی ایسے مستحق کو اگر وہ خود مالدار ہوتا تو وہ اپنی دولت سے اس تعمیر کو اپنی سعادت سمجھتا، اس کو مالک بنا دے پھر وہ اسی مال کو مہتمم مدرسہ کو دے دے تو اس کے بعد مہتمم مدرسہ ہر اس شعبہ میں مال کو صرف کر دے جس کی مسکین مستحق نے اجازت دی ہو، اور اگر مہتمم مدرسہ کو اجازت عام دے دی ہو تو پھر جہاں چاہے مدرسہ میں وہاں اس مال کو لگا سکتا ہے۔

”و كذلك من عليه الزكاة لو اراد صرفها الى بناء المسجد او القنطرة لايجوز فان اراد الحيلة فالحيلة ان يتصدق به المتولى على الفقراء ثم الفقراء يدفعونه الى المتولى ثم المتولى يصرف الى ذلك كذا في الذخيرة“..... (فتاوى الهندية: ۳/۳۷۳)

”وبناء مسجد وتكفين ميت وقضاء دينه وشراء فن يعتق..... والحيلة في الجواز في هذه الاربعة ان يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يامر به بعد ذلك بالصرف الى هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب كذا في المحيط“..... (البحر الرائق: ۴/۳۲۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مریض کے علاج کے لیے زکوٰۃ لینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۹۷): بخدمت جناب حضرت مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں جاوید یہ گزارش کرتا ہوں کہ میرے ۶ ماہ کے بچے کے دل کا آپریشن ہے، جس کے لیے ڈاکٹر ۲ لاکھ روپے مانگ رہے ہیں، اور میری تنخواہ بہت کم ہے، اور نقدی میرے پاس بالکل نہیں ہے، لہذا بڑی ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ آپ مجھے کچھ لکھ کر دے دیں جس کی بناء پر میں مستحق اپنے معصوم بچے کا آپریشن کروا سکوں، کیا میں ان حالات میں زکوٰۃ لے سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

آپ اگر سید نہیں ہیں اور آپ کے پاس نقد روپیہ، سونا، چاندی، اسباب تجارت نہیں ہیں اور نہ ہی ضرورت سے زائد کوئی دیگر چیز ہے مثلاً ٹی وی وغیرہ جس کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے بقدر ہو تو آپ کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

”منہا الفقیر وهو من له ادنی شیء وهو ما دون النصاب او قدر نصاب غیر نام
وهو مستغرق فی الحاجة فلا یخرجه عن الفقر ملک نصب کثیرة غیر نامیة
اذا كانت مستغرقة بالحاجة کذا فی فتح القدير“..... (فتاویٰ
الہندیة: ۱/۱۸۷)

”ویجوز دفعها الی من یملک اقل من النصاب وان کان صحیحاً مکتسباً“
..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۸۹)

”امانفسیرھا فھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاہ بشرط
قطع المنفعة عن المملک من کل وجه لله تعالیٰ ہذا فی الشرع کذا فی
التبیین“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۷۰)

”قولہ هو الفقیر والمسکین وهو اسوء حالا من الفقیر ای المصرف الفقیر
والمسکین والمسکین ادنی حالا و فرق بینہما فی الہدایة وغیرھا بان الفقیر
من له ادنی شیء والمسکین من لا شیء له“..... (البحر الرائق: ۲/۳۱۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

امام یا خطیب کو تنخواہ میں زکوٰۃ دے دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۴۹۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عشر، زکوٰۃ، قیمت چرمہائے قربانی، صدقہ فطر اور دیگر صدقات واجبہ کسی امام یا مؤذن یا خطیب وغیرہ کو تنخواہ کے طور پر دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں حکم یہ ہے کہ عشر، زکوٰۃ، چرمہائے قربانی کی قیمت، صدقہ فطر وغیر صدقات واجبہ کسی امام یا مؤذن یا خطیب وغیرہ کو تنخواہ کے طور پر دینا جائز نہیں ہے، اور اگر کسی نے اس طرح زکوٰۃ دے دی تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

”ولو دفعها المعلم لخليفته ان كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صح والا لا قوله

والالا اي لان المدفوع يكون بمنزلة العوض“..... (الدرمع الرد: ۱/۷۷)

”ولو نوى الزكوة بما يدفع المعلم الى الخليفة ولم يستاجر ان كان الخليفة

بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان ايضا جزاءه والافلاو كذا ما يدفعه الى الخدم من

الرجال والنساء في الاعياد وغيرها بنية الزكاة“..... (فتاوى الهندية:

۱/۱۹۰)

البتہ اگر وہ امام یا مؤذن مالک نصاب نہ ہوں تو پھر تنخواہ کے علاوہ اس کو زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ دے

سکتے ہیں۔

”ويجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان صحيحا مكتسبا

كذافي الزاهدي“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۹)

واضح رہے کہ دریں زمانہ مدارس ویدیہ زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کا بہترین مصرف ہیں، کیونکہ ایک عالم

دین پر خرچ کرنا کسی جاہل پر خرچ کرنے سے بہتر ہے۔

”التصدق على العالم الفقير افضل من التصديق على الجاهل كذافي

الزاهدي“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۷)

”وكره نقلها الا الى قرابة..... او الى طالب العلم وفي المعراج التصديق على

العالم الفقير افضل..... قوله افضل اى من الجاهل الفقير
قہستانی“.....(الدرمع الرد: ۲/۷۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مقروض کو قرض ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۳۹۹): جناب مفتی صاحب دام ظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ایک شخص زید صاحب نصاب نہیں ہے، اسے دوسرا شخص بکر قرض کے طور پر کچھ رقم دے اور پھر بکر جو کہ صاحب نصاب ہے اپنی زکوٰۃ زید کو دے دے، اور زید اپنا قرض ان زکوٰۃ کے پیسوں سے بکر کو ادا کر دے، اور یہ سارا معاملہ باہمی رضامندی سے ہو، تو آیا جائز ہے یا نہیں؟ حکم شرعی ارشاد فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں ایسا کرنا جائز ہے۔

”وحيلة الجواز ان يعطى المديون الفقير خمسة زكاة ثم ياخذ منه قضاء عن

دينه كذافي المحيط“.....(البحر الرائق: ۲/۳۷۰)

”فنقول مذهب علماؤنا رحمهم الله تعالى ان كل حيلة يحتال بها الرجل

لابطال حق الغير اولادخال شبهة فيه اولتموية باطل فهي مكروهة وكل حيلة

يحتال بها الرجل يتخلص بها عن حرام او يتوصل بها الى حلال فهي حسنة

والاصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى (وخذ بيدك ضغثا

فاضرب به ولا تحنث) وهذا تعليم المخرج لايوب النبي عليه وعلى نبينا

الصلوة والسلام عن يمينه التي حلف ليضربن امرأته مائة عود وعامة المشائخ

على ان حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح من المذهب كذافي الذخيرة“

.....(فتاوى الهندية: ۶/۳۹۰)

”فان الحيل في الاحكام المخرجة عن الامام جائزة عند جمهور العلماء

وانما كره ذلك بعض المتعسفين لجهلهم وقلة تأملهم في الكتاب والسنة

والدلیل علی جوازہ من الكتاب قوله تعالى (وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنت (سورة ص: ۴۴) هذا لتعليم المخرج لايوب عليه السلام عن يمينه التي حلف ليضربن زوجته مائة فانه حين قالت له لو ذبحت عناقا باسم الشيطان في قصة طويلة اوردها اهل التفسير رحمهم الله تعالى "..... (مبسوط: ۳۰/۲۲۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زرعی زمین کے مالک کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۰۰): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص شادی سے پہلے امیر تھا لیکن شادی کے بعد اپنی زمین وغیرہ چھوڑ کر شہر میں رہ کر مزدوری کرتا ہے، اب یہاں غریب ہو گیا ہے، لیکن زمین غیر آباد ہے، اور اس کے والدین بھی زندہ ہیں کیا اس پر زکوٰۃ لگتی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں جس زمین پر کاشت نہیں کرتا تو یہ زمین حاجات اصلیہ میں سے نہیں اگر زمین کی مالیت بقدر نصاب زکوٰۃ کو نہ پہنچتی ہو تو زکوٰۃ لینا جائز ہے، بشرطیکہ کوئی اور مال بقدر نصاب موجود نہ ہو یا زمین کی قیمت ملا کر نصاب کو نہ پہنچتا ہو تو پھر بھی لینا درست ہے۔

”باب المصارف منها الفقير وهو من له ادنى شيء وهو مادون النصاب او قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرج عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية اذا كانت مستغرقة بالحاجة كذا في فتح القدير“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۸۷)

”والحاصل ان النصب ثلاثة نصاب يوجب الزكوة على مالكة وهو النامي خلقة او اعداد او هو سالم من الدين ونصاب لا يوجبها وهو ماليس احدهما فان كان مستغرقا بحاجة مالكة حل له اخذها والاحرمت عليه كتياب تساوي نصابا لا يحتاج الي كلها او اناث لا يحتاج الي استعماله كله في بيته وعبء و فرس لا يحتاج الي خدمته و ركوبه و دار لا يحتاج الي سكنها فان كان

محتاجا الى ما ذكرنا حاجة اصلية فهو فقير يحل دفع الزكوة اليه وتحرم
المسئلة عليه ونصاب يحرم المسئلة وهو ملك فوت يومه او لا يملكه لكنه
بقدر على الكسب او يملك خمسين درهما على الخلاف في ذلك“
..... (فتح القدير: ۲/۲۰۲)

”والاصل ان ماعدا الحجرين والسوائم انما يزكى بنية التجارة“..... (فتاوى
شامى: ۲/۱۵)

”ولو كان الفقير قويا مكتسبا يحل له اخذ الصدقة عندنا لما روى عن سلمان
الفارسي انه قال حمل الى رسول الله ﷺ صدقة فقال لاصحابه كلوا
اولم ياكل“..... (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۹)

”ويجوز صرفها الى من لا يحل له السؤال اذالم يملك نصابا وان كانت له
كتب تساوى مائتي درهم الا انه يحتاج اليها للتدريس او لتحفظ او التصحيح
يجوز صرف الزكوة اليه كذا في فتاوى قاضى خان“..... (فتاوى
الهندية: ۱/۱۸۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جس کی بیوی کے پاس سونا ہو اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۰۱): کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک شخص خود غریب اور مزدور قسم کا ہے، لیکن اس کی بیوی
کے پاس ایک تولہ سونا ہے اور نقدی کچھ بھی نہیں ہے، کیا اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اگر یہ بیان حقیقت پر مبنی ہے اور یہ شخص صاحب نصاب اور ہاشمی نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ

دینا جائز ہے۔

”الباب السابع فى المصارف منها الفقير وهو من له ادنى شيء وهو مادون

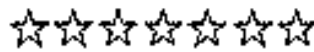
النصاب او قدر نصاب غير نام وهو مستغرق فى الحاجة فلا يخرجه عن الفقر

ملک نصب کثیرہ غیر نامیہ اذا كانت مستغرقة بالحاجة کذا فی فتح
القدير..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۸۷)

”باب المصارف ای مصرف الزکوٰۃ والعشر واما خمس المعدن فمصرفه
کالغنائم وهو فقير وهو من كان له ادنى شيء ای دون نصاب او قدر نصاب
غير نام مستغرق فی الحاجة“..... (در علی الشامی: ۲/۶۳)

”ولا تدفع الی بنی ہاشم لقوله عليه السلام یا بنی ہاشم ان الله حرم علیکم
غسالة الناس و اوساخهم و عوضکم منها بخمس الخمس بخلاف التطوع لان
المال هنا کالماء یتدنس باسقاط الفرض اما التطوع بمنزلة التبريد بالماء قال
وهم آل علی و آل عباس و آل جعفر و آل عقیل و آل الحارث بن عبدالمطلب
وموالیہم“..... (ہدایہ: ۱/۲۲۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



دو مکانوں کے مالک کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۰۲): کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک شخص کے پاس اپنے مکان کے علاوہ دوسرا مکان بھی
ہے لیکن ویسے وہ غریب ہے کیونکہ روزانہ مزدوری کرتا ہے، اور گھر والوں کو کھلاتا ہے تو اب اس آدمی پر زکوٰۃ کا مال
لگتا ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں اگر مکان کی مالیت نصاب زکوٰۃ کو نہ پہنچتی ہو تو زکوٰۃ لینا جائز ہے بشرطیکہ
کوئی اور مال بقدر نصاب زکوٰۃ موجود نہ ہو یا مکان کی قیمت سے ملا کر نصاب کو نہ پہنچتا ہو۔

”باب المصارف (منها الفقير) وهو من له ادنى شيء وهو ما دون النصاب
او قدر نصاب غير نام وهو مستغرق فی الحاجة فلا ینخرجه عن الفقر ملک
نصب کثیرہ غیر نامیہ اذا كانت مستغرقة بالحاجة کذا فی فتح
القدير..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۸۷)

”والحاصل ان النصب ثلاثة نصاب يوجب الزكوة على مالكة وهو النامي خلقة او اعداد او هو سالم من الدين ونصاب لا يوجبها وهو ماليس احدهما فان كان مستغرقا بحاجة مالكة حل له اخذها والاحرمت عليه كتياب تساوى نصابا لا يحتاج الى كلها او اثاث لا يحتاج الى استعماله كله فى بيته وعبد و فرس لا يحتاج الى خدمته وركوبه ودار لا يحتاج الى سكنها فان كان محتاجا الى ما ذكرنا حاجة اصلية فهو فقير يحل دفع الزكوة اليه وتحرم المسئلة عليه ونصاب يحرم المسئلة وهو ملك قوت يومه او لا يملكه لكنه يقدر على الكسب او يملك خمسين درهما على الخلاف ذلك“..... (فتح القدير: ۲/۲۰۲)

”ولو كان الفقير قويا مكتسبا يحل له اخذ الصدقة عندنا..... لما روى عن سلمان الفارسي انه قال حمل الى رسول الله ﷺ صدقة فقال لاصحابه كلوا ولم ياكل“..... (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

چھوٹے بھائی کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۰۳): جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزارش ہے کہ درج ذیل مسئلہ میں آپ کی طرف سے فتویٰ و رہنمائی درکار ہے۔

میرا چھوٹا بھائی عابد جمیل جو ابھی تک برسر روزگار نہیں ہے اور والدین کے ساتھ گھر میں رہتا ہے، میں برسر روزگار ہوں اور جمع بیوی بچوں کے اکتھے والدین کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں، غلط سوسائٹی میں پڑ جانے کی وجہ سے چھوٹے بھائی پر قرضہ اور سود کی رقم واجب الادا ہے، اب اس نے توبہ کی ہے کہ آئندہ غلط کام (شرط لگانا، یا جو وغیرہ) نہیں کروں گا۔

میں نے اللہ کی راہ میں دینے کے لیے کچھ رقم غریبوں کی مدد، تعمیر مسجد، تعمیر مدرسہ و دیگر نیک کاموں میں خرچ کرنے کا سوچا تھا کہ خرچ کروں گا، اب وہ رقم میں چھوٹے بھائی کے قرضہ اور سود کی رقم اتارنے کے لیے چھوٹے بھائی کو دے سکتا ہوں یا نہیں؟ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا اچھا کھانا پیتا گھرانہ ہے، میرے والد صاحب بھی کام کرتے ہیں، میں

زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہوں، میرے والد صاحب بھی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، میں اپنی زکوٰۃ کی رقم سے چھوٹے بھائی کا قرضہ اور سود کی رقم اتارنے کے لیے بھی رقم دے سکتا ہوں یا نہیں؟

(۲) ایک دوسرا چھوٹا بھائی جو چھوٹے سے بڑا ہے میرے اور والد صاحب کے ساتھ کام میں کاروبار میں شریک تھا، اس نے پچھلے دو تین سال سے کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور غلط کاموں میں شرط جوئے وغیرہ میں لگ گیا ہے، میرے اور والد صاحب سے چھپ کر کافی رقم کاروبار سے نکال کر ضائع کر دی ہے، جس کا ہمیں بعد میں علم ہوا، اب اس نے بھی توبہ کر لی ہے اور کام پر دفتر میں آنا شروع کر دیا ہے، لیکن ابھی اتنا زیادہ کام نہیں کر رہا ہے جس سے قرضہ اور سود کی رقم ادا ہو جائے، اس کے ذمہ بھی ایک بڑی رقم قرضہ اور سود کی ہے جو وہ کاروبار سے کما کر کئی سالوں میں بھی ادا نہیں کر پائے گا، لہذا اس دوسرے بھائی طاہر جمیل کو اللہ کی راہ میں خرچ کی جانے والی رقم جس کی تفصیل اوپر گزری ہے یا میری طرف سے زکوٰۃ کی رقم سودی قرضے کی ادائیگی کے لیے دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز اگر فتویٰ میں دونوں بھائیوں یا چھوٹا بھائی جو ابھی برس روزگار نہیں ہے رقم دینے کی اجازت مل جاتی ہے تو تب بھی میں اس اللہ کے نام پر خرچ کی جانے والی رقم سے کچھ رقم تعمیر مسجد تعمیر مدرسہ میں خرچ کرنے کا ضرور ارادہ رکھتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے (آمین)

الجواب باسم الملك الوهاب

چھوٹے بھائی کے ذمہ جو قرض ہے اگر وہ صاحب نصاب نہیں ہے تو اسے ادائیگی قرض کے لیے آپ اپنی زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں، اور اس کو نفلی صدقات بھی دے سکتے ہیں۔

”ويجوز دفع الزكوة الى من سوى الوالدين والمولودين من الاقارب ومن الاخوة والاحوات وغيرهم لانقطاع منافع الاملاك بينهم ولهذا قبل شهادة البعض على البعض والله اعلم“..... (بدائع الصنائع: ۱۶۳، ۱۶۴/۲)

”ومنها الغارم وهو من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه او كان له مال على الناس لا يمكنه اخذه الى ان قال ويكره ان يدفع الى رجل مائتي درهم فصاعدا وان دفعه جاز كذا في الهداية هذا اذا لم يكن الفقير مديونا فان كان مديونا فدفع اليه مقدار ما لو قضي به دينه لايبقى له شيء او يبقى دون المائتين لاياس به“..... (فتاوى الهنلية: ۱/۱۸۸)

”والدفع الى من عليه الدين اولى من الدفع الى الفقير“..... (فتاوى الهندية:

(۱/۱۸۸

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

عزیز واقارب میں سے کس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

مسئلہ نمبر (۵۰۴): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کے کون کون سے لوگ مستحق ہیں؟ مثلاً یعنی عزیز واقارب میں سے کس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ اور مریض کو کس حالت میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ یعنی غریب آدمی کے پاس کتنا مال ہو تو وہ مستحق بنتا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں زکوٰۃ کا مستحق ہر وہ شخص ہے جو نصاب کا مالک نہ ہو۔

”يجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان صحيحا مكتسبا

كذافي الزاهدي“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۹)

اور عزیز واقارب میں اپنے اصول و فروع میں سے کسی کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتے، اور خاوند اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے خاوند کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی، اور ان کے علاوہ باقی سب کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ زکوٰۃ کے مستحق ہوں۔

”قوله واصله وان علا وفرعه وان سفل بالجر اي لا يجوز الدفع الى ابيه وجده

وان علا ولا الى ولده وولد ولده وان سفل“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۵)

”ولا يدفع الى اصله وان علا وفرعه وان سفل كذافي الكافي“..... (فتاوى

الهندية: ۲/۱۸۸)

”وزوجه وزوجها اي لا يجوز الدفع لزوجته ولا دفع المرأة لزوجها

لما قدمناه“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۵)

”ولا يدفع الى امراته للاشتراك في المنافع عادة ولا تدفع المرأة الى زوجها

عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى كذافي الهداية“..... (فتاوى الهندية:

(۱/۱۸۹

مریض اور غریب کو اس وقت زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جب کہ وہ نصاب کا مالک نہ ہو۔

”يجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان صحيحا مكتسبا

كذافي الزاهدي“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۸۹)

”يجوز دفع الزكوة الى من يملك مادون النصاب او قدر نصاب غير نام

وهو مستغرق في الحاجة“..... (البحر الرائق: ۲/۳۱۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مقروض اگر معسر ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے:

مسئلہ نمبر (۵۰۵): محترم جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد از سلام آپ سے عرض یہ ہے کہ میں اس وقت قرضوں میں پھنسا ہوا ہوں، اور قرض اتنا ہے کہ جس کی ادائیگی بغیر کسی مالی مدد کے ناممکن ہے، اور میں اس قرض کی وجہ سے اپنے بیوی بچوں اور گھر والوں سے دور ہوں، قرض لینے والے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دیتے ہیں، اور ایک مرتبہ مجھے پکڑ کر لے گئے تھے، میں بڑی مشکل سے جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہوا، اور اس وقت سے اپنے گھر والوں سے دور ہوں، اس وقت اتنا کماتا ہوں کہ اپنا ہی گزر بسر کر سکتا ہوں، اپنے بچوں کی بھی میں کفایت نہیں کر سکتا۔

آپ سے التجا یہ ہے کہ آپ بتائیں کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ لینے کا حقدار ہوں یا نہیں؟ اور کیا میں لوگوں سے اچیل کر سکتا ہوں؟ برائے مہربانی فرما کر جواب دیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اگر واقعی آپ کے پاس اتنا زائد مال موجود نہیں ہے کہ جس کو فروخت کر کے قرضہ اتارا جاسکے اور آپ سیدھی نہیں ہیں اور صاحب نصاب بھی نہیں ہیں تو آپ زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔

”ويجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان صحيحا مكتسبا

كذافي الزاهدي“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۸۹)

”فان كان من عليه الدين معسرا يجوز له اخذ الزكوة في اصح الاقاويل لانه

بمنزلة ابن السبيل“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۸۹)

”ومنها ان لا يكون من بنى هاشم لما روى عن رسول الله ﷺ انه قال يا معشر بنى هاشم ان الله كره لكم غسالة الناس وعوضكم منها بخمس الخمس من الغنيمة“..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۶۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

حیلہ تملیک اور زکوٰۃ کی رقم کا مصرف:

مسئلہ نمبر (۵۰۶): محترم جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام ان مسائل کے بارے میں

- (۱) کیا زکوٰۃ کی رقم براہ راست دینی مدرسہ کی عمارت میں خرچ ہو سکتی ہے؟
- (۲) کیا زکوٰۃ کی رقم عصری تعلیم کے سکول کی عمارت بنانے میں خرچ ہو سکتی ہے؟
- (۳) کیا مندرجہ بالا تعمیرات میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنے کے لیے تملیک ضروری ہے؟
- (۴) کیا تملیک ایک حیلہ ہے؟ اور حیلہ کرنا گناہ ہے؟ جیسا کہ بنی اسرائیل نے کیا تھا ہفتہ کے دن کے بارے میں۔

(۵) قرآن و حدیث کی روشنی میں تملیک کہاں کرنا جائز ہے؟

(۶) ہسپتال وغیرہ کی بلڈنگ میں زکوٰۃ استعمال ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۷) پاکستان میں تمام مدارس کی عمارات وغیرہ زکوٰۃ سے بن رہی ہیں کیا یہ جائز ہے؟ اور زکوٰۃ اس طرح صحیح استعمال ہو جاتی ہے؟ مثلاً جو لوگ بھی مدارس زکوٰۃ سے بناتے ہیں کیا ان کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ کی رقم پاکستان کے تمام مدارس کی عمارات میں اور ہسپتال کی عمارات میں براہ راست استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ اگر ضرورت کی وجہ سے حیلہ تملیک کروالیا جائے تو اس رقم کا مذکورہ مصارف میں استعمال کرنا جائز ہے، اور سکول کی عمارت میں زکوٰۃ لگانا جائز نہیں ہے، کیونکہ سکول زکوٰۃ کے مصارف میں سے نہیں ہے، اگر کسی نے سکول کی عمارت میں زکوٰۃ لگائی ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی ہے، اتنی زکوٰۃ دوبارہ ادا کرنا لازم ہے، اور حیلہ تملیک زکوٰۃ و صدقات واجبہ میں ہوتا ہے، اور تملیک کی صورت یہ ہے کہ مدرسہ کا مہتمم مال زکوٰۃ اور صدقات واجبہ لے کر کسی ایسے

مخلص دیندار مسکین یعنی ایسے مستحق کو کہ اگر وہ خود مالدار ہوتا تو وہ اپنی دولت سے اس تعمیر کو اپنی سعادت سمجھتا اس کا مالک بنادے پھر وہ اسی مال کو مہتمم مدرسہ کو دے دے تو اس کے بعد مہتمم مدرسہ وہ مال اس شعبہ میں خرچ کر دے جس کی مسکین مستحق نے اجازت دی ہو، اور اگر مہتمم مدرسہ کو اجازت عام دے دی ہو تو پھر جہاں چاہے مدرسے میں وہاں اس مال کو لگا سکتا ہے، اور ہر حیلہ اختیار کرنا گناہ نہیں ہے، بلکہ وہ حیلہ اختیار کرنا جس سے کسی کا حق مارا جائے یا کسی حرام کام کو چھپانے کے لیے حیلہ اختیار کیا جائے وہ حیلہ اختیار کرنا گناہ ہے، اور بنی اسرائیل کا ہفتہ والے دن حیلہ بھی اس میں داخل ہے کیونکہ وہ حرام کی ہوئی چیز تک پہنچنے کے لیے حیلہ کرتے تھے، باقی کسی جائز کام کے لیے حیلہ اختیار کرنا جائز اور مشروع ہے قرآن کی رو سے بھی اور حدیث کی رو سے بھی۔

”وبناء مسجد ای لایجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد لان التملیک شرط فیہا ولم یوجد وکذا لایبنی بہا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانہار والحج والجهاد وکل مال التملیک فیہ“..... (تبیین الحقائق: ۱/۳۰۰)

”وکذلک من علیہ الزکوٰۃ لو اراد صرفہا الی بناء المسجد او القنطرة لایجوز فان اراد الحيلة فالحيلة ان يتصدق به المتولی علی الفقراء ثم الفقراء یدفعونہ الی المتولی ثم المتولی یصرف الی ذلک کذافی الذخیرة“..... (فتاویٰ الہندیة: ۲/۳۷۳)

”ویشترط ان یكون الصرف تملیکاً لا باحة كما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد“..... (درمع الرد: ۲/۲۸)

”فنقول منہب علماننا رحمہم اللہ تعالیٰ ان کل حيلة یحتال بہا الرجل لا یطال حق الغیر او لا دخال شبة فیہ او تسمویہ باطل فہی مکروہة وکل حيلة یحتال بہا الرجل لیتخلص بہا عن حرام او لیتوصل بہا الی حلال فہی حسنة والاصل فی جواز ہذا النوع من الحیل قول اللہ تعالیٰ وخذیذک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث وھذا تعلیم المخرج لایوب النبی علیہ وعلی نبینا الصلوة والسلام عن یمینہ الی حلف لیضربن امرأته مائة عود و عامة المشایخ علی ان حکمہا لیس بمنسوخ وھو الصحیح من المذہب کذافی الذخیرة“..... (فتاویٰ الہندیة: ۶/۳۹۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

قربانی کی کھالوں کی قیمت سے قبرستان کے لیے جگہ خریدنا:

مسئلہ نمبر (۵۰۷): بخدمت جناب مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ قرآن و سنت اور اجماع کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔
گاؤں کے مشترکہ قبرستان کے لیے زمین خریدنی مطلوب ہے تقریباً ساڑھے دس لاکھ میں سے کچھ رقم کم پڑ رہی ہے، کیا کوئی ایسی شرعی صورت یا طریقہ ہے کہ گاؤں والوں کی طرف سے قربانی کی کھالیں جمع کر کے رقم وصول کر کے قبرستان کے لیے خریدی جانے والی زمین کی ادائیگی کے لیے استعمال کی جاسکے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں واضح رہے کہ قربانی کی کھالیں صدقہ واجبہ میں سے ہیں، اور صدقہ واجبہ زکوٰۃ، فطرانہ وغیرہ تعمیرات، مساجد، قبرستان وغیرہ کے لیے استعمال نہیں کر سکتے، لیکن بصورت شدید مجبوری کے حیلہ تملیک کر کے استعمال کر سکتے ہیں۔

”قال فی شرح تنویر الابصار لا یصرف مال الزکوٰۃ الی بناء نحو مسجد و فی

الشامیة کبناء القناطیر والسقايات واصلاح الطرقات و کرى الانهار والحج

والجهاد و کل ما لا تملیک فیہ زلیعی“..... (فتاویٰ شامی: ۲/۸۵)

”قال المصنف الاصل فیہ قوله تعالیٰ (انما الصدقات للفقراء) فهذه ثمانية

اصناف وقد سقط منها المؤلفه قلوبهم لان الله تعالیٰ اعز الاسلام واغنی عنهم

وعلی ذلك انعقد الاجماع“..... (هدایہ: ۱/۲۲۱)

”فی الوقف والصدقة اراد الوقف فی مرض موته وخاف عدم اجازة الورثة

یقرانها وقف رجل وان لم یسمه وانه متولیها وهی فی یدہ اراد وقف داره

وقفاصحیحا اتفاقا یجعلها صدقة موقوفة علی المساکین ویسلمها الی

المتولی ثم یتنازعان فی حکم القاضی باللزوم اویقول ان قاضیا حکم بصحته

فیلزم اویقول ان ابطله قاض کان صدقة“..... (الاشباه والنظائر: ۳۰۱)

”فی الزکوٰۃ ومن له علی فقیر دین و اراد جعله عن زکاة العین فالحیلة ان

یتصدق علیہ ثم یأخذہ منہ عن دینہ وهو افضل من غیرہ اہ..... (الاشباہ

والنظائر: ۳۹۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مقروض کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، لیکن قرض کو زکوٰۃ میں معاف نہیں کر سکتے:

مسئلہ نمبر (۵۰۸): محترم جناب مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میرا نام علی احمد ہے میں نے 1994 میں ایمپٹیشن جیولری سپلائی کا کام شروع کیا تھا، تقریباً پانچ چھ سال میں یہ کام کرتا رہا، اس کے بعد میں بیمار ہو گیا، جس کی وجہ سے میرا آپریشن ہوا اور ڈاکٹر نے مجھے وزن اٹھانے سے منع کر دیا، جس کی وجہ سے میں نے وہ کام چھوڑ دیا، کام چھوڑنے سے جو میں نے لوگوں سے یعنی اپنی گاہکوں سے پیسہ لینا تھا وہ مجھے نہیں ملا، کچھ تھوڑا ملا وہ بھی گھر میں خرچ ہو گیا، جس کی وجہ سے میں تقریباً دو لاکھ گیارہ ہزار روپے کا مقروض ہو گیا ہوں، اب میں ملازمت کرتا ہوں، تین ہزار روپے ماہوار تنخواہ ہے، میں شادی شدہ ہوں، میرے ماشاء اللہ دو بچے ہیں، اتنی آمدنی میں گھر کا گزارا نہیں ہو رہا، جب کہ میں نے قرضہ بھی دینا ہے، اور گھر کے حالات بہت خراب ہیں، جس آدمی کا میں نے قرضہ دینا ہے ان کا نام نعیم احمد ہے جن کی شاہ عالم مارکیٹ میں ہول سیل کی دکان ہے، اور تین چار سال سے قرضہ دینا ہے، اور وہ رقم کا تقاضا کرتے ہیں، اور میں نے بہت سوچ سمجھ کر ان سے گزارش کی ہے کہ آپ مجھے کسی حساب میں یعنی زکوٰۃ میں دے دیں میرا قرضہ اتر جائے گا، وہ بہت اچھے انسان ہیں، وہ ہر قسم کا تعاون کرنے کو تیار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کسی اچھے عالم دین سے پوچھ لیں اگر وہ کہتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، اس کے علاوہ بھی کوئی صورت ہے تو وہ بھی بتادیں، آپ کی مہربانی ہوگی، میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے بیچ کر میں قرضہ اتار سکوں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اگر آپ مستحق زکوٰۃ ہیں اور سید بھی نہیں ہیں تو ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا درست ہے، البتہ قرض دار اگر قرض کو زکوٰۃ میں معاف کر دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ یہ صورت ہو سکتی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مقروض کو دے دیں اور پھر وہ مقروض وہ رقم اپنے قرض میں واپس کر دے تو اس سے زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔

”ومنها الغارم وهو من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه او كان له مال على الناس لا يمكنه اخذه كذافي التبيين“.....(فتاوى الهندية: 1/188)

”والغارم من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه“.....(الهداية: 1/221)

”ولا يجوز ان يعطى من الزكوة فقراء بنى هاشم ولامواليهم قال عليه الصلوٰۃ والسلام الصدقة محرمة على بنى هاشم ومولى القوم من انفسهم وقال عليه الصلوٰۃ والسلام يا بنى هاشم ان الله كره لكم غسالة الناس وعوض لكم منها بخمس الخمس من الغنيمة“.....(المحيط البرهاني: 3/213)

”واعلم ان اداء الدين عن الدين والعين عن العين وعن الدين يجوز واداء الدين عن العين وعن دين سيقبض لايجوز وحيلة الجواز ان يعطى مديونه الفقير زكوته ثم ياخذها عن دينه“.....(الدر المختار: 1/130)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا زکوٰۃ کی رقم سے حج بدل کیا جاسکتا ہے؟

مسئلہ نمبر (۵۰۹): بخدمت جناب مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ شارع فیروز پور لاہور گزارش ہے کہ میں نے دو حج کیے ہوئے ہیں، آپ اور قرآن و سنت کی روشنی میں فرمائیں کہ کیا میں زکوٰۃ کی رقم سے حج بدل کر سکتی ہوں؟ یا کسی کو بھیج سکتی ہوں؟ نوازش ہوگی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ کی رقم مستحق زکوٰۃ کو لیجیہ اللہ مالک بنا کر دینا ضروری ہے لہذا آپ اپنی زکوٰۃ کی رقم سے از خود کسی کا حج بدل نہیں کر سکتیں، اور نہ ہی کسی پر حج بدل کی مد میں خرچ کر سکتی ہیں۔

”واذا دفع الزکوة الى الفقير لا يتم الدفع مالم يقبض الفقير او يقبضها للفقير من له ولاية على الفقير نحو الاب والوصی يقبضان للصبی والمجنون“.....(خلاصة الفتاوى: 1/232)

”اذا دفع الزکوة الى الفقير لا يتم الدفع ما لم يقبضها للفقير من له ولاية عليه نحو الاب والوصی يقبضان للوصی والمجنون كذا في الخلاصة“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۹۰)

”ولا يجوز ان يبنى بالزکوة المسجد وكذا القناطر والسقايات واصلاح الطرقات وكري الانهار والحج والجهاد وكل ما لا تملك فيه ولا يجوز ان يكفن بهاميت ولا يقضى بهادين الميت كذا في التبيين“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۸۸)

”ولوبنى مسجد بتية الزکوة اوحج او اعتمر او اعتق العبد او قضى دين حى او ميت بغير اذن الحى لا يجوز“..... (خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مریض کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۱۰): بخدمت جناب مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور

جناب عالی!

تہایت ادب سے گزارش ہے کہ میں عاشق حسین خان حلیہ بیان کرتا ہوں اور خداوند قدوس کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں سید نہیں ہوں، میری اپنی ذات لودھی پٹھان ہے، نہ میرے پاس سونا ہے نہ چاندی، اور نہ کوئی پلاٹ ہے، اور نہ کوئی ذاتی گھر ہے، میں خود دل کامریض ہوں، اور میں ہسپتال پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی جیل روڈ میں زیر علاج ہوں، میرا بیٹا افضل احمد خان ولد عاشق حسین خان بھی دل کامریض ہے، وہ بھی ہسپتال میں زیر علاج ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، میں خود کرایہ کے مکان واقع کچی کھنٹی عارف چوک مالک مکان کا نام نور محمد صاحب ملت چوک روڈ بالتقابل عمر سائنس اکیڈمی اسکول کے سامنے رہائش پذیر ہوں، میرا بیٹا نرسری میں پودے وغیرہ کا کام کرتا ہے، میں خود گورنمنٹ ملازمت میں بحیثیت اکاؤنٹس گلبرگ پی ڈبلیو ڈی بلڈنگ ڈیپارٹمنٹ میکورڈ روڈ لاہور آفس آف دی ایس ای تھرڈ سرکل میکورڈ روڈ لاہور سے جولائی 1981 سے ریٹائرڈ ہوں، میں غریب آدمی ہوں میری شناختی کارڈ کی فوٹو کا پی لف ہے، کیا میں زکوٰۃ لینے کا حق دار ہوں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

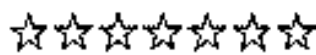
اگر یہ بیان حقیقت پوئی ہے اور آپ سید اور صاحب نصاب نہیں ہیں تو آپ کو زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

”الباب السابع فى المصارف ومنها الفقير وهو من له ادنى شىء وهو ما دون النصاب او قدر نصاب غير نام وهو مستغرق فى الحاجة فلا يخرج عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية اذا كانت مستغرقة بالحاجة كذا فى فتح القدير“..... (فتاوى الهندية: 1/184)

”باب المصارف اى مصرف الزكوة والعشر واما خمس المعدن فمصرفه كالغنائم هو فقير وهو من كان له ادنى شىء اى دون النصاب او قدر نصاب غير نام مستغرق فى الحاجة“..... (درعلى الشامى: 2/63)

”ولا تدفع الى بنى هاشم لقوله عليه السلام يا بنى هاشم ان الله حرم عليكم غسالة الناس و اوساخهم و عوضكم منها بخمس الخمس بخلاف التطوع لان المال هنا كالماء يتدنس باسقاط الفرض اما التطوع بمنزلة التبريد بالماء قال وهم آل على و آل عباس و آل جعفر و آل عقيل و آل الحارث بن عبدالمطلب و مواليهم“..... (الهداية: 1/223)

والله تعالى اعلم بالصواب



کیا سگے بہن بھائیوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

مسئلہ نمبر (۵۱۱): بخدمت جناب مفتیان کرام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ان مسائل کے بارے میں

(۱) زکوٰۃ سگی بہن کو دی جاسکتی ہے کہ نہیں؟

(۲) اور سگے بھائی کو زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) زکوٰۃ کی مقدار کتنی ہے؟

(۴) زکوٰۃ کے مال سے مدرسہ بنواتا جائز ہے کہ نہیں؟

ان مسائل کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں دیں۔

آپ کی عین نوازش ہوگی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۲۱) حقیقی بہن بھائی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ مستحق زکوٰۃ ہوں۔

(۳) زکوٰۃ کی مقدار چالیسواں حصہ ہے جس کو اڑھائی فیصد بھی کہا جاسکتا ہے۔

(۴) تملیک شرعی کے بغیر زکوٰۃ کے مال سے مدرسہ بنوانا جائز نہیں ہے۔

”والأفضل في الزكوة والفطر والندور الصرف اولا الى الاخوة والاحوات ثم الى اولادهم ثم الى الاعمام والعمات ثم الى اولادهم ثم الى الاخوال والخالات ثم الى اولادهم ثم الى ذوى الارحام ثم الى الجيران ثم الى اهل حرفته ثم الى اهل مصره او قرينته“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۹۰)

”ولا يجوز دفع الزكوة الى اولاده واولاد اولاده من قبل الذكور والاناث وان سفلوا ولا الى والديه واجداده وجداته وان علوا من قبل الآباء والامهات ويجوز الى سائر قرابته نحو الاخوة والاحوات والاعمام والعمات والاحوال والخالات ولو دفع الى اخته ولها على زوجها مهر يبلغ نصابا ان كان الزوج مليا مقر الوطيلت لا يمنع عن الاداء لا يجوز صرف زكوته اليها وان كان فقيرا او غنيا الا انه لا يعطى لو طيلت جازا الصرف اليها“..... (خاتمه على الهندية: ۱/۲۶۷)

”وفي العيون رجل يقول اخته او اخاه او عمه او عمته فاراد ان يعطيه الزكوة ان لم يكن فرض عليه القاضى نفقة جازلان التملك من هؤلاء بصفة القرية يتحقق من كل وجه فيتحقق ركن الزكوة“..... (المحيط البرهاني: ۳/۲۱۸)

”تجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم وفي كل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال مضروبا كان او لم يكن مصوغا او غير مصوغ حليا كان للرجال او للنساء تبرا كان او سبيكة“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۷۸)

”يجب في مائتي درهم وعشرين دينارا ربع العشر ولو تبرا او حليا او آنية ثم في كل خمس بحسابه“..... (كنز الدقائق: ۷۳، باب زكوة المال)

”ولوبنی مسجد اہنیۃ الزکوٰۃ لایجوز وکذا الحج والعمرة واعتاق العبد“..... (خانیۃ علی الہندیۃ: ۱/۲۶۸)

”ولایجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطیر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانہار والحج والجهاد وکل مال اتملیک فیہ“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۸۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قرضہ اگر اثاثہ جات سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ لینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۱۲): محترم جناب مفتی صاحب زید مجاہد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرض ہے کہ میں (منصور احمد انصاری) بذریعہ تحریر آپ سے مخاطب ہوں میں آج کل جن حالات سے گزر رہا ہوں جن معاشی مشکلات اور مسائل، پریشانی میں ہوں ان مسائل کو بیان کرنا چاہتا ہوں اور اس کے حل کے سلسلے میں آپ سے دینی رہنمائی چاہتا ہوں۔

عرصہ تین سال پہلے میں نے اپنے ایک عزیز کے ساتھ مل کر ایک کاروبار شروع کیا، ایک کثیر رقم اپنے حلقہ احباب سے حاصل کی گئی اور مختلف پیپر ملوں میں رومی کاغذ کی سپلائی کا کام شروع کیا، جس میں بہت سی رقم ایسے لوگوں کی طرف پھنس گئی جو طاقتور اور بدنیت لوگ تھے، اپنی اسی مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک پیپر مل ٹھیکے پر حاصل کی اور مزید رقم مختلف ذرائع سے حاصل کر کے کام کو چلانے کی کوشش کی، لیکن نفع کی بجائے مجھے مزید نقصان کا سامنا کرنا پڑا، جس کی وجہ سے مل بند ہو گئی، ہم دونوں ایک بڑے قرضے کے بوجھ تلے دب گئے، عرصہ ڈیڑھ سال سے اس قرضے سے نجات کے لیے مسلسل کوششیں کر رہا ہوں، اس سلسلے میں اپنے اثاثہ جات مثلاً زیور، گاڑی، گھر کا سامان فروخت کر کے اس قرض کا کچھ حصہ ادا کر پایا ہوں، لیکن قرض جو میرے ذمے میں واجب الادا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

پارنٹر سے علیحدگی کے بعد میرے ذمہ واجب الادا رقم

11.45.000

(۱) پرویز اشرف صاحب تقریباً

400.000	(۲) ایاز اکرام
39.5000	(۳) محمد قاسم
800.000	(۴) اصغر عالم (بہنوئی)
400.000	(۵) محمد عاشق
100.000	(۶) محمد طارق مفتی (بہنوئی)
100.000	(۷) دیگر متفرق
33.30.000.....	ٹوٹل کل رقم

سر دست ان قرضوں کو ادا کرنے کے لیے میرے پاس نہ کوئی جائیداد ہے اور نہ کوئی زیور یا کوئی اور اثاثہ جسے فروخت کر کے میں یہ قرض ادا کر سکوں، میرے تین بچے ہیں اور والدہ ہیں جن کا میں واحد کفیل ہوں، آج کل کوئی نوکری نہیں ہے، صرف محنت مزدوری کرتا ہوں، پھر بھی گھر کے ماہانہ اخراجات پورے نہیں کر پاتا، جن لوگوں سے میں نے رقم لینی ہے باوجود انتھک کوشش کے میں کامیاب نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ لوگ بدنیت اور طاقتور لوگ ہیں، اب حالات یہ ہیں کہ مندرجہ بالا لوگ جن کا میں مقروض ہوں ان کے حالات بھی بہت زیادہ خراب ہیں، اور وہ لوگ مجھ سے اپنی رقم کا مطالبہ کر رہے ہیں، کچھ مختیر حضرات جو میرے حالات سے واقف ہیں انہوں نے زکوٰۃ کی رقم سے میری کچھ مدد کے لیے کہا ہے، اس تحریر کے ذریعہ آپ سے مجھے دینی رہنمائی چاہئے آیا کہ میں ان کی تجویز کے مطابق زکوٰۃ کی رقم لے کر اپنا قرضہ ادا کر سکتا ہوں؟ میری رہنمائی فرمائیں۔

مندرجہ بالا افراد بھی میرے حالات سے آگاہ ہیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر واقعی آپ مقروض ہیں اور کوئی اثاثہ جات نہیں ہیں یا اگر ہیں تو بھی قرضہ زیادہ ہے اور آپ سید بھی نہیں ہے تو آپ کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

”ومتها الغارم وهو من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه او كان له مال على الناس لا يمكنه اخذه كذا في التبيين والدفع الى من عليه دين اولي من الدفع الى الفقير كذا في المضمرة“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۸)

”قوله والمديون اطلقه كالقديوري وقيدته في الكافي بان لا يملك نصابا فاضلا عن دينه لانه المراد بالغارم في الآية وهو في اللغة من عليه دين ولا يجد

قضاء كما ذكره القتيبي وانما لم يقيد المصنف لان الفقر شرط في الاصناف
كلها الا العامل وابن السبيل اذا كان له في وطنه مال بمنزلة الفقير وفي
الفتاوى الظهيرية والدفع الى من عليه الدين اولى من الدفع الى الفقير“
..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۲)

”ولا تدفع الى بنى هاشم لقوله عليه السلام يا بنى هاشم ان الله تعالى حرم
عليكم غسالة الناس واوساخهم“..... (الهداية: ۱/۲۲۳)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتب اور رسائل کی طباعت کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۱۳): کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں

کیا زکوٰۃ کی رقم دینی کتب کی طباعت اور رسائل و جرائد، جن میں امت کے مسائل اور مفاد کے بارے میں
مضامین شامل ہوں، پر خرچ ہو سکتی ہے؟

کیا یہ رقم مفاد عامہ یعنی میڈیکل کیمپوں اور دیگر ایسے ہی کاموں پر خرچ کی جاسکتی ہے؟ واضح رہے کہ زکوٰۃ
کی رقم براہ راست انہیں کاموں پر خرچ کرنا ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ کی رقم سوال میں ذکر کردہ امور پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کسی ایسے
مسلمان زندہ آدمی کو دینا ضروری ہے جو مستحق زکوٰۃ ہو۔

”ويشترط ان يكون الصرف تمليكا لا اباحة كما مر اي هي لغة الطهارة والنماء
وشرعا تمليك خرج الاباحة فلواطعم يتيما ناويا الزكوة لا يجزيه ولا يصرف
الى بناء نحو مسجد قوله مسجد كبناء القناطير والسقايات واصلاح الطرقات
وكرى الانهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه زيلعي“..... (فتاوى
شامی: ۲/۶۸)

”وفي تجنيس خواهر زاده ولا يجوز الزكوة الا قبض الفقراء او قبض من

يكون قبضه قبضا لهم..... ولا تصرف في بناء مسجد وقنطرة وفي شرح الطحاوي ورباط وفي شرح المتفق ولا يبنى بهاقبر ولا يقضى بهادين ميت ولا يعق عبدا ولا يكفن ميتا والحيلة لمن اراد ذلك ان يتصدق بنوى الزكوة على فقير ثم يامر به بعد ذلك بالصرف الى هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب هذا الصرف “.....(فتاوى التاتارخانية: ٢٠٥، ٢٠٣، ٢٠٢/٢)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کسی کو شادی کے لیے زکوٰۃ کے پیسے دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۱۳): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری والدہ کے کزن کی شادی ہے، ان کے گھر میں سب کچھ ہے ان کا ابو کام نہیں کرتا، ان کو شادی کے لیے پیسے چاہئیں، کیا ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر وہ کزن مسکین اور مستحق ہے تو اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے ورنہ نہیں۔

”ويجوز صرف الزكوة الى من لا يحل له السؤال اذالم يملك نصابا“.....(فتاوى خانية على الهندية: ٢٦٥/١)

”المصارف منها الفقير وهو من له ادنى شيء وهو مادون النصاب او قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرج عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية اذا كانت مستغرقة بالحاجة“.....(فتاوى الهندية: ١٨٤/١)

”لابأس بان يعطى من الزكوة من له مسكن ومايتأث به في منزله وخادم وفرس وسلاح وثياب البدن وكتب العلم..... عن اصحاب رسول الله وهذا لان هذه الاشياء من حوائج اللازمة التي لا بد للانسان منها فكان وجودها وعدمها سواء“.....(بدائع الصنائع: ١٥٨، ١٥٩/١)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مریض کو اخراجات کی مد میں زکوٰۃ دینا:

مسئلہ نمبر (۵۱۵): حضرات مفتیان کرام مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزارش ہے کہ درج ذیل مسائل کے جوابات عنایت فرمائیں۔

بعض مستحق زکوٰۃ مریض اپنا علاج معالجہ ہسپتال سے کراتے ہیں، اس کے جو اخراجات ہوئے وہ ہسپتال والے مریض کو اپنی زکوٰۃ کے حساب میں سے اتنی رقم ہاتھ میں دے کر کہتے ہیں کہ یہ اخراجات کے حساب میں جمع کرادو، بعض مریض ہسپتال میں واپس جمع کرانے میں بھی ہچکچاہٹ یا بخل سے کام لے کر وہ رقم بھی لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، ایسی صورت میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

زکوٰۃ کے مستحق مریضوں کو ہسپتال میں داخلے کی صورت میں بغیر ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے زکوٰۃ کی رقم ان پر کیسے خرچ کی جائے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں مستحق زکوٰۃ مریض کو زکوٰۃ کا مالک بنا نا ضروری ہے اور اختیار دے دیا جائے اس کے بعد فیس وغیرہ میں ان سے واپس لے سکتے ہیں۔

”وَأَتُوا الزَّكَاةَ وَالْإِيْتَاءَ هُوَ التَّمْلِيكُ“..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۴۲)

مدیر اس مسئلہ کی یہ ہے کہ آپ مستحق زکوٰۃ کو رقم بطور قرض دیں مریض اس قرض سے آپ کی فیس ادا کر دے پھر آپ زکوٰۃ کی نیت سے ان کو زکوٰۃ کی رقم دیں اس کے بعد آپ زکوٰۃ کی رقم اپنے قرض کے بدلہ میں واپس لے لیں۔

”وَمَنْ لِهٖ عَلَى فَقِيرٍ دِينَ أَرَادَ جَعْلَهُ عِن زَكَاةِ الْعَيْنِ فَالْحِيلَةُ أَنْ يَتَصَدَّقَ عَلَيْهِ ثُمَّ

يَأْخُذُهُ مِنْهُ عَنِ دِينِهِ وَهُوَ الْفَضْلُ مِنْ غَيْرِهِ وَلَوْ أَمْتَعَ الْمَدْيُونُ مِنْ دَفْعِهِ لَهُ مَدِيدَهُ

وَيَأْخُذُهُ مِنْهُ لِكُونِهِ ظَفَرٍ بَحْسٍ حَقَّهُ“..... (الاشباه والنظائر: ۱/۳۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

قربانی کی کمال کی قیمت کا مصرف:

مسئلہ نمبر (۵۱۶): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چرم قربانی کی قیمت کا مصرف کیا ہے؟

کیا اس قیمت سے دینی کتابیں خرید سکتے ہیں عام استعمال کے لیے یا مسجد کی لائبریری کے لیے، کیا اس رقم کو راستہ عام بنانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

قربانی کی قیمت سے راستہ بنانا یا مسجد کی لائبریری کے لیے کتابیں خریدنا شرعاً درست نہیں ہے، بلکہ مساکین کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے۔

”ولو باع الجلد او اللحم بالدر اھم او بما لا ینتفع به الا بعد الاستھلاک تصدق

بشمنه لان القربة انتقلت الی بدله“..... (ھدایہ: ۲/۳۵۱)

”فان بیع اللحم او الجلد به ای بمستھلک او بدر اھم تصدق بشمنه ومفاده

صحة البیع مع الکراهة وعن الثانی باطل لانه کالوقف مجتبی“..... (الدر علی

ھامش الشامی: ۵/۲۳۱)

”و شرط صحة ادائها مقارنة له ای لاداء ولو كانت المقارنة

حکما کمالودفع بلانية ثم نوى والمال قائم فی ید الفقیر او نوى عند الدفع

الوکیل بلانية“..... (الدر علی الشامی: ۲/۱۲، ۱۱)

”فان بیع اللحم او الجلد به ای بمستھلک او بدر اھم (قوله تصدق بشمنه) ای

وبالدر اھم فیما لو ابدله بها قوله ومفاده صحة البیع هو قول ابی حنیفة

ومحمد رحمہما اللہ تعالی بدائع لقیام الملك والقدرة علی التسليم“

..... (فتاویٰ شامی: ۵/۲۳۱)

”ولا یشتری به ما لا ینتفع به الا بعد الاستھلاک نحو اللحم والطعام ولا یبیعه

بالدر اھم لینفق الدر اھم علی نفسه وعیاله واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح

حتى لا یبیعه بما لا ینتفع به الا بعد الاستھلاک ولو باعدها بالدر اھم لیتصدق

بھاجاز لانه قربة کالتصدق کذافی التبیین وھکذا فی الھدایة

والکافی“..... (فتاویٰ الھندیة: ۵/۳۰۱)

”ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة

عن الملك كل وجه الله تعالى لقوله تعالى وآتوا الزكاة والایفاء هو التملیک
ومرادہ تملیک جزء من ماله وهو ربع العشر او ما يقوم مقامه وانما كانت اسما
للفعل عند المحققين وهو الاصح.....(البحر الرائق: ۲/۳۵۲)
”وتعاونوا على البر..... ان المراد بالبر متابعة الامر مطلقا وبالتقوى اجتناب
الھوى..... (ولتعاونوا على الاثم والعدوان) فيعم النهی كل ما هو من مقولة
الظلم والمعاصی ويندرج فيه النهی عن التعاون على الاعتداء والانتقام وعن
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وابی العالیۃ انہما فسرا الاثم بترك
ما امرهم به وارتكاب ما نهاهم..... واتقوا اللہ امر بالانقضاء فی جمیع الامور“
.....(روح المعانی: ۲/۵۶)
”لا يجوز ان ينسب بالزکوة المسجد وكذا القناطر وكل ما لا تملیک فيه“
.....(فتاویٰ الھندیۃ: ۱/۱۸۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کلینک یا ہسپتال کی تعمیر میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۱۷): حضرات مفتیان کرام مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزارش ہے کہ درج ذیل مسائل کے جوابات عنایت فرمائیں۔

زکوٰۃ کا حساب کرنے کی جو مقررہ تاریخ ہے اس سے پہلے ہی کچھ رقم سے کلینک یا ہسپتال میں تعمیر یا فرنیچر
یا آلات وغیرہ پر رقم خرچ کر دی گئی یا اس کے آرڈر دے دیے گئے تو اس رقم پر زکوٰۃ کس طرح دی جائے گی؟ جبکہ زکوٰۃ
کی مقررہ تاریخ تک اس رقم کی ادائیگی نہیں کی گئی ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) جو مال مقررہ تاریخ سے پہلے خرچ کر دیا گیا اس مال کی زکوٰۃ نہیں دی جائے گی، کیونکہ زکوٰۃ اس مال پر ہوگی
جو سال گزرنے پر اس کے پاس موجود ہے اور بقدر نصاب ہے۔

”ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد واما اذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض او وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لا تجب فيه الزكوة كذافي السراج الوهاج“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۷۲)

(۲) اور دوسری صورت میں جو رقم خرچ کرنے کا آرڈر دیا ہے لیکن مال اس کی ملک اور قبضے میں ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور مقررہ تاریخ پر اس کا بھی حساب کیا جائے گا۔

”ومنها الملك المطلق وهو ان يكون مملوكا له رقبة ويذا وهذا قول اصحابنا الثلاثة“..... (بدائع الصنائع: ۲/۸۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جس مریض کے لیے زکوٰۃ لی اگر وہ مر جائے تو زکوٰۃ کے پیسوں کا کیا کیا جائے؟

مسئلہ نمبر (۵۱۸): کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کا بیٹا بیمار ہوا، اس کے علاج کے لیے ڈاکٹروں نے ۵ لاکھ روپے ایڈوانس طلب کیے، اور اس کے علاوہ ہسپتال میں آنے جانے کا خرچہ، وہاں ٹھہرنے کا خرچہ ۵ لاکھ سے علاوہ تھا، آدمی کے پاس اس وقت ۲ لاکھ روپے موجود تھے لیکن وہ نا کافی تھے، مجبوراً اس شخص نے اپنے بیٹے کا علاج کروانے کے لیے دوست احباب سے اپیل کی، دوست احباب نے بھرپور تعاون کیا جو تقریباً دو لاکھ چھیاسٹھ ہزار جمع ہو گئے، سابقہ اپنے پیسے اور جمع شدہ چار لاکھ چھیاسٹھ ہزار ہو گئے، اب مسئلہ یہ ہے کہ جب پیسے جمع ہو گئے تو بچہ کا علاج کروانے کے لیے جانے کا پروگرام بنایا تو اس آدمی کا بیٹا رضائے الہی سے فوت ہو گیا۔

اب وہ پیسے جو دوست احباب سے اکٹھے کیے ہیں ان کا کیا کرنا چاہیے؟ ان حضرات میں سے کسی نے زکوٰۃ دی، کسی نے عطیہ دیا، کسی نے صدقہ دیا، اب اس رقم کو ان دوست احباب کو واپس کر دینا چاہیے یا میں اپنے کسی کاروبار میں استعمال کر سکتا ہوں؟ یا کسی نیکی پر خرچ کروں؟

برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دے کر شکر یہ کاموقع دیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) صورت مذکورہ میں اگر یہ صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ اس بچے کو دیے تھے یا باپ نے بچے کے لیے قبضہ کیے تھے

توان صدقات اور زکوٰۃ کو واپس نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ بچہ صاحب نصاب نہیں ہے اس لیے صدقات واجبہ اور زکوٰۃ وغیرہ بچے کو دینا صحیح ہے۔

(۲) اور اگر یہ صدقات واجبہ اور زکوٰۃ وغیرہ بچے کے والد کو دیے ہیں تو یہ صدقات واجبہ اور زکوٰۃ وغیرہ واپس کرنا ضروری ہے کیونکہ بچے کا والد صاحب نصاب ہے اور صاحب نصاب کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ دینا جائز نہیں ہے، ہاں اگر صدقات اور عطیات اور ہبہ وغیرہ ہوں تو صاحب نصاب کو بھی دینا جائز ہے ان کا واپس کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

(۱) ”الموہوب له ان كان من اهل القبض فحق القبض اليه وان كان الموہوب له صغيرا او مجنونا فحق القبض الى وليه ووليہ ابوہ او وصی ابیہ ثم جدہ ثم وصی وصیہ ثم القاضی ومن نصبه القاضی سواء كان الصغير في عیال واحدهم اولم یکن کذا فی شرح الطحاوی“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۳/۳۹۳)

”اذا دفع الزکاة الى الفقیر لایتم الدفع مالم یقبضها او یقبضها للفقیر من لا ولاية علیہ نحو الاب والوصی یقبضان للصبی والمجنون کذا فی الخلاصۃ“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۹۰)

(۲) ”لایجوز صرف الزکوٰۃ الى الغنی و لایجوز صرف جمیع الصدقات المفروضۃ والواجبۃ الیہ کالعشور والكفارات والنذور و صدقة الفطر لعموم قوله تعالیٰ انما الصدقات للفقراء واما صدقة التطوع فیجوز صرفها الى الغنی لانها تجری مجری الهبة“..... (بدائع الصنائع: ۴/۱۵۷)

”واما بقیۃ الصدقات المفروضۃ والواجبۃ کالعشور والكفارات والنذور و صدقة الفطر فلا یجوز صرفها للغنی لعموم قوله علیہ الصلوٰۃ والسلام لاتحل صدقة للغنی“..... (البحر الرائق: ۲/۲۳۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کیا طالب علم کی فیس زکوٰۃ کے پیسوں سے ادا کی جاسکتی ہے؟

مسئلہ نمبر (۵۱۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ یا قربانی کی کھالوں کی رقم میں سے طالب علموں کی مدد کی جاسکتی ہے؟ فیسوں کے اعتبار سے، جب کہ یہ طالب علم ایک ایسے ادارہ میں زیر تعلیم ہیں جو کہ خالصتاً مسجد کا ادارہ ہے، اور اس ادارہ میں دین و دنیا دونوں کی تعلیم دی جاتی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ کی رقم نادار طالب علم کو دی جاسکتی ہے، خواہ وہ دینی تعلیم حاصل کر رہا ہو یا معاشی، زکوٰۃ کی رقم اس کو بصورت تملیک دینا شرط ہے، براہ راست فیس میں جمع کروانا درست نہیں ہے۔

”ویجوز دفعها الی من یملک اقل من النصاب وان کان صحیحاً مکتسباً“
..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۸۹)

”ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحۃ“..... (در مختار علی هامش
رد المحتار: ۲/۶۸)

البتہ قضیات اور ثواب کے اعتبار سے دینی طلبہ کو دینا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے اور حدیث میں طلبہ علم کا مصداق دینی طلبہ ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی رقم کسی حادثاتی مریض پر خرچ کرنا:

مسئلہ نمبر (۵۲۰): حضرات مفتیان کرام مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزارش ہے کہ درج ذیل مسائل کے جوابات عنایت فرمائیں۔

(وہ رقم جو زکوٰۃ کا حساب کرنے کی مقررہ تاریخ سے قبل نکال لی گئی ہو) ایسی رقم کو کیا کسی حادثاتی مریض پر جو کہ بے ہوش پڑا ہے خرچ کیا جاسکتا ہے؟ یا اس رقم سے جو دوائیں خریدی گئی ہیں کیا وہ اس مریض پر استعمال کرائی جاسکتی ہیں؟ کبھی مریض کی حالت خطرناک ہونے کی وجہ سے فوری طور پر ان دواؤں کو استعمال کر لیا، اور پھر اتنی رقم کی دوائیں خرید کر واپس زکوٰۃ کی رقم سے خریدی گئی دواؤں میں رکھ دی جائیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

یہ رقم ان مذکورہ بالا صورتوں میں استعمال کرنا جائز ہے، البتہ اگر اس میں اداء زکوٰۃ کی نیت نہ کی گئی بلکہ محض امداد و اعطاء ہی کی نیت تھی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور مقررہ تاریخ کو دوبارہ باقی مال سے زکوٰۃ دینا ضروری ہوگی۔

”لو وجبت الزکوٰۃ فی مائتی درہم فادى خمسة ونوى ذلك تطوعا سقطت

عنه زکوٰۃ الخمس وهى ثمن درہم ولا تسقط عنه زكاة الباقى“

..... (البحر الرائق: ۲/۳۷۰)

زکوٰۃ کی رقم سے خریدی گئی دواؤں کو جس مریض پر استعمال کیا گیا ہے اگر وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے تو زکوٰۃ ادا ہو گئی ہے اور اپنے مصرف میں ہی خرچ ہوئی ہے، اور اگر زکوٰۃ غیر مصرف میں بغیر تحقیق ہی کے دی گئی تو دوبارہ ادا کرنا ہوگی۔

”حتى لو دفع بلا محر لم يجزان اخطا“..... (در علی الرد: ۲/۷۴)

بشرطیکہ اس کی جانب سے کسی ولی نے قبضہ کر لیا ہو، کیونکہ زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے، اگر مریض خود نہ کرے

تو اس کے ولی کا قبضہ کرنا ضروری ہوگا۔

”و كذا لو دفع الزکوٰۃ ماله الى صبي فقير او مجنون فقير وقبض له وليه ابوہ

او جدہ او وصيهما جاز“..... (بدائع الصنائع: ۲/۱۴۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

بیمار مقروض کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۸): حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

نہایت ادب سے گزارش ہے کہ میں دو سال سے کالے ریقان کا مریض ہوں، اور مجھے بلڈ پریشر ہائی اور بلڈ شوگر بھی ہے، میرا کوئی ذریعہ آمدن نہیں ہے جس سے میں اپنا علاج کروا سکوں، میری بہن جو کہ میرے سر پر ہیں انہیں بھی بلڈ پریشر ہے اور وہ دل کی مریضہ ہیں، میری چار بیٹیاں اور دو بیٹے ہیں، دونوں بیٹے مہینہ کا چار ہزار کے قریب کماتے ہیں جس میں وہ گھر کے بل اور گھر کے بیماروں کے اخراجات بمشکل پورے ہوتے ہیں، میری دوائی تو بہت دور کی بات ہے، اور میرا جو علاج ہے وہ تو ہے ہی اتنا مہنگا نوے ہزار کا، ٹیکوں کا مکمل کورس ہے، اس کے علاوہ دوائیاں علیحدہ ہیں، میری بڑی بیٹی جو کہ ایک سکول ٹیچر ہے اس کی تنخواہ سات سو روپے ہے اس میں وہ بڑی مشکل سے

اپنی تینوں بہنوں کی فیس ادا کرتی ہے، میرا اپنا ذاتی گھر بھی نہیں ہے، میرے بھائی کا گھر ہے جس میں مجھے ایک کمرہ دیا ہوا ہے میں اس کمرے میں رہتا ہوں اور گزر بسر کرتا ہوں، سونا چاندی تو بہت دور کی بات ہے، میں اگر کسی سے سوال کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ تم اتنے جوان ہو تم کام نہیں کر سکتے ہو؟ کسی کو کیا معلوم ہے کہ میرے اندر کتنی تکلیفیں ہیں، یہ تو میں جانتا ہوں اور ڈاکٹر جانتے ہیں، میرے سے تو اب چلا بھی نہیں جاتا، میں تیس ہزار روپے کا مقروض بھی ہوں، میں پہلے pdh کا ملازم تھا تقریباً 25 سال کام کیا ہے، جب کام چھوٹ گیا تو میں نے سائیکل پر سودا بیچنا شروع کر دیا، اور اب میں اگر کہیں سے ادھار مانگتا ہوں تو وہ بھی انکار کر دیتے ہیں کہ پہلے پیسے تو دیے نہیں جاتے یہ کہاں سے دو گے؟ اگر کہیں میں آگے چلتا ہوں تو وہ سود کی بات کرتے ہیں کہ پہلے کوئی چیز رکھو ادھر لے لینا، میرے پاس تو کوئی چیز بھی نہیں جو میں رکھو اسکو، میری مہینے کی دوائی ہی آٹھ نو سو کی آتی ہے، اگر اس کے ساتھ ٹیکے بھی لگیں تو پندرہ سولہ سو روپے بنتے ہیں، اور میرے پاس سروں کی مکمل رپورٹ موجود ہے، اس کے علاوہ بیت المال سے آدھے ٹیکوں کا جو کورس ہوا تھا وہ بھی رپورٹ ہے، لیکن وہ کورس مکمل نہ ہونے کی صورت میں ضائع ہو گیا ہے، ڈاکٹر اظہار صاحب جو کہ گلبرگ میں ہیں وہ بھی میرے لیے کوشش کر رہے ہیں، ان کے پاس دو مہینے کے ٹیکوں کے پیسے جمع ہوتے ہیں، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ کو یہ ٹیکے لگنے سے پچاس فیصد تک آرام آ سکتا ہے، اب مجھے اس بات کا جواب دیں کہ میں زکوٰۃ کا حق دار ہوں یا نہیں؟ اور اگر ہوں تو کہاں تک لے سکتا ہوں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال آپ مستحق زکوٰۃ ہیں اور آپ زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔

” (هم الفقير) هو من له مال دون النصاب والمسكين هو من لاشيء له
..... والغارم من لزمه دين ولا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه “..... (درر الاحكام :
1/188)

” منها الفقير وهو من له ادنى شيء وهو ما دون النصاب او قدر نصاب غير تام
وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرج منه عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية
اذا كانت مستغرقة بالحاجة كذافي فتح القدير “..... (فتاوى الهندية :
1/186)

والله تعالى اعلم بالصواب

صاحب نصاب طالب علم کو فدیہ کی رقم دینا:

مسئلہ نمبر (۵۲۲): بخدمت حضرت اقدس مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مسئلہ درپیش ہے جس کا جواب تحریر فرما کر تشریح فرمادیں۔

اگر کوئی صاحب نماز یا روزہ کے فدیہ کی رقم کسی ایسے طالب علم کو دے جو کہ دینی مدرسہ میں زیر تعلیم ہو مگر وہ صاحب نصاب ہو (یعنی زکوٰۃ دیتا ہو) مگر فی الحال وہ مدرسہ میں زیر تعلیم ہے، کیا ایسے طالب علم کو فدیہ کی رقم دینا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب باسم الملك الوهاب

غنی طالب علم کو فدیہ نماز و صدقۃ الفطر دینا ناجائز ہے، بعض فقہاء کرام نے غنی طالب علم کو دینا جائز لکھا ہے، لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے ان پر رد لکھا ہے۔

”فی الدر المختار، وبهذا التعلیل یقوی مانسب للواقعات من ان طالب العلم یجوز له اخذ الزکوٰۃ ولو غنیا اذا فرغ نفسه لافادة العلم واستقامة لعجزه عن الکسب والحاجة داعية الى ما لا بد منه قال الشامی تحت قوله والحاجة داعية..... وهذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم يعتمد احد قلت وهو كذلك والوجه تقييده بالفقير“..... (فتاویٰ شامی: ۲/۲۵)

”ولا يجوز دفع الزکوٰۃ الى من يملك نصابا ای مال كان دنانیر او دراهم او سوائم او عروضاً للتجارة اولغير التجارة فاضلا عن حاجته فی جميع السنة هكذا فی الزاهدی“..... (فتاویٰ الہندیة: ۱/۱۸۹)

”وغنی یملك نصابا ای لا يجوز الدفع له لحديث معاذ المشهور خذها من اغنيانهم وردها فی فقرائهم اطلقه فشمّل النصاب النامی السالم من اللدین الفاضل عن الحوائج الاصلية الموجب لكل واجب مالی“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

بچوں سے فیس لینے والے ادارے کا زکوٰۃ وصول کرنا:

مسئلہ نمبر (۵۲۳): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک دینی ادارہ ہے، اور جو کہ وہ مکمل ٹرسٹ ہے، جس میں ہر طرح کا حساب رکھا جاتا ہے، اور اس کا ہر سال گورنمنٹ سے آڈٹ بھی کروایا جاتا ہے، ادارہ کا تمام سلسلہ فیسوں پر ہے، فیسوں کی نوعیت بچے کی استعداد پر ہوتی ہے، مستحق اور یتیم بچے بالکل فری پڑھتے ہیں، اور ان کی کتب یونیفارم کا انتظام بھی ادارہ کرتا ہے، ادارہ کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ کی سر بلندی اور اپنی نئی نسل کے سینوں میں دین متین کی صحیح روح کو پہنچانا ہے، یہ ادارہ غیر تجارتی بنیادوں پر کام کر رہا ہے، الحمد للہ اس ادارے کی سرپرستی مشائخ عظام اور وقت کے جید علماء کرام فرما رہے ہیں، اور ان کی مشاورت سے یہ تمام امور چلا رہا ہے، ادارہ کی تمام بلڈنگیں کرایہ پر ہیں، ادارہ کو زکوٰۃ کی مد میں ملنے والی رقم اپنے بالغ طلباء کے ذریعہ سے تملیک کروا کر ادارہ اپنے مصرف پر خرچ کرتا ہے، ادارہ میں دینی و دنیاوی دونوں تعلیم دی جاتی ہے، مذکورہ بالا طریقے سے تملیک کرانا صحیح ہے کہ نہیں؟ براہ کرم تملیک کے بارے میں مکمل شریعت مطہرہ کی رو سے رہنمائی فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ کے لیے صرف بالغ اور طالب علم ہونا کافی نہیں ہے بلکہ مستحق زکوٰۃ ہونا شرط ہے، کیونکہ زکوٰۃ کا روپیہ مالدار اور سید کو دینا جائز نہیں ہے، نیز واضح ہو کہ حیلہ تملیک تو بہت مجبوری میں اختیار کیا جاتا ہے کہ دینی مدارس چلانے کے لیے اور ذرائع نہیں ہوتے اس لیے حیلہ تملیک اختیار کیا جاتا ہے، اور آپ کا ادارہ جب اپنا نظام چلانے کے لیے طلباء سے فیس وصول کرتا ہے تو اس کو زکوٰۃ کی رقم حیلہ تملیک کے ذریعہ سے استعمال کرنا درست نہیں ہے، بلکہ وصول ہی نہ کرے، البتہ اگر واقعی مستحق طلبہ پر خرچ کرے تو وصول کرنا درست ہے۔

”منها الفقير وهو من له ادنى شيء وهو مادون النصاب او قدر نصاب غير نام
وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرج منه عن الفقر ملك نصب كثير غير نامية
اذا كانت مستغرقة بالحاجة كذافي فتح القدير“..... (فتاوى الهندية :
۱/۱۸۷)

”اما تفسيرها فهي تملك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاہ بشرط
قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى هذا في الشرع كذافي
التبيين“..... (فتاوى الهندية : ۱/۱۷۰)

”ویجوز دفعها الی من یملک اقل من النصاب وان کان صحیحاً مکتسباً“.....

(فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۸۹)

”هو الفقیر والمسکین وهو اسوء حالا من الفقیر ای المصرف الفقیر

والمسکین والمسکین ادنی حالا و فرق بینہما فی الہدایۃ وغیرہا بان الفقیر

من له ادنی شیء والمسکین من لاشیء له“..... (البحر الرائق: ۲/۳۱۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جس مدرسہ میں غریب طالب پڑھتے ہوں اس میں عشر دینا:

مسئلہ نمبر (۵۲۳): کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دینی مدرسہ جس میں طالب علم پڑھتے

ہوں اور رہائش بھی مدرسہ میں رکھتے ہوں اور طالب علموں کی اکثریت غریب بچوں کی ہو، اور کچھ لڑکوں کے والدین

درمیانے درجے کے ہوں، دیہاتی ماحول ہو جہاں پر مدرسوں کی امداد کم کی جاتی ہو، ایسے مدرسے کو اناج کا عشر

دیا جانا جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم مسئلہ کی وضاحت فرمادیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں مدرسہ کو اناج کا عشر دینا جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔

”ومنہافی سبیل اللہ وهو اختیار منہ لقول ابی یوسف وعند محمد منقطع

الحاج وقیل طلبۃ العلم“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۲)

”ومنہافی سبیل اللہ وهم منقطعوا الغزاة الفقراء منهم عند ابی یوسف

وعند محمد منقطعوا الحاج الفقراء منهم“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۸۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

امامت و خطابت کے بعض صدقات واجہر دینا:

مسئلہ نمبر (۵۲۵): حضرات علماء کرام و مفتیان عظام دین عالیہ و حقہ سے مندرجہ ذیل مسائل کی صحیح تحقیق انتہائی ادب

کے ساتھ سائل معلوم کرنا چاہتا ہے کہ

(۱) زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قربانی کی کھال یا اس کھال کی قیمت اور دیگر واجبات و نذرانات امام و خطیب مسجد کو بعض امامت و خطابت دینا از روئے شریعت مطہرہ جائز ہے یا نہیں؟
اگر دینا جائز نہیں تو پھر خود امام و خطیب مسجد اور ان کے اہل و عیال کا نان نفقہ اور اخراجات ضروریہ کا بوجھ کس پر لازم اور واجب ہے؟ تاکہ وہ اطمینان قلب کے ساتھ دین عالیہ و حقہ کی خدمت بصورت امامت و خطابت سرانجام دے سکے۔

(۲) امامت و خطابت مسجد بعض تنخواہ از روئے شریعت مطہرہ جائز ہے یا نہیں؟
اگر جائز ہے تو آج کل اس مہنگے دور میں امام و خطیب مسجد کی تنخواہ کا کم از کم معیار کیا ہونا چاہیے؟ جس سے وہ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا نان نفقہ اور اخراجات ضروریہ پورے کر سکے، اور اس کے بارے میں پریشان و سرگرواں نہ ہو، اور قلب فارغ کے ساتھ دین عالیہ و حقہ کی خدمت بشکل امامت و خطابت کر سکے، اور اس تنخواہ کے حصول کی کیا صورت ہونی چاہیے؟

(۳) اگر امام و خطیب مسجد صاحب نصاب نہ ہو بلکہ مسکین غریب اور فقیر ہو تو پھر ایسے امام و خطیب مسجد کو زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قربانی کی کھال یا اس قربانی کی کھال کی قیمت اور ایسے ہی دیگر واجبات و نذرانات کا دینا از روئے شریعت مطہرہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

(۱) زکوٰۃ، فطرانہ، نذر، قربانی کی کھال کی قیمت کا مصرف فقراء اور مساکین ہیں اور مذکورہ رقوم بلا عوض فقیر مستحق زکوٰۃ شخص کو مالک و قابض بنا کر دینا شرعاً لازم ہے، لہذا زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ امامت و خطابت کے عوض مشاہرہ میں امام صاحب کو دینا شرعاً جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوں گے، البتہ اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہے تو مندرجہ اشیاء سے اس کی امداد کی جاسکتی ہے (بدائع الصنائع) امام صاحب کا معقول معاوضہ حق الخدمت مسجد انتظامیہ کے ذمہ لازم ہے۔

(۲) متاخرین فقہاء کے فتویٰ کے مطابق امام کے لیے حق الخدمت لینا جائز ہے، اور امام و خطیب کا مشاہرہ اتنا معقول ہونا چاہیے کہ وہ سکون سے اپنی زندگی گزار سکے۔

(۳) اگر امام صاحب فقیر، مستحق زکوٰۃ ہو تو پھر اسے زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ بلا عوض مالک بنا کر دینا جائز ہے، لیکن تنخواہ میں دینا پھر بھی جائز نہیں ہے۔

”مصرف الزکوة والعشر..... هو فقير وهو من له ادنى شيء اى دون نصاب او قدر نصاب غير نام مستغرق فى الحاجة ومسكين من لاشيء له على المذهب“.....(در مختار: ۱/۱۳۰)

”تمليك جزء مال عينه الشارع عن مسلم فقير غير هاشمى ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه“.....(در مختار: ۱/۱۲۹)

”ولو دفعها المعلم لخليفته ان كان بحيث يعمل له لو لم يعطه صح والا لا قوله والا لا اى لان المدفوع يكون بمنزلة العوض“.....(در مع الرد: ۲/۷۷)

”ولو نوى الزکوة بما يدفع المعلم الى الخليفة ولم يستاجر به ان كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان ايضا اجزاه والا فلا“.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۹۰)

”ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، قال فى الهداية وبعض مشايخنا رحمهم الله استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني فى الامور الدينية فى الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى اه وقد اقتصر على استثناء تعليم القرآن ايضا فى متن الكنز و متن مواهب الرحمن وكثير من الكتب وزاد فى مختصر الوقاية و متن الاصلاح تعليم الفقه وزاد فى متن المجمع الامامة ومثله فى متن الملتقى ودرر البحار وزاد بعضهم الاذان والاقامة والوعظ وذكره المصنف معظمها ولكن الذى فى اكثر الكتب الاقتصار على ما فى الهداية فهذا مجموع ما فتى به المتأخرون من مشايخنا“.....(رد المحتار: ۵/۳۸)

”ويشترط ان يكون الصرف تملكه كالا باحة كما امر لا يصرف الى بناء نحو مسجد“.....(در على الرد: ۲/۶۸)

”ومنها ان يؤذن محتسبا ولا ياخذ على الاذان والاقامة اجرا ولا يحل له اخذ الاجرة على ذلك لانه استئجار على الطاعة وذا لا يجوز لان الانسان فى تحصيل الطاعة عامل لنفسه فلا يجوز له اخذ الاجرة عليه وعند الشافعى يحل

له ان ياخذ على ذلك اجرا وهي من مسائل كتاب الاجارات وفي الباب
حديث خاص وهو ما روى عن عثمان بن ابي العاص رضى الله عنه انه قال
آخر ما عهد الى رسول الله ﷺ ان اصلى بالقوم صلاة اضعفهم وان اتخذ
مؤذنا لا ياخذ عليه اجرا وان علم القوم حاجته فاعطوه شيئا من غير شرط
فهو حسن لانه من باب البر والصدقة والمجازاة على احسانه بمكانهم وكل
ذلك حسن..... (بدائع الصنائع: ٤٦، ٤٥، ١/٣)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جس شخص کو کاروبار میں نقصان ہو گیا ہو اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۲۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نوید اکبر ولد محمد اکبر ایک پرائیویٹ
ادارے میں ملازم ہوں، یہ ادارہ شیئرز کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہے، اسی ادارے کی وساطت سے میں نے بھی
شیئرز کی خرید و فروخت کا کام کیا، جس میں مجھے میری اوقات سے زیادہ نقصان ہو گیا، اب ادارے کے مالکان مجھ سے
رقم کا مطالبہ کر رہے ہیں، اور گندی گالیاں، مار پیٹ تک آگئے ہیں اور جان سے مار دینے کی دھمکی دیتے ہیں، مجھے
ڈر ہے کہ وہ یہ سب کچھ کر گزریں گے، میں ایک سفید پوش آدمی ہوں، میری ناتو کوئی جائیداد ہے اور نہ ہی میرے
گھر میں کوئی زیور ہے، بس تنخواہ پر گزارا ہے، اور میں آج کل کرایے کے مکان میں رہ رہا ہوں، میری پانچ بیٹیاں ہیں
اور بیوی ہے۔

مجھے صرف یہ پوچھنا ہے کہ کیا ان حالات کے اندر میں زکوٰۃ کا حق دار ہوں یا نہیں؟ جسے لے کر میں اپنی
عزت اور اپنی جان بچا سکوں؟ حاصل یہ کہ مجھ پر ساڑھے چھ، سات لاکھ کا قرضہ ہے، اور میرے پاس روزمرہ کی
ضرورت کے علاوہ کوئی کیش، کوئی جائیداد بھی نہیں ہے۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر سوال میں ذکر کردہ تحریر حقیقت کے عین مطابق ہے تو اس صورت میں مذکورہ شخص مستحق زکوٰۃ ہے اور انہیں
زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

”فان كان من عليه الدين معسرا يجوز له اخذ الزكاة في اصح الاقاويل لانه

بمنزلة ابن السبيل.....“ (قاضی خان علی ہامش الہندیۃ: ۱/۱۶۶)

”فان كان من عليه الدين معسرا يجوز له اخذ الزكوة في اصح الاقاويل لانه بمنزلة ابن السبيل“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

سید کی بیٹیوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۷۲۵): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک سید بزرگ فوت ہو گئے ہیں، ان کی سات بیٹیاں ہیں اور بیٹا کوئی نہیں ہے، کیا ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

شرافت نسب کی وجہ سے سیدوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

”کتاب الزکوة، فہی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه لله تعالیٰ هذا فی الشرع کذا فی التبيين“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۷۰)

”و شرعا تمليک جزء مال عينه الشارح من مسلم فقير ولو معتوها غیر ہاشمی ولا مولاه الخ“..... (درمع الرد: ۲/۵)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

فلاحی اداروں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۲۸): کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ لاہور کا ایک فلاحی ادارہ ہے، جس کے زیر انتظام ہسپتال، مدارس وغیرہ چل رہے ہیں، اور ان ہسپتالوں میں غریبوں کا علاج مفت کیا جاتا ہے، جن کے اخراجات ہسپتال میں قائم زکوٰۃ فنڈ سے ادا کیے جاتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس صورت میں کیا کوئی شخص اپنی زکوٰۃ میں سے اس ہسپتال فنڈ میں عطیہ دے سکتا ہے؟ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ غریب غیر سید مسلمان کو بلا عوض مالک بنا کر دی جائے، لہذا اگر اس

زکوٰۃ سے صرف مستحق افراد کو دوا وغیرہ دی جاتی ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی، اور اگر اس روپے سے ہسپتال کے بستر اور مشین یا دیگر سامان خرید لیا جاتا ہو یا غیر مستحق افراد پر خرچ کرتے ہوں تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

”اماتفسیرھا فہی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ہاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه لله تعالیٰ ہذا فی الشرع کذا فی التبیین“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۷۰)

”ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحۃ کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینہ“..... (الدر المختار علی ہامش الرد: ۲/۶۸)

”قولہ نحو مسجد کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانہار والحج والجهاد وکل مال تملیک فیہ زیلعی“..... (فتاویٰ شامی: ۲/۶۸)

”ولا یجوز ان ینبئ بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانہار والحج والجهاد وکل مال تملیک فیہ ولا یجوز ان یکفن بہا میت ولا یقضى بہا دین المیت کذا فی التبیین“..... (فتاویٰ الہندیہ: ۱/۱۸۸)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

ایک مقروض شخص کو زکوٰۃ میں ڈیڑھ لاکھ روپے دینا:

مسئلہ نمبر (۵۲۹): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ پر ڈیڑھ لاکھ روپے قرض ہے، میرا ایک دوست ہے، اس کو حج کرنے کا بہت شوق ہے، لیکن بہت غریب ہے اور حج پر بھی جانا چاہتا ہے، میں نے ایک اٹل ثروت سے بات کی تو اس نے کہا کہ میرے پاس زکوٰۃ کا مال ہے، تو میں نے کہا کہ میں مقروض ہوں آپ مجھے ڈیڑھ لاکھ روپے زکوٰۃ میں سے دے دیں، میں اپنی طرف سے اس کو وہ پیسے حج کے لیے دے دوں گا بطور ہدیہ یا بطور قرض، اور اس نے مجھے ڈیڑھ لاکھ روپے دے دیے، تو کیا اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی؟ اور میں نے اس کو حج کے لیے بطور ہدیہ دے دیے تو کیا میرا یہ فعل جائز ہے؟ اور اس پر مجھے بھی حج کا اجر ملے گا یا نہیں؟ اور اگر بطور قرض دے اور اس نے حج کر لیا تو کیا میرا یہ فعل جائز ہے؟ اور اس نے واپس آکر وہ قرض ادا بھی کر دیا؟ اور اس قرض پر مجھے اجر ملے گا یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال مذکورہ شخص کا آپ کو بطور زکوٰۃ ڈیڑھ لاکھ روپے دینا جائز ہے، جب کہ آپ کی کل مالیت سے قرض زیادہ ہو، اور آپ مستحق زکوٰۃ بھی بنتے ہوں، کیونکہ مقروض کو زکوٰۃ کا مال دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

”ومنہا الغارم وهو من لزمہ دین ولا یملک نصاباً فاضلاً عن دینہ او کان لہ مال

علی الناس لا یمکنہ اخذہ کذا فی التبیین والدفع الی من علیہ الدین اولی من

الدفع الی الفقیر“..... (فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۸۸)

(۲) اگر آپ کا دائن راضی ہو تو اپنے غریب دوست کو بطور قرض ڈیڑھ لاکھ روپے برائے حج اخراجات دے سکتے ہیں، آپ کو تعاون علی البر کی وجہ سے ثواب ملے گا، لیکن اگر ہدیہ کر دیں تو یہ زیادہ بہتر ہے اور زیادہ ثواب کا کام ہے۔

”وشرائط صحتها فی الموهوب ان یکون مقبوضاً غیر مشاع ممیزاً

غیر مشغول کما سیتضح ورکنها هو الایجاب والقبول“..... (رد المحتار علی

در المختار: ۳/۵۶۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مجبور اور بے بس کو زکوٰۃ لینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۳۰): کیا فرماتے ہیں علماء حق بروئے شریعت اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے 18 سال قبل درس و تدریس کے لیے پرائیویٹ سکول بنایا تھا، اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ دیا ہوا تھا، زید نے اپنی تین بہنوں کی شادی کی اور اپنی بھی، 2001ء میں زید کو آنتوں کی تکلیف ہو گئی، جس کے لیے دو مرتبہ راولپنڈی میں آپریشن کروانا پڑا، اس میں زید کا تمام سرمایہ ختم ہو گیا اب زید 2001ء سے مسلسل بے کار ہے، گھر کے اخراجات اللہ تعالیٰ نہ جانے کہاں سے پورے کر رہا ہے، زید کی شہر میں سفید پوشی کا بھرم بھی ہے، اور عرصہ تیس برس سے شعبہ صحافت سے منسلک ہے، اب حقیقی حالات یہ ہیں کہ والدہ علیٰ علیہ ہیں، اور میں اور میری اہلیہ اور بہن اس کا حال ہی میں کینسر کا آپریشن ہوا ہے، چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار کھانا کھاتے ہیں، اور بچوں کو جن کی عمر سات سال اور پانچ سال ہے دن میں دو بار دودھ پلاتے ہیں، دونوں بچے حفظ قرآن کر رہے ہیں، زید کا چونکہ شہر میں ایک نام ہے اس لیے وہ اپنی جھوٹی انا کی خاطر گھر والوں کو فاقہ کرا سکتا ہے لیکن بچوں کا کیا کرے؟

کسی کے سامنے کہتے شرم آتی ہے سب آسودہ سمجھتے ہیں، آپ قرآن و سنت کی روشنی میں بتائیں کہ زید زکوٰۃ کا حقدار ہے یا نہیں؟ زید کے پاس ایک روپیہ بھی ذاتی نہیں ہے، جواب سے مستفید فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

زید اگر واقعی ایسا مجبور ہے کہ اس کے پاس سونا، چاندی، نقد روپیہ، اسباب تجارت اور ضرورت سے زائد کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سید بھی نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

”باب المصرف هو الفقير والمسكين وهو اسوا حالا من الفقير..... الفقير من له ادنى شيء والمسكين من لا شيء له..... والاولى ان يفسر الفقير بمن له دون النصاب كما في النقاية اخذا من قولهم يجوز دفع الزكوة الى من يملك مادون النصاب او قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة“
.....(البحر الرائق: ۲/۳۱۹)

”التصدق على الفقير العالم افضل من التصديق على الجاهل كذافي الزاهدي“.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۸۷)

”في المصارف منها الفقير وهو من له ادنى شيء وهو مادون النصاب او قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة“.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۸۷)
”ومنها المسكين وهو من لا شيء له فيحتاج الى المسئلة لقوته او ما يوارى بدنه ويحل له ذلك“.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۸۷)

”ويجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان صحيحا مكتسبا كذافي الزاهدي“.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۸۹)

”ولا يدفع الى بنى هاشم وهم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل حارث بن عبدالمطلب كذافي الهداية“.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۸۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

ہسپتالوں اور اداروں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۳۱): محترم جناب مفتی صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور

اس مسئلہ پر فتویٰ کی ضرورت ہے مدد فرمائی جائے۔

ہم چنیوٹ شیخ ایسوسی ایشن کی طرف سے زکوٰۃ فنڈ اکٹھا کرتے ہیں، جس کے لیے ایک آفس سیکرٹری ہے، اور میں میاں ہارون فنانس سیکرٹری کا عہدہ نبھاتا ہوں، میرا کام صرف حساب چیک کرنا اور فنڈ کی بانٹ کے لیے جو فیصلے صدر سیکرٹری حضرات کرتے ہیں ان کے لیے بینک چیک وغیرہ کو دستخط کرنا ہے۔

زکوٰۃ فنڈ کی بابت تین اداروں کے نام ہے۔

(۱) الحجاز ہسپتال، گلبرگ لاہور

(۲) گلاب دیوی ہسپتال لاہور

(۳) مدرسہ اقران گلگت

اور ایک فری ڈسپنری، چمڑہ منڈی لاہور (برائے خرچہ ادویات صرف) غریب اور حق دار برادری کی عورتوں (ذاتی اخراجات) اور بندوں کو برائے ضرورت بچی کی شادی وغیرہ کے لیے فردا فردا ادا کی جاتی ہے۔

(۱) کیا زکوٰۃ فنڈ کو اداروں کے نام دیا جاسکتا ہے؟

(۲) کیا فردا فردا مندرجہ بالا ضروریات کے لیے زکوٰۃ فنڈ میں سے رقم خرچ کی جاسکتی ہے؟

مہربانی فرما کر تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ کے لیے یہ شرط ہے کہ غریب مسلمان غیر سید کو بلا عوض مالک بنا کر دی جائے، لہذا اگر یہ ادارے صرف مستحق افراد پر خرچ کرتے ہوں خواہ دواء کی صورت میں ہو یا نقدی کی صورت میں تو ان کو دینا جائز ہے، اور اگر ہسپتال وغیرہ کی تعمیر و مرمت یا اس کے فرنیچر، بیڈ مشینری یا ڈاکٹروں کی تنخواہ و فیس وغیرہ میں لگاتے ہوں تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ اس میں تملیک نہیں ہوتی بلکہ یہ چیزیں ہسپتال کے لیے وقف ہوتی ہیں، اور یہی حال مدرسہ کا ہوگا اس میں بھی مستحق طلبہ پر مالک بنا کر خرچ کیا جانا ضروری ہے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

نوٹ: اس جواب کے ساتھ حوالہ جات نہیں ہیں مناسب حوالہ جات دوسرے جوابات سے اس کے ساتھ لگا دیے جائیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مقرض آدمی کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۳۲): محترم و مکرم جناب حضرت مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں۔

میرا نام محمد فاروق ولد عبدالوہاب ہے، میری ماہوار آمدن تقریباً 4800 ہے، اور میرا مکان کرایہ پر ہے، اور زیور ایک تولہ بھی نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی وراثت میں چیز ہے، میرے گھریلو سامان میں مہنگا صرف ایئر کولر اور واشنگ مشین ہے، ہم 2 میاں بیوی اور 4 بچے ہیں، 3 بچے سکول پڑھتے ہیں سب سے چھوٹا بچہ معذور اور بیمار رہتا ہے، مکان کا کرایہ بمع بل مبلغ 1500 روپے ہے، اور بچوں کے سکول کا خرچ تقریباً 500 روپے ہے، اور مجھ پر تقریباً 45000 روپے قرض ہے جو کہ چھوٹے بچے کے بیمار ہونے کی وجہ سے مجھ پر قرض ہو گیا ہے اور میں اب ایک پانچ مرلے کاپلاٹ لینا چاہتا ہوں جس کی قیمت تقریباً 75000 روپے ہے، اور کچھ لوگ میری مدد کرنا چاہتے ہیں بطریق زکوٰۃ، اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ ان پیسوں سے میں قرض اتاروں یا پلاٹ کا ایڈوانس دے دوں یا دونوں میں سے جہاں چاہوں استعمال کر لوں اور آیا کہ اس صورت میں مجھے زکوٰۃ لگتی بھی ہے یا کہ نہیں؟

الجواب باسم الملك الوہاب

صورت مسئلہ میں مذکورہ شخص مستحق زکوٰۃ ہے۔

”وفی شرح التوہب مصرف الزکوٰۃ والعشر هو فقیر وهو من له ادنی شیء ای دون نصاب او قدر نصاب غیر تام مستغرق فی الحاجة و مسکین لاشیء له“ (۲/۶۳).

دونوں جگہ اس مال کو استعمال کر سکتے ہیں مگر قرض ادا کرنا اولیٰ ہے۔

”باب المصرف ای مصرف الزکوٰۃ والعشر..... هو فقیر وهو من له ادنی شیء ای دون نصاب او قدر نصاب غیر تام مستغرق فی الحاجة و مسکین من لاشیء له“ (درمع الرد: ۲/۶۳)

”ویجوز دفعها الی من یملك اقل من النصاب وان کان صحیحاً مکتسباً“

.....(فتاویٰ الہندیۃ: ۱/۱۸۹)

”للمالك ان يتصرف فی ملكه ای تصرف شاء“.....(بدائع الصنائع :

۵/۳۹۳)

”سنل ابو حفص الکبیر عن یعطی الزکوٰۃ الی الفقراء احب الی من دینہ

لیقضی دینہ؟ قال الی من علیہ دین لیقضی دینہ“.....(فتاویٰ التاتارخانیۃ:

۳/۲۲۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تیس ہزار روپے کے مقروض کو زکوٰۃ دینا جائز ہے:

مسئلہ نمبر (۵۳۳): بحمدت جناب مفتی صاحب

گزارش ہے کہ شریعت کے لحاظ سے صورت احوال یہ ہے کہ تین آدمی ایک گھر کے کمانے والے ہیں جن کی ٹوٹل آمدن 8000 روپے ہے، جس سے گھر کے اخراجات نہایت مشکل سے پورے ہو رہے ہیں مگر تینوں آدمیوں کی آمدن مستقل نہیں ہے جس ماہ ایک فرد کی مزدوری کم ہو جاتی ہے تو گھر کے اخراجات بدستور موجود رہتے ہیں اسی طرح وہ آدمی مبلغ 30000 روپے کا مقروض ہو چکا ہے، ان حالات میں وہ آدمی زکوٰۃ و صدقات و فطرانہ کا حق دار ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فیصلہ ارشاد فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں اگر مذکورہ شخص قرض کی وجہ سے صاحب نصاب نہیں رہتا ہے اور مستحق بنتا ہے اور سید بھی

نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

”فان كان من عليه الدين معسرا يجوز له اخذ الزکوٰۃ فی اصح الاقاويل“

.....(البحر الرائق: ۲/۳۲۰)

”(الباب السابع فی المصارف) ومنها الغارم وهو من لزمه دين ولا يملك نصاباً

فاضلا عن دینہ او كان له مال على الناس لا يمكنه اخذہ كذا فی التبيين والدفع

لی من علیہ الدین اولی من الدفع الی الفقیر کذا فی المصمرا ت..... (فتاویٰ
الہندیہ: ۱/۱۸۸)

”قولہ وبنی ہاشم وموالیہم ای لایجوز الدفع لہم لحدیث البخاری نحن اہل
بیت لاتحل لنا الصدقۃ“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مقروض غیر سید کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں:

مسئلہ نمبر (۵۳۳): محترمی وکرمی مفتی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم کے بعد بندہ رقم طراز ہے کہ ایک آدمی کی ایک دوکان تھی جو معاشی بد حالی کی وجہ سے دیوالیہ کی
شکل اختیار کر چکی ہے کنبہ کے سات افراد ہیں، بچوں کی کفالت اور مکان کا کرایہ بمسئقل دو تین لڑکوں کی قلیل محنت سے
پورا ہو رہا ہے نتیجہ یہ ہے کہ آدمی قرضہ کے بوجھ سے لد چکا ہے، ایام رفتہ میں اس نے کسی طرح ایک تین چار مرلہ کا
پلاٹ خریدا تھا جس پر غربت و عسرت کی بناء پر چھت بھی ڈالنے سے قاصر ہے، علاوہ ازیں اس کے موجودہ اثاثہ میں
ایک پرانا شکتہ حالت میں سکور ہے اور گھر میں زیور نہیں ہے، ہاں ضرورت کے برتن وغیرہ موجود ہیں، کیا ایسا پریشان
حال اور مصیبت زدہ انسان موجودہ کمر توڑ اور ہوش رہا مہنگائی کے دور میں شریعت مطہرہ کی رو سے زکوٰۃ کا مستحق ہے
یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اگر واقعی یہ شخص مقروض ہے اور سید نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

”هو الفقير والمسكين وهو اسوا حالا من الفقير والعامل والمكاتب والمديون
قوله المديون اطلقه القدوري وقيده في الكافي بان لا يملك نصابا فاضلا عن
دينه لانه المراد بالغارم في الآية وهو في اللغة من عليه دين ولا يجد قضاء
كما ذكر القتيبي..... وفي الفتاوى الظهيرية والدفع الی من علیہ الدین اولی من
الدفع الی الفقیر“..... (کنز مع البحر الرائق: ۲/۳۲۲)

”وكره اعطاء فقير نصابا او اكثر الا اذا كان المدفوع اليه مديونا او كان

صاحب عیال بحيث لو فرقه عليهم لا يخص كلا او لا يفضل بعد دينه نصاب
فلا يكره..... (در علی الرد: ۲/۷۴)

”ويجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان صحيحا مكتسبا
كذافي الزاهدي“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۹)

”ولا تدفع الى بنى هاشم لقوله عليه السلام يا بنى هاشم ان الله تعالى حرم
عليكم غسالة الناس و اوساخهم“..... (هدايه: ۱/۲۲۳)

”وبنى هاشم وهم آل علي وعباس وجعفر وعقيل والحارث بن عبدالمطلب
ومواليهم اي معتقى هؤلاء ووالى ذمي“..... (شرح الوقاية: ۲/۲۹۹)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

زکوٰۃ کی رقم تعمیر و مرمت پر لگانا جائز نہیں ہے:

مسئلہ نمبر (۵۳۵): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں مسجد سے علیحدہ بلڈنگ جس میں بچے
بچیاں قرآن پاک حفظ و ناظرہ پڑھتے ہیں غیر مقامی طلباء بھی نہیں ہیں لنگر وغیرہ کا انتظام بھی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی
نادار بچہ پڑھتا ہے، کیا اس بلڈنگ کی مرمت وغیرہ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ ہو سکتی ہے؟ چونکہ وہ بلڈنگ صرف اور صرف
قرآن پاک کی تعلیم کے لیے ہی خصوصی طور پر استعمال میں ہے، برائے مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح
طور پر لکھ دیں، آپ کی مہربانی ہوگی۔

الجواب باسم الملك الوهاب

زکوٰۃ میں یہ شرط ہے کہ غریب مسلمان غیر سید کو بلا عوض مالک بنا کر دی جائے، جب کہ عمارت وقف ہے
اس کا کوئی مالک نہیں ہے لہذا تعمیر و مرمت پر لگانا جائز نہیں ہے۔

”هي تملك المال بغير عوض من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولا بشرط

قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى“..... (كنز الدقائق:

۶۹، مکتبہ رحمانیہ)

”ولا يجوز ان يبنى بالزكوة المسجد وكذا القناطر والسقايات واصلاح

الطرقات و كرى الانهار والحج والجهاد وكل مال تملك فيه..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۸)

”لا يصرف الى بناء نحو مسجد قوله نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات واصلاح الطرق و كرى الانهار والحج والجهاد وكل مال تملك فيه زيلعى“..... (الدرمع الرد: ۲/۶۸)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

جس شخص کی کوئی آمدن نہ ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے:

مسئلہ نمبر (۵۳۶): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا کوئی ایسا غریب آدمی ہو یا بیوہ یا معذور انسان زکوٰۃ کا مستحق ہو سکتا ہے جس کا چھوٹا سا ذاتی مکان ہو یعنی سر چھپانے کی جگہ ہو لیکن اپنی اور اہل و عیال کی گزراوقات کے لیے کوئی آمدنی نہ ہو؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر شخص مذکورہ مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے اور مستحق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سید نہ ہو اور ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار سامان تجارت ضرورت سے زائد نہ ہو۔

”ذکر ابن محمد اذا كان لرجل دار تساوى عشرة آلاف درهم لجودة موضعه وقربه من السوق وليس فيها فضل عن سكناه ما يساوى مائتى درهم قال تحل له الزكوة“..... (فتاوى التاتارخانية: ۳/۲۱۵)

”ولا يجوز دفع الزكوة الى من يملك نصابا اى مال كان دنائير او دراهم او سوائم او عروضاً للتجارة او لغير التجارة فاضلا عن حاجته فى جميع السنة هكذا فى الزاهدى..... ويجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان صحيحا مكتسبا كذا فى الزاهدى..... ولا يدفع الى بنى هاشم“..... (فتاوى

الهندية: ۱/۱۸۹)

”قوله وبنی ہاشم وموالیہم ای لایجوز الدفع لہم لحديث البخاری نحن اهل بیت لاتحل لنا الصدقة“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆☆☆

امام مسجد کو تنخواہ میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے:

مسئلہ نمبر (۵۳۷): محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مسجد کے امام کو تنخواہ کے طور پر عشر یا زکوٰۃ کے پیسے دیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کسی کی پچاس ہزار روپیہ سالانہ زکوٰۃ ہو اور ماہانہ امام کو تین ہزار روپے دے دیا کریں تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مسئلہ میں امام صاحب کو زکوٰۃ کے مال میں سے ماہانہ تنخواہ ادا نہیں کر سکتے البتہ غیر معین مقدار بطور امداد دے سکتے ہیں، بشرطیکہ امام مسجد مستحق ہوں۔

”ولو دفعها المعلم لخليفته ان كان بحيث يعمل له لم يعطه صحح والا لا قوله

والالا ای لان المدفوع يكون بمنزلة العوض“..... (فتاویٰ شامی: ۲/۷۷)

”ولو دفع الزكوة الى صبيان اقربائه برسم العبد او الى ميسر يشره او الى من

يهدى اليه باكورة لايساوى شيئا يجوز عن الزكوة الا اذ انص على التعويض

وكذلك صدقة الفطر والصدقات المنذورة في اليتيمية سئل عن معلم له

خليفة في المكتب يعلم الصبيان ويحفظهم ويكتب الواحهم ولم يستاجرهم

بشيء معلوم وما اشترط شيئا والمعلم يعطه في الاحالين دراهم بنية الزكوة

هل يجوز عن زكوة نعم الا ان يكون بحيث لو لم يعطه لم يعمل له ذلك في

مكتبه“..... (فتاویٰ التاتارخانية: ۳/۲۱۸)

”ولو نوى الزكوة بما يدفع المعلم الى الخليفة ولم يستاجرهم ان كان الخليفة

بمال لو لم يدفعه يعلم الصبيان ايضا جزأه والافلا وكذا ما يدفعه الى الخدم من

الرجال والنساء في الاعياد وغيرها بنية الزكوة كذافي معراج الدراية“
.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۹۰)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تندرست غریب آدمی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے:

مسئلہ نمبر (۵۳۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے جو غریب ہو لیکن صحیح سالم ہو اور کام کاج کر سکتا ہو۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال مذکورہ شخص کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ مسلمان ہو اور سید نہ ہو۔

”ولا يجوز دفع الزكوة الى من يملك نصابا من اى مال كان ويجوز دفعها الى من يملك اقل من ذلك وان كان صحيحا مکتسبا لانه فقير والفقراء هم المصارف“.....(الهدایہ: ۱/۲۲۳)

”واما اهل الذمة فلا يجوز صرف الزكوة اليهم بالاتفاق“.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۸۸)

”ولا يدفع الى بنى هاشم“.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۸۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

ہمسایہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۳۹): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک ہمسایہ ہے وہ کوئی کاروبار نہیں کرتا اس کا ایک بچہ زمینداری کرتا ہے، کیا اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر ہمسایہ کے پاس بقدر نصاب مال موجود نہیں ہے تو ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ وہ سید نہ ہو۔

”ويجوز دفعها الى من يملك اقل من النصاب وان كان صحيحا مکتسبا“.....(فتاوى الهندية: ۱/۱۸۹)

”کذا لو كان معيلا جاز ان يعطى له مقدار مالو وزع على عياله يصيب كل واحد

منهم دون المائتين“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۸)

”الفقير من له قوت يومه و عياله او يقدر على كسب ما ينفق على نفسه و عياله

تحل له الزكوة ولا يحل له السؤال“..... (فتاوى التاتارخانية: ۲/۲۰۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کھیتی باڑی کرنے والے کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۴۰): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ایک سالی ہے ان کے بچے ہیں

خاوند کھیتی باڑی کرتے ہیں لیکن وہ اتنے خوشحال نہیں ہیں کیا ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر آپ کی سالی کے پاس بقدر نصاب مال موجود نہیں ہے تو ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

”ويجوز دفعها الي من يملك اقل من النصاب وان كان صحيحا

مكتسبا“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۹)

”كذا لو كان معيلا جاز ان يعطى له مقدار مالو وزع على عياله يصيب كل

واحد منهم دون المائتين“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۸)

”الفقير من له قوت يومه و عياله او يقدر على كسب ما ينفق على نفسه و عياله

تحل له الزكوة ولا يحل له السؤال“..... (فتاوى التاتارخانية: ۲/۲۰۱)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۴۱): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی سوتیلی ماں بہت غریب

ہے جس کی کوئی اولاد نہیں ہے تو کیا یہ شخص اپنی اس سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں یہ شخص اپنی سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

”ویجوز دفع الزکوٰۃ الی من سوی الوالدین والمولودین من الاقارب ومن
الاخوة والاخوات لانقطاع منافع الاملاک بینهم“.....(بدائع الصنائع:
۲/۱۶۲)

”ویجوز دفعها لزوجہ ابیہ وابنہ“.....(ردالمحتار: ۲/۳۳۶)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

کیا وکیل زکوٰۃ کی رقم اپنی بیوی کو دے سکتا ہے؟

مسئلہ نمبر (۵۴۲): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں ایک آدمی نے زکوٰۃ
کی رقم دوسرے آدمی کو دی کہ یہ رقم مساکین میں تقسیم کر دیں، وہ آدمی خود صاحب نصاب ہے لیکن اس کی بیوی مسکین
ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ آدمی اس زکوٰۃ کی رقم میں سے اپنی مسکین بیوی کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال صورت مسئلہ میں یہ آدمی اس کی دی ہوئی زکوٰۃ کی رقم سے اپنی بیوی کو دے سکتا ہے۔

”وللوکیل ان یدفع لولده الفقیر وزوجته لالنفسه قوله وزوجته ای
الفقیر“.....(الدرمع الرد: ۲/۱۲)

”وفی الجامع الصغیر سنل الشیخ الامام ابو حفص عن دفع زکاۃ مالہ الی
رجل وامران یتصدق بہا فاعطی ولدہ لنفسہ الکبیر والصغیر او امرأته
هو محایج وفی الخانیۃ ولا یمسک لنفسہ شیئا جاز“.....(التاثر خانیۃ:
۲/۲۱۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مقروض کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۴۳): کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے کچھ عرصہ پہلے اپنے اور گھر والوں
کی ضرورت کے لیے ایک گاڑی خریدی ہے جس کی وجہ سے مجھ پر ۲۵ ہزار روپے قرضہ ہو گیا میرے پاس ایک

عدر کمپیوٹر بھی اپنی ضرورت کے لیے موجود ہے، میرے بہن بھائی مجھے زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں تاکہ میں اپنا قرض اتار سکوں، کیا میرے لیے زکوٰۃ لینا درست ہے اور میرے پاس کوئی سونا چاندی وغیرہ بھی نہیں ہے؟

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مذکورہ میں اس مقروض آدمی کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے، بشرطیکہ ان کے پاس ضرورت سے زائد اشیاء ٹی، دی وغیرہ اتنی مقدار میں نہ ہوں کہ جس کی قیمت سے قرض اتارنے کے بعد بقدر نصاب باقی رہے۔

”ومنها الغارم وهو من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه او كان له مال

على الناس لا يمكنه اخذه كذافي التبيين والدفع الى من عليه الدين اولى من

الدفع الى الفقير كذافي المضمرة“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۸)

”والمديون اطلقه كالفقير وقيدته في الكافي بان لا يملك نصابا فاضلا عن

دينه لانه المراد بالغارم في الآية وهو في اللغة من عليه دين ولا يجد قضاء

كما ذكره القتيبي وانما قيدته المصنف لان الفقر شرط في الاصناف كلها

الا العامل وابن السبيل اذا كان له في وطنه مال بمنزلة الفقير وفي الفتاوى

الظهيرية والدفع الى من عليه الدين اولى من الدفع الى الفقير“.....

(البحر الرائق: ۲/۲۲۲)

والله تعالى اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

مال زکوٰۃ سے جلسہ منعقد کروانے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۴۴): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی رقم سے کسی جلسہ یا دعوتی مجلس

کا اہتمام کیا جائے اور واعظ کے لیے مدعو کو کرایہ اور وظیفہ و ہدیہ دیا جائے اور حاضرین مجلس کے لیے طعام وغیرہ اکرام کا

انتظام کیا جائے تو یہ شرعاً کیسا ہے؟ اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

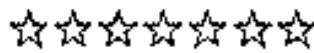
مال زکوٰۃ کا کسی مستحق کو بلا عوض و منفعت مالک بنانا ضروری ہے لہذا مال زکوٰۃ سے جلسہ منعقد کرنے

اور حاضرین کو کھانا کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، آنے والے مہمانوں کو کرایہ یا ہدیہ مال زکوٰۃ سے دے سکتے ہیں بشرطیکہ

وہ مستحق بھی ہو اور کسی وعظ وغیرہ کے عوض میں بھی نہ ہو۔

”ویشترط ان يكون الصرف تمليكا لا باحة كما مر لا يصرف الى بناء
 نحو مسجد ولا الى كفن ميت اه (قوله تمليكا) فلا يكفي فيه الاطعام الا بطريق
 التمليك ولو اطعمه عنده نأويا الزكوة لا تكفي“..... (رد المحتار: ۲/۲۸)
 ”الزكوة هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع
 المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى“..... (كنز على البحر الرائق:
 ۲/۳۵۲)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



سسر کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۳۵): کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے سسر میرے سگے تایا جان ہیں،
 ان کی عمر ۹۰ سال ہے، ان کے پاس کوئی جائیداد، مال، ذاتی گھر، زیور وغیرہ نہیں ہے، ان کی اولاد سب ماشاء اللہ اپنے
 اپنے گھروں میں خوشحال ہیں، میرے سسر اپنے مرحوم بیٹے کے گھر میں رہتے ہیں، جہاں ایک بیوہ اور تین بچے ہیں،
 ایک بچہ کہیں ملازم ہے اور دو بچے زیر تعلیم ہیں، میرے سسر کی ماہانہ پنشن 6044 روپے ہیں، گھر کی بیوہ بہو کی پنشن
 4000 روپے ہے، میرے سسر اپنی پنشن چند دنوں میں گھریلو اخراجات وغیرہ میں خرچ کر دیتے ہیں۔
 مندرجہ بالا صورت حال کے پیش نظر میرے سوالات یہ ہیں کہ

- (۱) کیا میرا سسر زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے؟
- (۲) کیا میں اپنے سسر کو یعنی تایا جان کو زکوٰۃ دے سکتی ہوں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

اگر خسر موصوف کا پنشن کی رقم میں گزر بسر مشکل ہو رہا ہے اور ان کے پاس کوئی سونا چاندی وغیرہ بھی نہیں
 ہے اور نہ ہی کوئی پلاٹ وغیرہ خرید اہوا ہے تو ان کو آپ اپنی زکوٰۃ کی رقم دے سکتی ہیں، بشرطیکہ خسر موصوف سید بھی
 نہ ہوں، لیکن اپنے شوہر کے مال کی زکوٰۃ خسر کو دینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اولاد اپنے والدین کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔

”قوله ولا الى من بينهما ولاد..... وقيد بالولادة لجوازه لبقية الاقارب كالاخوة
 والاعمام والاحوال الفقراء بل هم اولى لانه صلة وصدقة“..... (الدرمع
 الرد: ۲/۲۹)

”يجوز دفع الزكوة الى من يملك مادون النصاب او قدر نصاب غير نام
 وهو مستغرق في الحاجة“..... (البحر الرائق: ۲/۳۱۹)
 ”قوله وبني هاشم ومواليهم اى لا يجوز الدفع لهم لحديث البخارى نحن اهل
 بيت لا تحل لنا الصدقة“..... (البحر الرائق: ۲/۳۲۹)
 ”ويجوز صرفها الى الاب المعسر وان كان ابنه موسرا“..... (فتاوى
 الهندية: ۱/۱۸۹)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

تنخواہ کے علاوہ فقیر امام کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں:

مسئلہ نمبر (۵۳۶): حضرت مفتی صاحب عرض یہ ہے کہ بندہ ایک امامت کرتا ہے یہ بہت غریب آدمی ہے
 2000 روپے تنخواہ لیتا ہے جس سے گذران مشکل ہوتا ہے، تو کیا ایسا آدمی زکوٰۃ صدقات خیرات وصول کر سکتا ہے
 یا نہیں؟ اور کیا زکوٰۃ صدقات خیرات کے لینے سے نماز کی صحت پر کچھ اثر ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب باسم الملك الوهاب

بشرط صحت سوال اصل میں تنخواہ الگ مقرر ہے، چاہے 2000 ہی کیوں نہ ہو، امام صاحب چونکہ ایک فقیر
 آدمی ہے، لہذا تنخواہ کے علاوہ امام صاحب کو زکوٰۃ وغیرہ لینا جائز ہے، اور اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

”منها الفقير وهو من له ادنى شيء وهو مادون النصاب او قدر النصاب غير نام
 وهو مستغرق في الحاجة“..... (فتاوى الهندية: ۱/۱۸۷)
 ”التصدق على الفقير العالم افضل من التصديق على الجاهل“..... (فتاوى
 الهندية: ۱/۱۸۷)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

بدعتی حضرات کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

مسئلہ نمبر (۵۳۷): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں بدعتی حضرات

اکثریت میں ہیں، تو ہم اگر ان کو زکوٰۃ دیں تو کیا حکم ہے؟ جب کہ وہ ہمارے مدرسے یا مسجد میں صرف اس وجہ سے امداد نہیں کرتے کہ یہ وہابیوں کی مسجد اور مدرسہ ہے، راہنمائی فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب باسم الملك الوهاب

بدعتی بھی مسلمان تو ہوتا ہے اور زکوٰۃ وغیرہ ہر مستحق مسلمان کو دے سکتے ہیں۔

”قوله تعالى انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها الآية“

.....(التوبة):

”مصرف الزکوٰۃ والعشر..... هو فقير وهو من له ادنى شيء ومسكين وهو من

لا شيء له وعامل الخ“.....(الدر على الرد: ۲/۶۳)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

طلبہ کی طرف سے مہتمم کا وکیل بننے کی شرعی حیثیت:

مسئلہ نمبر (۵۳۸): کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مدرسہ والے یعنی مہتمم اور ناظم وغیرہ طلباء مدرسہ کی طرف سے وکیل کی حیثیت سے ضرورت کے وقت زکوٰۃ کی رقم کیا مدرسہ کی تعمیر یا مدرسہ کے لیے جگہ خریدنے پر خرچ کر سکتے ہیں؟ مدلل وضاحت فرمائیں، جزاکم اللہ احسن الجزاء

الجواب باسم الملك الوهاب

صورت مرقومہ کے بارے میں اکابر کے تمام تر فتاویٰ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد بھی احقر کے ذہن میں چند ایسے مسائل گردش کر رہے ہیں کہ جس کی وجہ سے مہتمم حضرات کو فقراء طلبہ کا وکیل کہنا صحیح اور درست نہیں۔

۱۔ مؤکل اپنے وکیل کو جب اور جیسے چاہے معزول کر سکتا ہے، جبکہ طلبہ مہتمم مدرسہ کو وکالت سے معزول نہیں کر سکتے۔

”قال: (وللمؤکل أن يعزل الوكيل عن الوكالة) لأن الوكالة حقه فله أن يبطله

إلا إذا علق به حق الغير بأن كان وكيلا بالخصومة بطلب من جهة الطالب

لمنافيه من إبطال حق الغير“.....(فتح القدير: ۱۳۸/۷)

۲۔ مؤکل کے انتقال کے بعد اس کا مال لامحالہ اس کے ورثاء کی ملکیت میں داخل ہوتا ہے، جبکہ مدرسہ میں مہتمم کے پاس طلبہ کے مال پر ان کے ورثاء کی ملکیت تسلیم نہیں کی جاتی۔

۳۔ جب مدرسہ میں اتنی رقم جمع ہو جائے کہ مجموعہ طلبہ پر تقسیم کرنے سے ہر شخص کا حصہ بقدر نصاب ہو جائے، تو اس کے بعد مہتمم کے لیے کسی سے مزید رقم مدرسہ کے لیے لینا جائز نہ رہے گا، بلکہ حوالان حول کے بعد ہر طالب علم پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی، اور زکوٰۃ دینے والے کو اس کا علم ہونے کے باوجود اگر اس نے زکوٰۃ دی تو ان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

”ولو خلط زکوٰۃ مؤکلیہ ضمن وکان متبرعا لإیذا وکلہ الفقراء، قال صاحب ردالمحتار: تحت قوله: (ایذا وکلہ الفقراء) لأنه کلمة قبض شیئا مملوکہ وصار خالطا مالہم بعضہ ببعض ووقع الزکوٰۃ عن الدافع لکن بشرط أن لا یبلغ المال الذی یدالو کیل نصابا، فلو بلغه وعلیم به الدافع لم یجزه إذا کان الأخذ وکیلا عن الفقیر کما فی البحر عن الظہیریة. قلت: وهذا إذا کان الفقیر واحداً، فلو کانوا متعدداً لا بد أن یبلغ لكل واحد نصابا، لأن مافی یدالو کیل مشترک بینہم، فإذا کانوا ثلاثة و مافی یدالو کیل بلغ نصابین لم یصیروا أغنیاء فتجزئ الزکوٰۃ عن الدافع بعده إلی أن یبلغ ثلاثة أنصباء إلا إذا کان وکیلا عن کل واحد بانفراده فحینئذ یعتبر لكل واحد نصابه علی حدة و لیس له الخلط بلائذینهم فلو خلط أجزاء عن الدافعیین وضمن للمؤکلیین، وأما إذا لم یکن الأخذ وکیلا عنهم فتجزئ وان بلغ المقبوض نصابا کثیرة لأنهم لم یملکوا شیئا مافی یدہ“..... (ردالمحتار: ۲/۱۲)

۴۔ مؤکل اپنے وکیل سے اپنے مال کا مطالبہ کر کے بہر صورت وصول کر سکتا ہے، جبکہ طلبہ مہتمم مدرسہ سے اپنے حصہ کی رقم نہیں لے سکتے اور نہ وہ دینے کو تیار ہے۔

۵۔ حکومت وقت اموال زکوٰۃ کو غیر مصرف میں صرف کرنے کی مجاز نہیں، حالانکہ اس کو ولایت عامہ اور ولایت تامہ حاصل ہوتی ہے، چہ جائیکہ مدارس مہتمم حضرات اموال زکوٰۃ کو غیر مصرف میں صرف کریں، جبکہ ان کو ولایت عامہ اور تامہ بھی حاصل نہیں۔

”قال صاحب ردالمحتار: تحت قوله (بیوت المال أربعة) أن علی الامام أن یجعل لكل نوع بیتا یخصه..... وقال الشرنبلالی فی رسالته ذکر و أنه یجب علیہ أن یجعل لكل نوع منها بیتا یخصه ولا یخلط بعضہ ببعض، وأنه إذا احتاج إلی مصرف خزانة و لیس فیہا مافی بہ یتقرض من خزانة غیر ہائم إذا حصل لتسی استقرض لہا مال یرد إلی المستقرض منها إلا أن یكون المصروف من

الصدقات أو خمس الغنائم على أهل الخراج وهم فقراء فبانه لا ير دشيئالا مستحقاقهم للصدقات بالفقراء وكذا في غيره إذا صرفه إلى المستحق..... الخ..... (ردالمحتار: ۲/۲۳) وكذا في (الهنديّة: ۱/۱۹۰)

۶۔ اور جو رقم یہ کہہ کر دی جائے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے اس کو مستحقین طلبہ وغیرہ میں صرف کر دیا جائے، اس میں متولی کے قبض کرنے سے ملک معطی زائل نہ ہوگی، بلکہ تقسیم علی الفقراء سے ملک زائل ہو جائے گی، اور باہم اموال زکوٰۃ کے خلط سے وکیل ضامن ہوگا۔

”لأن الخلط استهلاك (إذا لم يمكن تمييزه عند أبي حنيفة“..... (الدرم

الر: ۲/۲۷)

اب اگر یہ خلط اجازت کے ساتھ ہوا ہے تب تو متولی ضامن نہ ہوگا، اور اس کا بعد میں زکوٰۃ ادا کرنا ایسا ہوگا جیسا کہ کسی کے امر سے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے، کہ اس صورت میں اداء غیر سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، تبرع فی الأداء نہ ہوگا، اور اگر بغیر اجازت خلط کیا ہے تو ضامن ہوگا، اب اگر قبل اداء اذن ہو گیا تب بھی ضامن نہیں ورنہ اس کا تبرع ہے اور ضمان اس پر باقی ہے۔

”قوله (وكان متبرعا) لأنه ملكه بالخلط وصار مؤديا مال نفسه، قال في التارخانية إلا إذا وجد الإذن أو أجاز المالكان أو أجاز قبل الدفع إلى الفقير لمافي البحر، لو أدى زكوة غيره بغير أمره فبلغه فأجاز لم يجز لأنها وجدت نفاذا على المتصدق لأنها ملكه ولم يصر نائبا عن غيره فنفذت عليه اهلكن قد يقال تجزى عن الأمر مطلقا لبقاء الإذن بالدفع اه“..... (ردالمحتار: ۲/۲۷)

بہر حال اس مسئلہ میں جتنا غور و فکر کریں گے اس میں اور بھی شرعی اشکالات برہیں گے، لہذا اس سوال زکوٰۃ کو مدرسہ میں موجود طلبہ پر تقسیم کر کے ان کو اس مال کا حقیقی مالک بنایا جائے، اور پھر ان سے تعلیمی فیس، رہائشی فیس، اور کھانے وغیرہ کی فیس کی صورت میں واپس لے سکتے ہیں، جس سے پھر مدرسہ کا نظام آسانی سے چلایا جاسکتا ہے، اور جس مصرف میں چاہے خرچ کر لیں، اور یہی طریقہ ہمارے اکابر میں مروج تھا جو آجکل ناپید ہو رہا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جلد پنجم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مکمل ہوئی، چھٹی جلد انشاء اللہ بہت جلد چھپ کر منظر عام پر آرہی ہے۔
یہ جلد حاضر خدمت، اگلی جلد بہت جلد